URDU SOFT BOOKS
DOWNLOAD URDU PDF BOOKS AND ALL MONTHLY DIGESTS
WWW.URDUSOFTBOOKS.COM

نہایت اہم التماس

قارئین انتظار کے لیے معذرت خواہ ہیں لیکن آپ بخوبی واقف ہیں کے دُنیا میں ہر کوئی اپنے کاروبار کے لیے محنت کرتا ہے تا کہ منافع حاصل کر سکے لیکن اگر ہماری وجہ سے کسی کے کاروبار کو نقصان کا اندیشہ ہو تو ہمیں جان بوجھ کر ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ دیکھیں ہر ڈائجسٹ کے پبلشر بہت محنت کے ساتھ ہر مہینے ڈائجسٹ شائع کرتے ہیں تا کہ وہ مارکیٹ میں فروخت ہو سکے اور اُن کو منافع حاصل ہو سکے لیکن آج کے اس انٹرنیٹ دور میں جب وہی ڈائجسٹ یا رسالہ مارکیٹ میں پوری طرح آنے سے قبل ہی آن لائن پی ڈی ایف میں مل جائے تو مارکیٹ سے خریداری بہت کم رہ جاتی ہے جس کی وجہ سے پبلشر کا بہت نقصان ہوتا۔ لہذا اس سارے معاملے کو خاطر میں رکھتے ہوئے urdusoftbooks.com کی انتظامیہ نے یہ فیصلہ کیا ہے کے آئندہ ماہ سے کوئی بھی ڈائجسٹ رواں مہینہ کی **30** تاریخ سے پہلے Upload نہیں کیا جائے گا تا کہ پبلشرز کا نقصان نہ ہو۔

خوشخبری

انشااللہ آئندہ urdusoftbooks.com پر تمام ڈائجسٹ بغیر واٹر مارک کے Upload ہوا کریں گے تا کہ قارعین کو پڑھنے میں دکت کا سامنا نہ کرنا پڑے

قارئین سے مزید درخواست ہے کہ urdusoftbooks.com کے لیے اپنے ویب براؤزر سے Adblocker ڈس ایبل کر دیں تا کہ ویب سائٹ پر سپانسر اشتہارات نظر آسکیں اور ویب سائٹ کو تھوڑی سی آمدن ہو سکے انہی سپانسر اشتہارات کی آمدن سے ویب سائٹ کے ماہانہ اخراجات پورے کیے جاتے ہیں لہذا آپ کا تھوڑا سا تعاون urdusoftbooks.com کو مستقل آن لائن رکھنے میں بہت مدد گار ثابت ہوگا۔ شُکریہ

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com
URDUSOFTBOOKS.COM

بہنوں کا اپنا ماہنامہ

شعاع

بانی و مدیر اعلیٰ — محمود ریاض
مدیرہ — رضیہ جمیل
مدیر منتظم — آذر ریاض
مدیر اعزازی — امت الصبور
فلم/ٹی وی — شاہین رشید
اشتہارات — خالدہ جیلانی
قانونی مشیر — نورالدین سرکی اینڈ کمپنی
ایڈووکیٹس اینڈ لیگل کونسلرز

خط و کتابت کا پتہ
ماہنامہ شعاع
37 - اردو بازار کراچی

زر سالانہ بذریعہ رجسٹری
پاکستان (سالانہ) ---- 700 روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ ---- 6000 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا --- 7000 روپے

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپر ایڈیٹرز
MEMBER
APNS
CPNE

URDUSOFTBOOKS.COM
URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

Download These Beautiful PDF Books

Click on Titles to Download

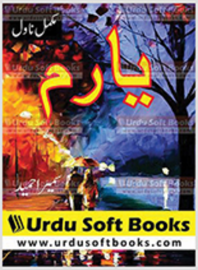

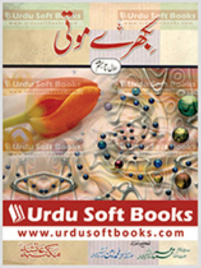

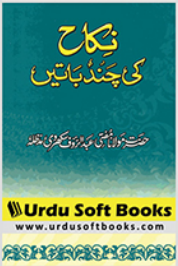

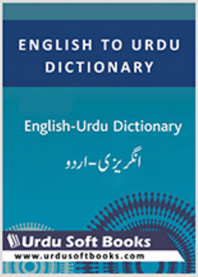

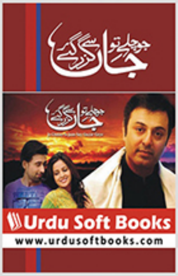

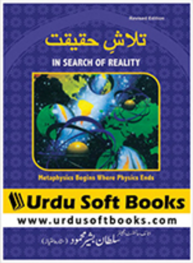

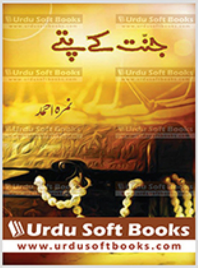

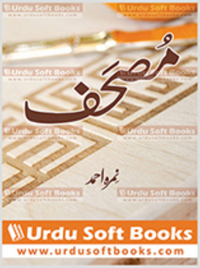

Download These Beautiful PDF Books

Click on Titles to Download

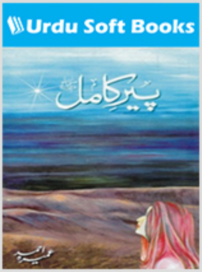

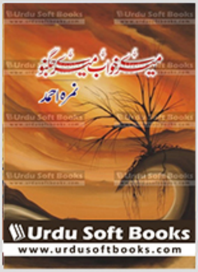

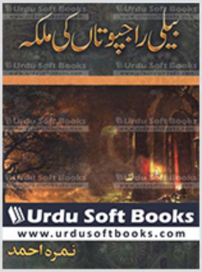

Download These Beautiful PDF Books

Click on Titles to Download

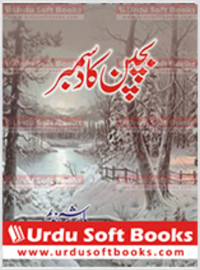

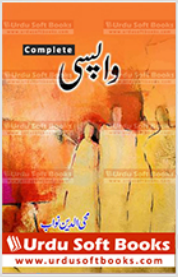

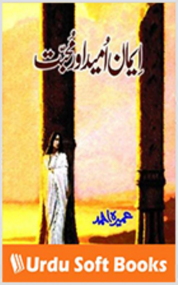

www.urdusoftbooks.com URDUSOFTBOOKS.COM

پہلی شعاع،	رضیہ جمیل	10
حمد،	ریاض حسین قمر	11
نعت،	حاجی امداد اللہ	11
نبی ﷺ کی باتیں،	ادارہ	12

انٹرویو

کتاب کہانی،	سمیرا حمید	17
عشا نور،	شاہین رشید	27
دستک،	شاہین رشید	31
شعاع کے ساتھ،	ادارہ	286
جب تجھ سے ناتا،	ع	22
جب تجھ سے ناتا،	ع - ط	24

ناول

خواب شیشے کا،	عفت سحر طاہر	234
شہزاد،	صائمہ اکرم	36

مکمل ناول

سنہری دھوپ،	سلویٰ علی بٹ	112
حال دل کھل چکا،	صائمہ اقبال	148
شب تاب،	مہوش افتخار	188

ناولٹ

ثریا کی گڑیا،	سائرہ رضا	78

افسانے

ویران دریچے،	حمیرا تبسم	62
گدھ،	ریحانہ آفتاب	72
آبلہ پائی کے بعد،	مہوش طالب	103
دم،	قرۃ العین	140
چھٹی کا دن،	عمارہ خان	183
نقلوں کا ثواب،	ثمینہ فرحان	67
بہار آئی،	قرۃ العین رائے	254

نظمیں غزلیں

غزل،	عبدالحمید عدم	262
نظم،	خمار بارہ بنکوی	263
غزل،	انور شعور	262
نظم،	محمود شام	263

انتباہ: ماہنامہ شعاع ڈائجسٹ کے جملہ حقوق محفوظ ہیں، پبلشر کی تحریری اجازت کے بغیر اس رسالے کی کسی بھی کہانی، ناول، یا سلسلہ کو کسی بھی انداز سے نہ تو شائع کیا جاسکتا ہے، نہ کسی بھی ٹی وی چینل پر ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے طور پر یا کسی بھی شکل میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ خلاف ورزی کرنے کی صورت میں قانونی کارروائی عمل میں لائی جاسکتی ہے۔

URDUSOFTBOOKS.COM www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com
URDUSOFTBOOKS.COM
URDUSOFTBOOKS.COM
URDUSOFTBOOKS.COM

URDUSOFTBOOKS.COM

مستقل سلسلے

خط آپ کے	رضیہ جمیل	271
مسکراہٹیں	ادارہ	264
آئینہ خانے میں	واصفہ سہیل	280
بالوں سے خوشبو آئے	شگفتہ جاہ	268
کھلتا کسی پہ	خالدہ جیلانی	266
تاریخ کے جھروکے	امت الصبور	282
موسم کے پکوان	خالدہ جیلانی	288
خوب صورت بنیے	ادارہ	290

URDUSOFTBOOKS.COM

2018
جلد 7
قیمت 60 روپے

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ شعاع، 37 - اردو بازار، کراچی

رضیہ جمیل نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا - [illegible]

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 0092-21-32766872
Email: shuaa@khawateendigest.com website: www.khawateendigest.com

URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

پہلی شعاع

شعاع مارچ کا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

جدید ٹیکنالوجی نے جہاں بہت سی آسانیاں بہم پہنچائی ہیں وہاں اس کا غلط استعمال بہت سے مسائل کا باعث بھی بن رہا ہے۔ دُنیا گلوبل ویلیج بن گئی ہے۔ فاصلے سمٹ گئے ہیں لیکن حقیقی رشتوں کے مابین فاصلے بڑھ گئے ہیں۔ پوری دُنیا سے رابطے ہیں لیکن ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے بچوں کو والدین سے بات کرنے کی فرصت نہیں۔ ہزاروں کی تعداد میں اَن دیکھی دوستیاں بن رہی ہیں لیکن ساتھ بیٹھا دوست کس تکلیف میں مبتلا ہے؟ اس سے لاعلم۔

سوشل میڈیا، فیس بک اور ٹیوٹر کا استعمال کرنے والے لاکھوں کروڑوں ہیں۔ کوئی بھی بات خواہ وہ جھوٹ ہو یا سچ، ایک کلک کے ذریعے لاکھوں کروڑوں افراد تک پہنچ جاتی ہے۔ ایک میسج خواہ اس کا تعلق کسی کی بھی زندگی سے ہو یا کوئی اجتماعی مسئلہ ہو، بنا تصدیق کیے بغیر سوچے سمجھے ایک کلک کرکے بڑھا دیا جاتا ہے۔ چینلز پر بھی مقبول شخصیات کے متعلق جھوٹی اور من گھڑت باتوں کو منظم طریقے سے پھیلایا جاتا ہے تاکہ عوام اصل مسائل پر غور و فکر نہ کر سکیں۔ لیکن وہاں پھر بھی کچھ حدود و قیود ہیں جبکہ سوشل میڈیا پر مکمل آزادی حاصل ہے۔ آپ جس طرح چاہیں اپنے نظریات و خیالات کی ترویج کر سکتے ہیں۔

اس جدید ترین ٹیکنالوجی کا ایک خطرناک ترین پہلو یہ ہے کہ اس کے ذریعے ہمارے مذہب کے متعلق گمراہ کن عقائد کی ترویج کی جا رہی ہے۔

احادیث اور قرآنی آیات کا ترجمہ سوشل میڈیا پر آتا ہے اور ہم اسے انگلی کی ایک جنبش سے آگے بڑھا دیتے ہیں۔ کبھی یہ سوچنے یا تصدیق کرنے کی زحمت نہیں کرتے کہ قرآن پاک کی آیت کے ترجمے کے نام پر جو بھیجا گیا ہے، قرآن پاک میں وہ آیت موجود بھی ہے یا نہیں۔ کسی نے قرآن پاک کی آیت کے ترجمے میں تحریف تو نہیں کر دی ہے یا جو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کرکے فیس بک یا ٹیوٹر پر لگائی گئی ہے، وہ واقعی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہی ہے۔

کبھی چار لوگوں کو آگے میسج کرنے پر مراد پوری ہونے کی پیش گوئی کی جاتی ہے تو کبھی کسی مہینے کی پہلے مبارک باد دینے پر جنت کی بشارت دی جاتی ہے۔

خوشی یا خوش خبری اللہ کے کرم سے ملتی ہے۔ یہ کسی میسج کو آگے پہنچانے سے نہیں ملتی۔ مرادیں بھی اللہ ہی پوری کرتا ہے اور جنت کا حصول بھی اس قدر آسان نہیں ہے کہ کسی مہینے کی پہلے مبارک باد دینے سے جنت واجب ہو جائے۔ جنت ہمیں اللہ پر کامل یقین اور ایمان کے ساتھ اللہ کے احکامات پر عمل کرنے اور اس کی رحمت سے ہی ملے گی۔

اسلام پر کچھ لکھنے یا آگے بڑھانے سے پہلے ہمیں اسلامی تعلیمات سے پوری طرح آگاہ ہونا چاہیے۔ اور کسی بھی بات کو آگے بڑھانے سے پہلے اس کے متعلق تصدیق کر لینا چاہیے کہ اس میں کتنی صداقت ہے۔ کسی آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات کو تصدیق کیے بغیر آگے بڑھا دے۔ خصوصاً دین کے معاملے میں تو بہت محتاط ہونے کی ضرورت ہے کیونکہ ہم اس طرح غلط عقائد کو پھیلانے میں معاون اور مددگار ہو سکتے ہیں۔

اس شمارے میں،

- مہوش افتخار کا مکمل ناول۔ شب تاب،
- صائمہ اقبال کا مکمل ناول۔ حالِ دل کھل چکا،
- سلمیٰ سیف اللہ شہاب کا مکمل ناول۔ سنہری دھوپ،
- سائرہ رضا کا ناولٹ۔ ثریا کی گڑیا،
- ثمینہ فرحان، قرۃ العین خرم ہاشمی، ماہ وش طالب، قرۃ العین رائے، ریحانہ آفتاب اور عمارہ خان کے افسانے،
- ٹی وی فنکارہ عتیقہ اوڈھو سے ملاقات،
- معروف شخصیات سے گفتگو کا سلسلہ۔ دستک،
- جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے۔ قارئین کا سلسلہ، پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں۔

مارچ کا شمارہ آپ سب قارئین کو کیسا لگا؟ خط لکھ کر اپنی رائے سے ضرور نوازیے گا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com
URDUSOFTBOOKS.COM

حمد باری تعالیٰ

تُو خالق ہے زمین و آسماں کا
تُو مالک ہے مکان و لامکاں کا

ہے ستّر ماؤں سے بڑھ کر محبّت
نہیں پایا ہے تجھ سا مہرباں کا

کرے حمد و ثنا ہر وقت تیری
یقیناً پتا پتا گلستاں کا

ہے چاروں طرف رحمت کا سمندر
کنارا کب ہے بحرِ بے کراں کا

قمر جو سب خزانوں کا ہے مالک
گداگر ہوں میں اس کے آستاں کا

ریاض حسین قمر

نعت رسول مقبولﷺ

کہے ہے شوقِ نبی یہ آکر، چلو مدینے چلو مدینے
میں ہوں گا دل سے تمہارا رہبر، چلو مدینے چلو مدینے

صبا بھی لانے لگی ہے اب تو نسیمِ طیبہ، نسیم طیبہ
کہے ہے شوق اب ہوا میں اُڑ کر چلو مدینے چلو مدینے

شہر شہر کیوں پھرے ہے مارا، جو دونوں عالم کی چاہے دولت
تو سر قدم ہو کے ورد یہ کر، چلو مدینے چلو مدینے

جو کفر و ظلم و فسادِ عصیاں ہر ایک شہر میں ہوئے نمایاں
تو دینِ اسلام اُٹھے یہ کہہ کر چلو مدینے چلو مدینے

رجب کے ہوتے ہیں جب مہینے، بھرے ہیں شوق ہی سے سینے
صدا یہ مکّے میں کُو بہ کُو ہے، چلو مدینے چلو مدینے

ہلاکت امداد اب تو آئی، جو فوجِ عصیاں نے کی چڑھائی
نجات چاہو تو لے برادر چلو مدینے چلو مدینے

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب

URDUSOFTBOOKS.COM
URDUSOFTBOOKS.COM
URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ادارہ

پیارے نبی کی پیاری باتیں

وقار

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔

”جب نماز کھڑی ہو جائے تو تم اس کے لیے دوڑتے ہوئے نہ آؤ (آرام سے معمول کی چال) چلتے ہوئے آؤ اور سکینت اختیار کرو جو نماز امام کے ساتھ پالو، وہ پڑھ لو اور جو تم سے فوت ہو جائے۔ اسے پورا کرلو۔“

(بخاری و مسلم)

مسلم نے اپنی روایت میں یہ الفاظ زیادہ بیان کیے ہیں۔

”تمہارا ایک آدمی جب نماز کا قصد کرلیتا ہے تو وہ نماز (کی حالت) ہی میں شمار ہوتا ہے۔“

فوائد و مسائل:

1-اس سے معلوم ہوا کہ جماعت کے حصول کے لیے دوڑ بھاگ کر آنا ممنوع ہے کیونکہ یہ وقار کے خلاف ہے جبکہ حکم وقار اور سکینیت (سکون) اختیار کرنے کا ہے، بالخصوص نماز وغیرہ کے لیے آتے وقت۔

2-جب انسان گھر سے وضو کر کے نکلتا ہے تو اسی وقت سے اسے نماز میں شمار کرلیا جاتا ہے۔

3-امام کے ساتھ ملنے والی رکعت مقتدی کی پہلی رکعت ہوگی۔ بعد میں جو ادا کرے گا وہ آخری رکعتیں ہوں گی۔ اور یہ بات عقل و نقل (دلائل) کے عین مطابق ہے۔

تیز رفتاری

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ عرفے کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (عرفات سے) واپس لوٹ رہے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیچھے سخت ڈانٹ، مار اور اونٹوں (کے بڑبڑانے) کی آواز سنی تو آپ نے اپنے کوڑے کے ساتھ ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔

”اے لوگو! سکینت اختیار کرو (یعنی سکون سے چلو) اس لیے کہ تیز رفتاری نیکی نہیں ہے۔“ (بخاری۔ مسلم نے بھی اس کا کچھ حصہ روایت کیا ہے۔)

فوائد و مسائل:

1-اس میں بھی وقار اور سکون اختیار کرنے اور تیز روی سے اجتناب کی تلقین ہے۔ مناسک حج کی ادائیگی کے دوران مقامات حج پر اس ہدایت پر عمل کرنے کی بڑی شدید ضرورت ہے کیونکہ وہاں ہر جگہ انسانوں کا بے پناہ ہجوم ہوتا ہے۔ ایسے میں ایک دوسرے کو دھکیل کر خود تیزی سے آگے بڑھنے کی کوشش دوسروں کی ہلاکت کا باعث ہوتی ہے جس کا مشاہدہ ہر سال ایام حج میں ہوتا ہے لیکن مسلمانوں میں صبر و ضبط کی کمی اور اپنے مذہب کی اخلاقی ہدایت سے ناآشنائی یا بے اعتنائی کی وجہ سے یہ مسئلہ حل نہیں ہو پاتا اور سعودی حکومت کے بے مثال اور وسیع انتظامات کے باوجود انسانی جانوں کا ضیاع تقریباً ایک معمول سا بن گیا ہے۔

مہمان کی عزت و تکریم

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

”کیا تیرے پاس ابراہیم کے معزز مہمانوں کی بات پہنچی ہے؟ جب وہ ان کے پاس گئے تو انہوں

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com
URDUSOFTBOOKS.COM

نے سلام کیا، حضرت ابراہیم نے بھی جواب میں کہا: سلام (اور کہا: یہ) انجانے لوگ ہیں۔ پھر اپنے گھر کی طرف چلے اور ایک پلا ہوا بچھڑا (بھون کر) لائے اور ان کے قریب کیا اور فرمایا: تم کھاتے کیوں نہیں؟" (سورۃ الذاریات 27-24)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"لوط کے پاس ان کی قوم دوڑتی ہوئی آئی اور اس سے پہلے بھی وہ برائیوں کا ارتکاب کرتے تھے۔

حضرت لوط (علیہ السلام) نے فرمایا:

"اے میری قوم! یہ میری بیٹیاں تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ ہیں، چنانچہ اللہ سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں کے بارے میں رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں سے کوئی بھی سمجھدار آدمی نہیں ہے؟" (سورۃ ہود۔ 78)

فائدہ آیات: قرآن مجید کے ان دونوں مقامات پر مہمانوں کی عزت وتکریم کا ذکر ہے۔

مزید وضاحت کے لیے ذیل کی احادیث ملاحظہ ہوں۔

مہمان کی عزت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اسے اپنے مہمان کی عزت کرنی چاہیے۔ اور جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ صلہ رحمی (رشتے داروں سے حسن سلوک) کرے۔ اور جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ بھلائی کی بات کہے یا پھر خاموش رہے۔" (بخاری و مسلم)

فوائد ومسائل:

1- مہمان کی عزت کرنے کا مطلب ہے، خندہ پیشانی سے اس کا استقبال کرے، حسب استطاعت، خوش دلی سے، اس کی مہمان نوازی کرے اور اس کے آرام وراحت کا خیال رکھے۔

2- صلہ رحمی کا مطلب، رشتے داروں کے حقوق کی ادائیگی اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا ہے۔

3- گفتگو کم کرنے کا مطلب ہے کہ بے وجہ اور فضول باتوں سے گریز کرے۔ زبان کو ذکر الٰہی، توبہ و استغفار اور کلمہ خیر کے لیے وقف رکھے یا پھر زیادہ خاموش رہے۔ یہ تینوں خوبیاں ان لوگوں کی بتلائی گئی ہیں جو صحیح معنوں میں اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، جس کا مطلب دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ ان میں کوتاہی کرنے والوں کا ایمان ناقص اور خام ہے۔

مہمان کا حق

حضرت ابوشریح خویلد بن عمرو خزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔

"جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے تو اسے مہمان کی عزت کرتے ہوئے اس کا حق ادا کرنا چاہیے۔"

صحابہ نے عرض کیا۔

"اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اس کا حق کیا ہے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایک دن اور رات (یعنی اس میں اپنی طاقت کے مطابق بہتر کھانا تیار کرے۔) اور مہمان نوازی تین دن ہے، جو اس کے علاوہ ہو، وہ صدقہ ہے۔" (بخاری ومسلم)

مہمان کا قیام

اور مسلم کی ایک روایت میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کے پاس (اتنا زیادہ) ٹھہرے حتیٰ کہ اسے گناہ گار کردے۔"

صحابہ نے پھر عرض کیا:

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس کو گناہ گار کیسے کرے گا؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

"اس کے پاس ٹھہرا رہے اور اس کے پاس کوئی چیز نہ رہے جس کے ساتھ وہ اس کی مہمان نوازی کرے۔"

فائدہ: اس میں مہمان نوازی کے مزید آداب و حدود کی وضاحت ہے کہ پہلے دن اور رات عمدہ کھانے کا اہتمام کیا جائے اور اس کے بعد دو دن مزید معمول کے مطابق مہمان نوازی کی جائے۔ تین دن کے بعد مہمان کو چاہیے کہ وہ وہاں سے چلا جائے، تاہم اگر وہ نہ جائے تو اس کے بعد مہمان نوازی بطور صدقہ ہوگی۔

خوش خبری

عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو خوش خبری دی کہ (ان کے لیے) جنت میں موتیوں کا گھر ہوگا، جس میں نہ شور ہوگا نہ تکان۔" (بخاری ومسلم)

فائدہ: اس میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کے علاوہ خیر کی خوش خبری دینے کا اثبات ہے۔

جنت

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے گھر میں وضو کیا اور باہر نکل گیا۔ (اپنے دل میں) کہا کہ میں ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ رہوں گا اور آج کا دن آپ کے ساتھ ہی گزاروں گا۔

چنانچہ میں مسجد میں آیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت (لوگوں سے) پوچھا تو صحابہ نے بتلایا۔

"کہ آپ نے اس طرف کا رخ فرمایا ہے۔"

(حضرت ابوموسیٰ) فرماتے ہیں: "پس میں آپ کے قدموں کے نشانات پر آپ کے متعلق پوچھتا ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نکل کھڑا ہوا، حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بئر اریس (قباء کے قریب ایک باغ) پہنچ گئے۔

میں دروازے پر بیٹھ گیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قضائے حاجت کے بعد وضو فرما لیا تو میں آپ کی طرف گیا تو دیکھا کہ آپ بئر اریس کی منڈیر پر بیٹھے ہیں اور پنڈلیوں کو ننگا کر کے کنویں میں لٹکایا ہوا ہے۔

میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کیا اور پھر واپس آ کر دروازے پر بیٹھ گیا۔ اور میں نے (دل میں) کہا کہ میں آج ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دربان رہوں گا۔"

اتنے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آ گئے۔

انہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

میں نے پوچھا "کون ہے؟"

انہوں نے فرمایا: "ابوبکر۔"

میں نے کہا: "ٹھہریے۔"

پھر میں گیا اور کہا:

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ ابوبکر، اندر آنے کی اجازت طلب کر رہے ہیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "انہیں اجازت دے دو اور جنت کی خوش خبری (بھی) دے دو۔"

چنانچہ میں آیا اور ابوبکر سے کہا:

"تشریف لایئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو جنت کی خوش خبری دیتے ہیں۔"

چنانچہ حضرت ابوبکرؓ اندر تشریف لائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منڈیر پر آپ کی دائیں جانب بیٹھ گئے اور اپنے دونوں پیر کنویں میں لٹکا لیے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا اور اپنی پنڈلیاں ننگی کر لیں۔

میں پھر واپس آ کر (دروازے پر) بیٹھ گیا۔ اور میں (گھر سے نکلتے وقت) اپنے بھائی کو وضو کرتا چھوڑ کر آیا تھا کہ مجھے خود ہی آ کر مل جائے گا۔ تو میں نے (دل میں) کہا:

"اگر اللہ تعالیٰ فلاں (یعنی اس کے بھائی) کے

www.urdusoftbooks.com

URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

ساتھ بھلائی کا ارادہ فرمائے گا تو اسے یہاں لے آئے گا۔"

اتنے میں کوئی شخص آیا اور دروازہ ہلانے لگا۔

میں نے کہا۔

"کون ہے؟"

اس نے کہا: "عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ۔"

چنانچہ میں نے کہا: "ذرا ٹھہریے۔"

میں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ کو سلام عرض کیا اور کہا:

"یہ عمرؓ ہیں، اندر داخل ہونے کی اجازت طلب کر رہے ہیں؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "انہیں اجازت اور جنت کی خوش خبری دے دو۔"

لہٰذا میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا:

"آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اندر آنے کی) اجازت اور جنت کی خوش خبری دی ہے۔"

چنانچہ وہ تشریف لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منڈیر پر آپ کی بائیں جانب بیٹھ گئے اور اپنے دونوں پیر کنویں میں لٹکا لیے۔

میں پھر واپس آ کر اپنی جگہ پر بیٹھ گیا اور (دل میں) کہا: اگر اللہ تعالیٰ فلاں (یعنی اس کے بھائی) کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرمائے گا تو اسے (یہاں) لے آئے گا۔

اتنے میں ایک اور شخص آیا۔ اس نے دروازہ ہلایا تو میں نے پوچھا:

"کون ہے؟"

اس نے کہا: "عثمان بن عفانؓ۔"

میں نے کہا:

"اچھا ٹھہریے!"

اور میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آ کر اطلاع دی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "انہیں اجازت دے دو اور ایک بلوہ (حادثے) کے ساتھ جو انہیں پیش آئے گا، جنت کی خوش خبری سنا دو۔"

چنانچہ میں آیا اور ان سے کہا:

"تشریف لایئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو ایک حادثے کے ساتھ، جو آپ کو پیش آئے گا، جنت کی خوش خبری دیتے ہیں۔"

چنانچہ وہ اندر تشریف لائے تو دیکھا کہ کنویں کی منڈیر پر ہو گئی ہے (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں بائیں دونوں جانب جگہ نہیں ہے) پس وہ آپ کے سامنے دوسری جانب بیٹھ گئے۔

حضرت سعید بن مسیب (مشہور تابعی اور حضرت ابوموسیٰ سے روایت کرنے والے راوی) فرماتے ہیں کہ۔ "میں نے اس سے ان کی قبروں کی تاویل کی۔

(یعنی ابوبکرؓ اور عمرؓ قبر میں بھی اسی طرح ساتھ ہوں گے جب کہ عثمانؓ کی قبر الگ ہوگی۔)

(بخاری و مسلم)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں:

"اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دروازے کی نگرانی کا حکم فرمایا۔" اور اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جب خوش خبری سنائی تو انہوں نے اللہ کی حمد بیان کی اور فرمایا:

"اللہ ہی اس لائق ہے کہ اس سے مدد طلب کی جائے۔"

فوائد و مسائل:

1- اس حدیث کا تعلق باب سے واضح ہے کہ اس میں بھی خوش خبری دینے کا اثبات ہے۔

2- خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو، ان کے جنتی ہونے کی بشارت دے دی گئی۔ اس کے بعد ان کے ایمان میں شک کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

3- حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بابت جس بلوے کی پیش گوئی فرمائی، وہ ان کی خلافت کے آخر میں پیش آیا، جب کہ عبداللہ بن سبا یہودی اور اس کے مکروہ اور بے بنیاد پروپیگنڈے سے متاثر فسادی گروہ نے حضرت عثمان کا محاصرہ کر لیا اور بالآخر

www.urdusoftbooks.com
URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

آپؓ کو شہید کر دیا۔ رضی اللہ عنہا۔ اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی دلیل ہے۔

4- حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجرۂ عائشہ میں اور حضرت عثمان بقیع الغرقد (جنت البقیع) میں مدفون ہیں۔

یقین

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد بیٹھے تھے، اور ہمارے ساتھ (لوگوں میں) حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

تو (اچانک) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان سے اٹھ کر چلے گئے اور ہمارے پاس واپس آنے میں آپ نے کافی دیر فرمائی تو ہم ڈر گئے کہ ہماری غیر موجودگی میں آپ کو قتل (شہید) نہ کر دیا گیا ہو اور ہم گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

اور میں سب سے پہلے گھبرانے والا تھا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلا، یہاں تک کہ میں انصار کے قبیلے بنو نجار کے باغ کی چار دیواری پر پہنچ گیا۔ میں اس کے اردگرد گھوما کہ مجھے کسی دروازے کا سراغ مل جائے لیکن مجھے کوئی دروازہ نہیں ملا، تاہم ایک چھوٹے سے نالے پر نظر پڑی جو باغ سے باہر ایک کنویں سے نکل کر باغ کے اندر جا رہا تھا۔ اور ربیع چھوٹی سی نہریا (چھوٹے سے نالے کو کہتے ہیں۔)

میں اس میں سے سمٹ سمٹا کر اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مجھے دیکھ کر) فرمایا: ''ابوہریرہ؟''

میں نے کہا: ''جی ہاں، یا رسول اللہ!''

فرمایا: ''کیا بات ہے؟''

میں نے کہا: ''آپ ہمارے درمیان تشریف فرما تھے، پس آپ وہاں سے اٹھ کر چلے گئے اور واپسی میں آپ نے دیر فرما دی تو ہمیں ڈر محسوس ہوا کہ کہیں آپ کو ہماری غیر موجودگی میں قتل (شہید) نہ کر دیا گیا ہو، چنانچہ ہم گھبرا اٹھے، گھبرانے والوں میں سب سے پہلا آدمی میں تھا۔ اس لیے میں اس باغ تک آ گیا اور (اندر داخل ہونے کے لیے) اس طرح سمٹ سکڑ گیا جس طرح لومڑی سمٹتی سکڑتی ہے۔ اور لوگ میرے پیچھے ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے ابوہریرہ!'' اور آپ نے مجھے اپنے دونوں جوتے دے کر ارشاد فرمایا:

''جاؤ میرے یہ دونوں جوتے ساتھ لے جاؤ، اس باغ کی دیوار کے باہر جو بھی ملے، جو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس پر اس کے دل میں پورا یقین ہو تو اسے جنت کی خوش خبری دے دو۔'' اور لمبی (پوری) حدیث ذکر کی۔ (مسلم)

فوائد و مسائل:

1- دل کی گہرائی سے اللہ پر ایمان رکھنے والا، اگر اس نے شرک کا ارتکاب نہیں کیا ہو گا، تو وہ یقیناً جنت میں جائے گا، یا تو پہلے مرحلے ہی میں چلا جائے گا، اگر اللہ کی مشیئت ہوئی، بصورت دیگر سزا بھگت کر جنت میں جائے گا۔ اس کا دائمی گھر جہنم نہیں، جنت ہی ہو گا۔

2- اس حدیث میں خوش خبری کے اثبات کے علاوہ مومن کے بہر حال جنتی ہونے کی نوید ہے۔

بدلہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''کافر جب دنیا میں کوئی اچھا عمل کرتا ہے تو اسے اس کا بدلہ دنیا کی کچھ لذتوں میں سے دے دیا جاتا ہے (یعنی آخرت میں اسے کوئی صلہ نہیں ملے گا) لیکن مومن کا معاملہ یہ ہے کہ وہ اس کی نیکیوں کا آخرت میں (صلہ دینے کے لیے) ذخیرہ کر لیتا ہے اور دنیا میں اسے رزق اس کی فرماں برداری کی وجہ سے دیتا ہے۔''

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com
URDUSOFTBOOKS.COM

کتاب کہانی

سمیرا حمید

رسول حمزہ توف زبان کے بارے میں کہتے ہیں کہ

''میرے نزدیک زبانیں' آسمان پر بکھرے ہوئے ستاروں کی حیثیت رکھتی ہیں اور میں یہ نہیں کہوں گا کہ تمام ستارے ایک دوسرے میں ضم ہو کر ایک بڑے ستارے کا روپ لے لیں۔ کیونکہ اس کے لیے تو سورج موجود ہے۔ لیکن سورج کے وجود کے بعد بھی یہ ضرورت باقی رہ جاتی ہے کہ ستارے آسمان پر چمکتے رہیں۔ اور ہر آدمی کے پاس اس کا اپنا ستارہ ہو۔ مجھے اپنے ستارے یعنی اپنی مادری زبان سے محبت ہے۔ میں ارضیات کے ان ماہروں کی بات پر یقین رکھتا ہوں جو کہتے ہیں کہ چھوٹی سے چھوٹی پہاڑی میں بھی سونے کی کان نکل سکتی ہے۔''

لتا منگیشکر بنگال سے بمبئی اپنے کریئر کی تلاش میں آئی تھیں۔ چونکہ انہیں مراٹھی زبان آتی تھی تو ٹرین میں انہیں کسی نے مشورہ دیا کہ اگر وہ بمبئی میں کامیاب گلوکارہ بننا چاہتی ہیں تو اُردو سیکھیں۔

لتا ایک بے حد محنتی لڑکی تھیں۔ انہوں نے اُردو سیکھنی شروع کر دی۔ وہ اُردو پڑھ نہیں سکتی تھیں' اس لیے ان کے جاننے والوں میں ایک مسلم خاتون تھیں جن سے انہوں نے لفظ لفظ کر کے یہ زبان سیکھنی شروع کر دی۔ اور پھر ایسی سیکھی کہ لوگ یہ بھول ہی گئے کہ ان کی اصل زبان کون سی ہے۔ انہوں نے تلفظ' ادائیگی' زبان و بیان میں ایسی مہارت حاصل کی کہ کوئی بھی ان کے گانے سن کر یہ نہیں کہہ سکتا کہ لتا نے یہ زبان سیکھی ہے۔

آپ لتا کا کوئی بھی گانا سن لیں' اور اپنا تلفظ ٹھیک کر لیں۔ ایسا لگتا ہے کہ لتا اسی زبان کو لے کر پیدا ہوئیں۔ اسی میں پلی بڑھیں' اور یہی ان کی مادری زبان ہے۔ زبانیں بولنے سے آجاتی ہیں یعنی لفظ' جملے' ترتیب وغیرہ لیکن جو ''لہجہ'' ہوتا ہے وہ بہت مشق سے آتا ہے یا مشکل سے آتا ہے۔ جب کوئی انسان کسی دوسری زبان کے لہجے کو بھی پوری طرح سے اپنا لیتا ہے تو وہ واقعی میں کمال کرتا ہے۔ لتا نے یہ کمال کر دکھایا تھا۔

لتا کی مادری زبان مراٹھی تھی' قومی زبان ہندی' اور مذہبی زبان سنسکرت' اگر وہ ''کامیاب'' ہونے کے لیے اُردو سیکھ سکتی ہیں تو اردو تو ہماری اپنی ''قومی'' زبان ہے۔ ہماری پہلی شناخت ہے۔ روز کے دو نئے لفظ' مہینے کے ساٹھ لفظ بنتے ہیں۔ نوے دنوں میں ایک سو اسی الفاظ آپ کے پاس ذخیرہ ہو جاتے ہیں۔ یہ ذخیرہ کسی خزانے سے کم نہیں اور اس خزانے کی چابی آپ کے پاس ہے۔ آپ کی سوچ اور عمل کے پاس۔

آج کی کتاب کہانی'' زبان کہانی'' کے ساتھ۔ میری پیاری زبان ''اُردو'' کے نام۔

اُردو:

ہماری زبان اُردو' ایک قدیم زبان ''شورسینی اپ بھرنش'' سے پیدا ہوئی ہے۔ جب کوئی زبان دم توڑ رہی ہوتی ہے یعنی ختم ہو رہی ہوتی ہے تو اس زبان میں سے کئی زبانیں ''کھڑی بولی'' کی صورت میں نکل کر آتی ہیں۔ اردو بھی وہی زبان تھی جو پہلے ''بولی'' تھی اور جس کے کئی نام تھے۔ پھر یہ سفر کرتے کرتے' بولی سے زبان بنتی چلی گئی۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہ زبان مقامی زبانوں کے ساتھ مل کر پھلنے پھولنے لگی۔

اس زبان کا باقاعدہ آغاز دہلی اور اتر پردیش سے ہوا تھا۔ برصغیر میں نئے آنے والے مسلمانوں اور مقامی باشندوں (جن کی یہ بولی تھی) کے باہمی میل جول سے اس زبان میں عربی اور فارسی کے

www.urdusoftbooks.com
URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

الفاظ داخل ہوئے۔جس سے اس میں نکھار پیدا ہوا۔
کھڑی بولی کے نکھار کا یہ زمانہ 'اردو' کا ابتدائی زمانہ تھا۔کھڑی بولی کے اس نئے اور نکھرے ہوئے روپ کو ہندی' ہندوی اور ریختہ کہا گیا۔اور اسی کو بعد میں ''اردوئے معلی'' پھر ''زبان اردو'' اور پھر ''اردو'' کہا گیا۔یعنی وہ زبان جو ابتدا میں صرف ایک 'بولی' تھی۔وہ ترقی کرتے کرتے ایک اعلا درجے کی زبان بن گئی اور ترقی یافتہ زبانوں میں سے ایک کہلانے لگی۔
یہ ہے ہماری اردو زبان کی طویل ترین کہانی کا مختصر سا جائزہ۔آپ نے دیکھا کہ ہماری زبان نے کتنا لمبا سفر طے کیا ہے۔یہ زبان راتوں رات' ہی تکمیل کے مرحلے طے کر کے مکمل نہیں ہوئی بلکہ اسے صدیاں لگی ہیں۔
اکثر لوگ اس عام سی بات کو بھی نہیں جانتے کہ اردو چونکہ سنسکرت' فارسی' عربی' ترکی وغیرہ کے ملاپ سے بنی ہے تو ہماری زبان میں ان سب زبانوں کے الفاظ موجود ہیں۔ پھر بھی لوگ اکثر شاعروں' ادیبوں وغیرہ پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ آپ لوگ ہندی کے الفاظ بہت استعمال کرتے ہیں۔مجھے اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ میں فارسی کا استعمال بہت کرتی ہوں۔تو مجھے یہ بتانا ہے کہ یہ سب الفاظ ہماری اپنی زبان ''اردو'' کے الفاظ ہیں۔کیونکہ ہماری زبان ان زبانوں کے ملاپ سے بنی ہے۔
تو یہ جو ہماری زبان ہے'اردو' یہ عام زبان نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس زبان کو جو اتنا طویل سفر کروایا ہے۔اسے وقت کے ساتھ ساتھ نکھارا' پھر اس کے لہجوں کو سنورا' تو اس میں کوئی راز ہی تھا۔یہی کہ چند صدیوں بعد ایک قوم اور ایک ملک وجود میں آئے گا۔یہ زبان اس قوم کو تحفے میں دی جائے گی۔
''ہماری زبان اردو'' اس کی ابتدا کا فیصلہ آسمانی تھا' اور اس کی تکمیل کا بھی۔
ماؤزے تنگ چین کے عظیم لیڈر تھے' جن کی وجہ سے چین نے حیران کن ترقی کی۔ ماؤزے تنگ انگلش زبان کو پوری طرح سے سمجھتے تھے۔لکھ' پڑھ اور بول سکتے تھے۔ایک مرتبہ انہیں انگلش میں لطیفہ سنایا گیا تو وہ خاموش بیٹھے رہے' جیسے کچھ سمجھ میں ہی نہیں آیا۔لیکن جب لطیفے کو چینی زبان میں ترجمہ کر کے انہیں سنایا گیا تو وہ دل کھول کر ہنسے۔انگلش میں لطیفہ سمجھ لینے پر بھی وہ انجان بن کر نہیں بلکہ اپنی قومی غیرت کو بلند کر کے بیٹھے رہے تھے۔
''جان من ! چین گونگا نہیں ہے۔'' (یعنی ہمارے پاس ہماری زبان ہے' ہم کسی دوسرے کی زبان میں بات کیوں کریں)
ان کا یہ جملہ بہت مشہور ہوا۔ساری دنیا نے ماؤزے تنگ کی اس انقلابی سوچ کو سراہا جو قومیں اپنی زبان پر کسی بھی وجہ سے شرمندہ ہوتی رہی ہیں انہیں اس مقولے سے روشناس کروایا گیا۔
اب آپ مجھے بتائیں کہ کیا پاکستان گونگا ہے؟ہاں تو کیسے؟
نہیں......تو کیسے نہیں کیونکہ شواہد کچھ اور ہی کہہ رہے ہیں۔
اپنی زبان کے لیے سب سے زیادہ غیرت مند فرانس کے لوگ مانے جاتے ہیں۔کچھ انگریزوں اور امریکیوں سے ان کی تھوڑی ٹھنی ہوئی ہے اس لیے' کچھ وہ اپنی زبان کو بہت زیادہ پسند کرتے ہیں اس لیے بھی۔ایک فرانسیسی سے کہا گیا کہ وہ دنیا کے بہترین ملکوں' زبانوں' لباس' ثقافت' وغیرہ کی درجہ بندی کرے۔
اس نے کہا کہ دنیا کا سب سے بہترین ملک فرانس ہے۔بہترین زبان فرنچ ہے۔غرض اس نے پہلے نمبر پر اپنے ملک کی ہر چیز کو رکھا اور دوسروں کو اپنے بعد میں رکھا۔آپ کہیں گے اس کی جگہ آپ بھی ہوتے تو یہی کرتے......
کیا واقعی؟؟
ہم اس کی جگہ ہوتے تو ہم ایسا کیسے کرتے؟

www.urdusoftbooks.com

URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

کیونکہ ایسا کرنے کے لیے ہمارے پاس ثبوت کا ہونا ضروری تھا۔ میں جینز پہن کر یہ کیسے کہہ سکتی ہوں کہ دنیا کا سب سے خوب صورت لباس میرا لباس ''شلوار قمیص'' ہے۔ میں جامنی کو پرپل اور ستاروں کو اسٹارز کہتی ہوں تو میں یہ کیسے کہہ سکتی ہوں کہ دنیا کی سب سے خوب صورت زبان اُردو ہے؟ میں یہ شیخی نہیں مار سکتی۔ ایسی شیخی صرف وہی انسان مار سکتا ہے جو پوری طرح سے اپنی زبان بولتا ہے۔ اپنی ثقافت میں جیتا ہے۔

مجھے دنیا کی کوئی زبان ناپسند نہیں ہے لیکن مجھے اپنی زبان سب سے زیادہ پسند ہے۔ دنیا کی سب زبانیں خوب صورت ہیں لیکن میری زبان اُردو سب سے زیادہ خوب صورت ہے۔ کیونکہ یہ ''میری'' ہے۔

ہمیں فخر ہونا چاہیے کہ ہم اور ہمارا ملک ''گونگا'' نہیں ہے۔ اس زبان کا لب و لہجہ دل موہ لینے والا ہے۔ اس کے لہجے اور انداز اتنے پیارے ہیں کہ عام بول چال میں بھی اس پر شاعری کا گمان ہوتا ہے۔ ہماری زبان کے پاس احترام ''آپ'' میں اور ''بے تکلفی'' ''تم'' میں ہے۔ اس زبان کے پاس ایسے بے شمار منفرد الفاظ موجود ہیں جو شاید ہی کسی اور زبان کے پاس ہوں۔

گلوں میں رنگ بھرے باد نو بہار چلے
چلے بھی آؤ کہ گلشن کا کاروبار چلے

مندرجہ بالا اور مندرجہ ذیل دونوں اشعار پڑھیں اور دیکھیں کہ ہماری زبان کتنی خوب صورت ہے۔ اس میں کیسے سُر تال اور سارنگیاں بولتی ہیں۔

فرض کرو یہ جی کی بپتا، جی سے جوڑ سنائی ہو
فرض کرو ابھی اور ہو اتنی، آدھی ہم نے چھپائی ہو

قومی اور مادری زبان وہ تحفہ ہوتا ہے جو کسی بھی انسان کو پیدائش کے وقت ملتا ہے۔ لیکن اگر کوئی انسان اسے ٹھکرا دے تو وہ کفرانِ نعمت کرتا ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ کہیں نہ کہیں ہم سب کفرانِ نعمت کر رہے ہیں۔ اگر میں پڑھے لکھے یا ہائی فائی لوگوں کے گروپ میں ''شام بخیر'' کہتی ہوں تو مجھے حیرت سے کیوں دیکھا جاتا ہے؟ انہیں ایسا کیوں لگتا ہے کہ مجھے ''گڈ ایوننگ'' کہنا چاہیے تھا اور نہ اپنا منہ بند رکھنا چاہیے تھا۔ یا مجھے میم، مس، مسٹر یا سر پکارا جانا چاہیے لیکن ''محترم یا محترمہ'' نہیں۔ کیوں؟ کیونکہ یہ الفاظ پرانے ہو چکے ہیں۔ یہ ٹرینڈ میں نہیں ہیں۔ زبانیں ٹرینڈ میں نہیں ہوتیں، وہ فرد کے ذریعے ''زندہ'' ہوتی ہیں۔ اگر وہ مردہ ہونے لگیں تو ''پرانی'' ہونے لگتی ہیں۔

ہماری زبان کسی فیشن کا حصہ نہیں ہے کہ فیشن بدلے گا تو یہ بھی بدل جائے گی۔ زبان تو 'شناخت ہوتی ہے' ''فخر ہوتی ہے۔ تمغہ ہوتی ہے۔ اسے فخر سے سر کا تاج بنایا جاتا ہے' سینے پر سجایا جاتا ہے۔ سینہ ٹھونک کر کہا جاتا ہے کہ یہ ہے ہماری زبان اور ہم گونگے نہیں ہیں۔

''کیا ہم اپنی زبان پر شرمندہ ہیں؟؟ اگر ہاں تو کس لیے؟؟ اگر نہیں تو پھر مجھے ہر جگہ، ہر طرف 'اُردو کی جگہ' کوئی تیسری زبان کیوں نظر آتی ہے۔ میں اُردو ادب کے نام پر ہونے والی کانفرنس میں جاتی ہوں اور وہاں انگلش میں بات ہوتی ہے۔ لیکچر' تبصرے' تنقید' آرا' سب کچھ۔ سننے والے سب پاکستانی ہوتے ہیں۔ بولنے والے بھی۔ جن کتابوں پر بات کی جاتی ہے وہ بھی اردو کتب ہوتی ہیں۔ سب کچھ موجود ہوتا ہے لیکن وہاں کہیں ''اُردو'' موجود نہیں ہوتی۔

اس دور کے والدین اپنے بچوں کو انگلش میڈیم اسکولوں میں بھیجتے ہیں۔ بہت اچھی بات ہے۔ وہاں ہم انہیں علم کے لیے کم اور ''انگلش'' کے لیے زیادہ بھیجتے ہیں۔ آپ مانیں یا نہ مانیں لیکن یہی سچ ہے۔ والدین بچوں سے گھر میں انگلش میں بات کرتے ہیں۔ انہیں ایک ایک چیز کا نام انگلش میں بتاتے ہیں۔ میں نے ایسے والدین بھی دیکھے ہیں جو مہمانوں سے خاص طور پر یہ کہتے ہیں کہ پلیز ہمارے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

بچوں سے صرف انگلش میں بات کریں، اردو میں بات کر کے انہیں کنفیوز نہ کریں۔ (میں ایسے موقعوں پر خاموش رہنا پسند کرتی ہوں)۔

ترقی کے لیے، کامیابی کے لیے، اس زبان کی سیڑھی کا استعمال ٹھیک ہے۔ یہ ایک گلوبل زبان ہے۔ یہ زبان آنی چاہیے۔ لیکن برائے مہربانی، اس سب ٹھیک میں، اپنی قومی غیرت کا گلا نہ گھونٹیں۔ میں ایک پاکستانی سے بات کرنے کے لیے اردو میں خط لکھنے کے بجائے انگلش میں کیوں لکھتی ہوں؟؟ یہی کیوں ضروری ہے کہ میری فیس بک پوسٹ، میرا بیان، میرے خیالات، میری ڈائری، سب کچھ انگلش میں ہونا چاہیے۔ ہماری اُردو کہانیوں کو پڑھ کر، ہمیں انگلش میں تبصرے موصول ہوتے ہیں۔ اگر ہم اس زبان کے استعمال پر اطمینان محسوس نہیں کرتے۔ ہم شرمندہ ہوتے ہیں تو اب تک بھی ہم نے اسے کیوں اپنایا ہوا ہے؟

دنیا میں کچھ ممالک ایسے ہیں جنہیں کوئی دوسری، تیسری زبان چھو کر بھی نہیں گزری۔ پھر بھی یہ ممالک ترقی یافتہ ہیں۔ جیسے، چین جرمنی، جاپان، شمالی امریکا، افریقہ وغیرہ کے بہت سے ملک۔ اب ان ملکوں میں سیاح بہت جاتے ہیں لیکن پھر بھی ان ملکوں کی سڑکوں اور ایسی ہی دوسری جگہوں کے نام ''ان کی اپنی زبان'' میں لکھے ہوئے ملتے ہیں۔

کئی ملک ایسے ہیں کہ پورے ملک کا سسٹم ہی ان کی اپنی زبان میں ہے۔ لیکن پھر بھی ان ملکوں نے ترقی کی ہے اور بہت زیادہ کی ہے۔ ہمارے یہاں جو انسان پڑھا لکھا بھی نہیں ہے وہ بھی بیس تیس الفاظ انگلش کے بول ہی لیتا ہے لیکن ان ملکوں میں ایسے لوگ ہیں جو بہت پڑھے لکھے ہیں اور وہ مشکل سے انگلش کے چار پانچ لفظ جانتے ہیں۔

جاپان اس کی زندہ اور سب سے عظیم مثال ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد اور خاص طور پر ''ایٹم بم'' کے دھماکے کے بعد جاپانیوں نے عہد کر لیا تھا کہ وہ ہمیشہ پرامن رہیں گے۔ کبھی کسی طرح کی جنگ میں نہیں کودیں گے۔ وہ کام، کام اور بس کام کریں گے۔ جنگ کے بعد سارا جاپان اجڑ کر تباہ چکا تھا۔ جاپان کی کمر ٹوٹ چکی تھی۔ ایسا سمجھ لیں جاپان کوڑے کا ڈھیر بن چکا تھا۔ لیکن ایسا ہوا کہ جاپانیوں کے پاس جو کچھ تھا۔ جو کچھ اپنا تھا، انہوں نے اس کے بل بوتے پر کام کرنا شروع کر دیا۔ تین عشروں کے بعد دنیا بھر سے لوگ بھر بھر کر جاپان جانے لگے، ان کی چکا چوند ترقی کا راز جاننے کے لیے۔ ان کی ترقی کا راز تھا۔ ''قومی غیرت''۔

ان کا ملک، ان کی ثقافت، ان کی زبان، ان کے اصول، ان کا اخلاق۔ ان کا اپنا ''قاعدہ''۔

آج ساری دنیا جاپان کی ترقی کا، ان کا اپنے ہاتھوں سے لکھا ہوا ''قاعدہ'' پڑھ رہی ہے۔

میں ایک ایسے کولمبین کو جانتی ہوں جو فخر سے اپنی زبان اسپنش (ہسپانوی) بولتا ہے۔ جب مجھے اس سے بات کی ضرورت پیش آئی تو اس نے کہا کہ میں ٹرانسلیٹر کا استعمال کروں۔ اور اپنی زبان کو اس کی زبان اسپنش میں ترجمہ کر کے اس سے بات کروں۔ میں نے کہا سب کو انگلش آتی ہے، آپ کو کیوں نہیں آتی تو اس نے کہا کہ ''یہاں کسی کو انگلش نہیں آتی۔ مجھے میری زبان اسپنش آتی ہے۔ میرے لیے یہی کافی ہے۔''

طے یہ پایا کہ ہم باری باری اپنی اپنی زبان میں بات کریں گے۔ کبھی اسپنش ترجمہ ہو گی اور کبھی اردو۔ لیکن میں یہ خوشی حاصل نہیں کر پائی کہ کوئی غیر ملکی مجھ سے میری زبان میں بات کرے کیونکہ ٹرانسلیٹر اس کی زبان کا ترجمہ تو بہت اچھی طرح سے کر رہا ہے لیکن میری کا نہیں۔

جن قوموں نے ترقی کی انہوں نے اپنی زبان کو بھی ترقی دی، اور ان چیزوں کو بھی جن میں ان کی زبان استعمال ہوتی تھی۔ ظاہر ہے اب غیر ملکی انٹرنیٹ کمپنیوں یا ایپ کمپنیوں کو کیا مصیبت پڑی ہے

www.urdusoftbooks.com

URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

کہ وہ ''اُردو ٹرانسلیٹر'' بنائیں۔فرض تو ہم پر ہے کہ ہم ایسا ٹرانسلیٹر بنائیں جو ہماری زبان کو دنیا کی کسی بھی دوسری زبان میں بہترین انداز میں ترجمہ کر سکے اور وہ آن لائن میسر بھی ہو۔

میں اس بات پر بحث کر ہی نہیں رہی کہ ہمارے اسکولوں' نصاب' حکومتی سطح اور دفتروں میں غیر ملکی زبان کیوں استعمال ہوتی ہے۔میں تو بس یہ کہہ رہی ہوں یا آپ سے پوچھ رہی ہوں کہ ہمارے دلوں میں اُردو کیوں نہیں ہے؟؟ ہماری زبان اسے بولتے ہوئے جھجکتی کیوں ہے؟

دنیا کی کوئی بھی زبان جو سیکھی جاتی ہے وہ کسی خاص مقصد کے تحت سیکھی جاتی ہے۔آپ بھی زبانیں سیکھیں لیکن مقصد کے لیے۔یہ ترقی میں مددگار ثابت ہوتی ہیں تو انہیں ترقی کے لیے ہی استعمال کریں' اپنی زبان کو کمتر ثابت کرنے کے لیے۔

ایک غور طلب بات ہے کہ اردو کے بہت سے الفاظ ہم سب نے مل ملا کر پرانے کر دیے ہیں۔انگلش زبان کا لفظ تھینک یو' ہماری پوری کی پوری زبان سے زیادہ پرانا ہے۔لیکن آج بھی یہ لفظ بہت شوق سے ادا کیا جاتا ہے۔یہ لفظ زندہ بھی ہے اور تر و تازہ بھی۔لیکن ہمارے یہاں اردو بولنے والوں کو' بٹوا' پتلون' محترم' جامنی' بنفشی' وغیرہ کہتے ہوئے بڑا پرانا پن محسوس ہوتا ہے۔

انگریزوں نے اپنی زبان نہیں چھوڑی اس لیے ان کی زبان آج بھی زندہ اور تر و تازہ ہے۔یہ ٹھیک ہے کہ شیکسپیئر کے وقت کی انگلش اور آج کی انگلش میں بہت فرق ہے لیکن یہ فرق ان کی زبان کا ان کی زبان سے آیا ہے۔اس میں کوئی تیسری یا چوتھی زبان آ کر شامل نہیں ہوگئی۔زبانیں دوسری زبانوں کا اثر لیتی ہیں۔یہ کوئی ایسی بُری بات نہیں ہوتی۔لیکن تب بُرا ہوتا ہے جب اثر لیتے لیتے زبان خود کو پوری طرح ختم ہی کر لیتی ہے۔

آپ شکریہ کی جگہ تھینک یو کہیں' کالے کو بلیک' کرسی کو چیئر۔لیکن یہ یاد رکھیں' آج ہم تین لفظوں کو زبان سے نکالیں گے تو کل وہ تیس ہو جائیں گے۔پرسوں تین سو۔اور تیس چالیس سالوں کے بعد وہ ''تین چار سو'' الفاظ بچیں گے جو اُردو کے ہوں گے۔باقی ساری زبان ''انگلش'' میں ڈھل چکی ہو گی۔اگر میری بات کا یقین نہیں ہے تو جہاں آپ بیٹھے ہیں وہاں سے ایک ایک چیز کا نام لینا شروع کریں۔اور گنیں کہ کتنی چیزوں کے نام آپ اُردو میں لے ہی نہیں سکتے یا لیتے ہی نہیں۔آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ ہم اپنی زبان کے ساتھ کیا کر رہے ہیں۔

اشتل کے پاس کہانیاں آتی ہیں اور وہ ان میں موجود گرامر' زبان و بیان کی غلطیاں درست کر کے انہیں شائع کر دیتی ہیں۔وہ کبھی بھی کسی سے یہ نہیں کہتیں کہ تمہاری کہانی میں گرامر اور زبان و بیان کی اتنی غلطیاں تھیں۔انہیں ٹھیک کرو۔یہ ان کی بہت بڑی خوبی ہے۔نئے لکھنے والے مجھ سے اس خوبی کی اُمید نہ رکھیں۔میں صاف صاف آپ سے کہہ رہی ہوں کہ آپ اپنی اُردو ٹھیک کریں۔زبان و بیان درست کریں۔روز کے دو لفظ سیکھیں۔اگر واقعی میں آپ نے کوئی کمال کرنا ہے' تو اپنی زبان کو آج سے ہی سیکھنا شروع کر دیں۔زیادہ فخر اور زیادہ ذمہ داری سے۔آپ کو ان لوگوں میں شامل نہیں ہونا چاہیے' جو فخر سے کہتے ہیں کہ ''ہمیں تھوڑی سی اردو'' آتی ہے۔آپ کو تھوڑی سی اردو نہ آئے' لیکن پوری سے کچھ کم ضرور آنی چاہیے۔میں پاکستانی ہوں' جو زبان اتنا طویل سفر طے کر کے مجھ تک آئی ہے' وہ زبان میری ذمہ داری ہے' آپ بھی اپنی ذمہ داری نباہیں اور اس زبان کو اور ترقی دیں۔دنیا کی خوب صورت ترین زبانوں میں شمار ہونے والی زبان ''اردو'' کو زبان ہی رہنے دیں' اسے دھکیل کر پھر سے بولی نہ بنا دیں۔جس کی تکمیل کا فیصلہ آسمانی تھا' اس کی بربادی کا فیصلہ زمین پر نہ کریں۔

URDUSOFTBOOKS.COM
URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com
URDUSOFTBOOKS.COM

س ''شادی کب ہوئی؟''

ج'' 15 اپریل ماہ رجب جمعتہ المبارک 2016ء۔''

س ''شادی سے پہلے مشاغل؟''

ج'' گھر کے کام کاج ۔ بھائیوں کی ذمہ داری۔ صفائی ستھرائی ۔ ڈائجسٹ پڑھنا ۔ کتابیں پڑھنا۔ ٹی وی دیکھنا۔''

س ''رشتے میں مرضی؟''

ج'' ہم سے مرضی پوچھی ہی کب گئی تھی۔ ویسے ہمارے بلوچی ماحول میں عورتوں سے پوچھا نہیں جاتا سراسر والدین کی رضا سے رشتہ طے ہوا۔''

س ''جیون ساتھی کے حوالے سے تصور؟''

ج'' با اخلاق۔ خوش گفتار۔ مہذب ،نمازی ، دین دار پر جو ماں باپ نے چُنا تھا۔ دل جان سے قبول کیا تھا اسی وقت۔''

س ''منگنی کتنا عرصہ چلی؟''

ج'' پانچ سال۔''

س ''شادی کے لیے قربانی؟''

ج'' کوئی نہیں ۔ بس اللہ کی طرف سے اور بڑوں کی مرضی سے رشتہ طے ہوا۔''

س ''رسموں پر کوئی جھگڑا؟''

ج'' جھگڑا تو کوئی نہیں ہوا۔''

س ''شادی کے بعد شوہر نے دیکھ کر کیا کہا؟''

ج'' دیکھ کر ماشاء اللہ کہا اور شروع ہو گئے نصیحتیں کرنے ۔ایسا کرنا ویسا کرنا۔ میرے ماں باپ بہن بھائیوں کا خیال رکھنا وغیرہ وغیرہ۔''

س ''شادی کے بعد تبدیلی؟''

ج'' بہت زیادہ آئی بلکہ لائی گئی زبردستی' وہ ایسے کہ اپنی پسند ناپسند چھوڑ کر ان کی پسند کے مطابق خود کو ڈھالنا پڑا اگر میں پسند ناپسند کا اظہار کرتی تو ہر فرد طنز اور مذاق پر اُتر آتا ۔اس لیے خاموشی سے ویسے بدلتی گئی جیسا وہ لوگ چاہتے تھے۔''

س '' کتنے عرصے بعد کام سنبھالا؟''

ج'' شادی کے تیسرے دن کھیر پکائی ۔ چوتھے دن امی والوں نے دعوت دی۔ پانچویں دن کام شروع کیا تقریباً سارا کام سوائے سالن کے' وہ میری ساس نے آج تک پکانے نہیں دیا کیونکہ سسر صاحب کی اجازت نہیں۔ وہ میری ساس کے ہاتھ کے علاوہ کسی کے ہاتھ کا پکا نہیں کھاتے ۔ایک دن ساس کی غیر موجودگی میں سالن بنایا اور تحفتاً خوب ساری گالیاں ملیں۔''

س ''میکے اور سسرال کے کھانے میں فرق؟''

ج'' کچھ خاص نہیں ۔بس سادہ سا کھانا ہاں مگر کھانا کھانے میں یہ فرق تھا کہ میکے میں سب کی پسند ناپسند کا خیال رکھا جاتا اور سب اپنی مرضی سے کھاتے ہیں۔ جبکہ یہاں ساس اپنی مرضی سے جو دل چاہتا منگوا کے پکائی اور اپنے ہاتھ سے دیتی ہیں بھلے کسی کے لیے کم ہی نہ ہو اور اپنی تعریف خود ہی سب

جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے

ع - م

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com
URDUSOFTBOOKS.COM

سے زیادہ کرتی اور گھر والے بھی رطب اللسان ہوتے اور دوسرے لوگوں پر تنقید کرتے رہتے ہیں۔"

س "سسرال میں کس بات پر تعریف، تنقید ہوئی؟"

ج "تعریف تو یاد نہیں۔ تنقید بے حد اور بے شمار ہوئی۔ بیٹھنے اٹھنے، سونے جاگنے، کام کرنے غرض ہر چیز پر تنقید کا سامنا ہوا ہاں مگر شوہر ہمیشہ تعریف کرتے ہیں سامنے اور اگر کبھی کبھار گھر والوں کے سامنے کرتے ہیں تو رد کی جاتی ہے۔ پر میرے شوہر ہمیشہ میرے کام کو سراہتے ہیں دل سے کیونکہ میرے میکے والے بھی مجھے ہر کام میں ماہر گردانتے تھے اپنی تعریف نہیں کر رہی سب کہتے تھے۔"

س "سسرال سے وابستہ توقعات کہاں تک پوری ہوئیں؟"

ج "ہم! توقعات ......؟ جب تک منافقت کا پردہ نہ ہٹا اور میری آنکھوں سے تصوراتی پٹی نہ کھلی لگتا تھا میری تمام توقعات توقع سے زیادہ پوری ہوئیں (کیونکہ میری ساس میٹھی چھری تھیں اور وہ جیسا کہتیں سب ویسا ہی کرتے) آہستہ آہستہ حقیقت واضح ہوئی اور مکروہ صورتیں سامنے آئیں اور

پھر لگا میں کہاں پھنس گئی جہاں کوئی سننے والا نہیں۔ سب بولنے اور زیادہ بولنے۔ لڑنے جھگڑنے کے شوقین۔"

س "پہلے بچے کی پیدائش؟"

ج "دوسرے مہینے ابارشن ہوتے ہوتے بچا اللہ کا لاکھ شکر ہے کہ اتنی تکلیف کے بعد بھی بچا رہا۔ میرے رب کی مہربانی ہے پورے آٹھ ماہ کے بعد بچہ ہوا اور اتنا عرصہ میں نے جیسے گزارا۔ مجھے پتا ہے کنواری نندیں بھی ان ڈائریکٹ طعنے دیتیں اللہ کا شکر ہے بس دعا کریں۔"

س "سسرال میں مقام؟"

ج "ابھی تک تو دوسرا درجہ ہی ملا پہلا درجہ ساس اور نندوں کو حاصل ہے۔ چھوٹی نندیں بھی ایسے حکم چلاتی ہیں جیسے میں باندی غلام ہوں۔"

س "میکے اور سسرال میں فرق؟"

ج "فرق بہت زیادہ محسوس ہوا۔ میکے میں ہر چیز اپنی اور اپنائیت تھی۔ دوغلا پن اور مقابلے بازی نہیں تھی جب کہ یہاں کچھ بھی نہیں ہے حتیٰ کہ اپنی چیزیں بھی اپنی مرضی سے استعمال نہیں کر سکتی چائے تک ساس اپنے ہاتھ سے نکال کر دیتی ہیں۔ آدھا کپ سردیوں میں بھی کبھار پورا کپ پینے کی خواہش ہوتی ہے تو خواہش ہی رہ جاتی ہے اور سب کے سامنے کہتی ہیں کہ

"سب کچھ بڑی بہو کا ہے اور اس کے ہاتھ میں ہے۔ ہمارا کیا ہے۔ گھر بھی اس کا ہم بھی اس کے۔" میکے میں سب ساتھ ساتھ تھے۔ دوستانہ ماحول تھا۔ بھابھیوں اور بہن بھائیوں کے ساتھ اور یہاں سب نے مل کر مجھے تنہا کر دیا۔ کوئی بات ہوتی آغاز ان میں کسی ایک سے ہوتا ہے اور سب مل کر مجھے سناتے ہیں کوسنے، گالیاں، طعنے، جھگڑا طول پکڑ جاتا ہے اور غلطی نہ ہوتے ہوئے بھی سب سے آخر میں مجھے معافی مانگنی پڑتی ہے۔

پہلی عید پر جب نند شاپنگ کے لیے جا رہی تھی۔ میں نے کپڑوں کے لیے شوہر سے ایک ہزار مانگا اور سب شروع ہو گئے ساس صاحبہ نے پورا ایک گھنٹہ جھگڑا کیا۔ دیوروں نے کوسنے طعنے دیے نندوں نے الگ اور پھر ساس صاحبہ بے ہوش ہو گئیں۔ میں اس سب میں کھلے منہ اور کانپتے جسم کے ساتھ حیران پریشان کھڑی رہی اور جب ساس ہوش میں آئیں تو شوہر کے کہنے پر معافی مانگی پھر بڑی مشکلوں سے اپنے اتنے بڑے کبیرہ گناہ کی معافی ملی۔

شادی سے پہلے بھی ساس نندیں واری صدقے جاتیں۔ مہنگی اور عمدہ شاپنگ کر کے لاتیں اور اب، خیر یہ سارے مکروہ چہرے صرف مجھ پر عیاں ہوئے ہیں۔ دوسرے ان کی خوش اخلاقی کے گرویدہ ہیں جو سب کے سامنے منہ پر ہوتی ہے جیسے ہی وہ دور ہوتے ہیں۔ ان کی غیبتیں شروع ہو جاتی ہیں۔ میں پہلے والے حالات اور بعد والے خیالات دیکھ کر حیران رہ جاتی ہوں۔"

☆

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے

ع - ط

سوال:۔''شادی کب ہوئی؟''
جواب:۔''12 اکتوبر 1978ء''
سوال:۔''شادی سے پہلے کے مشاغل؟''
جواب :۔''مشاغل نہیں، مشغلہ صرف اور صرف پڑھنا، شاید ہی کوئی رسالہ چھوڑا ہو۔ زندہ می ہار رناول تھا۔ ساتویں کلاس میں تھی جب نصاب کی کتاب کے اندر چھپا کر کلاس میں بیٹھ کر پڑھا۔ اردو ڈائجسٹ سے لے کر اخبار جہاں، مسٹری میگزین، عمران ڈائجسٹ سب پرچے پڑھے اور بریک لگی شعاع اور خواتین پہ آ کر۔''

ہم نے جس جس کو چاہا تیرے ہجراں میں وہ لوگ
آتے جاتے موسم تھے، زمانہ تو تھا

سوال:۔''رشتے میں مرضی؟''
جواب:۔''سولہ سال کی عمر میں شادی ہوئی، ڈھائی سال کا عرصہ منگنی کا۔
تو خود ہی اندازہ لگالیں۔ اتنی عمر میں اور اتنے پرانے دور میں مرضی پوچھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، پھر بھی اتنا عرصہ منگنی رہے تو مرضی شامل ہو ہی جاتی ہے۔ طارق میرے ماموں زاد تھے۔ ظاہر ہے، اتنا قریبی رشتہ تھا تو شادیوں وغیرہ پہ آمنا سامنا ہو جاتا تھا، پھر سارے کزنز مل کر وہ حشر کرتے کہ پوچھیں مت۔ لڑکیاں مجھے چھپانے میں لگی رہتیں اور لڑکے ان کے ساتھ مل کر آخر کار ڈھونڈ ہی لیتے۔ بس اسی لکا چھپی میں ایسی محبت ہوئی، ساری زندگی ایک دوسرے کے بغیر جینا محال تھا۔''
سوال:۔''منگنی کتنا عرصہ رہی؟''
جواب:۔''منگنی کا عرصہ ڈھائی سال پر محیط تھا۔''
سوال:۔''شادی کے لیے قربانی؟''
جواب:۔''کوئی قربانی نہیں دینی پڑی، بس جو رسالے پہ بانگ دہل پڑھا کرتی تھی، چھپ کر پڑھنے پڑے، کیوں کہ ماموں چونکہ امام مسجد تھے، گھر کا ماحول مذہبی تھا تو اتنی پابندی تو لگنی ہی تھی، مگر چار دیواری میں پہننے، اوڑھنے کی مکمل آزادی تھی۔
سوال:۔''رسموں کے لین دین میں کوئی جھگڑا؟''
جواب:۔''ہمارے خاندان میں فرسودہ قسم کی رسمیں ہوتی ہی نہیں تو جھگڑا کیسا۔''
سوال:۔''شادی کے بعد شوہر نے دیکھ کر کیا کہا؟''
جواب:۔''بس اپنے بارے میں اور سب گھر والوں کے بارے میں بتاتے رہے اور میں سوتی جاگتی کیفیت میں سنتی رہی۔''
سوال:۔''شادی کے بعد زندگی میں کیا تبدیلیاں آئیں؟''
جواب:۔''بہت خوش گوار تبدیلیاں آئیں۔ میں اپنے امی ابو کی اکلوتی بیٹی تھی۔ ادھر ماشاء اللہ دس بہن بھائی تھے جن میں سے تین نندیں اور دو جیٹھ شادی شدہ تھے اور سب چار چار بچوں کے والدین بن چکے تھے۔ جوائنٹ فیملی تھی۔ مجھے تو بڑا مزا آیا۔ اتنے ڈھیر سارے بھائی بہن مل گئے، مجھے تو لگتا تھا کہ جانے کس نیکی کے انعام میں مجھے یہ سب مل گئے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اللہ نے میرا خمیر ہی محبت کی مٹی سے بنایا تھا۔ سب سے بہت زیادہ محبت کی اور بہت زیادہ پائی بھی۔''
سوال:۔''کتنے عرصے بعد کام سنبھالا؟''
جواب:۔''شادی کے ایک ماہ بعد میرا ہاتھ کھیر میں ڈلوایا گیا، بقرعید تھی تو امی جان (ساس) نے دس منٹ کھیر میں چمچہ چلوایا اور کہا۔''جاؤ جا کر سو جاؤ۔'' بس یہ کام تھا جو میں نے کیا۔ بعد میں بھی بہت عرصہ میں نے کام نہیں کیا۔ فیملی بہت بڑی تھی۔ میکے میں تین لوگ اور سسرال میں تقریباً بیس لوگ تھے، چونکہ میں اکلوتی تھی۔ اس وجہ سے امی نے ہتھیلی کا چھالا بنا کر پالا تھا، تو میں ہلکے پھلکے کام کرنے کی عادی تھی

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

اور یہاں بڑے بڑے کام۔

جب میں نے پہلی مرتبہ کپڑے دھوئے تو میرے ہاتھ کپڑے دھونے والے صابن سے زخمی ہوگئے تھے۔ پوروں میں چھوٹے چھوٹے سوراخ ہوگئے جن سے خون رستا تھا۔ امی ہر آنے والے کو میرے ہاتھ دکھاتیں اور کہتیں۔

''دیکھو، آج ہماری دلہن نے کپڑے دھوئے اور ہاتھ زخمی ہوگئے۔''

ہنڈیا میں بہت اچھی بناتی تھی، مگر وہ بھی بناتے ہوئے ڈر لگتا تھا۔ تقریباً سال بعد میں نے سارے کام سیکھے۔ میری چھوٹی دو نندیں کنواری تھیں، ہم نے بالکل بہنوں اور دوستوں کی طرح وقت گزارا اور میں نے اپنی بڑی پیاری بہن اور دوست (صدیقہ) سے سارا کچھ نئے سرے سے سیکھا۔ پھر بڑی بڑی دعوتوں کا کھانا بنایا اور اللہ کا شکر ہے، بہت محبت اور تعریف پائی۔

سوال:۔ ''میکے اور سسرال کے کھانوں میں ذائقے کا فرق؟''

جواب:۔ ''کافی فرق تھا، کیونکہ میکے میں ہم تین لوگ تھے، ادھر فیملی بڑی تھی اور پکانے والا ایک ہاتھ نہیں تھا۔ میں، میری دو جٹھانیاں اور ایک نند (صدیقہ) یوں ہم چار لوگ باری باری ہنڈیا پکاتے تھے، ہر بندے کی چوتھے دن باری آتی تھی۔ مغرب کی نماز کے فوراً بعد کھانا کھایا جاتا تھا۔ ابا جی چونکہ امام مسجد تھے۔ انہوں نے تہجد میں اٹھنا ہوتا تھا، تو وہ عشاء کی نماز کے فوراً بعد سو جاتے تھے، اس لیے مغرب کی نماز کے بعد وہ کھانا کھا لیتے تھے۔ چاہے وہ کچا پکا ہی ہوتا، نمک کم ہوتا تو اور ڈال لیتے۔ اگر زیادہ ہوتا تو پانی ڈال لیتے غرض کہ کھانے کے معاملے میں ہمیں کبھی کچھ نہیں کہا جاتا اور میرا خیال ہے، جس گھر کے مرد کھانے کے بارے میں اتنے لاپروا ہوں، وہاں شاذ ہی ہنڈیا اچھی بنتی ہے۔

سوال:۔ ''سسرال میں کن باتوں پر تعریف، تنقید ہوئی؟''

جواب:۔ ''تعریف اور تنقید دونوں ہی چلتی رہیں، ظاہر ہے پرفیکٹ تو صرف اللہ کی ذات ہے۔ انسان میں لاکھ اچھائیاں ہوں، مگر کوئی برائی بھی ہوتی ہے۔

مجھے غصہ بہت جلدی آتا تھا، تو ظاہر ہے غصے میں انسان کو خود پر کنٹرول نہیں رہتا تو تنقید کی وجہ ہمیشہ یہ ہی رہی، مگر ایک بات تھی، اگر کسی کا دل مجھ سے دکھ جاتا تو فوراً معافی مانگ لیتی تھی۔ منانے میں کبھی دیر نہیں کی۔ ہم پندرہ سال جوائنٹ فیملی میں رہے اور ہمارے گھر کا ماحول اتنا اچھا تو تھا جو ہمارے گھر آتا۔ اس کا دل کرتا کہ وہ یہیں رہ جائے۔ گھروں میں تو سب ہی رہتے ہیں، ہم سارے ایک دوسرے کے دلوں میں رہتے تھے۔ مگر اب بہت کچھ بدل گیا ہے۔ بہت سے لوگ دنیا سے جاچکے ہیں، جن میں میرے شوہر بھی ہیں۔ میرا خیال ہے بہت کم لوگ ہوتے ہیں جو فطرتاً برے ہوں گے، اگر بڑے تحمل اور بردباری سے کام لیں اور چھوٹے عزت و احترام ملحوظ خاطر رکھیں تو کوئی وجہ نہیں کہ گھر خوشیوں کے گہوارے نہ ہوں، جیسا کہ کہتے ہیں۔

''سب سے بڑا غنی وہ ہے جو اللہ کی تقسیم پر شاکر ہے۔''

اگر بندہ یہ سوچ لے تو پھر کبھی پریشان نہ ہو۔ مگر یہ بھی ٹھیک ہے کہ تجربہ ایسی کنگھی ہے جو انسان کو تب میسر آتی ہے جب سر پہ کوئی بال نہیں رہتا۔

سوال:۔ ''سسرال سے وابستہ توقعات کس حد تک پوری ہوئیں؟''

جواب:۔ ''چھوٹی عمر میں شادی ہوئی۔ عقل بھی چھوٹی تھی۔ توقعات بھی چھوٹی چھوٹی اور بے ضرر تھیں۔ اکلوتی ہونے کی وجہ سے بہت پیار ملا اور مجھے لگتا ہے، محبت سے بڑی دولت نہ ہے، نہ ہوگی، بس یہ ہی توقع رکھی تو اللہ کا شکر ہے کہ محبت ہمیشہ ہم سفر رہی، کبھی ماں باپ کی صورت، کبھی بہن بھائیوں اور دیگر رشتوں کی صورت۔

سب رشتوں کا جتنا مجھ پر حق تھا۔ اس سے بہت زیادہ ادا کیا یا وصول کیا گیا۔ اتنا کہ میں خالی دل، خالی ہاتھ رہ گئی۔ شوہر کی بے وقت موت نے جو قیامت ڈھائی۔ وہ علیحدہ اور رشتوں نے جو قیامت ڈھائی وہ

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

الگ، چونکہ ان باتوں کا اس سروے سے کوئی تعلق نہیں، روانی میں بات کہاں سے کہاں جا پہنچی، اس کے لیے معذرت۔

سوال:۔ ''سسرال میں وہ مقام ملا جس کی توقع تھی؟''

جواب:۔ ''سسرال میں مقام بنانا پڑتا ہے، جب میری شادی ہوئی تو میری دو جٹھانیاں تھیں، بہت اچھی تھیں، مگر مجھے لگا کہ کچھ کمی ہے، سوچا جب میں جیٹھانی بنوں گی تو لوگ مثال دیں گے کہ جٹھانیاں ایسی بھی ہوتی ہیں اور صد شکر کہ میں کامیاب رہی۔ میری دو دیورانیاں ہیں، بہت عزت کرتی ہیں۔ سب سے چھوٹی تو مجھے ماؤں جیسا مان دیتی ہے، حالانکہ مجھ سے صرف نو سال چھوٹی ہے، میرے شوہر کی وفات کے بعد صرف وہی نہیں بدلی، اللہ اسے جزا دے۔ (آمین)

سوال:۔ ''میکے اور سسرال میں فرق؟''

جواب:۔ ''میکے اور سسرال کا فرق کیا بتاؤں، بڑا تکلیف دہ ہے، سسرال کو چھوڑ کر میکے جانے کو دل نہیں کرتا تھا۔ سب سے اتنا پیار تھا کہ لگتا تھا میں سب کے بغیر جی نہیں پاؤں گی، مگر شوہر کے بعد یہ ہی بات سمجھ میں آئی کہ......

جب تک ہنستا گاتا موسم اپنا ہے، سب اپنے ہیں
وقت پڑے تو یاد آ جاتی ہے سب کو اپنی مجبوری

شوہر کا جانا ہی میرے لیے بہت بڑا سانحہ تھا۔ بعد میں سب کا بدلنا اس سے بھی تکلیف دہ۔ شاید سب کے ساتھ ہی ایسا ہوتا ہے یا میں نے زیادہ محسوس کیا ہے۔

سوال:۔ ''پہلے بچے کی پیدائش؟''

جواب:۔ ''جی پہلے بچے کی پیدائش بہت بڑا مسئلہ بنا، پہلی مرتبہ مس کیرج ہوا۔ اس کے بعد بڑی دعاؤں کے بعد' تین سال بعد میرا بیٹا ابوبکر پیدا ہوا۔ دوسرا بیٹا اس سے تین سال بعد ہوا، جس کا نام عمر فاروق رکھا۔ بیٹی اللہ تعالیٰ سے بہت مانگی۔ نہیں ملی، پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! اگر بیٹی نہیں دینی تو صبر ہی دے، کیونکہ میں بہت روتی تھی بیٹی کے لیے اور پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے صبر کی نعمت سے مالا مال کر دیا اور مجھے بیٹی کے لیے رونا بھول ہی گیا، کیوں کہ آگے جا کر میرے لیے صرف رونا ہی تھا۔

سوال:۔ ''جوائنٹ فیملی سسٹم پسند ہے یا علیحدہ؟''

جواب:۔ ''جوائنٹ فیملی سسٹم ہی پسند تھا، کیونکہ ہم نے تو بہت اچھا وقت گزارا، مگر جب بیٹوں کی شادیاں کیں تو وہ بات نہیں بنی، جب تک میرے شوہر حیات رہے، سب ٹھیک تھا، مگر ان کے جاتے ہی جو کچھ ہوا۔ اس نے مجھے زندہ در گور کر دیا ہے۔ پھر کبھی لکھوں گی، اس لیے کہ موضوع یہ نہیں۔

سوال:۔ ''شوہر سے تعلقات؟''

جواب:۔ ''بہت ہی اچھے۔ ہم دونوں ہی ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے تھے، میں نے تو کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا کہ وہ مجھے چھوڑ کر چلے جائیں گے۔

توں اک پل وی جے رسیا ایں
او پل جینا وی مشکل سی
ہن آپنے جین تے حیرت اے
کنوے تل تل کے اسی مرنے آں

ترجمہ:۔

''تم ایک پل بھی جو ناراض ہوئے
وہ پل جینا کتنا مشکل تھا''
''اب اپنے جینے پہ حیرت ہے
کیسے تل تل کر ہم مرتے ہیں''

اتنا پیار مجھے نہیں لگتا کہ آج کل ہو، آج تو عورت برابری چاہتی ہے، جب اللہ تعالیٰ نے مرد کا درجہ اوپر رکھا ہے اور عورت کی جنت اپنے شوہر کے قدموں میں ہے تو پتا نہیں یہ بات آج کی عورت کیوں سمجھ نہیں پاتی کہ جو حق اللہ تعالیٰ نے مرد کو دیا ہے، اسے تسلیم کرے۔

عورت کا رتبہ افضل ہے، ماں کے روپ میں۔

☆

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com
URDUSOFTBOOKS.COM

URDUSOFTBOOKS.COM

معروف فنکارہ

عشا نور سے ملاقات

شاہین رشید

معصوم اور مشرقی خدوخال کی خوب صورت اداکارہ عشانور ترقی کا راستہ آہستہ آہستہ طے کرتے ہوئے فلم میں کامیابیاں سمیٹنے کی منتظر ہے اور اپنی پہلی ہی فلم میں صحافی کا رول کرکے کافی حد تک فلم کے لیے اپنی جگہ ہموار کرلی ہے۔

''کیا حال ہیں عشا جی؟''

''الحمد للہ۔''

''کیا مصروفیات ہیں آج کل؟''

''مصروفیات کے بارے میں کیا بتاؤں...... اس فیلڈ کی ہی مصروفیات ہیں۔ کچھ مکمل ہو چکے ہیں پروجیکٹ کچھ ہونا باقی ہیں۔ اس لیے کچھ بتا نہیں سکتی۔''

''اب تک آن ایر کیا کیا آچکا ہے؟''

''آن ایر تو ماشاء اللہ بہت کچھ آچکا ہے۔ پھر بھی جو یاد ہیں، وہ آپ کو بتاتی ہوں۔ ''خوشبو کا گھر'' ''ماسی اور ملکہ''۔ ''میری ماں''۔ ''دہلیز''۔ ''وارث''۔ ''روگ''۔ ''ہونے لگا تم سے پیار''۔ ''بابا کی اونچی حویلی''۔ ''صحرا میں سفر''۔ ''بیچاری مہرالنساء''۔ ''میرا آنگن'' اور نور زندگی ایسے پروجیکٹس تھے جو بہت زیادہ پسند کیے گئے اور ان سب میں میرا کام، میرے کردار بھی بہت اچھے تھے۔''

''صحافیوں کو انٹرویو دینے کا اتفاق ہوتا رہتا ہے۔ صحافی کا کردار کرنا کیسا لگا تھا؟''

''بہت اچھا لگا...... اور میرا یہ کردار پسند بھی کیا گیا۔ اور میرے اس کردار نے یا میری پرفارمنس نے میرے لیے مزید راستے ہموار کیے۔ فلم ''راستہ'' میں صحافی کے کردار نے مجھے خاصی شہرت دی۔''

''فلم ''راستہ'' میں تمہارا انتخاب کیسے ہوا؟''

''ساحر لودھی صاحب میرے بڑے بھائیوں

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

جیسے ہیں۔ ایک دن انہوں نے مجھے اپنے مارننگ شو میں بلایا اور پھر مجھے اپنی فلم کے لیے منتخب کر لیا...... میں تو کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس طرح میرا انتخاب ہو جائے گا۔ جبکہ میں فلم کے لیے کئی آڈیشنز دے چکی تھی۔ تو میں ساحر لودھی بھائی کی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے فلم میں کام کرنے کا موقع فراہم کیا اور میری صلاحیتوں پہ اعتبار کیا۔"

"انڈیا سے بھی یقیناً آفرز آئی ہوں گی؟"

"بالکل جی...... جھوٹ نہیں بولوں گی۔ فلم "راستہ" سے پہلے مجھے انڈیا سے کئی فلموں کی آفرز آ چکی ہیں۔ لیکن وہاں کام کرنے سے پہلے مجھے یہ سوچنا ہے کہ میں ایک پاکستانی اور اسلامی ملک کی مسلمان لڑکی ہوں لہٰذا میں ایسا کوئی کام نہیں کروں گی جس سے میرے ملک پہ کوئی آنچ آئے یا میرے مذہب کے حوالے سے مجھ پر کوئی آنچ آئے...... اگر ایسا کوئی کردار ملا جو میری شخصیت اور ملک کو نقصان نہ پہنچائے تو میں ضرور کروں گی۔"

"پاکستانی کتنی فلمیں ہیں آپ کے پاس؟"

"فی الحال تو کوئی فلم سائن نہیں کی میں نے۔ آج کل میری ساری توجہ ڈراموں کی طرف ہے اور کئی سیریلز انڈر پروڈکشن ہیں۔ ہاں اگر کوئی بہت ہی اچھا اور منفرد رول ملا فلم میں تو ضرور کروں گی ڈراموں کو ایک طرف کر کے۔"

"فلم اور ڈرامے میں کیا نمایاں فرق محسوس کرتی ہیں آپ؟"

قہقہہ...... "فرق تو صاف ظاہر ہے۔ فلم کی اسکرین سلور اسکرین کہلاتی ہے اور سب فلم میں کام کرنا چاہتے ہیں۔ سب کا خواب ہوتا ہے فلم میں کام کرنا...... اور دوسرا فرق یہ کہ ڈرامہ اقساط پر مبنی ہوتا ہے فلم چند گھنٹوں میں ختم ہو جاتی ہے۔ فلم میں گانے، ڈانس اور فینٹیسی بہت ہوتی ہے۔ مجھے تو فلم ڈرامے سے ہر لحاظ سے مختلف ہی نظر آتی ہے۔"

"ڈراموں کے معیار سے آپ مطمئن ہیں؟"

"میرا تو خیال ہے کہ ہمارے ڈراموں کا معیار بہت عمدہ ہے۔ تب ہی تو پڑوسی ملک میں بھی ہمارا ڈرامہ بہت دیکھا جاتا ہے۔ بلکہ میں تو سمجھتی ہوں کہ جہاں جہاں اردو بولی اور سمجھی جاتی ہے وہاں ہمارا ڈرامہ بہت دیکھا جاتا ہے۔"

"دیگر جابز میں تو کہا جاتا ہے کہ محنت کریں...... اداکاری میں بھی محنت ہوگی۔ مگر کس قسم کی؟"

"سب سے بڑھ کر آپ کو پورا اسکرپٹ پتا ہو کہ کیا ہے۔ کہانی کیا ہے۔ آپ کا کردار دوسروں کے ساتھ کتنا لنکڈ (Linked) ہے پھر آپ کے کردار کی کیا ڈیمانڈ ہے۔ پوری دل جمعی سے کام کریں تو کامیابی یقینی ہے۔ ہم اچھا پرفارم کریں گے تو رائٹر اور ڈائریکٹر کو بھی خوشی ہوگی اور آگے مزید راستے کھلیں گے۔"

"آپ ڈراموں کے اچھے معیار کی بات کر رہی ہیں جبکہ ڈراموں کے موضوعات تو تقریباً ایک جیسے ہوتے ہیں؟"

"نہیں۔ میرا نہیں خیال کہ ایک جیسے ہوتے ہیں۔ آج کل تو بلکہ نئے اور بولڈ موضوعات پہ ڈرامے بن رہے ہیں۔ پہلے کبھی بولڈ موضوعات پہ ڈرامے نہیں بنے تھے۔ کبھی کبھار ہی ڈرامے یکسانیت کا شکار لگتے ہیں مگر ہمیشہ نہیں۔"

"ایسا بھی تو ہوتا ہے کہ اگر کوئی فنکار کسی ایک کردار میں مقبول ہو گیا ہے تو پھر اسے اسی طرح کے رول کی آفرز ہونے لگتی ہیں؟"

"بالکل ایسا ہوتا ہے اور ایسا نہیں ہونا چاہیے...... بے شک ایک اچھا رول فنکار کی پہچان بن جاتا ہے مگر اگر وہ مسلسل اسی انداز کے رول کرے گا تو اس کی مقبولیت میں مزید اضافہ نہیں بلکہ کمی ہی آئے گی۔ اس لیے فنکار کو اس معاملے میں بہت احتیاط سے کام لینا چاہیے۔"

"آپ احتیاط سے کام لیتی ہیں؟"

"جی...... جی...... میں تو بہت احتیاط سے کام

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com URDUSOFTBOOKS.COM

URDUSOFTBOOKS.COM

لیتی ہوں۔ ہر آفر پر بہت غور و خوض کے بعد ہاں کرتی ہوں...... اور اگر آپ نے میرے ڈرامے دیکھے ہوں تو آپ نے خود محسوس کیا ہوگا کہ میں نے اب تک جتنے کردار کیے ہیں وہ ایک دوسرے سے بہت مختلف تھے اور آگے بھی آپ ہمیشہ مجھے مختلف رولز میں ہی دیکھیں گی۔''

''کبھی تنقید کا سامنا کرنا پڑا؟''

''سچ بتاؤں...... لوگ مجھ پر تنقید کم اور میری حوصلہ افزائی زیادہ کرتے ہیں۔ کیونکہ اچھا کام سب کو نظر آتا ہے۔ اور مجھے خود بھی اندازہ ہو جاتا ہے کہ میں نے کہاں غلطی کی ہے اور پھر میں کوشش کرتی ہوں کہ اپنی غلطیوں کو دور کروں۔''

''یہ تو بہت اچھی بات ہے کہ آپ اپنی غلطیوں پہ نظر رکھتی ہیں؟''

''بالکل جی...... میں اپنی نقاد اور اپنی استاد خود ہوں۔ میں اپنے ڈرامے دیکھتی ہی اس لیے ہوں کہ اپنی غلطیاں دیکھوں، اپنی پرفارمنس کی کمزوریاں دیکھوں اور پھر دور کرنے کی کوشش کروں۔''

''کیا اداکاری سیکھی جا سکتی ہے؟''

''بالکل سیکھی جا سکتی ہے اور لوگ سیکھتے بھی ہیں۔ میں لوگوں سے، ڈائریکٹر سے اور دوسروں کی پرفارمنس سے سیکھتی ہوں۔ لیکن اس سے کہیں زیادہ میں اپنے آپ سے سیکھتی ہوں۔ میں اپنی استاد خود ہوں۔ اور اپنے آپ سے بھی بہت کچھ سیکھنے کی کوشش کرتی ہوں۔''

''عشا ماشاءاللہ آپ اتنی ذہین ہیں۔ اپنی استاد بھی خود ہیں تو پروڈکشن یا ڈائریکشن کی طرف کیوں نہیں آ جاتیں؟''

''بہت دل چاہتا ہے کہ ''عشا نور'' کے نام سے اپنا پروڈکشن ہاؤس کھولوں...... مگر اس کے لیے پیسہ چاہیے...... اور میں بہت جلدی اپنی اس خواہش کو پورا کروں گی، اور جب پروڈکشن ہاؤس بن گیا تو پھر ڈائریکشن کی بھی کوشش کروں گی کہ اس جانب بھی آؤں۔''

''کبھی نگیٹو رول کیا؟ ...... اور ویسے کیا دل چاہتا ہے کہ کس قسم کے رول کروں؟''

''میں تو ہر طرح کے رول کرنا چاہتی ہوں۔ جو میرے کیے ہوئے پہلے رول سے ملتے جلتے نہ ہوں۔ میں چیلنجنگ رول کرنا چاہتی ہوں۔ اور اپنی صلاحیتوں کو مزید منوانا چاہتی ہوں۔ اور ایک نئے پروجیکٹ کے لیے میرا نگیٹو رول ہے۔ جب وہ آن ایر ہو گا تو آپ دیکھ کے بتایئے گا کہ کیسا رہا...... عائزہ خان اور عمران عباس اس میں لیڈ رول کر رہے ہیں...... اگر اس رول میں مجھے میرے ناظرین نے پسند کیا تو مزید نگیٹو رولز کی آفر کو قبول کروں گی۔''

''کام کا مزہ کہاں ہے، کراچی یا لاہور؟''

''جہاں مزے کا کام ہو، وہاں ہی مزہ آتا ہے...... ویسے میں کام کے سلسلے میں لاہور ایک ہی بار گئی تھی جب ڈرامہ سیریل ''میں کون ہوں'' کی ریکارڈنگ تھی...... اور بس...... سارا کام تو کراچی میں ہوتا ہے۔ مجھے تو خیر کوئی مسئلہ نہیں۔ پورا پاکستان اپنا

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ہے اس لیے کام کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔''
''گھر والے آپ کی اداکاری کو کتنا پسند کرتے ہیں؟''
''بہت زیادہ پسند کرتے ہیں......اور سچ بتاؤں کہ میرے گھر والے تو میری اداکاری میں اتنے انوالو ہو جاتے ہیں کہ اگر ڈراموں میں میں روتی ہوں تو میرے گھر والے بھی روتے ہیں......اور یہی ایک آرٹسٹ کا حق ہے کہ وہ اپنی اداکاری سے دوسروں کو اس حد تک متاثر کرے کہ حقیقت کا گمان ہو......''
''آپ نے بتایا کہ گھر والے آپ کی اداکاری میں بہت انوالو ہو جاتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ انہیں آپ کے اس فیلڈ میں آنے پر کوئی اعتراض نہیں تھا؟''
''جی......میرے والدین نے مجھ پر اعتبار کیا اور مجھے اس فیلڈ میں آنے کی اجازت دی......اور مجھے ہر موقع پر سپورٹ کیا۔ اور میں بہت خوش نصیب ہوں کہ مجھے ایسے والدین ملے کہ جنہوں نے مجھے بہت سپورٹ کیا اور شوبز میں آنے کی اجازت دی۔ اور میں بھی اس معاملے میں بہت احتیاط کرتی ہوں کہ ایسا کوئی کام نہ کروں کہ جس سے میرے والدین کے اعتبار کو ٹھیس پہنچے۔''
''فیلڈ میں آنے میں دشواری ہوئی......اور ابتدا میں کیا کیا کیا؟''
''نہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ بہ حیثیت چائلڈ اسٹار کے میں نے اس فیلڈ میں قدم رکھا اور بہ حیثیت چائلڈ اسٹار کے میرا پہلا ڈرامہ ''میاں کا المیہ'' تھا جو کہ سٹ کام تھا اور میرے ساتھ بلال قریشی، تبسم عارف، اسماعیل تارا اور سلیم آفریدی جیسے سینئر فنکار تھے......پھر ایک پرائیویٹ چینل سے ایک سال بچوں کے پروگرام کی میزبانی کی، جس نے میری پہچان کروائی، اس کے بعد ایک سیریل ''کیا مول ہے'' کیا۔ اس میں میرا کردار ایک دکھی اور مظلوم لڑکی کا تھا......اور میں سمجھتی ہوں کہ میرے ہوش کا یہ میرا بہترین کردار تھا۔''
''میرے خیال سے آپ کا ڈرامہ سیریل ''روگ'' بھی آپ کے لیے ٹرننگ پوائنٹ ثابت ہوا تھا؟''
''جی یہ میں نے 2011ء میں کیا تھا اور ٹرننگ پوائنٹ تو نہیں، کیونکہ میں کہیں رکی نہیں......اللہ کا شکر ہے کہ میں جب سے اس فیلڈ میں آئی ہوں کام ہی کر رہی ہوں......اور اب تو شوبز کی ہر فیلڈ میں طبع آزمائی کر چکی ہوں۔ فلم، اداکاری، ماڈلنگ سب کچھ......بس اب پروڈکشن اور ڈائریکشن رہ گئی ہے۔ وہ بھی ضرور کروں گی۔''
''فارغ اوقات میں کیا کرتی ہیں اور فٹ رہنے کے لیے کیا کرتی ہیں؟''
''فارغ اوقات میں مجھے ٹینس کھیلنا اچھا لگتا ہے اور فٹ رہنے کے لیے میں بہت ہی سادہ خوراک استعمال کرتی ہوں۔ مرغن غذائیں استعمال نہیں کرتی فریش جوسز کا استعمال زیادہ کرتی ہوں ورزش یعنی ایکسرسائز ضرور کرتی ہوں۔''
اور اس کے ساتھ ہی ہم نے عشا نور سے اجازت چاہی۔

☆

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com
URDUSOFTBOOKS.COM

دستک دستک دستک

شاہین رشید

آمنہ الیاس

"کیا حال ہیں؟"

"اللہ کا شکر ہے۔"

"ٹی وی اور فلم میں آپ بہت کامیاب ہیں۔ لوگ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ مگر سنا ہے کہ آپ ملنا پسند نہیں کرتیں؟"

"ارے نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں...... درحقیقت میں فطرتاً بہت شرمیلی ہوں۔ زیادہ لوگوں کے سامنے بولنا مشکل لگتا ہے۔ بس یہی بات ہے۔ ورنہ مجھے احساس ہے کہ آج جو کچھ بھی ہوں ناظرین کی وجہ سے ہی ہوں۔"

"فیلڈ میں آنا شوقیہ تھا یا اتفاقیہ؟"

"نہ شوقیہ نہ اتفاقاً...... میں اس فیلڈ میں ضرورتاً آئی، ہمارے گھر کے حالات بہت اچھے نہیں تھے۔ والد کا انتقال ہماری کم عمری میں ہو گیا تھا۔ لہٰذا گھر کی ساری ذمہ داری والدہ پہ آ گئی تھی۔ جب میں تھوڑی باشعور ہوئی تو خیال آیا کہ مجھے بھی کچھ کرنا چاہیے۔ چنانچہ میں نے ماڈلنگ کی راہ اختیار کی اور اللہ نے مجھے کامیاب کیا۔"

"امید تھی کہ کامیاب ہو جائیں گی؟ اور والدہ نے کچھ اعتراض کیا؟"

"مجھے معلوم تھا کہ راستے کٹھن ہوں گے ضروری نہیں کہ میں ہر جگہ ہاتھوں ہاتھ لی جاؤں...... ہو سکتا تھا کہ مجھے کوئی پسند ہی نہ کرے مگر۔ اتنا نگیٹو سوچتی تو شاید اس فیلڈ میں آتی ہی نہ...... میں پوزیٹو سوچ کے آئی اور پوزیٹو ہی ہوتا چلا گیا۔ والدہ نے یہ ضرور کہا کہ تم ابھی کم عمر ہو۔ اعتراض اس لیے نہیں کیا کہ میری دو بہنیں بھی اس فیلڈ سے وابستہ تھیں...... بس پھر اللہ کی مدد شامل حال رہی اور سب کچھ ٹھیک ہو گیا۔"

"کس نے متعارف کرایا؟...... اور اس وقت آپ کی عمر کیا تھی؟"

"مجھے اس فیلڈ میں عاکف الیاس صاحب نے متعارف کرایا۔ یہ ہمارے ملک کے ممتاز فوٹو گرافر ہیں۔ یہ ہمارے فیملی فرینڈ بھی ہیں...... اس وقت میری عمر سولہ سال تھی۔ اور ماڈلنگ میری پہچان کا پہلا زینہ بنا...... اس کے بعد میں نے کافی لوگوں کے ساتھ کام کیا...... اور میری امی کی سپورٹ نے مجھے بہت آگے تک پہنچایا۔"

"لگتا ہے، آپ اپنی امی کے بہت قریب ہیں؟"

"جی...... میں اپنی امی کے بہت قریب ہوں۔ اپنی ہر بات سب سے پہلے اپنی امی کے گوش گزار کرتی ہوں۔ کیونکہ انہوں نے ہی مجھے بہت سپورٹ

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کیا میری امی میری بہترین دوست بھی ہیں......اور میں اپنا ہر کام ان کے مشورے سے کرتی ہوں۔"

"کتنے بہن بھائی ہیں آپ؟"

"ہم چار بہنیں ہیں۔ میں سب سے چھوٹی ہوں۔ بڑی دو بہنیں اس فیلڈ سے وابستہ ہیں۔ والدہ تعلیم یافتہ اور لبرل ہیں، اس لیے ہم بھی اس فیلڈ میں آ ئیں۔"

"والدہ کی کوئی خاص بات جو گرہ سے باندھ لی ہو آپ نے؟"

"میری امی کا ہمیشہ سے یہ کہنا ہے کہ کبھی بھی اس آدمی پہ اعتبار نہ کرنا جو تمہاری بے جا تعریف کرے یا بہت زیادہ تعریف کرے۔ اور میں نے بھی اس بات کو کئی بار آزمایا ہے کہ جو آدمی آپ کی خوب صورتی کی تعریف کرے وہ بہت کم قابل اعتبار ہوتا ہے۔"

"کیا یہ ایک آسان فیلڈ ہے؟"

"نہیں جی...... جو لوگ یہ سوچ کر آتے ہیں کہ یہ فیلڈ آسان ہے اور ایک دو ڈراموں میں کام کرنے کے بعد شہرت مل جائے گی تو یہ بہت غلط سوچ ہے' ہر کوئی اداکار نہیں بن سکتا۔"

"مگر یہ کہنا کہ یہ دنیا ایک اسٹیج ہے اور ہر شخص اداکار ہے تو کیا غلط ہے؟"

ہنستے ہوئے۔ "مگر میں جس اداکاری کی بات کر رہی ہوں اس میں ہمیں کسی اور کا کردار پر فارم کرنا پڑتا ہے۔ اور یہ ایک مشکل کام ہے۔ اگرچہ میرے کیریر کی ابتدا ماڈلنگ سے ہوئی لیکن مجھے اداکاری پسند ہے۔ حالانکہ اداکاری ماڈلنگ سے زیادہ مشکل کام ہے۔ مگر مجھے مزہ آتا ہے۔"

"ماڈلنگ کتنی آسان ہے...... بہت یا کچھ کم؟"

"ماڈلنگ بہت نہیں۔ مگر آسان ہے۔ بہ نسبت اداکاری کے۔ ماڈلنگ خواہ کمرشل ہو یا ریمپ پہ...... اتنی مشکل نہیں ہے۔ ہاں ریمپ پہ اپنی انفرادیت کو نمایاں کرنا ہوتا ہے جو ایک طرح سے ہلکی پھلکی سی اداکاری ہی ہوتی ہے۔"

"یہ ایک وسیع فیلڈ ہے۔ کہاں تک جانے کا ارادہ ہے؟"

"میں ایک فلم کر چکی ہوں۔ مزید کرنا چاہتی ہوں اور کر بھی رہی ہوں...... کیونکہ میں اپنے آپ کو ایک جگہ محدود نہیں کرنا چاہتی۔ میں اداکاری اور ماڈلنگ اور فلم سب کو ساتھ لے کر چلوں گی...... آنے والے دنوں میں آپ چند ایسے ڈرامے دیکھیں گی جو بہت یادگار رہوں گے۔ ان میں ایک پروجیکٹ مائیکل ہڈسن کا ڈراما Driven ہے۔ اس میں میرے ساتھ جاوید شیخ ہیں۔ جاوید شیخ کے ساتھ کام کرنا میرے لیے اعزاز ہے۔ اور ہاں فیشن انڈسٹری بھی میری پہچان ہے۔ اسے بھی نہیں چھوڑوں گی...... مجھے بہت آگے جانا ہے۔"

"شوبز انڈسٹری کے لیے کیا کہیں گی؟"

"شوبز انڈسٹری میں جان آ گئی ہے اس کے ہر شعبے میں بہت معیاری کام ہو رہا ہے۔ اور میں سمجھتی ہوں کہ انٹرنیشنل لیول کا کام ہو رہا ہے۔ اور مجھے بہت امید ہے کہ ایک دن آئے گا جب انٹرنیشنل مارکیٹ میں پاکستان کی فلم انڈسٹری کا شمار صف اول میں ہوگا۔"

"کوئی ایوارڈ بھی تو آپ کو ملا تھا؟"

"جی...... جی...... مجھے لکس اسٹائل ایوارڈ مل چکا ہے اور مزید ایوارڈز بھی لینا چاہتی ہوں اپنی پرفارمنس کی وجہ سے۔"

☆☆☆

عائشہ جہاں زیب

"کیسی ہیں؟"

"اللہ کا شکر ہے۔"

"خبرناک دو لوگوں کی وجہ سے بہت مقبول ہے۔ ایک آپ اور ایک میر محمد علی...... کیا خیال ہے؟"

"یہ تو دیکھنے والے ہی بتا سکتے ہیں...... البتہ میر

www.urdusoftbooks.com

محمد علی تو واقعی خداداد صلاحیتوں کے مالک ہیں۔"

"کچھ عرصہ آپ اسکرین پہ یعنی اس پروگرام میں نظر نہیں آئیں تھیں۔ وجہ؟"

"کوئی خاص نہیں...... کچھ گھریلو مصروفیات تھیں، اس لیے چھٹی پہ چلی گئی تھی۔"

"بے ساختہ ہنسی...... بے ساختہ پن آپ کا ہی کمال ہے۔ کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ پروگرام میں ری ٹیکس کتنے ہوتے ہیں؟"

"بس یہ سب اللہ کا کرم ہے کہ اس نے عزت دی ہے۔"

"کامیڈی شوز کرنا زیادہ آسان ہے یا سنجیدہ شوز کرنا؟"

"کامیڈی...... دنیا بھر میں کامیڈین کے لیے ایک چیلنج رہی ہے۔ کیونکہ میں سمجھتی ہوں کہ رلانا آسان ہوتا ہے بہ نسبت ہنسانے کے۔ اور ہم اس پروگرام کے ذریعے لوگوں کو ہنساتے ہیں یا ان کے لبوں پہ مسکراہٹ بکھیرتے ہیں تو سمجھیے کہ ہمیں اپنی پرفارمنس کا صلہ مل جاتا ہے۔ میری نظر میں ہنسانا ایک مشکل ترین کام ہے۔"

"حس مزاح کس میں زیادہ ہوتی ہے۔ خواتین میں یا مردوں میں؟"

"میرے خیال میں ابھی ایسا کوئی پیمانہ ایجاد نہیں ہوا کہ یہ بتایا جاسکے کہ کس میں حس مزاح زیادہ ہوتی ہے۔ بے شک خواتین جذباتی اور حساس ہوتی ہیں مگر حس مزاح میں بھی وہ کسی سے کم نہیں ہوتیں۔"

"الیکٹرونک میڈیا جوائن کرنے کے بعد کیا نمایاں تبدیلی آئی آپ میں؟"

"میڈیا میں آنے سے پہلے میں دوسروں پہ بہت آسانی سے بھروسا کرلیا کرتی تھی۔ مگر اب میں خاصی محتاط ہوگئی ہوں۔ کافی کچھ سیکھ لیا ہے میں نے اس فیلڈ سے۔"

"پہلے سوشل زیادہ تھیں یا اب ہیں؟"

"میرے خیال میں نہ پہلے سوشل تھی اور نہ ہی

دنیا بھر سے منتخب معیاری ادب
عمران ڈائجسٹ
Emale: id@khawateendigest.com

مارچ
2018

آزادی
قدم بقدم موت کا خوف سانحہ 1971 کے پس منظر میں لکھی گئی ایک جنگی قیدی کی کہانی
مشہور دفاعی تجزیہ نگار اکرام سہگل کی آپ بیتی،

...دیوں کی
افریقہ کے ایک آتش فشاں کے دامن میں دفن خزانے کی تلاش
مہم جوئی کے شوقینوں کے لیے
ایم اے راحت کے قلم کا جادو،

مودی انسا...
ناگ دیوتا کے خوب صورت اور دل آویز مجسمے کے لیے کشمکش
ایم الیاس کا ایک انمول تحفہ

محبت نا...
محبت میں انسان جان دے بھی سکتا ہے اور جان لے بھی سکتا ہے
جاوید راہی کی ایک دل دکھانے والی روداد،

... نادان کی ...
زندگی کی ہر مشکل میں ایک دوسرے کا ساتھ نبھانے والے ہی باوفا کہلاتے ہیں
سمین شیخ کا موثر انداز،

سوشل میڈ...
سوشل میڈیا نے جہاں لوگوں پر مثبت اثرات مرتب کیے ہیں وہیں اس کے منفی اثرات نے لوگوں کی زندگیوں کو مشکلات سے دوچار کردیا ہے
عمارہ خان کی حقیقت نگاری،

مارچ 2018 کا تازہ شمارہ آج ہی خریدیں

www.urdusoftbooks.com

URDUSOFTBOOKS.COM
URDUSOFTBOOKS.COM

اب کوئی بہت زیادہ سوشل ہوں۔ میری سوشل لائف صرف میری فیملی اور کچھ فرینڈز تک محدود ہے۔"

"ویسے تو آپ اسکرین پہ بہت ہنس مکھ اور خوش مزاج نظر آتی ہیں...... عام لائف میں کیسی ہیں۔ غصے کی تیز یا نرم؟"

"میں عام زندگی میں بھی بہت فرینڈلی ہوں۔ مگر غصہ فطری ہوتا ہے اور عموماً ناپسندیدہ باتوں پر ہی آتا ہے۔ مثلاً کسی کا بھلا چاہو اور وہ کوئی اور مطلب لے لے۔"

"آپ کا ایک بیٹا اور ماشاء اللہ دو بیٹیاں ہیں۔ گھریلو زندگی کی روٹین متاثر ہوتی ہے؟"

"نہیں۔ الحمد للہ بالکل بھی متاثر نہیں ہوئی، بچے اسکول جاتے ہیں تو میں ریکارڈنگ کے لیے آجاتی ہوں اور پھر اسکول کی چھٹی کے بعد بچے بھی میرے پاس آجاتے ہیں...... اور وہ بھی انجوائے کرتے ہیں۔ ہم سب مل کر کھانا کھاتے ہیں...... اور بس۔"

"کھانا خود بناتی ہیں؟ اور اس پروگرام سے بچے بور ہوتے ہیں یا انجوائے کرتے ہیں؟"

"جی...... زیادہ تر کھانا میں خود بناتی ہوں اور بچے میرے پروگرام کو بہت انجوائے کرتے ہیں اور بہت شوق سے دیکھتے ہیں۔"

"بچوں کا رجحان ہے اس فیلڈ میں آنے کا؟"

"ابھی کچھ کہہ نہیں سکتے، ابھی اتنے بڑے نہیں ہوئے۔ ابھی ان کی سوچ بدلتی رہتی ہے۔ دیکھیں کہ وہ فیوچر میں اپنے لیے کیا فیصلہ کرتے ہیں۔"

"فیصلے کا اختیار دیں گی؟"

"بالکل دوں گی...... کیونکہ زندگی انہوں نے گزارنی ہے۔ جس فیلڈ میں دلچسپی ہو اسے ہی اپنانا چاہیے۔"

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

صائمہ اکرم چوہدری

شہزاد

URDUSOFTBOOKS.COM

شہزاد غیر معمولی حسن کی مالک نہیں تھی لیکن حالات کی تلخیوں نے اس کی شخصیت کو مضبوط بنا دیا تھا، اس کے اعتماد نے اس کی شخصیت کو دل کشی عطا کی تھی۔

ٹرین میں ایک عورت اور مرد سفر کر رہے تھے' ان کے ساتھ ایک بچہ بھی تھا۔ عورت اور مرد کو احساس تھا کہ موت ان کے تعاقب میں ہے ان کے تمام گھر والوں کو مار دیا گیا تھا۔ گاڑی ایک اسٹیشن پر رکی تو ماں نے فیصلہ کیا کہ بچے کو کسی جگہ چھوڑ دے تاکہ اس کی جان بچ سکے۔ اس نے بچے کو ایک بینچ کے نیچے رکھ دیا اور خود ٹرین کی پٹری پار کرتے ہوئے حادثہ کا شکار ہوگئی۔

میر ہاؤس میں محتشم علی اور خاقان علی کا خاندان آباد ہے۔

محتشم علی خان ایم این اے ہیں، ان کے تین بیٹے وہاج، برہان اور شاہ میر ہیں۔ بیٹی ایک ہی ہے جس کا نام در شہوار ہے۔ خاقان علی نے دو شادیاں کی ہیں، پہلی بیوی شارقہ بیگم سے دو بیٹیاں انابیہ اور طوبیٰ ہیں۔ بیٹے کے لیے انہوں نے

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com
URDUSOFTBOOKS.COM

ندرت بیگم سے دوسری شادی کی لیکن ان سے کوئی اولاد نہ ہوسکی۔

خاقان علی کی بہن فوزیہ اور ان کے شوہر ایک فضائی حادثے میں چل بسے تو، تو ان کے دونوں بچے نمیرہ اور ارسل کی پرورش ندرت بیگم نے کی ہے۔ نمیرہ کو لگائی بجھائی کی عادت ہے۔

ان کے گھر کے سامنے جنگل ہے جہاں طوبیٰ اور درشہوار امتحان میں کامیابی کے لیے برگد کے درخت پر دھاگا باندھنے رات کو جاتی ہیں اور شاہ میر انہیں پکڑ لیتا ہے۔ شاہ میر گھر والوں کے سامنے ان کا بھانڈا پھوڑ دیتا ہے جس کی بنا پر ان کو گھر والوں سے بہت ڈانٹ پڑتی ہے۔

انابیہ کا نکاح برہان سے ہوچکا ہے، لیکن برہان کا سرد رویہ اسے افسردہ کرتا ہے۔

ٹینا بیگم فیشن انڈسٹری کی ایک معروف شخصیت تھیں، دو شادیاں ناکام ہوچکی تھیں، آج کل وہ تیسرے شوہر سے جان چھڑانے کے چکر میں تھیں۔ معروف بیوروکریٹ سیف الرحمٰن کے ساتھ ان کا نام لیا جارہا تھا۔

پہلے شوہر سے ان کی دو بیٹیاں تھیں، بڑی شہرزاد جسے اعلا تعلیم کے لیے انہوں نے باہر بھجوا دیا تھا۔ رومیصہ چھوٹی تھی اور اس کی اپنی ماں سے بالکل نہیں بنتی تھی۔ ان کے آئے دن کے اسکینڈل اس کے لیے مسئلہ بنتے تھے۔

اس نے خودکشی کی دھمکی دے کر شہرزاد کو پاکستان آنے پر مجبور کردیا۔ شہرزاد کی آمد ٹینا بیگم کو شدید ناگوار گزری۔

شہرزاد پاکستان آئی تو ایک پرانی فون کال نے اسے ڈسٹرب کردیا۔ طوبیٰ اور درشہوار غلطی سے برابر والے گھر میں داخل ہوئیں تو پتا چلا کہ جو گھر پچھلے ایک ماہ سے خالی پڑا تھا، وہاں محمد ہادی آچکا ہے۔ محمد ہادی فاریسٹ آفیسر ہے، تعلق ایک امیر اور اعلا تعلیم یافتہ گھرانے سے ہے۔ وہ اپنی دوست سعد کو بھی اپنے بنگلے میں لے آیا ہے۔

محتشم علی کا بیٹا وہاج شادی شدہ ہے لیکن گھر کی ملازمہ صندل پر بری نظر رکھتا ہے۔ رومیصہ نے گھر میں شدید توڑ پھوڑ کی اور ٹینا بیگم سے شدید نفرت کا اظہار کیا۔ شہرزاد اسے ماہر نفسیات کو دکھانے کا مشورہ دیتی ہے۔

درشہوار اور طوبیٰ طوبیٰ محمد ہادی کے بنگلے میں جاتے ہیں اور درخت پر چڑھ کر خوبانیاں توڑتی ہیں، محمد ہادی سختی سے

URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

پیش آتا ہے تو درشہوار اسے دھمکی دیتی ہے، ان دونوں کے درمیان ٹھن جاتی ہے۔
یہ جان کر کہ مناہل، ہادی کی بہن ہے درشہوار کا رویہ اس سے بدل جاتا ہے۔ مناہل اور برہان کی بے تکلفی سے اسے انابیہ کے مستقبل کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ وقار درانی، شہزاد کے پاس سمجھنے کے لیے آتے ہیں۔ ہارون رضا، سیفی کے فون سے مشتعل ہو کر بیٹا بیگم کو طلاق دے دیتے ہیں۔ شجاع غنی کیس واپس لے لیتا ہے، اس بار پر ہادی اور شہزاد بہت چراغ پا ہوتے ہیں مگر کچھ کر نہیں پاتے۔ رومیصہ اور وہ ایک گھر میں جا کر چھپتے ہیں جہاں رومیصہ اسے اپنے حالات و واقعات سے آگاہ کرتی ہے۔ دونوں کا نیا رشتہ قریب لے آتا ہے۔ یہ جان کر کہ شاہ میر طوبیٰ کو پسند کرتا ہے تاجدار بیگم کا غصہ گھر میں سب پر اترتا ہے۔ صندل کی بہن سندس کو طوبیٰ کی پرانی کتابوں سے اپنی بہن کا آخری خط ملتا ہے اور وہ حقیقت جان لیتی ہے۔
مونیکا، ذوالکفل کو مائیکل کی آمد سے آگاہ کرتی ہے، وہ اسے لاہور آنے کا مشورہ دیتا ہے۔
صندل کے گھر والے اس کی موت کی وجہ جان کر راتوں رات حویلی چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ رومیصہ کو ارسل بحفاظت اس کے گھر پہنچا دیتا ہے۔ شجاع غنی میر حاکم کی دھمکیوں کی وجہ سے کیس واپس لے لیتا ہے، شہزاد کو یہ جان کر صدمہ ہوتا ہے، ہادی کو بھی غصہ آتا ہے اور اسی وجہ سے اسے درشہوار مزید بری لگتی ہے۔
انابیہ، درشہوار اور مناہل کی بے تکلف گفتگو سن کر صدمے کا شکار ہو جاتی ہے اور درشہوار اور برہان کے ساتھ بے رخی سے پیش آتی ہے جسے وہ دونوں بہت محسوس کرتے ہیں۔
مسجد کے برابر میں گھر لینے پر مونیکا شدید غصے کا اظہار کرتی ہے۔ ہم زاد کو شہزاد اور ارتضیٰ کا ساتھ بہت برا لگتا ہے۔
صندل کے گھر والے، شہزاد کے چوکیدار کے رشتے دار ہیں اور اسی حوالے سے وہ شہزاد کے گھر ملازمت کے لیے پہنچ جاتے ہیں۔
جارج، مارتھا کو علاقے کے کونسلر کی حرکتوں کا بتاتا ہے۔ جو وہ اس کا گھر زبردستی ہتھیانے کے لیے کر رہا ہے۔ دونوں پریشان ہوتے ہیں۔ مائیکل کی آمد پر وہ مونیکا کی ذمہ داری سے سبکدوش ہونا چاہتے ہیں۔ مگر مونیکا، ذوالکفل سے خفیہ نکاح کر کے ہاسٹل سے اس کے گھر منتقل ہو جاتی ہے۔

تیرہویں قسط

میریٹ ہوٹل میں ہونے والے مسز قریشی کے ڈنر کی رونقیں عروج پر تھیں۔
رنگ و بو اور روشنیوں کے طوفان کے پیچھے بجتا ہوا دھیمے سروں کا میوزک اب ہادی کے دماغ کو ناگواری کا احساس بخش رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ان سب چیزوں پر لعنت بھیج کر خود کو اس منظر سے غائب کر لیتا۔
درشہوار اس کے سامنے تھی، پنک کلر کی میکسی کے ساتھ اس نے اپنے چہرے کے دلکش نقوش کو بڑی مہارت اور نفاست سے کیے جانے والے میک اپ کے ساتھ اجاگر کرنے کی شعوری کوشش کی تھی۔ آنکھیں اس کی پہلے ہی دلکش تھیں، اوپر سے اس نے اپنی گھنی پلکوں پر مسکارے کا گہرا کوٹ لگا کر انہیں مزید جاذب نظر بنا لیا تھا۔
براؤن کلر کے ٹو پیس سوٹ میں میر برہان کی تیاری بھی کسی سے کم نہیں تھی لیکن ہادی کو ان دونوں بہن بھائی سے یکساں بیزاری اور کوفت محسوس ہوئی اور پریشانی کی بات یہ تھی کہ درشہوار کی نظریں مسلسل اس کے وجود کا احاطہ کیے ہوئے تھیں۔
''ارے ہادی صاحب آپ......؟'' برہان کے لہجے سے چھلکتی شناسائی پر مناہل چونکی۔
''آپ لوگ ایک دوسرے کو جانتے ہیں کیا......؟'' مناہل بے تابی سے گویا ہوئی۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com URDUSOFTBOOKS.COM

"مجھے ان کا پڑوسی ہونے کا اعزاز حاصل ہے......" ہادی نے جان بوجھ کر طنزیہ انداز اختیار کیا۔
"ویٹس گریٹ، پھر مجھے تو مستقل طور پر مری میں شفٹ ہو جانا چاہیے......" مناہل کھلکھلا کر ہنسی۔
"تم جس جگہ پر ہو، وہیں رہو تو بہتر ہوگا......" ہادی نے ڈھکے چھپے الفاظ میں اسے سمجھانے کی کوشش کی، جو اس وقت برہان کو سامنے پا کر خود کو ہواؤں میں اڑتا ہوا محسوس کر رہی تھی اور اس کے رنگ ڈھنگ اسے خوف زدہ کرنے کے لیے کافی تھے۔

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ مناہل ہر وقت جس ہادی کا ذکر کرتی ہے، وہ آپ ہو سکتے ہیں۔"
"جی...... یہ محض ایک اتفاق ہے۔" اس کے لہجے میں موجود سنجیدگی اور فراخ پیشانی پر گہرے ہوتے بل درشہوار کے اندر مایوسی کا دھواں پھیلا رہے تھے لیکن اس سے چند فٹ کے فاصلے پر کھڑے ہونے کا احساس بھی فی الحال کافی تھا۔ وہ شعوری طور پر تھوڑا اس کے قریب آ کر کھڑی ہوئی، اس کے لباس سے اٹھتی قیمتی کولون کی مسحور کن مہک نے درشہوار کو لمحہ بھر کے لیے بے بس کیا۔
"آئیں ناں برہان، آپ کو ماموں اور ممانی جان سے ملواتی ہوں۔" مناہل کے لہجے سے چھلکتی بے چینی ہادی کو سخت بری لگی۔
"شیور......!!!" برہان کی گہری نظریں مناہل کے چہرے کا حصار کیے ہوئے تھیں۔
"صرف ملوانا، ان سے تعارف مت کروانا۔" ہادی نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے مناہل کے تھوڑا قریب آ کر ہلکی سی سرگوشی کی۔
مناہل نے پلٹ کر پریشان نظروں سے اس کی طرف دیکھا، اور ہادی نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے کچھ سمجھانے کی کوشش کی، جو مناہل سمجھ تو نہیں پائی لیکن اس کے چہرے پر پھیلی سنجیدگی نے اسے لمحے بھر کو تشویش میں مبتلا ضرور کیا۔
"ایکسکیوز می برہان! ایک منٹ۔"
وہ پریشان انداز سے ہادی کے پاس آئی، جو اس وقت ساری دنیا ہی سے خفا خفا سا لگ رہا تھا۔ درشہوار اور برہان دونوں نے چونک کر انہیں دیکھا، لیکن ہال میں بجتے ہوئے میوزک کی وجہ سے وہ ان کی گفتگو سمجھنے سے قاصر تھے، البتہ ہادی کے چہرے کے تاثرات سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو کم از کم خوش گوار نہیں تھی۔
"تم بتا کیوں نہیں رہے ہو، آخر پرابلم کیا ہے......؟"
"کہا ناں، ممی پاپا سے تعارف مت کروانا ان لوگوں کا، باقی ڈیٹیل بعد میں بتا دوں گا۔" وہ ہلکا سا جھنجھلایا۔
مناہل نے کچھ لمحے اسے غور سے دیکھا، اور پھر سر جھٹک کر بے نیازی کے ساتھ اپنے اسپیشل مہمانوں کی طرف بڑھ گئی، جبکہ ہادی کا تو سارا مزا ہی کرکرا ہو گیا تھا، وہ زبردستی کی مسکراہٹ کے ساتھ اپنے جاننے والے لوگوں سے ملتے ہوئے نسبتاً ایک خالی گوشے کی طرف آ گیا، جہاں ذرا الگ تھلگ رکھے صوفے پر شہزاد بر جمان تھی۔
مناہل کی بے تابیوں اور بے چینیوں نے اس کا سکون تو برباد کیا ہی تھا لیکن اسے اس بات پر بھی حیرانی تھی کہ میر برہان محتشم اپنی بہن کو لیے اتنے دھڑلے سے انجان لوگوں کی گیدرنگ میں کیسے آ سکتے ہیں، اور بہن بھی اس وقت سولہ سنگھار کیے کسی بھی اچھے بھلے شخص کے ہوش اڑا سکتی تھی لیکن آگے بھی ہادی تھا جو اپنے دل کے دروازے سختی سے بند کر کے چابی کہیں دور جنگلوں میں پھینک چکا تھا۔

www.urdusoftbooks.com

''پاگل ہیں دونوں بہن بھائی۔'' وہ دل ہی دل میں ان دونوں کو کوستے ہوئے غیر دانستہ طور پر شہزاد کے عین برابر میں بیٹھ گیا۔ اسے اندازہ ہی نہیں ہوا کہ ان دونوں کے درمیان میں بس چند انچ کا فاصلہ ہے۔

''آپ کی طبیعت ٹھیک ہے ہادی؟'' شہزاد اس کی غائب دماغی کو بھانپ چکی تھی۔

''اوہ آئی ایم سوری۔'' وہ خفت زدہ انداز میں تھوڑا فاصلہ رکھ کر بیٹھا۔

''اٹس اوکے...... مجھے لگتا ہے، آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے شاید۔'' وہ چہرے پر نرم مسکراہٹ لیے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''جی، کچھ ایسا ہی ہے، سر میں درد ہے، لگتا ہے کوئی پین کلر لینی پڑے گی۔'' ہادی نے اپنی دو انگلیوں سے ماتھے کو لاشعوری انداز میں مسلا۔

''آپ کسی ویٹر کو بلوا کر پوچھیں، مل جائے گی ادھر ہی سے۔'' وہ تھوڑا فکرمند ہوئی۔

''ارے نہیں، ایسی بھی کوئی بات نہیں، آپ سنائیں کیسی ہیں اور کیا ڈر گئی ہیں میر فیملی سے، جو دوبارہ مری کا رخ ہی نہیں کیا آپ نے۔'' اس نے دانستہ اپنا دھیان منا ہل اور برہان سے ہٹانے کے لیے اس سے گفتگو کا آغاز کیا۔

''ایک بات یاد رکھیے گا محمد ہادی صاحب! جس دن شہزاد نے اپنے پروفیشن سے ڈرنا شروع کیا، اس سے اگلے دن وہ سب کچھ چھوڑ کر اپنی ماما کا سیلون سنبھال لے گی، کیونکہ اس کے لیے پھر یہی شعبہ بہتر ہوگا۔'' اس کے پُراعتماد انداز پر وہ نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرا دیا۔

''یہی اسپرٹ ہونی چاہیے زندگی کے ہر معاملے میں، اور مجھے یقین ہے کہ ایسا دن کم از کم آپ کی زندگی میں کبھی نہیں آئے گا۔''

''اللہ کرے، میں آپ کی امیدوں پر پورا اُتروں۔'' شہزاد نے ویٹر کی ٹرے سے فریش جوس کا گلاس اٹھاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

''مجھے تو شجاع غنی والے کیس سے بہت امیدیں تھیں کہ کم از کم میر فیملی پر ہاتھ ڈالنے کا ایک مضبوط جواز ہاتھ میں آجائے گا۔'' وہ اب بہت تسلی سے اس سے گپ شپ لگانے کے موڈ میں تھا۔

''امیدیں تو مجھے بھی بہت تھیں لیکن، وہی حضرت علیؓ کا قول ہے ناں ''میں نے اپنے ارادوں کے ٹوٹنے سے خدا کو پہچانا۔'' وہ تھوڑا افسردہ ہوئی۔

''میں آپ کی بات سے متفق ہوں، شجاع غنی کے پیچھے ہٹنے کے بعد کوئی اور مضبوط جواز بھی تو نہیں رہا تھا اس کیس کو لڑنے کا، لیکن آپ کو جب موقع ملے اس کیس کا بدلہ ضرور لیجیے گا۔''

''میں کسی ذاتی عناد یا دشمنی پر تو لوگوں پر کیس نہیں کر سکتی، لیکن جب بھی ان کے خلاف ایسا کچھ ملا تو پیچھے نہیں ہٹوں گی۔'' شہزاد نے اسے اپنے ارادوں سے باخبر کیا۔

''ان شاء اللہ کچھ نہ کچھ ایسا ضرور مل جائے گا کیونکہ، یہ لوگ اپنی حرکتوں سے باز تو آنے والے ہیں نہیں۔'' ہادی نے کافی فاصلے پر کھڑی درشہوار کو ناپسندیدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کھل کر کہا۔

''ہوسکتا ہے کہ اس سے بھی زیادہ مضبوط جواز مل چکا ہو مجھے، جو ان کے پورے خاندان کی سیاست کی بنیادیں ہلا دے۔'' اس کے پُراعتماد لہجے میں کچھ تھا۔

ہادی ایک دم سنبھل کر بیٹھا اور اسے اپنا سارا سر درد فضاؤں میں تحلیل ہوتا ہوا محسوس ہوا۔

''آر یو شیور......؟؟؟'' اس نے شہزاد کا چہرہ کھوجنے کی کوشش کی۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com URDUSOFTBOOKS.COM

''آف کورس، میں کوئی ایسی بات اندازوں پر تو کر نہیں سکتی۔'' وہ ابھی بھی پُر اعتماد تھی۔
''اگر ایسی کوئی بات ہے تو میں بے چینی سے اس وقت کا منتظر ہوں اور مجھے یقین ہے کہ آپ مجھے زیادہ دیر انتظار نہیں کروائیں گی۔'' ہادی کی بات پر شہرزاد کے لبوں پر ایک جان دار مسکراہٹ دوڑنے لگی۔
''میں نے مسز عالیہ قریشی یعنی آپ کی والدہ سے زندگی کا ایک ہی اصول سیکھا ہے ابھی۔''
وہ اس کی بات پر چونکا۔ ''کیا......؟''
''زندگی بھی شطرنج کی بساط کی مانند ہوتی ہے جہاں درست وقت پر درست مہرے کا استعمال ہی آپ کی کامیابی کی ضمانت بنتا ہے۔'' وہ مسکرائی۔
''اور یہ بات مجھ سے زیادہ بہتر کون جان سکتا ہے کہ کسی سیاسی خاندان کے لیے الیکشن کے قریب کا وقت ریڑھ کی ہڈی کی مانند ہوتا ہے، اس وقت پر لگنے والی چوٹ کے اثرات بہت دیرپا ہوتے ہیں۔'' اس کی آنکھوں میں موجود چمک پر شہرزاد مسکرائی۔
''مسز قریشی کی اولاد کو اتنا ہی ذہین ہونا چاہیے جتنا دنیا انہیں سمجھتی ہے۔''
''اس کا مطلب ہے، میرا اندازہ درست ہے، آپ بھی اسی وقت کا انتظار کر رہی ہیں۔'' ہادی کی بات کو اس نے مسکرا کر ٹالا۔
اسی ہال میں کچھ فاصلے پر موجود درشہوار کی نظریں ان دونوں پر جمی ہوئی تھیں، شہرزاد کا پُروقار انداز میں مسکرانا اور ہادی کا محویت کے ساتھ اسے غور سے دیکھتے ہوئے جواب دینا، یہ سارے تلخ مناظر بھولنے کے لیے درشہوار کو پہاڑ جتنا حوصلہ چاہیے تھا۔
اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ شہرزاد کا ہاتھ پکڑ کر اسے ہال سے کہیں دور پھینک آتی یا ہادی کو گھسیٹتی ہوئی وہاں سے کہیں اور لے جاتی۔ اسے دنیا میں کوئی لڑکی اتنی بُری نہیں لگی تھی، جتنی اس وقت ہادی کے ساتھ بیٹھی ہوئی شہرزاد لگ رہی تھی۔
ہادی اپنے برابر میں بیٹھے ہوئے کسی جاننے والے کے ساتھ محوِ گفتگو ہو گیا اور شہرزاد کی ساری توجہ اس کے سیل فون پر آنے والے ٹیکسٹ میسج نے اپنی طرف مبذول کروالی، وہ میسج کی مخصوص بپ سے جان چکی تھی کہ دوسری طرف ہم زاد ہوگا اور وہی تھا۔ اسکرین پر نظریں دوڑاتے ہوئے اس کے لب خود بخود مسکرائے، کیونکہ سامنے تحریر تھا۔

الٰہی کیوں نہیں اٹھتی قیامت، ماجرا کیا ہے......
ہمارے سامنے پہلو میں وہ دشمن کے بیٹھے ہیں

شہرزاد نے اسکرین پر جگمگاتے اس کے نام کو مسکراتے ہوئے دیکھا، ایک ساتھ کئی جگنو اس کی اپنی بھی آنکھوں میں چمکے اور اس نے شرارت سے فوراً اس کے شعر کا جواب تیزی سے ٹائپ کیا۔

صاف چھپتے بھی نہیں، سامنے آتے بھی نہیں
خوب پردہ ہے چلمن سے لگے بیٹھے ہیں

جیسے ہی شہرزاد کا ٹیکسٹ گیا، اگلے ہی منٹ میں اس کا شاعری ہی کی زبان میں برجستہ میسج کی صورت میں فوراً جواب آیا۔

عشق مقتل میں کبھی ہم کو پکارے تو سہی
پا بجولاں ہی چلے آئیں گے چھم چھم کرتے

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

وہ بھی کون سا کسی سے کم تھی، جھٹ سے شانِ بے نیازی سے اسے لکھ مارا۔
ان قدموں نے تمہارے، ان ہی قدموں کی قسم
خاک میں اتنے ملائے ہیں، کہ جی جانتا ہے۔
اس شعر کے بعد چند منٹوں کا سناٹا چھا گیا، اسے پتا تھا کہ یہ بات براہِ راست اس کے دل میں کھبی ہوگی، تب ہی دو منٹ اور تیس سیکنڈ کے بعد سیل فون اسکرین پر اس کا جواب آیا۔
کوئی فتنہ، تا قیامت، نہ پھر آشکار ہوتا
تیرے دل پہ کاش ظالم، مجھے اختیار ہوتا
شہرزاد جان سکتی تھی کہ اس شعر کے اندر اس کی حسرتوں کا جہاں آباد ہے۔ اس نے بھی اس بار امید کی ڈور اس کے ہاتھ میں تھمائی۔
اسی دنیا کے، اسی دور کے ہیں
ہم تو دلی میں بھی بجنور کے ہیں
شہرزاد کو اندازہ نہیں تھا کہ سامنے بھی ہم زاد تھا جس سے چاہ کر بھی وہ کسی بھی معاملے میں جیت نہیں سکتی تھی۔
تجھ کو دعوا ہے محبت میں گرفتاری کا
لا دکھا، پاؤں میں زنجیر ہمارے جیسی
اس نے ہم زاد کے اس دعوے پر تپ کر اسے فوراً لکھا۔
وہ ہر ایک بات کا پہلو نکال لیتا ہے
میں کچھ کہوں تو، ترازو نکال لیتا ہے
شہرزاد کے اس دل جلے انداز پر اس نے ہنستے ہوئے لکھا۔
آخر میں تیرے کام تو آیا، کسی طرح
آخر میری مثال ہی دینا پڑی تجھے
اسی شعر کے نیچے لکھا ہوا تھا۔

URDUSOFTBOOKS.COM

''اب بیت بازی ختم اور جا کر کھانا کھا لیجیے۔''
شہرزاد نے چونک کر ہال کی طرف دیکھا، ہادی پتا نہیں کب وہاں سے اٹھ کر جا چکا تھا اور اس وقت سب ہی مہمان ڈنر میں مصروف تھے۔ اس نے بھی اپنا سیل فون ہینڈ بیگ میں ڈالا اور مسز قریشی کے پاس جا کر کھڑی ہوگئی۔

☆☆☆☆

وال کلاک کی سوئیاں اس وقت ایک کے ہندسے پر ٹھہری ہوئی تھیں۔
ہادی اور مناہل کے درمیان بوجھل خاموشی کا وقفہ کچھ لمحوں کے لیے آ کر ٹھہر گیا، مناہل نے ہلکا سا جھنجھلا کر اپنے کزن کو دیکھا، جس کے بارے میں اسے دعوا تھا کہ وہ اسے ساری دنیا سے زیادہ جانتی ہے لیکن اس کا یہ روپ تو اس نے پہلی دفعہ دیکھا تھا۔
''تم پوچھنا کیا چاہ رہے ہو ہادی! صاف صاف کہو......؟'' وہ ہلکا سا چڑ کر بولی۔
''مجھے تم صرف اتنا بتاؤ، تم میر برہان کی فیملی کے بارے میں کتنا جانتی ہو......؟'' اس کا سخت لہجہ مناہل کو چونکا گیا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

''تمہارے لہجے سے تو لگ رہا ہے جیسے مجھ سے زیادہ تم ان کو جانتے ہو۔'' وہ سنجیدہ ہوئی۔

''اسی بات کا تو افسوس ہے، جو بات تمہیں جاننی چاہیے تھی، وہ مجھے بتانی پڑ رہی ہے۔'' وہ جتاتے ہوئے انداز میں گویا ہوا۔

''ایسی کیا بات ہے جو تم اتنا زیادہ سیریس ہو رہے ہو۔'' وہ دونوں بازو سینے پر باندھ کر اس کے عین سامنے آن کھڑی ہوئی۔

''سوچ لو، شاید سن کر تمہیں اچھا نہ لگے۔'' اس کے طنزیہ انداز پر مناہل کو جھٹکا لگا۔

''میں برہان کو بہت اچھی طرح سے جانتی ہوں اور میں نے ہر لحاظ سے پرفیکٹ پایا ہے انہیں۔''

''اس کے خاندان کو جانتی ہو......؟'' اس نے طنزیہ نگاہوں سے اسے گھورا۔

''میرا اس کے خاندان سے کیا لینا دینا۔'' اس نے دوبدو جواب دیا۔

''مناہل صاحبہ، یہ پاکستان ہے اور یہاں لڑکی کا اپنے شوہر سے زیادہ اپنے سسرال والوں سے لینا دینا ہوتا ہے، پھر تم یہ بات کیسے بھول سکتی ہو۔'' اس کا استہزائیہ انداز اسے اچھا نہیں لگا۔

''جو بات ہے ہادی! تم صاف صاف کیوں نہیں کرتے ہو......؟'' وہ جھنجھلا کر بولی۔

''اس سے پہلے تم خود کو راضی کر لو تلخ سچائی کو ہضم کرنے کے لیے۔''

''میرا ہاضمہ اتنا کمزور نہیں ہے، تم جو بھی کہنا چاہتے ہو، کھل کر کہو، میرے سامنے پہیلیاں مت بجھواؤ، کیونکہ مجھے سخت الجھن ہو رہی ہے۔''

''صرف اتنا بتا دو کہ تم برہان کے علاوہ اس کے خاندان کے کتنے لوگوں کو جانتی ہو......؟'' اس نے غور سے اس کے چہرے کے تاثرات جانچتے ہوئے کہا اور جواب حسب توقع وہی آیا تھا، جس کی اسے سو فیصد امید تھی۔

''اس کی بہن درشہوار سے ایک دو بار ملاقات ہوئی ہے میری، اور اچھی لگی ہے وہ مجھے۔'' مناہل کی اس بات نے اس کا موڈ خراب کیا۔

''واہ منو صاحبہ واہ! یہ کون سی دنیا کی محبت ہے جہاں محبوب کے علاوہ کسی اور چیز کا علم نہیں اور اس کے ساتھ نئی دنیا بسانے کے خواب دیکھے جا رہے ہیں۔'' اس نے اس بار اس کی اچھی خاصی عزت افزائی کی۔

''ہادی! بھول گئے ہو کیا، تم نے بھی تو محبت کرتے ہوئے ہر چیز بھلا دی تھی۔'' اس کے طعنے پر وہ تڑپ اٹھا۔

''سب کچھ بھلا دیا ہوتا تو وہ اس وقت میرے گھر میں میرے ساتھ ہوتی، میں یک طرفہ محبت کی سزا نہ کاٹ رہا ہوتا۔''

''ہاں تو کر لو ہمت، اب بھی کیا بگڑا ہے۔'' مناہل کا یہ وار بھی خاصا کاٹ دار تھا۔

''بگڑا تو کچھ بھی نہیں ہے، بس کسی کی دوستی کا مان ٹوٹ جائے گا، اسی چیز کی حیا مار دیتی ہے مجھے۔'' وہ تلخی سے گویا ہوا۔

''جب تم خود کچھ نہیں کر سکتے تو میرے راستے کی رکاوٹ کیوں بن رہے ہو، کیا پرابلم ہے تمہارا......؟'' اس دفعہ وہ بھی برا مان گئی۔

''میرا پرابلم تم ہو مناہل! تمہیں بہن کہا ہی نہیں، ہمیشہ سمجھا بھی ہے اور میں تمہیں کسی اندھے کنوئیں میں گرتا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔'' اس نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر کہا تھا لیکن اس کی اس بات پر مناہل نے بیزاری سے اپنے کندھے جھٹکے۔

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

''برہان، اندھا کنواں نہیں ہے۔'' مناہل نے ٹوکا۔

''میر حاکم علی کا خاندان ایک ایسی اندھی کھائی ہے، جہاں اندر گرنے کے تو بے شمار راستے ہیں لیکن باہر نکلنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ ہے موت، یہ لوگ سانسوں پر پہرے لگاتے ہیں، دوسروں کی زندگیوں کا اختیار اپنی مٹھیوں میں رکھنے کے قائل ہیں۔'' اس نے نادان لڑکی کو سمجھانے کی کوشش کی۔

''تم یہ بات اتنی تفصیل سے کیسے جانتے ہو......؟'' مناہل مشکوک ہوئی۔

''میں ہی نہیں ممی، پاپا سب جانتے ہیں، پاپا کے پاس ان کی کرپشن کے ڈھیروں ثبوت ہیں، جا کر دیکھ سکتی ہو تم۔''

''سیاست سے تعلق رکھنے والے خاندانوں پر ایسے الزامات لگتے ہی رہتے ہیں، یہ کون سی نئی بات ہے......'' اس نے اس بات کو چٹکیوں میں اُڑایا۔

''اس کا خاندان کرپشن، دھوکا دہی، قتل و غارت، اغوا اور لینڈ مافیا کے حوالے سے بھی مشہور ہے۔'' وہ ہلکا سا جھنجھلا کر گویا ہوا۔

''بے شک ایسا ہو گا، لیکن برہان ایسا نہیں ہے، وہ بہت مختلف ہے......'' اس بار اس کی آواز تھوڑی مدھم ہوئی۔

''منو! غلط فہمی ہے تمہاری، وہ سب لوگ اوپر سے لے کر نیچے تک ایک جیسے ہیں، ہمیں ان کا خاندان بالکل بھی سوٹ نہیں کرتا، ان کے مردوں کے لیے علیحدہ اصول ہیں اور خواتین کے لیے الگ......'' ہادی نے تلخی سے کہا۔

''اگر ایسا ہوتا تو برہان بھی پروفیسری کے بجائے اپنی فیملی کے باقی لوگوں کی طرح سیاست کر رہا ہوتا، اس نے پورے خاندان سے بغاوت کر کے یہ پروفیشن اپنایا ہے، اسے نفرت ہے سیاست سے......'' اس کے پاس بھی دلیل تھی۔

''لیکن وہ تمہارے ساتھ سیاست کر رہا ہے، میری یہ بات لکھ لو تم......'' ہادی کے طنز پر وہ تڑپ کر بولی۔

''تم اس کی فیملی کے بارے میں غلط بات ضرور کرو لیکن برہان کے بارے میں نہیں۔ وہ ٹھیک ٹھاک بُرا مان گئی۔

''اس لیے کہ میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتی ہو......'' اس نے غصے سے کہا۔

''میں جاننا بھی نہیں چاہتی، وہ لوگ جو بھی ہوں، جیسے بھی ہوں، لیکن میں اور برہان ایک دوسرے کو نہیں چھوڑ سکتے......'' مناہل نے اس بار صاف گوئی سے اپنا موقف بتایا، اور ہادی کا ایک بار تو دل چاہا کہ وہ سامنے والی دیوار سے جا کر ٹکر مار لے، کیونکہ مناہل کوئی بھی بات ماننے کے لیے تیار ہی نہیں تھی۔

''کیا کوئی شخص اپنے خاندان، برادری اور رشتے داروں سے کٹ کر رہ سکتا ہے۔؟ کیا وہ ان سب لوگوں کو تمہارے لیے چھوڑ سکتا ہے کیونکہ اتنا تو میں بھی جانتا ہوں کہ میر خاندان میں پہلی بہو کا اعزاز صرف ان کے اپنے خاندان کی عورت کو ہی ملتا ہے......؟'' اس نے استہزائیہ لہجے میں پوچھا۔

''مطلب کیا ہے تمہارا......'' مناہل بیزاری سے گویا ہوئی۔

''وہ اپنی پہلی شادی اپنے خاندان میں ہی کرے گا، لکھ لو تم میری یہ بات، اور اس کے بعد تم اس کی دوسری یا تیسری بیوی بننا چاہو تو یہ الگ بات ہے۔''

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ہادی کے استہزائیہ انداز پر وہ جذباتی ہوگئی...... ''برہان ایسا کبھی نہیں کر سکتے......''

''خوش فہمیوں کی ریت پر اونچے اونچے محل مت بناؤ، اور ہو سکے تو اس موضوع پر اس سے کھل کر بات کرو، تب ہی تم کسی نتیجے پر پہنچو گی......'' اس نے مناہل کو ایک نئی راہ دکھائی تو وہ بھی کچھ الجھن کا شکار ہوئی۔

''بات تو میں کرلوں گی لیکن کیا ماموں اور ممانی مان جائیں گے؟'' مناہل کے لہجے میں کئی اندیشوں نے ایک ساتھ سر اٹھایا۔

''میں ان کی گارنٹی نہیں دے سکتا، کیونکہ ممی کی اسسٹنٹ شہزادی پر فائرنگ برہان کے دادا اور باپ نے کروائی تھی اور یہ بات وہ لوگ اچھی طرح سے جانتے ہیں، اس لیے تمہیں اپنا مقدمہ خود لڑنا ہوگا۔'' ہادی نے اسے کسی خوش فہمی میں رکھنا مناسب نہیں سمجھا۔

اپنی بات مکمل کر کے وہ رکا نہیں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اس کے کمرے سے نکل گیا۔

''اوہ مائی گاڈ......! اب کیا ہوگا......؟'' مناہل کو قطعاً اس صورت حال کا اندازہ نہیں تھا، اس نے وال کلاک پر وقت دیکھا، رات کے دو بج رہے تھے اس نے کچھ سوچ کر برہان کا نمبر ڈائل کیا، چند سیکنڈ بعد پاورڈ آف کی بیل پر وہ مایوس ہوئی۔ اس نے پریشانی سے سیل فون ایک طرف رکھ دیا، ہادی سے اس ایک گھنٹے کی بحث کے بعد وہ جان چکی تھی کہ اس کے اور برہان کے راستے اتنے بھی آسان نہیں تھے جتنا اس نے سمجھ لیے تھے۔

☆☆☆

میر ہاؤس اس وقت تاریکی اور خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا۔۔۔

درشہوار کے کمرے کی جلتی لائٹ دیکھ کر نمیرہ نہ چاہتے ہوئے بھی ادھر نکل آئی، اسے پتا تھا کہ وہ اور برہان بھائی فنکشن سے ابھی ابھی لوٹے ہیں اور وہ مزے مزے کے قصے سننے کے چکر میں اس کے پاس آئی تھی۔

اس نے ہلکا سا دروازہ کھول کر درشہوار کے کمرے میں جھانکا، اسے دھچکا لگا۔

درشہوار کی ٹی پنک میکسی، جیولری، دوپٹہ اور ہار سنگھار کی ساری چیزیں لاپروائی سے زمین پر پڑی ہوئی اپنی بے وقعتی کا ماتم کر رہی تھیں اور وہ ڈریسنگ کے شیشے کے سامنے کھڑی گویا اپنے حواسوں میں نہیں تھی، سفید رنگ کی ٹی شرٹ اور ٹراوزر میں وہ اپنے مخصوص نائٹ ڈریس میں تھی۔

اس کی آنکھوں میں عجیب سی وحشت اور بے بسی کا ڈیرا تھا، اس نے اپنے بازو کی پشت سے اپنے ہونٹوں کو رگڑ کر میرون کلر کی لپ اسٹک اتارنے کی کوشش کی اور سفید رنگ کی آستین پر میرون رنگ عجیب سا دکھائی دینے لگا، اسے اس چیز سے تسلی نہیں ہوئی تو اس نے فرش پر بے دردی سے پڑی اپنی میکسی کے ساتھ کے گلابی دوپٹے کو اٹھایا اور بے دردی سے اپنا میک اپ رگڑ رگڑ کر اتارنے لگی۔ نمیرہ کو جھٹکا لگا۔۔

''کیا ہوگیا ہے درشہوار! پاگل تو نہیں ہوگئی ہو۔۔۔'' نمیرہ نے بھاگ کر اس کا دوپٹہ چھینا۔

''میرا دوپٹہ واپس کرو......'' وہ اپنے حواسوں میں نہیں تھی۔

''پاگل لڑکی! اتنا قیمتی سوٹ برباد کرنا ہے کیا، دیکھو ذرا کتنے داغ لگ گئے ہیں اس پر......'' نمیرہ نے پریشانی سے اس کا قیمتی دوپٹہ دیکھا جو اس کے سیاہ کاجل، اور آئی شیڈز کے مختلف رنگوں کے ساتھ خاصا بدنما ہو چکا تھا۔ ''کیا ہوا ہے تمہیں؟''

''دماغ خراب ہوگیا ہے میرا، دل کرتا ہے کہ پوری دنیا میں آگ لگا دوں کسی کو بھی زندہ نہ چھوڑوں......'' وہ اب رونے لگی۔

''برہان بھائی نے کچھ کہا ہے تمہیں۔؟ فنکشن تو ٹھیک رہا ناں، تم تو اتنی خوش خوش گئی تھیں......'' وہ پریشان

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ہوئی۔

''مجھے جانا ہی نہیں چاہیے تھا، خوامخواہ میں منہ اٹھا کر چلی گئی اپنی انسلٹ کروانے۔ پتا نہیں عقل کس دن آئے گی مجھے......'' وہ اب بلند آواز میں خود کو کوس رہی تھی اور اس کی یہ لعن طعن کمرے میں داخل ہوتی طوبیٰ نے بقائمی ہوش وحواس سنی اور اس کے چہرے پر ایک زہر آلود تبسم نے انگڑائی لی۔

''تمہاری انسلٹ......؟ کس نے کی......؟'' اس کی بات پر نمیرہ بوکھلا گئی۔

''اپنی انسلٹ کروا کر کون بتاتا ہے......؟'' طوبیٰ نے اس کا مذاق اڑایا۔

''تم کیوں میرے ہر دکھ اور ہر تکلیف پر اتنا خوش ہوتی ہو، شرم آنی چاہیے......'' درشہوار نے اپنا غصہ طوبیٰ پر اتارا۔

''جو انسان خود دوسروں کے لیے بُرا سوچے، وہ کیسے خوش رہ سکتا ہے......'' وہ اس کے سامنے آ کر آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔

''کس کے لیے بُرا سوچا ہے میں نے......؟ کس کے ساتھ غلط کیا ہے میں نے۔۔؟'' وہ اپنے حواسوں میں نہیں تھی۔

''یہ تم بیٹھ کر جب ایمان داری کے ساتھ اپنا احتساب کرو گی تو تمہیں خود پتا چل جائے گا......'' طوبیٰ کی صاف گوئی اس کے تن بدن میں آگ لگا گئی۔

''اٹھو تم دونوں اور ابھی اور اسی وقت نکلو میرے کمرے سے، میں تم لوگوں کی منحوس شکلیں نہیں دیکھنا چاہتی۔'' درشہوار نے دونوں کے بازو پکڑے اور گھسیٹتی ہوئی انہیں دروازے کی طرف لے گئی۔

''یار! میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا تمہیں......'' نمیرہ نے بوکھلا کر صفائی دینے کی کوشش کی۔

''مجھے تم میں سے کسی سے بھی بات نہیں کرنی۔'' درشہوار نے ان کو باقاعدہ دھکا دے کر اپنے کمرے سے نکالا۔

''اس کا تو واقعی دماغ خراب ہو گیا ہے اور عقل گھاس چرنے چلی گئی ہے، بہت اچھا ہوا اس کے ساتھ، جس نے بھی کیا۔'' نمیرہ کو اس کی بدتمیزی پر بے تحاشا غصہ آیا۔ طوبیٰ اس کا ہاتھ پکڑ کر سٹنگ روم کے صوفے کی طرف لے آئی۔

''جتنی پاگل یہ ہو رہی ہے، لگتا ہے اسی ہمسایوں کے لڑکے سے بے عزتی کروا کر آئی ہے کیونکہ وہی اسے اس کی اوقات یاد دلاتا ہے۔'' طوبیٰ کی زبان پھسلی۔

''ہادی، وہ اسے کہاں ملا......؟'' نمیرہ بے اختیار چونکی اور طوبیٰ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

''کہیں بھی مل سکتا ہے یار......'' اس نے بات ٹالنے کی کوشش کی لیکن آج طوبیٰ کے ساتھ ساتھ درشہوار کے بھی ستارے گردش میں تھے، برہان جو کہ خود درشہوار کے کمرے سے کوئی پین کلر ڈھونڈنے کے لیے اوپر آ رہے تھے، ان دونوں کی بات پر ان کے قدم ساکت ہوئے۔

''درشہوار اور اس پڑوسی لڑکے ہادی کا کوئی چکر چل رہا ہے ناں۔؟ شک تو مجھے پہلے ہی تھا لیکن آج یقین آ گیا......'' نمیرہ پُراسرار انداز میں مسکرائی۔

''وہ تو گھاس بھی نہیں ڈالتا درشہوار کو، یہ ہی پاگل ہو رہی ہے اس کے پیچھے، ورنہ میرے سامنے کئی دفعہ جھاڑا ہے اس نے، یاد نہیں ایک دفعہ شکایت لے کر بھی آ گیا تھا وہ......'' طوبیٰ کی بات پر برہان کو یوں لگا جیسے کسی نے ابلتا ہوا سیسہ ان کے کانوں میں ڈال دیا ہو۔ ''ایسے ہی اپنی قیمت بڑھا رہا ہوگا، ورنہ درشہوار کو کون لڑکا انکار

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com
URDUSOFTBOOKS.COM

کر سکتا ہے۔'' نمیرہ کو اس کی بات کا یقین نہیں آیا جبکہ برہان کا دماغ کھولنے لگا۔

''اس چھچھوری کو عقل سے کام لینا چاہیے جو ہر وقت اس پر نثار ہونے کے لیے تیار رہتی ہے، گھنٹوں اپنے کمرے کی کھڑکی سے اسے دیکھتی ہے اور اس کا بس نہیں چلتا کہ جا کر اس سے اپنی محبت کی بھیک مانگنے لگے......''

اس سے زیادہ سننا برہان کے بس میں نہیں تھا، وہ تیز تیز قدموں کے ساتھ سیڑھیاں اتر کر نیچے چلے گئے۔

''ہمیں کتنے نفلوں کا ثواب مل رہا ہے ان دونوں کو آدھی رات کو ڈسکس کر کے، چلو اٹھو، تائی امی آ گئیں تو انہیں تو پہلے ہی اعتراض ہوتا ہے کہ ہم ساری رات بدروحوں کی طرح پورے گھر میں گھومتے ہیں......'' طوبیٰ اپنی بات مکمل کر کے کھڑی ہوئی۔

''ہم تو صرف گھومتے ہیں پر ان کی اپنی سگی بیٹی تو ڈریکولا بن چکی ہے۔ جس کا بس چلے تو ہمارا ہی خون پینا شروع کر دے، دیکھو ذرا کیسے دھکے مار کر نکال دیا کمرے سے، اب اس فضول لڑکی کو منہ لگانے کی قطعا ضرورت نہیں۔'' نمیرہ کا غصہ ابھی بھی کم نہیں ہوا تھا، تب ہی تو وہ اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے مسلسل بولتی رہی جبکہ طوبیٰ کے پاس اب ایک بے ضرر سی مسکراہٹ کے علاوہ کوئی اور جواب نہیں تھا۔

☆☆☆

شہرزاد، میڈم عالیہ قریشی کے ڈنر سے ابھی ابھی گھر پہنچی تھی۔

اپنی گاڑی پورچ میں کھڑی کر کے جیسے ہی وہ باہر نکلی، اس کی نظر لان میں اکیلے بیٹھی ہوئی سندس پر پڑی، جو کہ رشیدہ مائی کی بیٹی تھی، اس کے چہرے پر اس قدر وحشت اور اداسی تھی کہ در شہوار کے لیے قدم اٹھانا مشکل ہو گئے۔ ''تم اس وقت رات کے ایک بجے یہاں بیٹھی ہوئی کیا کر رہی ہو......''

''کچھ نہیں بی بی جی، ویسے ہی اندر دم گھٹ رہا تھا......'' سندس نے بڑی مہارت سے اپنے آنسو خشک کیے تو شہرزاد کو حیرانی ہوئی، جنوری کے سخت سردی کے موسم میں کسی کو اپنے سرونٹ کوارٹر میں گھٹن کا احساس بے وجہ نہیں ہو سکتا تھا، یہ بات وہ بن کہے سمجھ سکتی تھی۔

''کل جب میں آفس سے آؤں تو میرے کمرے میں آنا، اس وقت اٹھو اور جاؤ اپنے کمرے میں، باہر اچھی خاصی ٹھنڈ ہے۔''

شہرزاد اسے اٹھا کر سٹنگ روم کا دروازہ کھول کر اندر چلی آئی، سامنے ایکوریم کے پاس رکھے کاؤچ پر روی لاپروائی سے نیم دراز تھی اور اس کے ہاتھوں میں اس کا سیل فون تھا، جس پر وہ اس وقت کوئی ٹیکسٹ کرنے میں مصروف تھی، شہرزاد نے ایک سرسری نگاہ اس پر ڈالی۔

''مام نے میڈیسن لی......؟''

''نہیں......'' اس کے جواب پر وہ فکرمند ہوئی۔

''روی! میں جانے سے پہلے کتنی دفعہ تمہیں یاد دلا کر گئی تھی کہ مام کو ٹائم پر میڈیسن ضرور دے دینا......''

''تمہیں کیا لگتا ہے کہ میں نے ان سے نہیں پوچھا ہوگا......؟ اور اصرار کرنے پر جھاڑ نہیں کھائی ہوگی؟'' اس نے الٹا اسے لاجواب کیا۔

''اس کا مطلب ہے کہ وہ آج پھر اسٹریس کا شکار ہیں......'' وہ پریشان ہوئی۔

''یہ تو اب روز کا معمول بن چکا ہے اور میرے ساتھ تو شاید انہیں خاص پرابلم ہے، دس باتیں پوچھتی ہوں تو تب جا کر وہ کسی ایک بات کا ڈھنگ سے جواب دیتی ہیں، جیسے میں نے ان کا پتا نہیں کیا نقصان کر دیا ہو......''

رومیصہ کا موڈ بھی ٹھیک ٹھاک خراب تھا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

''تم ٹینشن مت لو، ان کی ذہنی حالت ہی ایسی ہے۔'' اس نے نرمی سے اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔
''ابھی سیف الرحمٰن صاحب تشریف لے آئیں تو پھر دیکھنا، کیسے ان کی ساری بیماری دومنٹ میں غائب ہوجاتی ہے۔''
''وہ ان سے ملنے اور بات کرنے سے انکار کر چکی ہیں......''
''تمہارے سامنے ڈرامے بازی کر رہی ہیں، ورنہ مام اور سیف الرحمٰن کو چھوڑ دیں، سوال ہی پیدا نہیں ہوتا......'' رومیصہ آج اپنی پرانی جون میں تھی۔
''تمہیں کیا پرابلم ہے سیف الرحمٰن سے۔؟ کم از کم ہارون رضا سے تو ہزار گنا بہتر ہیں وہ......'' شہزاد نے تحمل سے کہا۔
''یقیناً وہ بہتر ہوں گے، لیکن مجھے اب اپنے سوشل سرکل کے اس عمر کے مردوں پر تو قطعاً اعتبار نہیں رہا، جو گھروں میں اپنی بیویوں کو رکھے دوسری عورتوں سے افیئر چلا رہے ہوتے ہیں اور اس چیز پر ان کا ضمیر بھی ان کو ملامت نہیں کرتا......''
''میں اللہ سے دعا کروں گی کہ زندگی میں تمہیں کوئی ایسا مرد نہ ملے......'' شہزاد نے بات کو ہلکے پھلکے انداز میں ختم کرنے کی کوشش کی، اور اس کے اس جملے پر رومیصہ کے چہرے پر بے ساختہ سا گلابی رنگ چھلکا۔
اس کے ذہن کے پردے پر ارسل کا چہرہ نمودار ہوا، جو کل دھڑلے سے اس کے گھر تک پہنچ گیا تھا، اور اس منظر کو یاد کرتے ہی ایک دلکش مسکراہٹ نے اس کے ہونٹوں کا احاطہ کیا، شہزاد کی زیرک نگاہوں نے بھی اس کے چہرے کے تاثرات کو تیزی سے پڑھا۔
''کیا ہوا......؟ کیا ایسا کوئی شخص ڈھونڈ لیا ہے تم نے......؟'' اس نے دانستہ لاپروائی سے اسے چھیڑا۔
''نن نہیں تو، بھلا کہاں سے ڈھونڈوں گی......'' وہ صاف مکرتے ہوئے بولی۔ ''ویسے ہی تمہاری بات پر تھوڑا غور و فکر کیا تو قسم سے اپنے سوشل سرکل کا ایک بھی بندہ ذہن میں نہیں آیا۔'' رومیصہ کے دل جلے انداز پر شہزاد نہ چاہتے ہوئے بھی ہنس پڑی۔
''اچھا تم چھوڑو ان باتوں کو، میں جا کر دیکھتی ہوں مام کو......'' شہزاد مسکراتے ہوئے ٹینا بیگم کے کمرے کی طرف بڑھ گئی، جیسے ہی اس نے دروازہ کھولا، سامنے ٹینا بیگم چھت پر نظریں جمائے بالکل ساکت و جامد لیٹی ہوئی تھیں۔ ان کا چہرہ اتنا سپاٹ تھا کہ اسے ایک لمحے کو خوف سا آیا، ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی زندگی سے عاری وجود اس کے سامنے موجود ہو۔
شہزاد کو دیکھ کر بھی ان کے چہرے پر کوئی تبدیلی نہیں آئی، وہ چلتے چلتے ان کے پاس پہنچ گئی، اور ہلکا سا جھک کر ان کے ماتھے کا بوسہ لیا، ٹینا بیگم کے چہرے پر ہلکا سا تغیر رونما ہوا کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ ان کی یہ بیٹی محبتوں کے اظہار کے معاملے میں بالکل کوری ہے اور رومیصہ تو اپنی بڑی بہن کے لیے اکثر مشین یا روبوٹ کا لفظ استعمال کرتی تھی۔
''مام کیسی ہیں آپ......؟ آپ کو پتا ہے، پی سی میں ویک اینڈ پر ایک فیشن ویک اسٹارٹ ہو رہا ہے......'' شہزاد نے دانستہ اپنے لہجے کو ہلکا پھلکا رکھا۔ ٹینا بیگم اس کی بات پر پھیکے سے انداز میں ہلکا سا مسکرائیں۔
شہزاد نے ان سے ہلکی پھلکی سی معمول کی گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے ان کی میڈیکل فائل اٹھائی اور پھر میڈیسن پر سرسری سی نگاہ ڈال کر لاپروائی سے پوچھا۔
''رات کی ڈوز نہیں لی ناں آپ نے۔؟ میرا انتظار کر رہی ہوں گی، پتا ہے مجھے......'' شہزاد نے بڑی محبت

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com
URDUSOFTBOOKS.COM

سے ان کی دوا ان کی طرف بڑھائی۔

''میرا دل نہیں چاہتا......'' انہوں نے نظریں چرا کر آہستہ سے کہا۔

''آپ سے ہمیشہ میں نے ایک چیز سیکھی ہے کہ زندگی کے فیصلے دل سے نہیں دماغ سے کرنے چاہئیں ہے ناں......؟'' اس نے ماں کو بولنے کے لیے اکسایا

''فیصلہ چاہے دل کا ہو یا دماغ کا، جو خواری قسمت میں لکھی ہو، انسان اس سے نہیں بچ سکتا......'' وہ افسردگی سے اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

''اگر خواری ہی کاٹنی ہے تو پھر مزے سے کاٹنی چاہیے مام، چلیں اٹھیں اور فٹافٹ کھائیں میڈیسن......'' وہ بڑی مہارت سے ان کو ایک ایک کر کے سب دوائیاں کھلا گئی۔ ایک گھنٹے بعد جب وہ اچھی خاصی گپ شپ لگا کر ٹینا بیگم کے پاس سے اٹھنے لگی تو انہوں نے بے اختیار اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

اس نے حیرانی سے اپنی ماں کا زرد چہرہ دیکھا...... ''کیا ہوا مام......؟''

''شیری! تم دنیا کی سب سے بیسٹ بیٹی ہو......'' ٹینا بیگم کے لہجے میں موجود محبت کو محسوس کر کے اس کی آنکھیں نم ہوئیں۔

''شاید اس لیے کہ میں دنیا کی سب سے بیسٹ مام کی اولاد ہوں......!!!'' اس نے محبت سے ان کا ہاتھ دبایا۔

''میں اچھی ماں ہوتی تو رومی کے ساتھ ایسا نہ ہوتا......'' ان کا دماغ اسی ایک پوائنٹ پر آ کر رک گیا تھا۔ شہرزاد نے ان کی آنکھ کے کونے پر اٹکے ہوئے آنسو سے بے ساختہ نظریں چرائیں۔

''اگر رومی کی قسمت میں ایسا ہی لکھا تھا تو میں یا آپ مل کر بھی اسے نہیں بچا سکتے تھے، اس لیے جو ہونا تھا اسے بھول جائیں اور نیکسٹ کے لیے سوچیں، کیونکہ ہم دونوں کو آپ کی ضرورت ہے......'' اس نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

''میں پوری کوشش کروں گی......'' وہ پھیکے سے انداز میں مسکرائیں۔

''تھینک یو۔ ہاں انکل سیفی سے بات کر لیجیے گا، بہت اپ سیٹ ہیں وہ آپ کے لیے......'' شہرزاد دروازے کی طرف جاتے ہوئے لاپروائی سے گویا ہوئی

اور اس کی بات پر ٹینا بیگم کے چہرے پر نمودار ہونے والی مسکراہٹ ایک پل کو غائب ہوئی اور اس کی جگہ تشکر نے لے لی تھی، وہ جانتی تھیں کہ شہرزاد کا دل بہت بڑا ہے اور وہ اپنی ماں کو انسان ہونے کا کافی مارجن دیتی تھی، ورنہ ایسی کسی بات کی توقع وہ رومیصہ سے تو ہرگز نہیں کر سکتی تھیں۔

☆☆☆

برہان کا دماغ اس وقت شدید کھولن کی زد میں تھا۔

ٹھنڈے یخ موسم میں بھی وہ رات کے اس پہر اپنے گھر کے سامنے والے لان میں مسلسل ٹہل رہے تھے۔ ٹہلتے ہوئے وہ ہادی کے گھر کی طرف غصّے سے نگاہ اٹھا کر دیکھتے اور اس کے ساتھ ہی ان کے وجود میں اٹھتا لاوا پھٹنے کے قریب — ہو جاتا۔

طوبیٰ اور نمیرہ کی باتوں نے انہیں گویا آسمان سے زمین پر لا پٹخا تھا، انہیں درشہوار کا مناہل کے فنکشن میں اصرار کر کے جانا اور بار بار مناہل سے شادی کے لیے اکسانے کے پیچھے موجود اصل وجہ سمجھ میں آ گئی تھی، جو خاصی تلخ اور دل دکھا دینے والی تھی۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

میر برہان اور ان کی بہن درشہوار ایک ہی کشتی کے مسافر تھے لیکن برہان کی خاندانی روایات اور نام نہاد غیرت اپنی بہن کے معاملے میں ان کو اپنا ظرف بڑا کرنے کی اجازت قطعاً نہیں دے رہی تھی تب ہی تو وہ اس وقت آگ بگولہ ہوئے گھوم رہے تھے، ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ درشہوار کے کمرے میں گھس کر اس کا چہرہ تھپڑوں سے لال کر دیتے یا اس کی گردن تو ضرور ہی مروڑ دیتے۔

''واہ میر برہان واہ، اپنے لیے زندگی کے اصول الگ اور بہن کے لیے علیحدہ......'' ان کے اندر موجود ضمیر نامی چیز استہزائیہ انداز میں ہنسی۔

''ہاں ہاں، میں اپنے خاندان کی کسی عورت کو اپنی روایات سے بغاوت کی اجازت نہیں دے سکتا، میں بے شک یورپ سے پڑھ کر آیا ہوں لیکن داجی بالکل ٹھیک کہتے ہیں، ہماری کوئی مشرقی اور خاندانی روایات بھی ہیں......'' انہوں نے ضمیر کی آواز دبانے کی کوشش کی۔

اپنے کمرے کے ٹیرس پر کھڑی انابیہ نے یہ منظر انتہائی دکھی انداز سے دیکھا، اسے میر برہان کی پریشانی بے بسی اور افسردگی کے پیچھے بس منال قریشی کا ہی چہرہ نظر آ رہا تھا۔ جو اسے رات بھر دکھی کرنے کے لیے کافی تھا جبکہ برہان کا سوچتے سوچتے دماغ شل ہو گیا تو وہ فیصلہ کن انداز میں کھڑے ہوئے۔

''مجھے امی سے بات کرنی چاہیے، کیونکہ ہمارا خاندان ایسے کسی اسکینڈل کا متحمل نہیں ہو سکتا۔'' وہ تیز تیز قدموں سے لان عبور کر کے گھر کے اندر داخل ہوئے، جس وقت وہ تاجدار بیگم کے کمرے کے دروازے پر دستک دے رہے تھے اس وقت میر ہاؤس کے ہال کمرے میں لگے گھڑیال پر ڈھائی بجے کا وقت تھا۔

''برہان تم۔۔۔؟ خیریت تو ہے ناں بیٹا......'' تاجدار بیگم انہیں سامنے دیکھ کر بوکھلا گئیں، ان کی آنکھوں سے نیند ایک جھٹکے سے غائب ہوئی۔

''مجھے آپ سے انتہائی ضروری بات کرنی ہے ابھی اور اسی وقت......'' برہان جانتے تھے کہ میر محتشم اس وقت اسلام آباد والے گھر میں ہیں، اسی لیے وہ بے دھڑک ماں کے کمرے کی طرف چلے آئے۔

''سب ٹھیک تو ہے ناں......؟'' وہ پریشانی سے ان کا بازو پکڑ کر اپنے بیڈ کے پاس لے آئیں، ان کا دل انہونی کے خیال سے کانپنے لگا۔۔

''امی! جو بات میں آپ کو بتا رہا ہوں، یہ آپ کے اور میرے بیچ رہنا چاہیے، وعدہ کریں مجھ سے......؟''

''ہاں ہاں بولو۔۔ کیوں پہیلیاں بجھوا رہے ہو۔۔؟'' انہوں نے خوف زدہ انداز میں اپنے بیٹے کی طرف دیکھا، اتنا تو انہیں بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ رات کے اس پہر کوئی بم پھوڑنے ہی آئے ہیں۔

''بولو ناں برہان، چپ کیوں ہو؟'' انہیں شش و پنج میں مبتلا دیکھ کر وہ جھنجھلا گئیں تو انہوں نے دل کڑا کر کے اپنا منہ کھول ہی لیا۔ وہ آہستگی سے انہیں درشہوار اور ہادی کے بارے میں سب بتاتے چلے گئے۔

جیسے سنتے ہی تاجدار بیگم کا چہرہ بھی انڈے کی زردی کی مانند پیلا ہو گیا، وہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر بیڈ پر بیٹھیں، ابھی تو شاہ میر کی لائی ہوئی قیامت کو وہ اپنے اوپر جھیل رہی تھیں اور اب درشہوار کے تازہ ترین کارنامے نے ان کو دہلا دیا تھا۔

''اوہ میرے خدایا، یہ میری اولاد کا باجماعت دماغ کیوں خراب ہو گیا ہے، یہ سب مجھے اباجی کی نظروں میں ذلیل کر کے ہی رہیں گے، اس درشہوار کی تو میں ابھی جا کر طبیعت درست کرتی ہوں۔'' وہ جذباتی انداز میں کھڑی ہوئیں۔

''امی! خوانخواہ کی جذباتیت سے مسئلہ مت بگاڑیں، تھوڑا تحمل سے کام لیں، یہی سب کچھ کرنا ہوتا تو میں

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com
URDUSOFTBOOKS.COM

آپ سے بہتر کر سکتا تھا......'' برہان نے جھنجھلا کر اپنی ماں کا ہاتھ پکڑا اور انہیں بیڈ پر دوبارہ بٹھایا۔

''میرا تو ذہن ہی کام نہیں کر رہا، اس بے وقوف لڑکی کو نہیں پتا، ہمارے ہاں عورتیں تو دُور کی بات مردوں کی شادیاں بھی خاندان سے باہر نہیں کی جاتیں، بھول گئی وہ ماضی کا تلخ قصہ، آدھا گاؤں جل مرا تھا جس میں'' وہ تلخ انداز سے گویا ہوئیں۔

''آپ درشہوار کی ضدی طبیعت کو اچھی طرح سے جانتی ہیں، اسے جس کام سے منع کیا جائے، وہ کرنا تو اس پر گویا فرض ہو جاتا ہے، اس لیے میرے خیال میں ہمیں عقل مندی سے اس سارے معاملے کو ہینڈل کرنا ہوگا......'' برہان نے اپنی ماں کو سمجھایا۔

''اور وہ طریقہ بھی اب تم ہی بتا دو، کیونکہ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا......'' وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

''مجھے تو دا جی سولی چڑھا ہی رہے ہیں، ساتھ میں یہ قصہ بھی نبٹا دیں......'' ایک تلخ مسکراہٹ نے ان کے لبوں کا احاطہ کیا۔

''وہ کیسے؟ کھل کر بتاؤ بیٹا، میرا تو اس وقت دماغ ہی کام نہیں کر رہا......؟'' انہیں اپنی ماں پر بُری طرح سے ترس آیا، جنہوں نے ایک اچھی بہو بننے کے لیے ساری زندگی داؤ پر لگا دی تھی لیکن اب ان کی اپنی ہی اولاد ان کی ساری عمر کی عزت کو داؤ پر لگانے کے لیے تلی بیٹھی تھی۔

''درشہوار اور ارسل کا نکاح کر دیں، بلکہ میری مانیں ڈائریکٹ رخصتی بھی کر دیں، کیونکہ ارسل کی تعلیم مکمل ہونے والی ہے اور بابا نے ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں اس کی جاب کے لیے بات بھی کر لی ہے......'' ان کے مشورے پر تاجدار بیگم کے چہرے پر ـــــ سکون کی کیفیت پیدا ہوئی۔

''لیکن ارسل کے لیے تو ندرت، طوبیٰ کا سوچے بیٹھی ہے......'' وہ پریشان ہوئیں۔

''طوبیٰ کی بعد میں دیکھی جائے گی پہلے آپ اپنے گھر میں لگی ہوئی آگ تو بجھائیں، فوراً بات کریں دا جی سے بالکل بھی وقت ضائع نہ کریں، ورنہ بہت مشکل ہو جائے گی......'' برہان کے لہجے کی سنگینی نے ان کو ایک بار پھر دہلا دیا۔

ان کا ذہن تیزی سے تانے بانے بُننے لگا، خاندانی سیاست اور جوڑ توڑ میں ان کا دماغ ویسے ہی بہت تیز چلتا تھا اور اس بات کا اعتراف تو پورا خاندان کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ برہان کو تسلی تھی کہ اس کی والدہ یقیناً بہت جلد اس مسئلے کا حل نکال لیں گی۔

☆☆☆

کافی کا مگ لیے شہزاد کھڑکی کے پاس اپنی مخصوص جگہ پر آن کھڑی ہوئی۔

اس کے سیل فون کی مترنم گھنٹی بجی اور اس کے ساتھ ہی اس کے دل نے بے ربط انداز میں دھڑک کر گواہی دی کہ اس وقت اس کے علاوہ کوئی نہیں ہو سکتا۔ شہزاد نے مسکراتے ہوئے ـــــ کال اٹینڈ کی۔

''آج آپ بتا ہی دیں، کب تک یہ آنکھ مچولی کا کھیل جاری رکھیں گے میرے ساتھ......؟'' اس نے طنز کیا۔

''جب تک آپ میرے رقیبوں کے ساتھ گھومنا پھرنا، اٹھنا، بیٹھنا بند نہیں کریں گی......'' دوسری طرف ہم زاد بھی غیر سنجیدہ تھا۔

''آپ کو یہ کیوں لگتا ہے کہ ساری دنیا بس میرے ہی پیچھے ہے......'' وہ مسکرائی۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

''تم ساری دنیا کو چھوڑو، یہ مسز قریشی کا بیٹا، کس چکر میں اتنا جز کر بیٹھا ہوا تھا تمہارے ساتھ۔۔؟''اس کے دل جلے انداز پر وہ بے ساختہ ہنسی۔وہ ۔ اسے انتہائی احترام سے کبھی ''آپ'' کہہ کر اور کبھی بے تکلفی کی ساری حدیں عبور کر کے ''تم'' پر اتر آتا۔

''آپ بھی تو وہیں موجود تھے ناں، آپ وہاں آ کر بیٹھ جاتے، کس نے منع کیا تھا......''وہ شرارتی انداز میں گویا ہوئی۔

''جس دن میں بیٹھ گیا ناں تمہارے پاس، ساری زندگی کے لیے اٹھنا بھول جاؤ گی......''اس کے ذومعنی انداز پر شہرزاد کی دھڑکن رکی۔

''اور میں جانتی ہوں، وہ دن کبھی نہیں آئے گا......''اس نے مسکرا کر اطلاع دینے کے انداز میں کہا۔

''وجہ پوچھ سکتا ہوں......؟''وہ ہلکا سا بے چین ہوا۔

''نہ آپ میں اتنی ہمت ہوگی کہ اپنی نقاب کشائی کر سکیں اور نہ آپ زندگی میں کبھی میرے سامنے بیٹھنے کی جرات کر سکیں گے، اس لیے معاملہ بیچ میں ہی اٹکا رہے گا، ویسے حد ہوتی ہے بزدلی کی بھی......''وہ سراسر اسے اکسا رہی تھی اور دوسری طرف وہ اس کی بات کے اندر چھپے مفہوم کو سمجھ کر ہنسا۔

اسی وقت ہم زاد کے بیڈ روم کا دروازہ کھلا اور سیل فون کے ریسیور سے آتی ہوئی ایک اور مردانہ بھاری آواز پر شہرزاد کے کان کھڑے ہوئے، کوئی اس کے بہت قریب آ کر انگلش میں بولا تھا۔

''بیٹا، یہ ٹکٹس ہیں اور صبح چھ بجے چیک ان شروع ہو جائے گا، ایر پورٹ ٹائم سے پہنچنا ہے، اس لیے ٹائم سے سو جانا......''

''ابی! چیک ان کو چھوڑیے، میرا تازہ ترین غم سنیے، آپ کا دل بھی دہل جائے گا......''وہ شرارت سے اسے سنانے کو بلند آواز میں گویا ہوا۔

''فون پر بات کر رہے ہو تم......''انہوں نے تصدیق چاہی۔۔

''جی ہاں، اور پتا ہے فون کے دوسری طرف موجود لڑکی آپ کے بیٹے کو بزدل اور کم ہمت کہہ رہی ہے۔'' اس نے اپنے باپ کو بھڑکانے کی کوشش کی۔

''اور وہ لڑکی شہرزاد کے علاوہ کوئی اور نہیں ہو سکتی۔''اس مردانہ جملے پر وہ ساکت ہوئی۔وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ہم زاد کے خاندان کا کوئی اور فرد بھی اسے جانتا ہوگا۔کافی کے مگ پر اس کی گرفت مضبوط ہوئی۔جب کہ اس کا رواں رواں مجسم سماعت بن گیا۔

''میں اس کے علاوہ اور کس سے بات کرتا ہوں۔؟ابی کیوں مشکوک کر رہے ہیں آپ اسے میری طرف سے......''وہ شوخ لہجے میں گویا ہوا جبکہ شہرزاد خود کو ایک عجیب سی صورت حال میں پھنسا ہوا محسوس کر رہی تھی۔

''اچھا نالائق انسان! میری بات کرواؤ اس سے......''دوسری طرف سے آنے والی فرمائش پر شہرزاد کا دل بری طرح سے دھڑکا۔

''بات کرو گی میرے فادر سے......؟''وہ اب اس سے پوچھ رہا تھا۔

''ہاں......!''یہ سنہری موقع وہ کیسے ہاتھ سے جانے دیتی۔۔

''یہ لیں ابی، پلیز، میری شکایتیں مت لگائیے گا۔ایسا نہ ہو، وہ پھر مجھ سے ڈر کر دوبارہ لندن بھاگ جائے......''اس نے فون ان کے ہاتھ میں پکڑاتے ہوئے نصیحت کی۔

''ہیلو بیٹا! ہاؤ آر یو، اس نالائق کی باتوں کو دل پر لینے کی ضرورت نہیں، اسے شروع ہی سے ڈرامے بازی

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کرنے کی عادت ہے۔" وہ امریکن انگلش لہجے میں بہت پیار اور اپنائیت سے گویا ہوئے۔

"ڈونٹ وری انکل! بہت اچھی طرح سے جانتی ہوں میں بھی۔" اس نے بھی انگلش میں ہی جواب دیا۔

"تم مجھے ابی کہو گی تو اچھا لگے گا مجھے....." ان کی اگلی فرمائش اردو میں آئی اور نہ چاہتے ہوئے بھی وہ مسکرا دی۔

"کیسے ہیں آپ.....؟ اور کیا چل رہا ہے آج کل.....؟" اس نے فوراً ہی پوچھا۔

"لائف الحمداللہ بہت اسٹیبل ہے، کل میں اور یہ نالائق جا رہے ہیں امریکہ، شاید اس نے بتایا ہو تمہیں....." ان کی اس اطلاع پر اس کا دل یکبارگی دھڑکا۔

"نہیں، میرے علم میں ایسی کوئی بات نہیں....." وہ زبردستی مسکرائی۔

"آپ تو زیادہ ہی فری ہو رہے ہیں، فٹافٹ فون دیں میرا اور جا کر سو جائیں..... گڈ نائٹ....." وہ ان سے اپنا فون واپس لے چکا تھا۔

"اوکے بیٹا، گڈ نائٹ، الارم لگا لینا، ورنہ فلائیٹ نکل جائے گی....." وہ کمرے سے نکلتے نکلتے بولے۔

"کیوں، ڈر گئے، کہیں آپ کی اصلیت نہ بتا دیں مجھے....." شہزاد نے اسے چھیڑا۔

"تم پوچھ لیتیں تو وہ کبھی جھوٹ نہ بولتے....." وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"اچھا تو پھر دوبارہ بات کروائیں میری....." وہ بے تاب ہوئی۔

"کیوں، میں صبح و شام گھاس کھاتا ہوں کیا۔؟ اتنا پاگل سمجھ رکھا ہے مجھے....." اس کا لہجہ شوخ تھا اس لیے اس نے بات ہی پلٹ دی۔

"اچھا پھر اپنی ممی سے بات کروا دیں۔؟" اس کو بھی نئی شرارت سوجھی۔

"ضرور کروا دیتا، اگر وہ قبرستان میں دائمی نیند نہ سو رہی ہوتیں....."

"اوہ سوری..... مجھے پتا نہیں تھا....."

URDUSOFTBOOKS.COM

"اٹس اوکے۔ ڈونٹ وری....."

"اور بہن بھائی.....؟" اس نے محتاط انداز میں پوچھا۔

"ایک چھوٹا بھائی کراچی میں پوسٹڈ ہے ان دنوں اور سب سے چھوٹی بہن اسپیشلائزیشن کرنے امریکہ گئی ہوئی ہے۔" اس نے پہلی دفعہ اپنی فیملی کے بارے میں اتنی تفصیل سے کھل کر بتایا تھا۔

"اور آپ کیا کرتے ہیں.....؟" وہ شرارتی انداز میں گویا ہوئی۔

"ایک معصوم سی پیاری سی لڑکی سے محبت کرتا ہوں اور دن رات اس کی جھاڑ کھاتا ہوں، اتنے سالوں سے اسے پٹانے کی کوشش کر رہا ہوں، لیکن افسوس وہ مجھے گھاس ہی نہیں ڈال رہی، دیکھا۔ میں کتنا مشکل کام کرتا ہوں....." وہ پھر پٹڑی سے اترا۔

"آپ سے تو بات کرنا ہی بے کار ہے، انتہائی فضول انسان ہیں آپ....." دوسری طرف موجود شہزاد اس کی غیر سنجیدگی پر تپ گئی، اس نے غصے سے فون بند کیا اور اگلے تیس سیکنڈ کے بعد اس کی کال دوبارہ آنے لگی، اس بار شہزاد نے فون ہی آف کر دیا۔

"میں ہی پاگل ہوں، جو اتنے عرصے سے اس کے ہاتھوں بے وقوف بن رہی ہوں، اگر کسی کو پتا چل جائے تو یقیناً میری عقل پر ماتم ہی کرے....." وہ غصے سے اٹھ کر ٹہلنے لگی۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

''آخر مجھے اس سے بات کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے، جو بندہ اپنی شناخت چھپا سکتا ہے، وہ کیسے قابل اعتبار ہو سکتا ہے۔'' ایک اور سوچ نے اس کے دماغ کا احاطہ کیا، اس نے خود کو کوسنا چھوڑا اور اپنا لیپ ٹاپ اٹھایا، اس کا ارادہ سنجیدگی سے اب کچھ کام کرنے کا تھا۔ اسی وقت ملازمہ ہلکا سا دروازہ بجا کر اندر داخل ہوئی اس کے ہاتھ میں کارڈلیس فون دیکھتے ہی وہ سمجھ گئی کہ دوسری طرف ہم زاد کے علاوہ کوئی اور نہیں ہو سکتا، اس نے یقیناً اس کا سیل فون آف دیکھ کر اس کے گھر کے نمبر پر کال کر لی تھی۔

''بی بی جی! کال ہے آپ کی......'' ملازمہ نے اس کی طرف کارڈلیس بڑھایا جو اسے نہ چاہتے ہوئے بھی پکڑنا پڑا۔

''اچھا جاؤ تم......'' اس کی تیوری کے بل گہرے ہوئے۔

ملازمہ کے کمرے سے نکلتے ہی وہ ریسیور ہاتھ میں پکڑتے ہی ناراضی سے شروع ہو گئی۔ ''ہزار دفعہ میں نے آپ سے کہا ہے، گھر کے نمبر پر کال مت کیا کریں مجھے، لیکن آپ کو یہ بات سمجھ میں ہی نہیں آتی، کیوں ہاتھ منہ دھو کر پیچھے پڑ گئے ہیں میرے......؟''

''آئی ایم سوری، شیری یہ میں ہوں ارتضٰی حیدر......!''

ریسیور کے اندر سے نکلنے والی ارتضٰی کی آواز سن کر اسے لگا جیسے کسی نے فریج سے ٹھنڈے یخ پانی کی بوتل نکال کر اس کے اوپر الٹ دی ہو۔ اس کے ہونٹوں پر ایلفی سی جم گئی اور کانوں میں شائیں شائیں کا شور بڑھ گیا۔

''اس سے پہلے تو آپ نے مجھے کبھی گھر کے نمبر پر کال کرنے سے منع نہیں کیا۔'' اس کی خفت زدہ آواز سن کر شہرزاد کا شدت سے دل چاہا کہ وہ جا کر اس کے منہ پر مضبوطی سے اپنے دونوں ہاتھ رکھ دے، اس کا ایک ایک لفظ اسے شرمندگی کی گہری دلدل میں دھکیل رہا تھا۔

''اوہ آئی ایم سوری، میں کوئی اور سمجھی تھی......!'' اس نے پوری طاقت لگا کر چند لفظ بولے۔

''اگر آپ کو کوئی تنگ کر رہا ہے تو مجھے بتائیں، یہ تو کوئی ایسا بڑا مسئلہ نہیں ہے، دو دن میں حل ہو جائے گا......'' دوسری طرف موجود ارتضٰی بھی سمجھ چکا تھا کہ اسے جھاڑ کسی اور کی غلط فہمی کے نتیجے میں پڑی ہے، لیکن اس غلط فہمی نے اس کے سارے حواس چوکس کر دیے تھے۔

''اٹس او کے ارتضٰی، آپ نے خیریت ہے اس وقت کال کی......؟'' اس نے جان بوجھ کر موضوع گفتگو بدلا لیکن اس کا ماتھا عرقِ انفعال سے تر تھا اور اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ فوراً فون بند کر دے لیکن یہ اس سے بھی بڑھ کر بدتہذیبی ہوتی۔

''صبح رومیصہ کی پیشی ہے اور میں چاہتا ہوں آپ کچھ پوائنٹس انہیں راستے میں اچھی طرح سے سمجھا دیں۔ میں نے آپ کو ابھی ایک ای میل کی ہے، آپ ٹائم نکال کر اسے چیک کر لیجیے گا......'' وہ بڑے مہذب انداز میں اسے بتا رہا تھا۔

''جی تھینک یو، میں ابھی دیکھ لیتی ہوں، صبح ان شاء اللہ بات ہو گی......''

اس نے جیسے ہی فون بند کیا، کارڈلیس کی گھنٹی ایک دفعہ پھر بج اٹھی۔ اس دفعہ اس نے ذرا احتاط انداز میں ہیلو کہا۔

''اس طرح خفا ہو کر فون بند کرو گی تو ساری رات سو نہیں پاؤں گا......'' ہم زاد کا مخصوص لہجہ سن کر اس کے حلق سے ایک لمبی سانس برآمد ہوئی۔

''اور اتنی لمبی لمبی سانسیں لو گی تو اسلام آباد کا موسم مزید سرد ہو جائے گا۔''

www.urdusoftbooks.com

URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

''آپ کو پتا ہے، اس وقت کیا ہوا ہے۔؟'' وہ ناراضی سے گویا ہوئی۔ ''آپ کے فون کال سے پہلے ارتضیٰ کی کال آئی تھی اور میں نے آپ کے چکر میں اس بے چارے کو بُری طرح سے جھاڑ دیا اور بعد میں پتا چلا وہ آپ نہیں تھے۔''

''دیٹس گریٹ......!'' اس کی بات سن کر وہ بے ساختہ ہنسا۔ ''گندی گندی گالیاں دی تھیں ناں اس خبیث کو۔؟ پولیس یونیفارم پہن کر خود کو دبنگ والا ہیرو سلمان خان ہی سمجھنے لگتا ہے گدھا......'' اس کی شوخی آج عروج پر تھی۔

''کیا چیز ہیں آپ......'' وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی باتوں پر ہنس پڑی۔

''تھینک یو، آج رات بہت سکون کی نیند آئے گی مجھے، بس آپ یونہی میرے رقیبوں کو جھاڑتی رہا کریں، اب اجازت دیں، ٹیک کیئر، بائے......'' وہ فون بند کر چکا تھا، شہرزاد نے بھی اپنی فائل اٹھائی اور اس پر نیکسٹ پیشی کے نوٹس لکھنے لگی۔

☆☆☆

''ہادی یار، بات تو خاصی پیچیدہ ہے یہ......'' سعد نے محتاط انداز میں گفتگو کا آغاز کیا۔

''پیچیدہ ہی نہیں باعث رسوائی بھی......'' ہادی نے اپنا شل ہوتا ہوا دماغ سنبھالتے ہوئے سعد کی طرف دیکھا، وہ دونوں دوست اس وقت مال روڈ کے ایک ریسٹورنٹ میں موجود تھے اور ان کے سامنے رکھی آئس کریم کافی حد تک پگھل چکی تھی۔

ہادی جب سے مری واپس آیا تھا۔ اس وقت سے شدید قسم کی ٹینشن کا شکار تھا، مناہل کی خودسری نے اس کے ہاتھوں کے توتے اڑا دیے تھے اور اتنا تو وہ بھی جانتا تھا کہ وہ ضدی لڑکی جس چیز کے لیے اڑ جاتی، اسے حاصل کر کے ہی دم لیتی تھی۔

اس نے کافی غور و فکر کے بعد سعد سے یہ بات شیئر کرنے کا فیصلہ کیا، اور اسی لیے اسے لے کر یہاں آیا تھا، راستے میں آتے ہوئے وہ اسے کافی تفصیل سے مناہل اور برہان کا قصہ سنا چکا تھا۔

''میرے خیال میں تمہیں فوراً آنٹی سے بات کر لینا چاہیے......'' سعد نے سنجیدگی سے اسے مشورہ دیا۔

''لیکن اس سے پہلے میں میر برہان سے بات کرنا چاہتا ہوں۔'' ہادی کی بات پر وہ چونکا۔

''میرے خیال میں اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، کیونکہ جب کوئی لڑکی اس حد تک خودسری اور ضد پر اُتر آئے تو یقیناً اس کے پیچھے کسی مرد کی دی ہوئی شہہ ہی ہوتی ہے۔'' سعد نے اپنا تجزیہ پیش کیا۔

''تمہارے خیال میں میر برہان سیریس ہے اس کے لیے۔؟'' اس نے ہلکا سا جھجک کر پوچھا۔

''اس کے سیریس ہونے سے کچھ نہیں ہوگا کیونکہ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے یہ لوگ خاندان سے باہر شادیاں نہیں کرتے اور اگر کر بھی لیں تو انہیں وہ عزت اور اہمیت نہیں دیتے جو ایک عورت کا بیوی بننے کے بعد حق ہوتی ہے......''

''ہاں میر خاقان علی کے چٹ پٹے قصے کون نہیں جانتا، سوائے میری بے وقوف بہن کے......'' ہادی نے طنزیہ انداز میں لقمہ دیا۔

''تمہیں یہ بات تفصیل سے بتانی چاہیے مناہل کو......''

''وہ کچھ سننے کو تیار بھی تو ہو، برہان نے اس کا دماغ کافی خراب کر رکھا ہے، اسے میر فیملی کی غلط ریپوٹیشن سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' وہ خاصا تپا ہوا تھا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

''مجھے لگتا ہے یہ ساری برہان کی، کی ہوئی برین واشنگ ہے، بلکہ پورا خاندان ہی اس کام میں ماہر ہے اب اس کی بہن کو ہی دیکھ لو، کتنی کوشش کی اس نے تمہاری توجہ حاصل کرنے کی .....'' سعد نے سنجیدگی سے تبصرہ کیا۔

''حالانکہ اس سے آدھی کوشش تمہارے لیے کرتی تو اب تک تم دونوں بھاگ کر شادی کر چکے ہوتے۔'' ہادی نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''بکواس بند کرو، میرا دماغ سیٹ ہو چکا ہے اب، اور ویسے بھی مجھے اتنی منہ زور لڑکیاں ایک آنکھ نہیں بھاتیں .....'' وہ پہلی دفعہ اتنا کھل کر بولا۔

''تو صاف صاف کہو اس کے خاندان کے ساتھ کوئی پنگا افورڈ نہیں کر سکتے .....'' ہادی نے اسے چھیڑا۔

''اتنے بھی پھنے خان نہیں ہیں وہ، اور شاید ان کا مقابلہ کر بھی لیتا، لیکن سچ پوچھو تو درشہوار کی خودسری اور بے باکی نے دل کھٹا کر دیا ہے میرا، اور ویسے بھی اس کے تمام ترنیک جذبات اب صرف تمہارے لیے ہیں تو میں پھر اس دیوار سے سر کیوں پھوڑوں .....'' سعد کے لہجے کی سچائی گواہی کہ اسے عقل آ چکی ہے۔

''اس کا مطلب ہے کہ میں تمہاری طرف سے انکار سمجھوں .....؟'' ہادی ہنوز شرارتی موڈ میں تھا۔

''ہاں۔ اگر تم اس کے ساتھ بھاگنا چاہو تو میں اس کا انتظام کروا سکتا ہوں .....'' سعد نے بھی اپنا حساب پورا کرنے کی کوشش کی

''شٹ اپ .....!'' اس نے بُرا سا منہ بنایا۔

''یقین مانو، میر خاندان سے بدلہ لینے کا یہ ایک بہترین طریقہ ہے اگر میر برہان نے مناہل کے ساتھ کوئی زیادتی کرنے کی کوشش کی تو شطرنج کا یہ مہرہ کھیل کر تم اس خاندان کو ناکوں چنے چبوا سکتے ہو.....'' سعد نے اسے ایک نئی پٹی پڑھانے کی کوشش کی۔

''یہ دیکھو.....!'' ہادی نے اپنے دونوں ہاتھ اس کے سامنے جوڑے۔ ''ابھی اتنا بُرا وقت نہیں آیا مجھ پر کہ میں کسی عورت کے کندھے پر بندوق رکھ کر چلاؤں، اگر ایسا کوئی موقع آیا بھی تو میں خود سینہ تان کر ان کے سامنے جا سکتا ہوں .....'' اس نے بیزاری سے جواب دیا۔

''ہاں ایک بہادر ماں کے بیٹے کو ایسا ہی ہونا چاہیے .....'' سعد اس کی طرف دیکھ کر ہنسا۔

''چل اب اٹھ یہاں سے، سردی میری رگوں میں گھسی جا رہی ہے.....'' ہادی اپنی جیکٹ کی جیب میں ہاتھ گھسا کر کھڑا ہوا۔ وہ دونوں لمبی واک کرتے ہوئے جب مال روڈ سے نکلے تو سعد چلتے چلتے چونکا۔

''شاہ میر کا اس لڑکی کے ساتھ کوئی چکر چل رہا ہے کیا.....؟''

کے ایف سی کے عین سامنے کھڑے شاہ میر اور طوبیٰ کو دیکھ کر سعد نے سرگوشی کے انداز میں تبصرہ کیا تو وہ تپ اٹھا۔ ''اس خاندان کے لڑکے لڑکیوں کو بھی لگتا ہے کہ اس کے علاوہ کوئی کام نہیں ہے، اب اس سے سلام دعا کرنے مت کھڑے ہو جانا، بس آنکھ بچا کر نکل جاؤ.....''

ہادی اور سعد دونوں کمال کی اداکاری کرتے ہوئے وہاں سے روانہ ہوئے، دوسری طرف شاہ میر بڑی دلچسپ اور شرارتی نگاہوں سے طوبیٰ کی طرف دیکھ رہا تھا، جو اس کے دیکھنے پر تھوڑا پزل ہو رہی تھی۔

''قسم سے طوبیٰ، اس رومانس کا مزا لینے کے لیے تو مجھے کافی عرصہ پہلے ہی گھر چھوڑ دینا چاہیے تھا.....'' شاہ میر نے ڈسپوزیبل گلاس میں اسٹرا گھماتے ہوئے طوبیٰ کو جان بوجھ کر چھیڑا۔ وہ دونوں آج سب سے نظر بچا کر یہاں اکٹھے تھے۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com
URDUSOFTBOOKS.COM

''آج تو آ گئی ہوں، دوبارہ ہرگز نہیں آؤں گی.....'' طوبیٰ نے اسے صاف ہری جھنڈی دکھائی۔
''یہ تو وقت آنے پر ہی پتا چلے گا جناب، ویسے بھی اپنی محبت پر اتنا یقین ہے مجھے کہ کچے دھاگے سے چلے آئیں گے سرکار بندھے.....'' وہ شوخی سے گویا ہوا۔
''آپ کی فضول باتیں ختم ہو گئی ہوں تو کیپٹن صاحب! مجھے گھر چھوڑ آئیں، داجی آ گئے تو آپ کا تو پتا نہیں میرا کورٹ مارشل ضرور ہو جائے گا۔'' طوبیٰ نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ڈسپوزیبل گلاس ڈسٹ بن میں اچھالا تو شاہ میر نے بھی رسٹ واچ پر ٹائم دیکھا، شام کے پانچ بج رہے تھے اور اس سے زیادہ باہر رہنا دونوں کے لیے خطرناک تھا۔

☆☆☆

''غضب خدا کا، پورے میر ہاؤس کا حلیہ بگڑ چکا ہے.....!
میر حاکم ٹہلتے ٹہلتے رکے اور مزید گویا ہوئے۔''جس کو دیکھو ہر کوئی اپنا اپنا قبلہ بنائے بیٹھا ہے آج کل۔''

بہت دن بعد آج میر حاکم کے سامنے تاجدار بیگم کی پیشی تھی، اور وہ جو شاہ میر کے گھر سے نکالے جانے پر احتجاجاً سب کا بائیکاٹ کر کے خود کو اپنے کمرے تک محدود کر چکی تھیں، انہیں اندازہ نہیں تھا کہ اس بار میر حاکم سیدھا ان ہی کے بیڈروم میں آ کر کچہری سجا لیں گے۔
''تایا جی! اس گھر میں میرے علاوہ بھی اور لوگ ہیں.....'' تاجدار بیگم نے ڈھکا چھپا انداز اپنایا۔
''جانتا ہوں میں، تمہارا اشارہ شارقہ اور ندرت کی طرف ہے، ان میں اتنی عقل ہوتی تو مل کر خاقان کو نہ سنبھال لیتیں، وہ جگہ جگہ منہ مارتا نہ پھرتا اور نہ ہی اس کی رنگ برنگی داستانیں سننے کو ملتیں۔'' ان کا طنزیہ انداز تاجدار بیگم کے دل و دماغ پر پھوار بن کر برسا۔
انہوں نے جتاتی ہوئی نگاہوں سے اپنے سامنے خاموش بیٹھے میر محتشم کی طرف دیکھا، جیسے کہہ رہی ہوں کہ سن لیں اس خاندان کی واحد سمجھدار خاتون کا تاج ان ہی کی بیوی کے سر پر ہے، اور سونے پہ سہاگہ نام بھی تو ان کا تاجدار بیگم تھا۔
''آپ کچھ بھی کہیں تایا جی! اس گھر اور خاندان کے لیے میں نے اپنی ہڈیاں تک گلا لیں لیکن.....''

''لیکن کیا.....؟
''آج تک میرا کسی نے لحاظ نہ کیا، اور پورے خاندان کے سامنے دو ٹکے کا کر دیا مجھے، آپ اپنے ایمان سے کہیں، میں کس منہ سے اپنے کمرے سے نکلوں اور اپنی دیورانیوں کے ساتھ جا کر بیٹھوں.....'' انہوں نے جذباتیت کی انتہا کرتے ہوئے آنسو تک نکال لیے۔
''شاہ میر والی بات پر میں ہزار دفعہ معذرت کر چکا ہوں، خدا کے واسطے بس کر دو اب.....'' میر محتشم اپنے والد صاحب کے سامنے دوبارہ ان ہی باتوں پر جھنجلا سے گئے اور میر حاکم نے اپنی سب سے لاڈلی بہو کا آنسوؤں سے بھرا ہوا چہرہ دیکھا تو ان کا دل پسیج گیا۔
''ماں ہوں میں کیسے بس کر دوں، ساری ساری رات مجھے نیند نہیں آتی، اتنے سالوں سے پوسٹنگ ہو رہی ہے اس کی، پہلی دفعہ تو اپنے گھر کے پاس پوسٹ ہوا تھا اور آپ نے نکال دیا اسے.....'' وہ میر حاکم کو جذباتی کرنے کے لیے ذرا اونچی آواز میں رونے لگیں۔
''اس بے وقوف نے بھی تو ایک دفعہ بھی معافی مانگنا گوارا نہیں کی اپنے باپ سے۔'' میر محتشم ہلکا سا چڑ کر

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

بولے۔

''اسی سلسلے میں دو تین بار آچکا ہے وہ، لیکن میں نے ہی بھگا دیا کہ تمہارا باپ سخت غصّے میں ہے'' تاجدار نے آنسو پونچھتے ہوئے اپنی طرف سے آدھا جھوٹ اور آدھا سچ بولا، شاہ میر گھر آیا ضرور تھا لیکن صرف اپنی ماں سے ملنے کے لیے۔

''اچھا! محتشم تم چھوڑ دو اپنا غصہ، اولاد ہی نا ہنجار ہو تو انسان کیا کر سکتا ہے، فون کر کے بتا دینا اسے، جب چاہے آسکتا ہے......'' میر حاکم علی کی بات پر تاجدار کا چہرہ ایکدم کھل سا اٹھا، ان کے شوہر محتشم صاحب نے جھنجھلا کر انہیں دیکھا لیکن مصلحتاً خاموش رہے۔

''تایا ابا! ایک اور درخواست کرنی تھی آپ سے......؟'' تاجدار بیگم نے اس موقعے سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی ایک اور کوشش کی۔

''ہاں ہاں۔ بولو......''

''مجھے نہیں پتا، آپ میری اس بات کو کیسے لیتے ہیں، لیکن میری اور برہان کی دلی خواہش ہے کہ اس کی شادی کے ساتھ درشہوار اور ارسل کا قصہ بھی نبٹا دیا جائے......'' وہ محتاط انداز میں گویا ہوئیں۔

''لیکن درشہوار میں ابھی تھوڑا بچپنا ہے میرا خیال ہے اسے گریجویشن کر لینی چاہیے۔'' محتشم صاحب نے رنگ میں بھنگ ڈالا۔

''اس سے بھی چھوٹی عمر تھی میری، جب میں بیاہ کر اس گھر میں آئی تھی اور ویسے بھی دو چار سال بعد بھی درشہوار کی عقل میں اضافے کی مجھے تو قطعاً بھی امید نظر نہیں آتی تو اچھا ہے لگے ہاتھوں یہ قصہ بھی نبٹ جائے'' تاجدار بیگم کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں اپنے میاں کو وہ ساری داستان سنا دیں جس نے ان کی راتوں کی نیند حرام کر رکھی تھی۔

''ویسے تاجدار کی بات میں دم تو ہے، اچھا ہے گھر کی بچیوں کے فرض سے ہم جتنی جلدی سبک دوش ہو جائیں، تم کیا کہتے ہو محتشم......؟'' میر حاکم آج اپنی بہو کے چینل پر ہی چل رہے تھے، ان کی بات پر میر محتشم نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

''دیکھ لیں بابا جان! جو بات آپ کو مناسب لگے......''

''میری مانیں تو تایا ابا، آپ بس بسم اللہ کریں، تیاری میں ایک ہفتے میں کر لوں گی۔ اس کی فکر مت کیجیے گا۔'' تاجدار بیگم نے بے تابی سے کہا۔

''چلیں بابا جان، اس بہانے آپ کی بہو کے پیروں کی مہندی تو اترے گی ناں، ورنہ گھر کا نظام یوں ہی درہم برہم رہے گا......'' محتشم صاحب نے بھی اپنی بیگم کا موڈ بہتر کرنے کے لیے ہلکے پھلکے انداز میں کہا تو میر حاکم مسکرا دیے اور ان کی مسکراہٹ کے پیچھے چھپی رضامندی نے تاجدار بیگم کے سینے پر دھرا بوجھ تھوڑا کم کر دیا تھا۔

☆☆☆

جسٹس محمود کے بیٹے روحیل کے قتل کے واقعے میں ایک دلچسپ موڑ آیا تھا۔

رومیصہ کی آج صبح عدالت میں پیشی تھی اور وہ شہزاد اور ارتضیٰ کے ساتھ ٹائم پر وہاں موجود تھی۔

اس کے آنے سے پہلے ہی احاطہ عدالت میں مختلف چینلز کے رپورٹرز کی چہل پہل نظر آرہی تھی، جو آج کسی خاص خبر کے منتظر تھے اور شہزاد نے بھی ان کو مایوس نہیں کیا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com URDUSOFTBOOKS.COM

کمرہ عدالت میں دیے جانے والے رومیصہ کے بیان کے ساتھ روحیل محمود کے بیسٹ فرینڈ صارم خان کی گواہی نے ہر طرف ایک سنسنی سی مچادی تھی۔اس کے ساتھ ہی میڈیا میں رنگ برنگی خبروں کا طوفان آ گیا۔

صارم خان، شہزاد تک رومی کے توسط سے پہنچا تھا اور اسے یہاں تک لانے میں ساری محنت ارسل کی تھی، جو خود بھی اس وقت کمرہ عدالت میں موجود تھا لیکن اس کی پوری کوشش تھی کہ وہ میڈیا کے کسی نمائندے کے سامنے نہ آئے، بلکہ صارم اور رومیصہ کے علاوہ کوئی بھی ارسل کو نہیں جانتا تھا۔

صارم خان نے دوٹوک انداز میں کمرا عدالت میں بتایا کہ اس رات گاڑی رومیصہ نہیں کنزہ وقار چلا رہی تھی اور چونکہ صارم بھی اپنے دوست کی مدد کے لیے اپنی گاڑی پر اس کے پیچھے تھا، چنانچہ یہ سارا منظر اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، صارم نے مزید یہ دعویٰ بھی کیا تھا کہ یہ بات اس کلب کے چوکیدار کے علاوہ بھی کچھ اور لوگ جانتے تھے کہ گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر کنزہ وقار تھی۔

کورٹ سے پارکنگ کی طرف جاتے ہوئے رومیصہ نے کئی دفعہ ارسل کی طرف دیکھا، جس کی آنکھوں میں اس کے لیے ایک خاموش دلاسا تھا، اس کے وہاں ہونے کا احساس رومیصہ کو خاصی تقویت بخش رہا تھا۔

دوسری طرف میڈیا کے نمائندے وقار درانی کے گھر کے باہر ڈیرا جما کر بیٹھ گئے تھے، اور ان کے خاندان میں ایک ہلچل سی مچ گئی تھی، وقار درانی کا غصے اور پریشانی سے بُرا حال تھا کیونکہ شہزاد نے ان کی کوئی بھی کال اٹینڈ نہ کرنے کی قسم کھا رکھی تھی۔

''ہم ان شاء اللہ یہ کیس جیت جائیں گے، میں تمہارے ساتھ ہوں......'' رومیصہ نے ارسل کا یہ ٹیکسٹ میسج گاڑی میں بیٹھتے ہوئے پڑھا۔

''تمہاری محبت میری زندگی کے راستوں کو آسان ہی نہیں بلکہ خوبصورت بھی بنائے گی مجھے اس بات کا یقین ہے۔'' اس نے فوراً یہ میسج ارسل کے نمبر پر بھیج کر گاڑی کی پشت سے ٹیک لگالی تھی۔

شہزاد اس کے ساتھ بیٹھی مسلسل اپنے ساتھیوں کی کالز اٹینڈ کر رہی تھی، جو اس کیس میں اس کے ساتھ کھڑے تھے۔

''ویل ڈن شیری......تم وکٹری اسٹینڈ کے بہت قریب پہنچنے والی ہو۔'' مسز عالیہ قریشی کی کال ہمیشہ اس کا حوصلہ بڑھاتی تھی۔

''یہ سب آپ کی وجہ سے ہے میم......'' اس نے بھی کھلے دل سے اعتراف کیا۔

مسز عالیہ قریشی کی کال جیسے ہی بند ہوئی، انٹرنیشنل نمبر سے آنے والی اگلی فون کال نے اس کے دل کی دھڑکنوں کو بے ربط کیا، وہ لاکھوں میل کے فاصلے پر بھی اس کی ایک ایک چیز پر نظر رکھے ہوئے تھا۔

''تم نے تو اس بار مجھے حیران کر دیا، کہاں سے ڈھونڈ لائی ہو تم صارم خان کو......'' ہمزاد کے لہجے میں چھپی ستائش نے اس کا حوصلہ مزید بڑھایا۔

''تم ساری باتوں کو چھوڑو، یہ بتاؤ میری یہ موو کیسی لگی تمہیں......؟''

''بہت زبردست لیکن وقار درانی کے بارے میں بہت زیادہ محتاط ہو جاؤ، وہ اب تمہارے سامنے ہر قسم کا چارہ ڈالنے کی کوشش کرے گا......'' وہ امریکہ میں بھی اس کے لیے فکرمند تھا اور یہ بات شہزاد کو ہلکا پھلکا کرنے کے لیے کافی تھی۔

''آپ بس مجھے ایزی لینا چھوڑ دیں، باقی چیزیں میں خود سنبھال لوں گی......'' شہزاد کے لہجے کی کھنک پر رومیصہ نے چونک کر اپنی بہن کی طرف دیکھا، اور پہلی دفعہ اس کے ذہن میں بھی کوئی الارم گونجا، وہ فون بند کر

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

چکی تھی لیکن اس کے لبوں پر ایک دلکش مسکراہٹ ابھی بھی موجود تھی۔
دونوں بہنیں گھر پہنچیں تو ٹینا بیگم کو خلاف توقع اپنے بیڈروم سے لاؤنج میں دیکھتے ہی انہیں خوش گوار حیرت ہوئی۔ ان کی نظر ابھی سیف الرحمٰن پر نہیں پڑی تھی جو سٹنگ لاؤنج کی دائیں دیوار کے پاس رکھے سنگل صوفے پر براجمان سگار پی رہے تھے۔
''مبارک ہو شیری! درست موقعوں پر درست پتوں کا استعمال ہی کسی بیرسٹر کی کامیابی کی ضمانت ہوتا ہے۔''
سیف الرحمٰن کی سنجیدہ آواز پر وہ دونوں چونکیں اور رومیصہ کا چہرہ تناؤ کا شکار ہوا۔
''تھینک یو سر......'' اس نے پُروقار انداز میں جواب دیا اور ٹینا بیگم کی طرف متوجہ ہوئی۔ ''مام کیسی ہیں آپ......؟''
''یہ صارم خان کہاں سے ملا تمہیں......؟ وہ بے تابی سے گویا ہوئیں، بہت دن بعد انہوں نے معمولات زندگی کے کسی مسئلے پر اپنی رائے کا اظہار کیا تھا اور یقیناً اس کے پیچھے سیف الرحمٰن کی محنت اور کاوش تھی۔
''رومیصہ کے ریفرنس سے آیا تھا وہ لڑکا......'' شہزاد نے اپنی بہن کی طرف دیکھا، جو سیف الرحمٰن کو نظر انداز کر کے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی شہزاد کو اس کی بداخلاقی پر تھوڑی شرمندگی ہوئی۔
''سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر وہ روحیل کا بیسٹ فرینڈ ہے تو اس نے رومیصہ کے حق میں گواہی کیوں دی......؟'' سیف الرحمٰن کے اس سوال پر وہ ہلکا سا گڑبڑائی۔
''ہم سچائی کو زیادہ دیر تک بند کمروں یا بند ذہنوں کے پیچھے نہیں چھپا سکتے......'' وہ عین ان کے سامنے آن کھڑی ہوئی اور پُراعتماد انداز میں گویا ہوئی۔
''لیکن ایسی دل دکھا دینے والی سچائی جس سے اس کے بیسٹ فرینڈ کا سارا خاندان ہرٹ ہو سکتا ہے، اس کے لیے وہ کیسے راضی ہوا......؟ میرا یہ مطلب ہے کہ اسے اس پوائنٹ تک کون لے کر آیا اور اس کا کیا مقصد تھا......؟ وہ کیوں رومیصہ کی ہیلپ کرنا چاہتا ہے......؟'' سیف الرحمٰن نے بیوروکریسی میں اتنے سال کام کیا تھا اور ان کا چیزوں کو دیکھنے کا اپنا زاویہ نگاہ تھا۔
''بس کرو سیفی، اس بچے کا ضمیر جاگ گیا ہوگا......'' ٹینا بیگم کو ان کی باتیں بے وقت کی راگنی محسوس ہوئیں اور دوسری طرف انہیں اس بات کا ڈر تھا کہ کہیں شہزاد ان کی باتوں کا بُرا نہ مان جائے۔
''اٹس او کے مام......'' شہزاد نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں بولنے سے منع کیا۔ وہ سیف الرحمٰن کے عین سامنے رکھے صوفے پر بیٹھ گئی۔
''آپ کے خیال میں اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے......؟'' شہزاد نے سنجیدگی سے ان کی طرف دیکھا، اس کا دماغ اسی پوائنٹ پر چلنے لگا تھا، جس پر سیف الرحمٰن اسے لانا چاہتے تھے۔
''بیٹا! میں کوئی کنفرم بات تو نہیں کر سکتا، لیکن ان تمام چیزوں کے درمیان میں کوئی کنکشن ایسا ہے جو نظروں سے اوجھل ہے، اور تمہیں اس کو بھی نظر میں رکھنا چاہیے کیونکہ ایسا نہ ہو کل کو خدانخواستہ ساری بساط پلٹ جائے۔''
انہوں نے ڈھکے چھپے انداز میں اسے سمجھانے کی کوشش کی۔
''تھینک یو انکل، تھینک یو سو مچ۔ میں آپ کا پوائنٹ بالکل سمجھ چکی ہوں۔ آپ بہت حد تک ٹھیک کہہ رہے ہیں......'' وہ ایک گہرا سانس لے کر کھڑی ہوئی
اور ٹینا بیگم نے حیرانی سے سیف الرحمٰن کی طرف دیکھا۔
''ٹینا! تمہاری بیٹی بہت لائق ہے، اور اسی رفتار سے چلتی رہی تو بڑے بڑے لوگوں کے چیمبرز بند کروا دے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

گی۔" اس کے لاؤنج سے نکلتے ہی انہوں نے کھل کر شہزاد کو سراہا اور ٹینا بیگم بے ساختہ انداز میں مسکرا دیں کیونکہ وہ بھی اپنی بیٹی کی بھرپور اڑان سے واقف تھیں۔

☆☆☆

یونیورسٹی میں چاروں طرف خزاں کے زرد پتوں کا راج تھا۔

مناہل کی گاڑی کیمپس کی پارکنگ میں آن رکی اور وہاں پہلے سے موجود برہان کی گاڑی دیکھ کر اس کے دل میں طمانیت کا احساس پیدا ہوا۔ برہان پچھلے دو روز سے یونیورسٹی نہیں آ رہے تھے اور مناہل نے یہ اڑتالیس گھنٹے با قاعدہ کڑھتے ہوئے گزارے تھے کیونکہ ان کا سیل فون بھی مسلسل بند تھا۔

وہ جیسے ہی اپنی گاڑی سے اتری، ہوا کے یخ جھونکے اس کے چہرے کے ساتھ ٹکرائے، زرد پتوں کو اپنے پیروں سے کچلتی وہ اپنے آفس کی طرف بڑھ رہی تھی، ایک چھوٹی سی منڈیر پر بیٹھی ہوئی انابیہ نے حسرت بھری نگاہوں سے مناہل کی طرف دیکھا۔ وہ آج برہان کے ساتھ ہی یونیورسٹی آئی تھی اور اس وقت اپنی دوست کرن کے انتظار میں وہاں بیٹھی ہوئی تھی۔

بلاشبہ انابیہ اس سے کہیں زیادہ حسین تھی اور اس کے باوجود برہان کی نظریں مناہل قریشی کے چہرے کا طواف کرتی رہتیں، تب انابیہ کو احساس ہوا کہ محبت جسمانی ساخت اور حلیے سے بے نیاز ہوتی ہے۔

مناہل نے جیسے ہی ڈیپارٹمنٹ میں قدم رکھا، کلاس کے روسٹرم کے سامنے کھڑے برہان کو دیکھ کر اس کا دل بغاوت کر گیا، وہ کچھ لمحوں کے لیے رکی اور اندر جھانک کر دیکھا، کئی اسٹوڈنٹس کی نظریں اس پر اٹھیں اور وہ ہلکی سی خفت کا شکار ہو کر تیزی سے اپنے آفس کی طرف چل پڑی۔ اپنی اس بے وقوفی پر اس نے خود کو دل ہی دل میں لتاڑا۔

"میم! تھوڑی دیر پہلے آپ کا یہ کوریئر آیا ہے......" چپراسی نے ایک خاکی لفافہ اس کی طرف بڑھایا۔

وہ لفافہ لیے اپنے چھوٹے سے آفس میں گئی، وال کلاک کی طرف دیکھا، اس کی کلاس میں دو گھنٹے کا وقفہ تھا اور وہ اسی ڈیپارٹمنٹ میں وزیٹنگ لیکچرار تھی، اور اپنے تھیسس کے ساتھ ساتھ فرسٹ اور سیکنڈ سمسٹر کی کلاسز بھی لیتی تھی۔

اس نے کرسی پر بیٹھتے ہی احتیاط سے وہ لفافہ کھولا تو اندر سے ایک نفیس سا سلور گرے کلر کا شادی کارڈ نکلا،

مناہل نے بڑی خوشگوار حیرت کے ساتھ وہ دعوت نامہ پکڑا، وہ سمجھی تھی کہ شاید کسی فرینڈ یا کلاس فیلو کی طرف سے سرپرائز ہوگا لیکن کارڈ کھولتے ہی جن ناموں پر اس کی نظر پڑی، ایک لمحے کو اسے چھت اپنے اوپر گرتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے سرخ رنگ کے دائرے ناچنے لگے اور دل تو گویا سینے کی پسلیاں توڑ کر باہر نکلنے کو بے تاب تھا۔ قسمت نے اس کے ساتھ کیسا ہولناک مذاق کیا تھا، وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھی۔ اس نے گھبرا کر کارڈ میز پر رکھا۔ جیسے اس کے اندر کوئی آتش فشاں چھپا ہوا ہو۔ اس نے لمبے لمبے سانس لے کر خود کو سنبھالنے کی پوری کوشش کی۔

اس کے بعد اس نے خوف زدہ نگاہوں سے اپنے سامنے میز پر رکھے کارڈ کو دیکھا جہاں "میر برہان محتشم" کے نام کے آگے لکھا "انابیہ خاقان" کا نام اس کا منہ چڑا رہا تھا۔ وہ لمحے کے ہزارویں حصے میں سمجھ گئی تھی کہ یہ انابیہ کون ہے لیکن ابھی اس کا دل و دماغ اس تلخ حقیقت کو ماننے سے انکاری تھا۔

☆☆

(باقی آئندہ ماہ)

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com
URDUSOFTBOOKS.COM

حمیرا تبسم

ویران دریچے

موسم کی رعنائی اپنے عروج پہ تھی، سرما کی پہلی بارش برسنے کو بے تاب تھی، گہرے بادلوں نے سورج کو اپنی آغوش میں چھپایا تو موسم ابر آلود ہو گیا، درخت ہوا سے جھومنے لگے۔ ٹھیلے والوں نے گھر کی راہ لی۔ جب کہ چند دکانوں کے ستونوں تلے جا کھڑے ہوئے، لوگوں نے کھچا کھچ بھرا بازار خالی ہونے لگا۔

گلابی لمبی قمیص اور کالی جینز میں ملبوس افشاں آفس میں بیٹھی گلاس ونڈو سے نظر آتی افراتفری دیکھنے میں مگن تھی، وہ نہایت خوب صورت لڑکی تھی، اس کے چہرے پہ سب سے زیادہ نمایاں اس کی خوب صورت کالی سیاہ آنکھیں تھیں۔ آفس کی دیواروں پہ سجی خوب صورت تصاویر کو دیکھنے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ یہ آفس ایڈورٹائزنگ ایجنسی کا ہے۔

چند تصاویر کے ساتھ لگی ایک تصویر نہایت ہی خوب صورت تھی، کافی ماڈرن ٹائپ انداز کی۔

افشاں اس تصویر کو دیکھتے ہوئے کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی اور آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے ذرا قریب ہوئی۔

خوب صورت مسکراہٹ نے اس کے لبوں کا احاطہ کر لیا۔

اس تصویر میں افشاں خوب صورت اور کامدار برائیڈل ساڑھی زیب تن کیے کسی مغرور ملکہ کی طرح کرسی پہ بیٹھی تھی۔ آنکھوں میں چمکتے خوابوں کے جگنو اور ہونٹوں پہ کھلتی۔ کچھ بن جانے کی مسکراہٹ تصویر میں بھی اس کے چہرے سے عیاں تھی، جو دیکھنے والے کو سحر میں جکڑ لیتی۔

"یہ آفتاب عباسی بھی نا...... مجھے ابھی تک نہیں بھول پایا، یعنی محبت ابھی باقی ہے۔" اپنی تصویر کو دیکھتے ہوئے وہ مسکرائی، دل میں خوش گوار سا احساس جاگا۔

بادل گرجے، بجلی چمکی اور ہر سو ایک شور سا برپا ہو گیا، دھڑکنوں، لوگوں اور برستی بارش کا شور۔

افشاں نے ایک بار پھر سے شیشے کی کھڑکی سے دکھائی دیتے منظر پہ نگاہ دوڑائی، برستی بارش میں بچے گھروں سے باہر نکلتے، خوشی سے چہکتے ہوئے پانی کی بوندوں کو اپنے ننھے ہاتھوں میں مقید کرنے کی ناکام کوشش کر رہے تھے، ہنستے مسکراتے معصوم اور ہر فکر سے آزاد بچوں کے چہروں پہ سچی خوشی سجی تھی۔ جس کو دیکھ کر افشاں نے کچھ کھو دینے کے غم کا احساس لیے آنکھیں بند کر لیں ایک افسردہ سانس خارج کی، تھکے ہوئے ناکام انسان کی طرح، جبکہ بظاہر وہ آسودہ حال تھی، لیکن ایک پچھتاوا تھا جو ناسور کی مانند دل سے چمٹ کے رہ گیا، اسی کو مٹانے اور پھر سے کچھ پا لینے کی خواہش لیے وہ یہاں موجود تھی۔

کاش گزرے لمحے لوٹ آئیں، تو میں بھی ان خوب صورت لمحوں کی حفاظت کروں اور مٹھی میں کسی جگنو کی طرح قید کر لوں، کبھی ان اپنوں کو دور نہ جانے دوں جو میری زندگی کا حصہ تھے۔ میری ایک مسکراہٹ پہ جان چھڑکتے تھے، بے غرض پر خلوص رشتے جو کہ اب میری کوتاہیوں کی وجہ سے کھو گئے ہیں۔

بیتے لمحوں کی یادیں ذہن کے پردے پہ ابھرنے لگیں تو اس کے دل میں ایک خلش سی جاگی، آنکھیں نم ہو گئیں۔

اچانک آفس میں شناسا چاپ سنائی دی، آنے والا اب بھی وہی پرفیوم استعمال کرتا تھا جس کی مخصوص خوشبو سانسوں تک کو معطر کر دیتی تھی۔ افشاں کا دل اتنے سالوں بعد پہلی مرتبہ دھڑکا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

"افشاں......"

آنے والے نے نرمی سے اس کا نام پکارا جو سیدھا اس کے دل پہ لگا، لیکن وہ بت بنی اس کی جانب پشت کیے کھڑی رہی۔

کیسے سامنا کروں میں اس کا، جو کبھی میرا محسن تھا اور شاید آج بھی...... نہیں نہیں...... شاید نہیں بلکہ یقیناً......وہ سوچوں میں الجھی سانس روکے کھڑی رہی۔

آنے والا دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا اس کے مقابل آن کھڑا ہوا، اس کے لباس سے اٹھتی پرفیوم کی دلفریب مہک افشاں کی سانسوں میں اترنے لگی۔

"مجھے یقین تھا کہ تم ایک دن ضرور آؤ گی کیونکہ

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

زندگی میں کبھی نہ کبھی ایسا موڑ لازمی آتا ہے جب ہم اپنی نئی چاہتوں سے اُکتا کر پرانی چاہتوں میں لوٹنا چاہتے ہیں۔''

وہ نرم لہجے میں پُراعتماد طریقے سے بات کرتا اس کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ بہت صاف گو تھا، اتنا صاف گو کہ ایسا سچ بولتے ہوئے بھی نہیں ہچکچاتا تھا جس سے سامنے والا شرمندہ ہو جائے۔

نئی چاہتوں والا فقرہ افشاں کے دل میں تیر کی مانند چبھا اس نے تڑپ کے سامنے کھڑے مرد کو پلکیں اٹھا کر آٹھ سالوں بعد دیکھا، وقت گزرنے کے ساتھ وہ اور زیادہ وجیہہ ہو گیا تھا۔

نیلی ٹی شرٹ اور سفید جینز میں ملبوس کھڑا یہ شخص اس کے دل کے قریب تر تھا۔ خوب صورت گندمی صاف رنگت اور چہرے پہ چمکتی بادامی ذہین آنکھیں اس پہ ٹکائے اپنی بات مکمل کر کے اس کی جانب دیکھتا رہ گیا۔ جیسے کوئی خواب دیکھ رہا ہو، وہ اپسرا اس کے سامنے موجود تھی، جس کی واپسی کی اس نے نہ جانے کتنی دعائیں مانگی تھیں۔

''محبت ایک ہی سے ہوتی ہے، باقی سب لوگ مجبوری بن جاتے ہیں جن کے ساتھ رہنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ بالکل ان مسافروں کی طرح جو وقت گزاری کے لیے ایک دوسرے کا سہارا بن جاتے ہیں، اور منزل قریب آنے پہ خوشی سے الگ بھی ہو جاتے ہیں۔''

افشاں نے ایک گہری نگاہ اس پہ ڈالتے ہوئے ایک ہی سانس میں بات مکمل کی اور اس کی نگاہ سے گھبرا کے ایک بار پھر سے نظر گلاس ونڈو سے جھلکتے کھلے آسمان پہ ڈالنی چاہی لیکن بارش کے قطروں نے کھڑکی کے شیشے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا جس سے کھڑکی کے پار کا منظر دھندلا گیا تھا۔ بارش اب بھی پوری رفتار سے جاری تھی۔

''کیا ہوتا اگر تم ہمیشہ قائم رہنے والی محبت کا ہاتھ تھام لیتیں اور وقت گزاری نہ کرتیں۔'' وہ دل ہی دل میں افشاں سے مخاطب ہوا اور غور سے اسے دیکھنے لگا۔

آفتاب عباسی کو افشاں کافی افسردہ سی لگی کیونکہ وہی تھا جو اس کا اندر کا حال جان لیتا تھا، اس نے ماحول پہ چھائی اداسی ختم کرنی چاہی اور کرسی پہ بیٹھتے ہوئے خوش گوار انداز میں کہا۔

''تمہیں چائے بہت پسند تھی نا؟ میں ابھی تمہارے لیے چائے منگواتا ہوں۔''

وہ انٹرکام دبائے چائے منگوانے لگا۔

وہ مسکرا کے سست قدموں سے چلتی ہوئی کرسی پہ آ بیٹھی۔ درمیان میں میز اور اس کے عین سامنے کرسی پہ بیٹھا اسے دلچسپی سے دیکھتا آفتاب عباسی جبکہ میز کے ایک کونے پہ موجود کرسٹل کے گلدان میں ہمیشہ کی طرح سجے تازہ گلاب مہک رہے تھے۔ جن کو دیکھ کے افشاں کے دماغ میں سوچ ابھری، آفتاب عباسی کی پسند آج تک نہیں بدلی، کتنا مستقل مزاج ہے نا، اور ایک میں ہوں کہ سرتاپا بدل گئی۔

آفتاب بھی اس پہ پُرسوچ نگاہ ڈالے اس کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایسا کیا ہوا تھا کہ اس کو لوٹ کے آنا پڑا؟ وہ جاننے کے لیے بے تاب تھا، لیکن خاموش بیٹھا اس امید پہ انتظار کر رہا تھا کہ شاید وہ خود ہی آنے کی وجہ بتا دے، کیونکہ فون پہ افشاں نے صرف اتنا کہا تھا کہ تم سے ملنا چاہتی ہوں، کچھ بھی پوچھنے کے بجائے آفتاب نے اسے آفس کا ایڈریس لکھوا دیا تھا۔ اور حیران بھی تھا کہ ابھی تک افشاں نے اس کا نمبر محفوظ کر رکھا تھا۔

اب کسی نہ کسی کو تو خاموشی توڑنا تھی نا، بالآخر افشاں نے پہل کی جو کہ پہلے بھی نہیں کرتی تھی۔

''آپ نے میری تصویر ابھی تک وال پہ لگا رکھی ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ مجھے بھولے نہیں، آپ کے دل میں ابھی تک میں زندہ ہوں۔''

وہ بات مکمل کر کے مسکرائی اور ہونٹوں پہ دل آویز مسکراہٹ سجائے آفتاب کو دیکھا جو اس کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا یا شاید سمجھ ہی گیا تھا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

آفتاب کی آنکھوں میں ماضی گھوم گیا۔

اسے آج تک وہ دن یاد تھا جب افشاں میلے کچیلے کپڑے پہنے اور غمگین چہرہ لیے اس کے آفس آئی تھی۔

''سر پلیز مجھے یہاں کوئی کام دلا دیں، میری ماں بہت بیمار ہے اس کا علاج کروانا ہے۔''

آفتاب عباسی نے اس کی جانب دیکھا تو بس دیکھتا ہی رہ گیا، اسے ہیرے کی پہچان تھی، ویسے بھی وہ ایک کمرشل کے لیے نئے چہرے کی تلاش میں تھا اور اسے دیکھنے کے بعد تلاش ختم ہوتی دکھائی دی۔ وہ اسے دیکھتے ہوئے نرمی سے بولا۔

''ٹھیک ہے، تمہیں کام مل گیا ہے اور یہ لو کچھ پیسے ایڈوانس۔ اپنی امی کا علاج کرواؤ۔'' قدرے حیرانگی اور خوشی سے دیکھتی افشاں نے اس کے ہاتھ سے پیسے تھامے اور بچوں کے سے انداز میں بولی۔

''سچی سر! مجھے آپ نے کام دے دیا؟ یااللہ! مجھے یقین کیوں نہیں آرہا۔'' خوشی اس کے انگ انگ سے ٹپک رہی تھی۔

آفتاب کا وہ کمرشل جس میں افشاں نے ماڈلنگ کی تھی ٹاپ لسٹ میں آیا تھا، اچھے لباس اور کام کی وجہ سے افشاں پہ ٹوٹ کے نکھار آنے لگا۔ اسی دوران اس کی ماں کی وفات ہوئی تو آفتاب ہی اسے سنبھالنے والا تھا۔

''میں اکیلی نہیں جی سکتی آفتاب! مجھے ڈر لگتا ہے۔'' ماں کی وفات کے غم میں ڈوبی افشاں نے روتے ہوئے کہا تھا اور یہی وہ لمحہ تھا جب آفتاب کو اپنے دل میں اس کے لیے محبت محسوس ہوئی۔

''شادی کروگی مجھ سے؟'' آفتاب کی بات سن کر وہ اسے دیکھنے لگی اور انکار کر دیا۔

''میں بہت کچھ کرنا چاہتی ہوں، آگے بڑھنا چاہتی ہوں، آپ کو صرف دوست سمجھتی ہوں اور کچھ نہیں۔'' آفتاب اس کی بات سن کر ششدر رہ گیا۔

پھر افشاں کو ہر جگہ کام ملنے لگا، اس کے کئی اسکینڈل بنے۔ آفتاب نے سمجھایا لیکن وہ نہیں سمجھی، اس کے لیے تو عزت سے بڑھ کر پیسہ اہم تھا، تب آفتاب دکھ سے ٹوٹ گیا جب افشاں نے بنا اسے بتائے ایک بوڑھے بزنس مین سے شادی کر لی جو کہ عیاش مشہور تھا۔

''تمہیں جب بھی ضرورت پڑے تو لوٹ کے میرے پاس آنا، میرے دل کے دروازے کھلے رہیں گے۔'' افشاں سے آخری بات کہتے ہوئے وہ پلٹ آیا تھا، لیکن اسے کبھی بھلا نہ سکا۔

''میری بات کا جواب نہیں دیا۔'' افشاں کی آواز سماعتوں سے ٹکرائی تو وہ ماضی سے نکل کے حال میں آیا اور خود کو سنبھالتے ہوئے بولا۔

''تمہاری تصویر آج تک وال پہ اس لیے لگا رکھی ہے کہ دل میں بسنے والے کی نسبت چھوڑ کے جانے والے کی اہمیت زیادہ ہوتی ہے، جب وہ ہمیں دکھائی نہ دیں اور ان کی تصویر ذہن میں دھندلی پڑنے لگے تو مجبوری کے طور پہ ان کی تصویر دیوار پہ ٹانگ دیتے ہیں۔''

وہ شکوہ بھری نگاہ اس پہ ڈالے چائے کے گھونٹ لینے لگا۔

وہ شرمندگی سے سر جھکائے خاموش بیٹھی رہی، سچ ہی تو کہہ رہا ہے آفتاب، میں چھوڑ ہی تو گئی تھی، وہ خود کو ملامت کرنے لگی۔

''چائے پیو، ٹھنڈی ہو رہی ہے اور تمہارا شوہر کیسا ہے؟ بچے ہوئے کہ نہیں؟''

اس کے سامنے چائے کا کپ رکھتے ہوئے آفتاب نے پوچھا تو اس کے چہرے پہ دکھ کا سایا سا لہرایا جس کو آفتاب نے محسوس بھی کر لیا۔

وہ چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے غمگین لہجے میں بولی۔

''وہ شوہر کم اور درندہ زیادہ تھا، شکی طبیعت کی بنا پہ مجھ پہ پابندیاں لگا دیں۔ بس اس نے مرتے وقت ایک احسان کیا مجھ پہ کہ اپنی جائداد میں کچھ حصہ میرے نام کر گیا اور مجھے پھر سے آزادی مل گئی، لیکن میں تنہا نہیں رہ سکتی، مجھے اب احساس ہو گیا ہے کے تم واقعی محبت کرتے تھے مجھ سے لیکن میں ہی بری تھی۔''

آنسو قطرہ قطرہ افشاں کی آنکھوں بہنے لگے۔ بارش اب رک چکی تھی لیکن افشاں کی آنکھوں سے برستی

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

بارش رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی، اس کی حالت جان کے آفتاب عباسی بھی بے چین ہو گیا اور ایک ہمدردانہ اور نرم نگاہ اس پہ ڈالی۔

''بہت دکھ ہوا جان کے، میں نے تمہیں سمجھایا تھا لیکن اب کیا ہو سکتا ہے۔''

وہ بے چینی سے افشاں کی جانب دیکھتے ہوئے بولا اور چائے کا آدھا کپ بنا پیے ہی چھوڑ دیا۔

''یاد ہے آپ نے کہا تھا کہ میرے دل کے دروازے ہمیشہ کھلے رہیں گے تم جب چاہو......'' افشاں کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی آفتاب کا موبائل بج اٹھا، اسکرین پہ چمکتے نمبر کو دیکھ کر اس کے چہرے پہ مسکراہٹ ابھر آئی، اس نے جلدی سے کال لی۔

''جی جناب، خیریت؟'' افشاں نے غور کیا کہ آفتاب کے لہجے میں پیار ہی پیار تھا، جیسے وہ کسی خاص کی کال ہو،

کچھ دیر آفتاب مسکرا کے فون کرنے والی کی بات سنتا رہا پھر قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔

''کیوں پریشان ہوتی ہو؟ بس آ رہا ہوں، پھر مل کر ہی کھانا کھاتے ہیں۔''

یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا اور قدرے خوش گوار انداز میں افشاں کی جانب دیکھا جو شاکی نظریں اسی پہ ٹکائے بیٹھی تھی۔

''ہاں تو تم کیا کہہ رہی تھیں؟'' وہ اس کی جانب متوجہ ہوا۔

''کال کس کی تھی؟'' افشاں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

میری بیوی کی تھی، شادی کر لی ہے میں نے۔ ماشاءاللہ سے ایک بیٹی کا باپ بھی ہوں۔'' آفتاب نے اس پہ بم پھوڑا۔

افشاں کی حالت ایسی تھی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ وہ خشک ہوتے لبوں پہ زبان پھیرتے ہوئے ٹوٹے لہجے میں بولی۔

''لیکن آ......آفتاب......تم......تم نے تو کہا تھا کہ میں ہمیشہ تمہارا انتظار کروں گا......پھر اب......''

اس کے لہجے میں دکھ ہی دکھ تھا۔

''تمہارے چھوڑ جانے کے بعد میں ٹوٹ سا گیا تھا، میرا بزنس فلاپ ہونے لگا۔ سارا دن بولایا بولایا پھرتا رہتا۔ میری خالہ زاد کزن زویا میری رازدار تھی، تب اس نے مجھے سہارا دیا اور بتایا کہ میں تم سے محبت کرتی ہوں تب میں نے اسے اپنا لیا کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا جو دکھ تم نے مجھے دیا تھا وہ میں اس کو دوں، اس کے ساتھ بھی وہی ہو جو میرے ساتھ ہوا اور آج تک اس نے مجھے تمہارے حوالے سے کوئی طعنہ نہیں دیا، بہت بڑے دل کی ہے وہ۔''

اس کا ذکر کرتے ہوئے آفتاب کے لہجے میں محبت در آئی۔

''میرا کیا ہوگا؟'' روتی ہوئی افشاں نے پھر سے سوال کیا۔

''میرے دل میں تمہارے لیے محبت کے بجائے عزت موجود ہے۔ بہتر یہی ہے کہ تم کوئی اچھا سا انسان ڈھونڈ کے پھر سے شادی کر لو۔'' یہ کہہ کر وہ موبائل اور گاڑی کی چابی اٹھائے اٹھ کھڑا ہوا۔

وہ بھی واپس جانے کے لیے خاموشی سے آفس سے باہر نکل گئی مزید کوئی بھی بات یا سوال کیے اور وہ اسے جاتا دیکھتا رہا۔

زندگی کے اس سفر میں افشاں کے ہاتھ کچھ نہیں آیا تھا، خالی گھر اس کا انتظار کر رہا تھا۔ ویران دریچے اس کی راہ تک رہے تھے، وہ خزاں رسیدہ پتے کی مانند اندر سے ٹوٹ گئی تھی۔

ایک خاموشی تھی جس نے اسے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔

جبکہ آفتاب تنہا نہیں تھا، ایک اچھے فیصلے نے اس کی زندگی خوشیوں سے بھر دی تھی لیکن اندر سے وہ بھی افشاں کے لیے افسردہ تھا۔ کبھی وہ بھی تو اس کے دل میں بستی تھی، اس نے دل سے افشاں کے لیے خوشیوں کی دعا مانگی اور گھر کی جانب جانے والی سڑک پہ گاڑی موڑ لی جہاں پہ اس کی وفا شعار بیوی اور بیٹی کھانے پہ اس کا انتظار کر رہے تھے۔ ☆☆

www.urdusoftbooks.com

URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

URDUSOFTBOOKS.COM

ثمینہ فرحان

کتنے انمول ہیں وہ لمحے

"سنو میں نے اماں سے وہ جاب والی بات کرلی۔" اخبار کو فولڈ کر کے بیڈ کے سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے احمر نے مجھے مخاطب کیا۔

میں جو چائے کے خالی برتن سمیٹنے کمرے میں آئی تھی اور ٹرے میں کپ گلاس اور شکر دان رکھتے ہوئے یہاں وہاں کی چیزیں بھی سمیٹ رہی تھی۔ سب کچھ وہیں پہ چھوڑ چھاڑ کے بیڈ کے قریب پڑی کرسی پہ ٹک گئی۔

"کب کی آپ نے اماں سے بات؟ صبح سے تو آپ اخبار میں سر دیے بیٹھے ہیں۔" اپنی حد درجہ بے چینی کے باوجود بھی میں طنز کرنا نہ بھولی تھی۔ "اور کہا کیا اماں نے؟"

میری بے تابی کے جواب میں انہوں نے اپنا چشمہ بھی اتار کے بیڈ کے سائیڈ ٹیبل پہ رکھ دیا اور اپنے ناک کے اوپری حصے پہ چشمہ سے بننے والے نشان کو عادتاً سہلاتے ہوئے کہنے لگے۔

"کہہ رہی تھیں کہ تمہیں ضرورت تو نہیں ہے نوکری کی اور ویسے بھی شایان ابھی بہت چھوٹا ہے۔"

"دیکھا!" میں جھٹ سے بولی۔ "اپنی بیٹی کو تو ڈاکٹر بنا رہی ہیں اور میں کسی اسکول میں ٹیچر تک کی نوکری نہیں کر سکتی۔"

"بھئی ایک تو تم پوری بات سنتی ہو نہیں اور شروع ہو جاتی ہو۔" احمر نے جھلاتے ہوئے مجھے چپ کرایا پھر ایک لمحے کو ٹھہر کر بولے "جب میں نے اماں کو بتایا کہ تمہیں عالیان ہی کے اسکول میں نوکری ملی ہے اور گرمیوں کی چھٹیوں کے بعد شایان کا بھی وہیں ایڈمیشن ہو جائے گا تو وہ بھی تمہارے ساتھ ہی چلا جایا کرے گا تو انہوں نے کہا کہ جیسے تم لوگوں کی مرضی......"

"تو اماں کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔" میں نے بے یقینی سے احمر کو دیکھا۔

"ہاں ظاہر ہے۔" ڈھلے ڈھالے انداز میں کہتے ہوئے انہوں نے دوبارہ اخبار اٹھانا چاہا۔

"آپ سچ کہہ رہے ہیں...؟" ان کے ہاتھ سے اخبار جھپٹتے ہوئے میں نے مزید تصدیق چاہی۔

"جاؤ، اماں سے خود پوچھ لو بلکہ یہ اخبار مجھے دو اور جا کے اماں کا شکریہ ادا کرو۔"

"لیں اب اس میں شکریہ ادا کرنے والی کون سی بات ہے۔" میں حیرت سے بولی۔

"بھئی اماں خوش ہو جائیں گی۔" انہوں نے جیسے نرمی سے سمجھانا چاہا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

"ہاں تاکہ وہ یہ سمجھیں کہ جیسے میں ان کے حکم کی غلام ہوں۔" میں فٹ سے بولی۔

"ارے تو ہفتہ بھر سے جان کیوں اٹکی ہوئی تھی تمہاری......؟" میرے خیالات پہ انہیں تعجب ہوا۔

"وہ تو ویسے ہی۔" میں نے چائے کے خالی برتن ٹرے میں اکٹھے کیے۔ "اماں انکار کر دیتیں تو مسئلہ ہو جاتا نا!"

"چلو خیر، اب تو کوئی مسئلہ نہیں ہے نا؟" انہوں نے ہنستے ہوئے پوچھا اور میرے چہرے پہ پھوٹتی طمانیت ان کو جواب دے گئی۔

"آپ کو کچھ اور تو نہیں چاہیے؟" میں نے کمرے سے نکلتے ہوئے پوچھا۔

"آں نہیں...... پر اماں سے پوچھ لینا۔ وہ اس وقت دوبارہ چائے پیتی ہیں......اور دیکھ لینا انہوں نے بلڈ پریشر کی دوائی لے لی ہے......کل بھی بھول گئی تھیں۔"

"جی وہ میں دیکھ لیتی ہوں۔" میں مسرور سی کمرے سے نکل آئی۔

رات کو فون پہ ساری روداد میں نے اپنی چھوٹی بہن ندا کو سنائی۔ وہ لاہور میں رہتی تھی لیکن موبائل فون کے نت نئے پیکجز کی وجہ سے تقریباً روز ہی بات ہو جایا کرتی تھی۔

"ویسے تمہاری ساس ہیں اچھی۔ میری ممی جی، تو کبھی اتنے آرام سے نوکری کرنے کی اجازت نہ دیں۔"

"ہاں یہ تو ہے۔" میں خوشی سے چہکی۔ "ویسے احمر تو کہہ رہے تھے کہ مجھے اماں کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے شکریہ وکریہ کرنے کی۔" ندا ٹوکتے ہوئے بولی۔ "ارے کوئی جائیداد کیا تمہارے نام کر دی ہے انہوں نے جو تم شکریہ ادا کرنے چلی ہو۔ کوئی ضرورت نہیں ہے اتنا سر پہ چڑھانے کی۔"

"وہی تو!" میں جھٹ سے بولی۔ "میں نے تو احمر سے کہہ دیا۔ کیا میں ان کے حکم کی غلام ہوں......"

"بہت اچھا کیا۔" ندا نے داد دی۔ "سسرال والوں کو ویسے بھی ذرا فاصلے پر ہی رکھنا چاہیے......اور سنو عائشہ وہ جو تمہاری ساس صاحبہ تمہیں مشورہ دے رہی ہیں نا کہ تم اپنی بڑی نند کے شادی سے پہلے کے کپڑوں کو اپنے سائز کے مطابق کرلو اسکول پہننے کے کام آئیں گے اس پہ نہ کہیں عمل کر لینا!"

"کیوں یار؟" میں نہ سمجھتے ہوئے بولی۔ "اچھے سوٹ ہیں، کچھ تو بالکل نئے ہیں۔ ابھی تین مہینے ہی تو ہوئے ہیں اس کی شادی کو اور چھوٹی نند ماہین کا تو تمہیں پتا ہے۔ اسے تو اپنی پڑھائی کے علاوہ کسی بات کا ہوش نہیں رہتا۔ اس نے تو کسی ایک سوٹ کو ہاتھ تک نہیں لگایا اور ویسے بھی اسے تو بہت ڈھیلے ہوں گے۔"

"دیکھو......وہ ان کی چھوٹی بیٹی پہنے یا وہ کسی ماسی کو دیں۔ یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے......تمہیں کیا کمی ہے کپڑوں کی۔ ارے ایک سے ایک برانڈ کے کپڑے مل رہے ہیں بازار میں اور اب جبکہ تم خود کماؤ گی تو اپنے اوپر دل کھول کے لگاؤ بھی......آٹھ دس لان کے نئے خوب صورت سے سوٹ بناؤ تمہیں کیا ضرورت ہے کسی کی اترن پہننے کی۔"

ندا نے روانی سے مشورے سے نوازا اور فون بند کرنے تک لان کے خوب صورت رنگوں سے مزین دلفریب ڈیزائنوں سے آراستہ خوب صورت نئے جوڑے آنکھوں کے آگے منڈلاتے دل کو قائل کر چکے تھے۔

چوتھی اور پانچویں جماعت کو اردو پڑھانا کوئی خاص مشکل کام نہ تھا اور مجھ سے زیادہ تو عالیان خوش تھا کہ اس کی تو کلاس ٹیچر بھی میں ہی تھی! اسکول کا اسٹاف میری امیدوں سے بڑھ کر پرخلوص اور ملنسار ثابت ہوا۔ چند ہی دنوں میں سب ٹیچرز سے میں گھل مل گئی خاص طور پہ شازیہ سے تو میری اچھی خاصی دوستی ہو گئی۔ وہ پانچویں کلاس کی اسلامیات کی ٹیچر تھی اور اسے اپنے سبجیکٹ پر عبور حاصل تھا وہ اکثر ہی

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

موبائل پہ قرآن پاک کی تفسیر کے لیکچر سنتی نظر آتی بلکہ مجھے بھی فارورڈ کر دیا کرتی، دل تو میرا بھی کرتا تھا کہ میں بھی باقاعدگی سے قرآن کی تفسیر کی کلاس لوں پر گھر کے کاموں سے ہی فرصت نہ ملتی تھی بس کبھی کبھار شازیہ کا موبائل پہ بھیجا ہوا کوئی لیکچر سن لیا کرتی۔

آج چھٹی کا دن تھا...... ناشتہ پہ تھوڑا اہتمام کیا تھا تو سمیٹتے سمیٹتے دیر ہو گئی تھی، میں برتن دھوتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ عالیان کو ہوم ورک کروا کے ندا کو فون کروں گی۔ جب سے اسکول جوائن کیا تھا ان دو ڈھائی مہینوں میں مصروفیت اتنی بڑھ گئی تھی کہ ندا سے گپیں لگانے کا ٹائم ہی نہ ملتا تھا۔ جلدی جلدی عالیان کو ہوم ورک کا سمجھا کے میں نے ندا کو فون ملایا، آج بہت دنوں بعد ندا سے بات ہو رہی تھی۔

''تو تمہاری ساس نے کھانا پکانے والی کو کیوں نکال دیا؟ اب دیکھونا...... کھانا پکانے کی ساری ذمہ داری تمہارے کندھوں پہ آن پڑی...... ان کو کیا تکلیف تھی اس سے بس چاہتی ہوں گی کہ تم اسکول سے تھکی ہاری آؤ اور آتے ہی گھر کے کاموں میں جُت جاؤ۔''

''نہیں یار!'' میں بیڈ پہ آرام دہ پوزیشن میں بیٹھتے ہوئے بولی۔ ''دوپہر کا سالن تو اماں ہی پکاتی ہیں جو اکثر رات میں بھی کام آ جاتا ہے۔ میں تو بس رات کا ہی کھانا بناتی ہوں وہ بھی اکثر اماں ہی سبزی کاٹ دیتی ہیں۔''

''بس رہنے ہی دو، یہ سب ان ساسوں کے بہوؤں کو تنگ کرنے کے طریقے ہیں تاکہ میاں تو کبھی تمہاری قدر ہی نہ کر سکے بلکہ اپنی اماں کا ہی ہمدرد بنا رہے کہ اس عمر میں سارا گھر خود سنبھالا ہوا ہے۔ بیوی تو صبح سویرے گھر سے نکل جاتی ہے...... وہ کھانا پکانے والی جیسا تیسا پکا تو رہی تھی نا...... کام تو چل رہا تھا نا تمہارا؟ تمہیں کیا ضرورت تھی اماں جان کا احسان لینے کی۔'' ندا نے جل کے کہا۔

''ویسے انہوں نے کبھی احسان جتایا تو نہیں۔'' میں نے خیالوں میں اپنی ساس کا کوئی طنزیہ جملہ ڈھونڈنے کی کوشش کی۔

''تم تو ہو ہی بدھو۔'' موبائل سے آتی ندا کی جلی کٹی آواز میرا دل ہی جلا گئی۔

آپ سے چار سال چھوٹی بہن جب آپ کے منہ پہ آپ کو بدھو کہے تو دل پہ کیا گزرتی ہے یہ تو وہ ہی جان سکتا ہے جس کی چھوٹی بہن ندا کی طرح پٹاخہ ہو یا وہ میری طرح بدھو ہو۔

''کیا سوچ رہی ہو؟'' میرے کچھ نہ بولنے پہ ندا کی آواز آئی۔

''آں ہاں کچھ نہیں!'' میرے منہ سے بس یہ ہی نکلا۔

''اور سنو عاشی!'' ندا سابقہ جوش سے پھر شروع ہوئی ''کوئی ضرورت نہیں ہے ماہین کو کپڑے سی سی کر دینے کی۔'' اس نے رعب جھاڑا۔

''لو میں کب سی سی کر دے رہی ہوں۔'' میری مری مری سی آواز نکلی۔

''وہ تو وہی سوٹ ہیں نا جو شرمین کے شادی سے پہلے کے تھے۔ ان میں سے ایک سوٹ ماہین کو کالج کے فنکشن میں پہننا تھا۔ درزی تو پورے سوٹ کی سلائی کے پیسے لے رہا تھا تو میں نے کہا کہ میں سلائیاں لگا کے اس کے سائز کے مطابق کر دوں گی۔''

''ہاں تم تو جیسے فارغ بیٹھی ہونا!'' ندا کو جیسے غصہ آیا۔

''نہیں یار! پورا سوٹ تقریباً دو گھنٹے میں اس کے ناپ کے مطابق ہوا۔ دو دفعہ تو بیچ میں بجلی چلی گئی۔ گرمی نے الگ حشر کر دیا۔'' میں نے اپنی بپتا سنائی۔

''غضب خدا کا! یہ تمہارے سسرال والے بھی نا! اتنی مہنگی میڈیکل کی تعلیم دلوا سکتے ہیں اپنی لاڈلی کو پر درزی کو پیسے دیتے ہوئے جان جاتی ہے ان کی۔''

''اور کیا؟'' میں نے بھی منہ بنایا۔ ''میں کون سا فارغ بیٹھی ہوں...... ابھی تو ماہین نے دو اور قمیصوں کا بھی کہا ہوا ہے کہ بھابھی ان کو بھی میرے ناپ کے

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

مطابق کر دیں، ہنہ کب سے سوچ رہی ہوں کہ قرآن کی تفسیر کی کلاس لوں پر فرصت ملے تب نا......'' ندا کی کال مجھے دل کے پھپھولے ڈھونڈ ڈھونڈ کر پھوڑنے کا بھرپور موقعہ فراہم کیا کرتی۔

''سچ کہہ رہی ہو عاشی......!'' ندا نے سرد آہ بھرتے ہوئے ہاں میں ہاں ملائی۔ ''بندہ فارغ ہو تو کوئی اللہ رسول کا بھی نام لے اب اس گرمی میں قمیض ٹائیٹ کر کر کے کتنے نفلوں کا ثواب ملے گا تمہیں۔''

''اچھا خیر، میری دیورانی کی سنو۔'' ندا کو جیسے کوئی اچانک بات یاد آئی اور ایسا اکثر ہی ہوتا تھا۔ ندا کی باتوں کی پٹاری میں ایک سے ایک پٹاخہ کسی دلچسپ اور سنسنی خیز واقعہ کی صورت میں موجود رہتا۔ ''ہمارے محلے میں ایک بیوٹی پارلر کھلا ہے۔'' ندا نے مزہ لیتے ہوئے سنانا شروع کیا۔ ''ان محترمہ کو بھی شوق چرایا کہ وہ بھی طبع آزائی کریں، فرمانے لگیں۔'' ندا دیورانی کی نقل اتارتے ہوئے کہنے لگی۔ ''بھابھی......اگر آپ سعد کو سنبھال لیں تو میں بھی بیوٹی پارلر کا کورس کر لوں......اور سنو کوئی ایک نہ دو پورے تین مہینے کا کورس...... بھلا بتاؤ......کوئی آسان ہے دو سال کے بچے کو سنبھالنا!''

''تو تم نے صاف انکار کر دیا؟'' میں نے فوراً پوچھا۔

''میں کوئی تمہاری طرح پاگل ہوں......'' ندا نے مجھے جتایا۔

''تو پھر......؟'' مجھے تعجب ہوا۔

''بھئی...... میں نے طریقے سے بات بنائی......میں نے کہا کہ تمہیں کیا ضرورت ہے کورس کرنے کی، تمہیں کون سا اپنا پارلر چلانا ہے الٹا خاندان کی ہر تقریب میں ساری خواتین تمہارے ہی سر ہو جایا کریں گی کہ ہمارا میک اپ کر دو...... بیوٹی پارلر کا کورس تو خیر کیا ہی کرنا ہے......میں نے تو ایسا خوفناک نقشہ کھینچا کہ وہ الٹا میری ہی ممنون ہوئی کہ بھابھی آپ نے صحیح وقت پہ صحیح مشورہ دے دیا۔''

''ہیں......!'' میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

''تو اور کیا......!'' ندا اترا کے بولی۔ ''کسی بات کو منع کرنے کا بھی ایک طریقہ ہوتا ہے کوئی لٹھ مار کے تو نہیں کسی کو انکار کیا جاتا اور جب کام میٹھا بن کے نکل رہا ہو تو کڑوا بننے کی کیا ضرورت ہے؟ کوئی ہمارے دل میں تو نہیں چھپا بیٹھا کہ جان لے کہ یہ بات کس لیے کی جا رہی ہے۔''

''چاہے کسی کا نقصان ہی ہو جائے۔'' میں کہے بغیر نہ رہ سکی۔

''ہاں، تمہیں تو جیسے بڑا فائدہ ہو گیا......اب اگر تم اپنی نند کو پیار سے سمجھاتیں کہ چندا یہ تمہاری آپی کے کپڑے تو پرانے فیشن کے ہیں۔ تم اپنے کالج فنکشن کے لیے کوئی اچھا سا سوٹ لے لو کسی بوتیک سے......تو تمہیں تو گرمی میں خوار نہیں ہونا پڑتا نا۔''

کہاں کی بات ندا کہاں ملا رہی تھی اور میری سوئی ابھی تک اس کی دیورانی پہ ہی اٹکی ہوئی تھی۔ ندا کے دیور کی اتنی اچھی آمدنی والی نوکری نہ تھی......ایسے میں شاید وہ اپنے گھر کے حالات کو بہتر بنانے کے لیے کچھ کرنا چاہ رہی ہو، میں سوچے گئی۔

''چلو، تم اس کا بچہ نہ سنبھالتیں۔ پر اسے کورس تو کرنے دیتیں۔'' مجھے ندا کی چالاکی ایک آنکھ نہ بھائی۔

''جی نہیں! خام خیالی ہے آپ کی، وہ میرے ہی سر آ ٹپکتا۔ بھئی میرے صبح ہزاروں کام دھندے ہوتے ہیں۔ مجھے اس کا بچہ سنبھال کے کتنے نفلوں کا ثواب ملتا اور بھئی سچی بات ہے اتنا فارغ ٹائم نہیں ہے کسی کے پاس۔'' ندا نے تو جیسے بات ہی ختم کر دی۔

عالیان کب سے اپنا ہوم ورک دکھانے کے لیے کھڑا تھا......''اچھا ندا! پھر بات ہو گی میں ذرا عالیان کا ہوم ورک چیک کر لوں۔''

فون بند کر کے میں عالیان کی طرف متوجہ ہو گئی خدا کا شکر تھا کہ جب سے میں نے اسکول جوائن کیا تھا عالیان پہلے سے بھی اچھا پڑھنے لگا تھا۔ اس کو اور کام دے کے میں موبائل پہ شازیہ کا بھیجا ہوا قرآن کی

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

تفسیر کا لیکچر سننے لگی جس میں کوئی عالم دین قرآن کو سمجھنے اور اس کے مطابق زندگی گزارنے کی تلقین کر رہے تھے۔ میں ہینڈ فری لگائے انہماک سے لیکچر سن رہی تھی جب احمر نے مجھے ذکیہ چچی کی آمد کے بارے میں بتایا۔ ذکیہ چچی ہمارے ہی علاقے میں رہتی تھیں اور گھر قریب ہونے کی وجہ سے اکثر آنا جانا لگا رہتا تھا!

میں چائے کی ٹرے لے کمرے کی طرف جا رہی تھی اماں کے کمرے کی کھڑکی باہر برآمدے میں کھلتی تھی میں ذرا رک کر اپنا دوپٹا ٹھیک کرنے لگی تب ہی ذکیہ چچی کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

''تو تم عائشہ سے کہونا کہ اگر اتنا ہی نوکری کرنے کا شوق ہے تو صبح جلدی اٹھ کے کھانا پکا کے جایا کرے۔''

''لو، اب وہ صبح اٹھ کے کیا کیا کرے؟ بچوں کو تیار کرے۔ ناشتہ بنائے کہ دوپہر کا کھانا بنائے۔''

''یہ خوب کہی تم نے...... اس کو تو نوکرانی مل گئی مفت کی۔''

''ارے نہیں ذکیہ! اس نے تو کھانا پکانے کے لیے ملازمہ کا بندوبست کیا تھا پر وہ ایسا بدمزہ سالن بناتی تھی کہ کیا بتاؤں میں نے خود ہی کہا۔ اس سے اچھا تو میں پکا لیا کروں گی۔''

''لو تم نے تو خود اپنے پیروں پہ کلہاڑی مار لی اس کے تو عیش ہوگئے۔'' ذکیہ چچی کا طنزیہ جملے میرا دل دکھا گیا۔

''ارے عاشی بے چاری بھی سارا دن لگی ہی رہتی ہے۔ دوپہر کے کھانے کے برتن دھونا، کچن کا پھیلاوا سمیٹنا، ماسی سے صفائی کروانا، بچوں کو پڑھانا۔ رات کا کھانا بنانا اسے سکون کہاں ملتا ہے۔''

اماں کا سادہ سا...... ریا سے پاک، جھوٹ سے مبرا لہجہ جیسے دکھے دل پہ پھائے کی طرح محسوس ہوا...... ذکیہ چچی منہ پہ کتنا پیار جتاتی ہیں...... چہرے جھوٹ بول سکتے ہیں۔ لہجے جھوٹ نہیں بول سکتے۔ میں سوچنے لگی۔

''تو اس سے کہو کہ نوکری چھوڑ کے اپنا گھر سنبھالے اونہہ! بھلا بتاؤ تمہیں اس عمر میں ہنڈیا روٹی کر کے کتنے نفلوں کا ثواب ملے گا۔'' ذکیہ چچی کہاں چپ رہنے والی تھیں۔

''شاید مل ہی جائے!'' اماں کی کسی گمان میں ڈوبی آواز مجھے سنائی دی اور نجانے یہ ادراک کا...... آگہی کا کون سا لمحہ تھا! میرے کانوں میں چند لمحوں پہلے سنے ہوئے لیکچر کے الفاظ گونجے جس میں عالم دین کسی ایک آیت کو سمجھنے کے ثواب کے بارے میں بتا رہے تھے...... اور قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے کام آنے، ان کے لیے آسانیاں پیدا کرنے کی جگہ جگہ تلقین کی ہے۔''

''بھابھی! اس میں میری بھی چائے ہے؟'' ماہین میرے سر پہ کھڑی پوچھ رہی تھی۔

''آں...... نہیں۔'' میں جیسے ہوش میں آگئی۔

''تم یہ ٹرے اندر لے جاؤ۔ میں تمہارے لیے چائے بنا دیتی ہوں...... اور سنو ماہی! تم نے جو قمیص ٹھیک کرائی ہے وہ بھی نکال دینا۔ میں ٹھیک کردوں گی۔''

''تھینک یو سو مچ بھابھی...... وہ خوشی سے چہکی۔'' اچھا بھابھی! آپ یہ چائے اندر لے جائیں۔ میں اپنے اور آپ کے لیے بھی چائے بنا کر لاتی ہوں سب مل کر پئیں گے۔''

''یہ مجھے شامل کیے بغیر کون سی سازشیں ہو رہی ہیں؟'' احمر جو ابھی ابھی اپنے کمرے سے نکلے تھے ہمارے قریب آتے ہوئے کہنے لگے۔

''بس یہ ہمارا سیکریٹ ہے آپ کو کیوں بتائیں۔'' ماہین کچن کی طرف جاتے ہوئے ہنستے ہوئے بولی جس پہ احمر مصنوعی خفگی سے گھورنے لگے۔

''چلو ماہی! تم ان کی بھی چائے بنا دینا! کیا یاد کریں گے۔''

''بھابھی! میں دودھ اور پتی کی چائے بناتی ہوں۔ انسانوں کی نہیں۔'' یہ کہتے ہوئے ماہین جھپاک سے کچن میں گھس گئی...... اور اس کی بات پہ ہم دونوں بے اختیار ہنس دیے۔

☆

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

URDUSOFTBOOKS.COM

ریحانہ آفتاب

گدھ

"زینیہ! استری کے لیے کپڑے ہی دے دو، کب سے آواز دے رہی ہوں۔" شہر بانو جب دور سے آوازیں دے دے کر تھک گئی تو قریب آ کر جھنجلا کے بولی۔

"یار! میرا شادی میں جانے کا موڈ نہیں، تم ایسا کرنا کسی بچے کے ہاتھ چپکے سے بریانی کی پلیٹ مجھے بھیج دینا۔ میں دروازہ کھلا رکھوں گی۔" زینیہ نے کمال لاپروائی سے کہتے ہوئے نظریں اسکرین پر ہی جمائے رکھیں۔ وہ بہت انہماک سے ایل ای ڈی اسکرین پر نیشنل جیوگرافک چینل دیکھ رہی تھی۔

"میں اتنی فضول حرکت نہیں کروں گی، بہتر ہے کہ تم اٹھ کر مجھے کپڑے نکال کر دے دو جو تمہیں پہننے ہیں تاکہ میں استری کر دوں پھر لائٹ چلی گئی تو بیٹھی روتی رہنا۔" شہر بانو نے اسے لوڈ شیڈنگ کا ڈراوا دیا مگر اس کے انہماک میں کوئی فرق نہیں پڑا۔

گدھوں کا جھنڈ کسی مردار جانور پر پل پڑا تھا اور ان کی تعداد اتنی تھی کہ جانور چھپ سا گیا تھا۔ بس ان گدھوں کے گنجے سر اور مڑی ہوئی چونچیں نظر آ رہی تھیں جن میں مردار کی بوٹیاں نظر آ رہی تھی۔

"استغفراللہ! کیا فضولیات دیکھ رہی ہو، گھن نہیں آ رہی تمہیں؟" شہر بانو نے منہ پر ہاتھ رکھ کر آتی ابکائی کو روکنے کی کوشش کرتے ہوئے گردن بھی گھمائی۔

"شہر بانو! یہ گدھ ابھی دنیا میں ہیں یا ڈائنوسار کی طرح نایاب ہو گئے؟"

شہر بانو کی باتوں سے قطع نظر اس نے سوال کیا تھا کہ شہر بانو کو ہر طرح کی معلومات سے خاصا لگاؤ تھا اور اکثر وہ اپنے سوال گوگل پر سرچ کرنے سے پہلے شہر بانو سے کر لیتی تھی اور جواب بھی مل جاتے تھے۔

"چند ماہ ہوئے خبر سنی تھی کہ ورلڈ وائلڈ لائف فنڈ چھانگا مانگا میں گدھوں کی افزائش نسل کر رہا ہے۔ نوے کی دہائی میں پاکستان، ہندوستان اور نیپال سے گدھ غائب ہونا شروع ہو گئے تھے۔ حال ہی میں ایک گدھ کے ہاں دو بچے پیدا ہوئے ہیں اور یقیناً ان پر محکمہ جنگلات واری صدقے ہو رہا ہوگا تاکہ ان کا وجود رہے تاکہ گدھ سارے مردار چٹ کر جائیں گو کہ چیل، کوے بھی یہ کام بخوبی انجام دیتے ہیں لیکن گدھوں کی بات ہی الگ ہے۔"

شہر بانو انسائیکلوپیڈیا بنی اسے معلومات دے رہی تھی اور وہ نظریں اسکرین پر جمائے اسے سنتی سر ہلا رہی تھی۔

"اب اٹھو اور مجھے کپڑے نکال کر دو جلدی۔" شہر بانو زور دے کر جا چکی تھی۔

گدھوں نے جب آخری لقمہ بھی ہڑپ کر لیا تو اس کی نظریں بھی اسکرین سے ہٹیں۔ ایل ای ڈی بند کر کے اس نے کمرے کی راہ لی تاکہ کپڑوں کے انتخاب کا کام انجام دیا جا سکے۔

☆....۞....☆

اماں کے ساتھ وہ دونوں پنڈال میں پہنچیں تب تک بارات آ چکی تھی۔ شادی گلی میں ہو رہی تھی اور بارات آنے کا شور اور پٹاخوں کی آوازیں وہ گھر میں

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ہی سن چکی تھیں۔ مردانے کا الگ انتظام تھا اس لیے ابا مردانے میں ہی تھے۔

ان کے گھر کے عین سامنے ہی ماہ نور کی شادی تھی۔ ماہ نور اور اس کی ماں ثانیہ چند سال سے ان کے محلے میں مقیم تھیں۔ ثانیہ کسی آفس میں جاب کرتی تھیں، صبح کی گئی شام کو آتی تھیں۔ ماہ نور بھی کالج کے لیے نکلتی اور واپس آتی نظر آتی تھی، بلاضرورت انہیں آتے جاتے کسی نے نہیں دیکھا تھا۔

چوں کہ ان کے گھر کوئی مرد نہیں تھا اس لیے محلے والے انہیں عجیب نظروں سے دیکھتے تھے۔ ان کا بھی محلے میں کسی سے میل ملاپ نہیں تھا۔ زینیہ اور شہر بانو کی بھی ان پر گھر سامنے ہونے کی وجہ سے نظر پڑ جاتی تو بس ایک رسمی سی مسکراہٹ کا تبادلہ ہوتا تھا اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ ایسے میں جب ماہ نور کی شادی کا کارڈ محلے والوں کی طرح انہیں ملا تو وہ سب بھی ہمسائیگی کا حق ادا کرنے شادی میں شرکت کے لیے آ گئے۔

نکاح ہو چکا تھا، ماہ نور کو اسٹیج پر لا کر بٹھا دیا گیا تھا۔ وہ بے حد حسین تھی اور دلہن بن کر تو اس کی چھب ہی نرالی تھی۔ خود ثانیہ بہت پیاری لگ رہی تھیں، شیفون کی جامہ وار بلو ساڑھی میں ادھر سے اُدھر پھرتی وہ کہیں سے بھی جوان بیٹی کی ماں نہیں لگ رہی تھیں۔

بالآخر دولہا کو بھی اسٹیج تک لایا گیا تاکہ مووی اور تصاویر کا کوٹا بھی پورا کیا جائے۔ سب کی نظریں اسٹیج پر جانِ محفل یعنی دولہا اور دلہن پر اٹھی ہوئی تھیں تب ہی دولہا کی پھوپھو کو دولہا کے ابا اپنے بازوؤں کے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

گھیرے میں اسٹیج کی طرف لے جاتے نظر آئے تھے۔ پھوپھو صاحبہ کا منہ بے حد بگڑا ہوا تھا، جلد ہی ان کے موڈ کا خلاصہ بھی ہو گیا کہ رشتہ طے کرتے ہوئے ان کی رضا مندی کو اولیت نہیں دی گئی تھی اور نہ ہی انہیں دلہن کی فیملی سے ملوایا گیا تھا اور اب بھائی صاحب اپنی روٹھی آپا کو منا کر بہو کا دیدار کروانے لے جا رہے تھے۔

"آپا! آپ ایک بار بہو کو تو دیکھ لیں، آپ کا موڈ اچھا ہو جائے گا۔ ماشاءاللہ چاند کا ٹکڑا ہے ہماری بہو!" بھائی صاحب آپا کو پچکارتے ہوئے اسٹیج کی سیڑھیاں چڑھ رہے تھے۔

"آئیں آپا! بیٹھیں اپنی بہو کے پاس۔" دولہا کی اماں نے سمدھن ثانیہ کے کان میں بھی روٹھی نند کا قصہ کھڑے کھڑے ڈال دیا تھا تب ہی اسٹیج کے اوپر سے ثانیہ نے ہاتھ بڑھا کر آپا بیگم کا ہاتھ تھام کر انہیں اوپر آنے میں مدد دی تھی۔

"تم...... تم ثانیہ ہو نا...... گائیکہ ثانیہ...... جو جوانی میں شادی، بیاہ کی تقریبات میں جا جا کر شو کرتی تھی۔ ایک بار تم ہمارے گھر بھی آئی تھیں شادی میں۔"

اسٹیج پر چڑھنے کے بعد آپا بیگم نے ثانیہ کا ہاتھ چھوڑنے کے بجائے مزید گرفت مضبوط کر لی تھی۔ ان کی تیز نظر اور یادداشت غضب کی تھی۔ ثانیہ جو سب کچھ چھوڑ کر گم نامی کی زندگی بسر کر رہی تھیں، انہیں اندازہ نہیں تھا کہ ان کے ماضی سے ایک جھٹکے میں پردہ اٹھ جائے گا۔

ثانیہ جو مسکرا مسکرا کر سب سے خندہ پیشانی سے پیش آ رہی تھیں، گھر میں مرد نہ ہونے کے باوجود شادی کے ایک ایک معاملات کو دیکھ رہی تھیں، ماتھے پر ایک شکن نہیں آنے دے رہی تھیں لیکن آپا بیگم کی بات سنتے ہی نہ صرف ان کے لبوں سے مسکراہٹ غائب ہو گئی بلکہ ان کا رنگ بھی فق ہو گیا۔

"رئیس میاں! کہن لگا چاند کا ٹکڑا گھر میں اتار کر تم نے خوب میرے مرحوم عزت دار باپ، دادا کا نام روشن کیا۔"

آپا بیگم بھائی کو پلٹ کر اونچی آواز میں صلواتیں سنانے لگیں۔ دولہا بھی چونک کر کبھی دلہن بنی پہلو میں بیٹھی بیوی کو دیکھنے لگتا، کبھی اپنی پھوپھو، باپ اور ثانیہ کو۔ رئیس صاحب بھی بے یقینی سے سمدھن ثانیہ کو دیکھ رہے تھے۔

"ہم خاندانی لوگوں کو یہ...... یہ تم نے کہاں میراثیوں میں پھنسا دیا...... اب کیا ایک میراثی کی بیٹی ہماری بہو بنے گی جس کا یہ نہیں پتا کہ جائز ہے بھی یا نہیں۔"

آپا بیگم پورے زور و شور سے شروع ہو چکی تھیں۔ خاندانی لوگ میراثی کی بیٹی کو بہو نہیں بناتے لیکن یہ ہی خاندانی لوگ میراثیوں کو بلا کر اپنی تقریبات میں رنگ بڑے ذوق و شوق سے بھرتے ہیں۔

پنڈال میں بھنبھناہٹ شروع ہو گئی تھی' لوگ دلچسپی لیتے ہوئے اسٹیج سے مزید قریب ہو کر مزے لے رہے تھے۔

"آپا بیگم! پلیز ایسی باتیں مت کریں۔ گائیکی میری مجبوری تھی' شوہر کے طلاق دینے کے بعد بچی کی پرورش کے لیے......" ثانیہ دھیمی آواز سے گویا تھیں مگر آپا بیگم کی دھاڑ نے ان کی آواز بند کر دی۔

"کیوں یقین کریں ہم تم جیسی دو ٹکے کی میراثن کا......" آپا بیگم اتنے خونخوار لہجے میں بولیں کہ ثانیہ ڈر کر دو قدم پیچھے ہو گئیں۔

"بھئی رئیس! میں یہ شادی نہیں مانتی۔" آپا بیگم فرعون بنی ثانیہ کو تیز نظروں سے دیکھتی اب رئیس صاحب سے ہم کلام تھیں۔

دلہن بنی ماہ نور خوف زدہ نظروں سے چند قدم کے فاصلے پر ہونے والی گفتگو پر بے جان سی ہو رہی تھی، اس کی گھٹی گھٹی سسکیاں نکل رہی تھی۔

"آپا بیگم پلیز...... کوئی تماشا نہ کریں، نکاح

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

URDUSOFTBOOKS.COM

ہو چکا ہے...... میں قرآن اٹھانے کو تیار ہوں کہ میری حلال بیٹی ہے۔" بنی سنوری ثانیہ کھکھیا رہی تھیں اور مرد حضرات دلچسپی سے ان کے آنسو دیکھ رہے تھے۔

"بھاڑ میں جائے ایسی شادی' جس لڑکی کے حسب نسب کا پتا نہ ہو، اس کی کیا گارنٹی...... رئیس میاں اپنے بیٹے سے کہو، ابھی اور اسی وقت اس گائیکہ کی بیٹی کو طلاق دے ورنہ تم نے بہو رخصت کروائی تو میرا مرنا جینا ختم تم سے......"

ثانیہ نے سہم کر التجائیہ نگاہ سے سدھن کی طرف دیکھا مگر اب ان کی نگاہ بھی بدل چکی تھی۔

"آپا بیگم ابھی اور اسی وقت طلاق...... مہر کی رقم ایک لاکھ روپے ہیں، کہاں سے لائیں گے؟"

رئیس صاحب دھیرے سے اپنی پریشانی بتا رہے تھے۔ طلاق کا سن کر ثانیہ مزید کھکھیانے لگی تھیں۔ ماہ نور کے آنسو بہہ رہے تھے۔ دو عورتیں اتنے سارے لوگوں کے بیچ تماشا بنی بیٹھی تھیں اور کسی میں کچھ کہنے سننے کی جرأت نہ تھی۔ کسی نے مرد وعورت کے پورشن کے بیچ کا شامیانہ بھی گرادیا تھا تاکہ دوسری طرف کے حضرات بھی لطف اٹھا سکیں۔

"مہر کی رقم میں تمہیں دے دوں گی، بھجوا دینا بعد میں انہیں۔"

آپا بیگم کے کہنے کی دیر تھی، رئیس میاں نے دولہا بنے سعادت مند خاندانی بیٹے کو دیکھا جس کی رگوں میں اتنا نچلے درجے کا خون بہہ رہا تھا کہ وہ اپنی منکوحہ، اپنی بیوی کی عزت کے لیے ایک لفظ نہ بول سکا اور باپ کا اشارہ ملتے ہی اس نے تین بول، بول کر دو عورتوں کو زندہ درگور کردیا اور باراتیوں کے ساتھ واپس چل دیا۔

"اکیلی عورتیں رہتی تھیں۔ کوئی نہ کوئی وجہ تو ہوگی ہی اور دیکھو آج کیسے بات کھلی۔"

سب چہ مگوئیاں کرتے رہے۔ لوگوں کی نظروں اور باتوں سے جب دلہن بنی ماہ نور کا کلیجہ چھلنی ہونے لگا تو وہ اسٹیج سے اٹھ گئی۔ اس کے اٹھتے ہی چوڑیوں اور پازیب کا ایک جلترنگ سا بج اٹھا۔ بالوں میں لگا گجرا ڈول کر نتھنوں سے ٹکرایا تو اس کی خوشبو دماغ پر چڑھ گئی۔ گجروں کی خوشبو اور جیولری کے تال میل سے نظر چراتے اس نے ایک کرسی پر ڈھے جانے والی ثانیہ کو بمشکل اٹھایا اور لہنگے سے الجھتی بمشکل انہیں لے کر اسٹیج سے نیچے اتر آئی۔

جس آنگن سے رخصت ہونے کے ارادے سے وہ اسٹیج تک آئی تھی، طلاق کا ٹیکہ لگانے کے بعد دوبارہ اسی آنگن میں قدم رکھ کر اس نے دروازہ اندر سے بند کرلیا تھا۔

"اوہو! تیور دیکھیے دلہن رانی کے......" محلے کے کسی شخص نے ہنسی اڑائی تھی۔

"کیا عالی شان جہیز بھجوایا تھا بیٹی کا اس گائیکہ نے، دیکھا تھا......؟ بھلا کوئی پوچھے تو اکیلی عورت

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے

بہنوں کے لیے خوب صورت ناولز

زرد موسم	راحت جبیں	1000/-
حساب دل رہنے دو	نبیلہ عزیز	400/-
محبت من محرم	نمیرا حمید	400/-
ایک تھی مثال	رخسانہ نگار عدنان	500/-
یہ گلیاں یہ چوبارے	فائزہ افتخار	400/-
دست مسیحا	نگہت سیما	400/-
گل کہسار	فرح بخاری	400/-

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لیے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37، اردو بازار، کراچی

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کے پاس اتنا پیسہ کہاں سے آ رہا ہے؟''
محلے کی بی بی سی، توبہ توبہ کرتی اماں کے سامنے ساری کہانی کو پھر سے دہرا کر اماں کو تنبیہہ کر رہی تھیں کہ ہمارا گھر سامنے ہے، ہم ان سے میل جول نہ رکھیں...... تب ہی ابا نے ہمیں گھر کی راہ لینے کا اشارہ کیا۔
''رب معاف کر دیتا ہے لیکن لوگ معاف نہیں کرتے۔'' ابا گھر کا تالا کھولتے ہوئے افسردہ تھے۔
''صحیح کہہ رہے ہیں، بہت افسوس ہوا، چند گھنٹوں میں بچی نے نکاح سے طلاق تک کا سفر کر لیا...... بہت زیادتی ہوئی بچی کے ساتھ۔'' اماں نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔
''کتنی پیاری ہے ماہ نور! لیکن نصیب دیکھو۔'' بستر پر لیٹ کر سونے کی کوشش کرتی شہر بانو دکھی تھی۔

زینیہ اپنی جگہ خاموش تھی، جو کچھ دیکھا اور سنا وہ اسے دکھی کر گیا تھا، نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔
جانے رات کا کون سا پہر تھا، جب اس کی آنکھ کھل گئی، شہر بانو بھی جاگ گئی تھی ، دونوں اٹھ کر آئیں تب تک ابا اور اماں دروازہ کھول چکے تھے۔
عام سے لان کے سوٹ میں ماہ نور ڈھلے منہ سے دوپٹا سر پر لیے کھڑی تھی۔ ہاتھوں پیروں پر لگی مہندی کو دیکھ کر زینیہ کا دل ایک بار پھر دکھ سے بھر گیا۔ ابا اور اماں بھی اتنی رات گئے اسے دروازے پر دیکھ کر حیران رہ گئے تھے۔
''مہربانی کر کے میری مدد کریں، امی کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے...... انہیں اسپتال لے جانا ہے لیکن کوئی میری مدد نہیں کر رہا۔ میں نے محلے کے کئی دروازے کھٹکھٹائے سب نے منع کر دیا...... پلیز آپ منع نہ کیجیے گا، میری امی کو کچھ ہو جائے گا۔'' وہ بری طرح رو رہی تھی، اماں ابا نے ایک نظر ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔
''پلیز انکل آپ کی بھی بیٹیاں ہیں...... میں اکیلی ایمبولینس میں امی کو لے کر گئی تو وہ ٹھیک ہونے کے بعد میری اس حرکت پر مجھ سے ناراض ہو جائیں گی اور جانے ایمبولینس کے لوگ کیسے ہوں۔''
وہ دکھیاری، بارات لوٹنے کا غم، طلاق کا داغ فراموش کیے اپنی ماں کی سکھائی بات کا پاس کر رہی تھی۔
''اماں، ابا آپ دونوں چلے جائیں پلیز۔'' زینیہ نے قریب آ کر کہا تو ماہ نور مشکور نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔
''ٹھیک ہے بیٹا! تم چلو ہم آتے ہیں۔'' ابا نے کہا تو وہ شکریہ ادا کرتی ہوئی تیزی سے اپنے گھر کی طرف بڑھ گئی۔ اماں کے کہنے پر شہر بانو ان کی چادر لے آئی۔
انہیں گیٹ اچھی طرح بند کرنے کی ہدایت کرتے اماں ابا، ماہ نور کے ساتھ ایمبولینس میں ثانیہ کو اسپتال کی طرف لے جانے لگے تھے۔ محلے کی کھڑکیاں دروازے ایمبولینس کے سائرن سے کھلنے لگے تھے۔
''گدھ نایاب نہیں ہوئے ہیں شہر بانو! بس ان کے گنجے سر اور مڑی ہوئی چونچیں بدل گئی ہیں۔ وہ ہمارے آس پاس ہی ہیں، ہم پر لپکتے ہیں، ہماری قسمتوں کے فیصلے کرتے ہیں۔ جیسے آپا بیگم نے ماہ نور کے ماتھے پر طلاق لکھ دی، محلے والے جو اس انتظار میں ہیں کہ کب انہیں موقع ملے اور وہ ماہ نور اور ثانیہ جیسی عورتوں کو ہڑپ کر جائیں...... گدھ نایاب نہیں ہوئے بس انہوں نے شکلیں بدل لی ہیں' ٹھکانا بدل لیا ہے...... وہ ہمارے بیچ میں ہی ہیں......''
چادر کے اندر سے زینیہ کی آواز آ رہی تھی۔ شہر بانو نے اس کا ایک ایک لفظ بغور سنا تھا۔ زینیہ کی سسکی پر اس کے لبوں سے بھی ایک تھکی سانس آہ کی صورت نکلی تھی۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

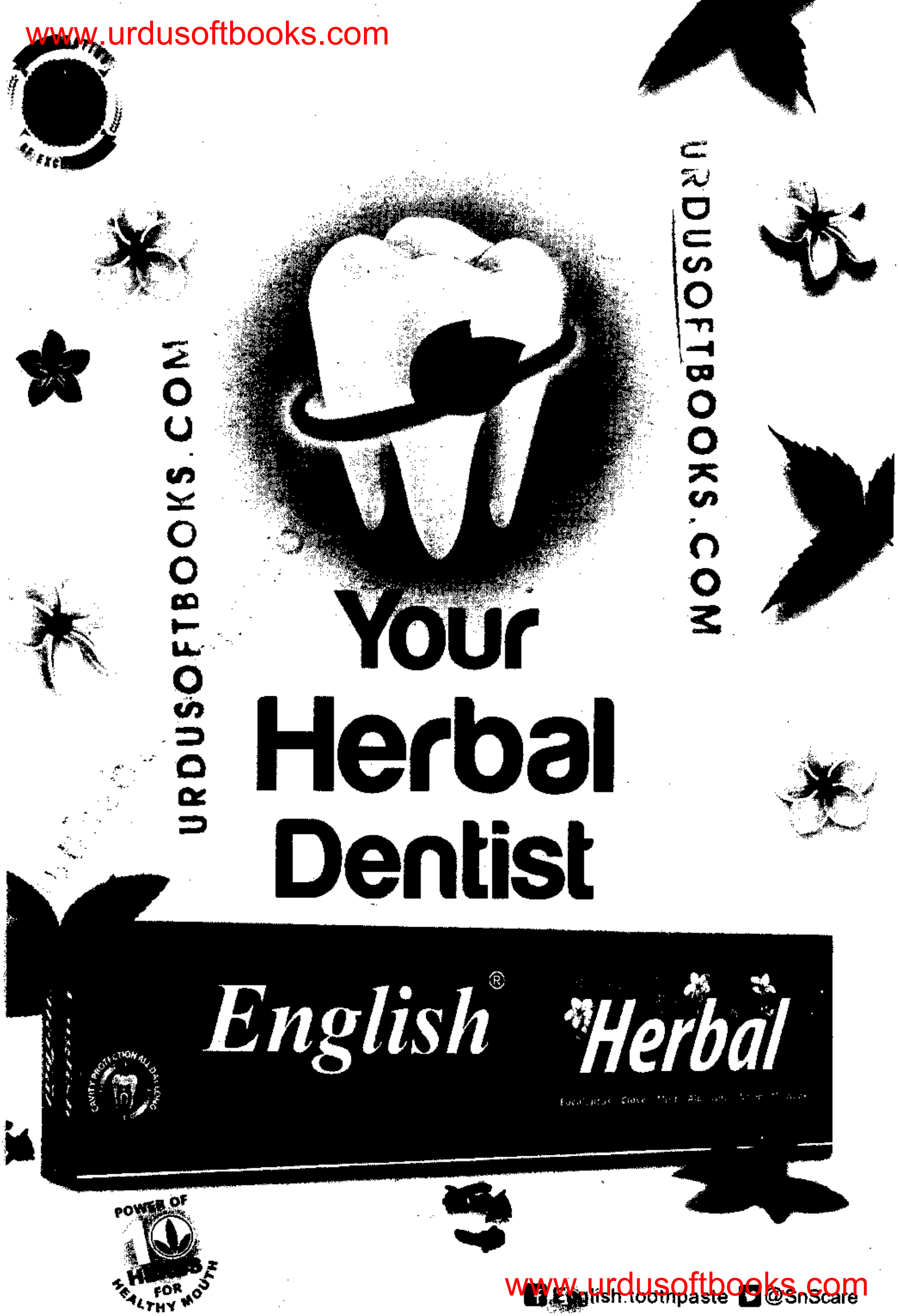

URDUSOFTBOOKS.COM
URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ناولٹ

ثریا کے ہلکے خراٹوں نے اس کی بند ہوتی پلکوں کو کھول دیا۔ اس نے کروٹ بدلے بنا گردن موڑ کر ماں کو دیکھا۔ وہ چارپائی پر چت پڑی گہری نیند میں جا چکی تھی' بارش کے باعث ہلکی خنکی میں سب بچوں کو اس نے اوپر اوڑھنے کو چادریں دے دی تھیں۔ مگر خود ہر چیز سے بے نیاز تھی۔

اب وہ بہن بھائیوں کو دیکھ رہی تھی۔ وہ سب ایک دوسرے سے لپٹے پہچانے نہیں جاتے تھے کہ کس کی ٹانگ کون سی۔ اور کس کا ہاتھ کون سا۔ بس ایک اسی کو نیند نہیں آ رہی تھی۔

صبح سے جاری بارش اب جا کے تھمی تھی۔ فضا میں گہری خاموشی تھی۔ کبھی جھینگر بول پڑتے۔ پیلے بلب کے گرد پروانے چکر کاٹ رہے تھے اس نے کئی کو جل بھن کر گرتے دیکھا۔ اس نے دوسری چارپائی پر نظر ڈالی۔

پتا نہیں ماں کو اتنی پرسکون نیند کیسے آ جاتی ہے۔

سائرہ رضا

ثریا کی گڑیا

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

صبح کا نکلا شوہر گھر نہیں لوٹا تھا۔

صبح سے خبروں میں بتایا جا رہا تھا۔ طوفانی بارش میں ہونے والی ہلاکتوں و حادثات کے بارے میں۔ مکانوں کی چھتیں گر گئیں۔ دیواریں۔ درخت۔ بل بورڈ۔ ٹین کی چھتیں اڑ گئیں۔ کرنٹ لگ کر بھی کتنے لوگ مرے۔ اس کا دل دہلتا رہا۔

کتنے کھمبوں کے گرنے کی بھی خبر تھی۔ کھمبے کے نیچے ہی ابا ٹھیلا لگاتا تھا۔

اس نے پھولتی سانسوں کے ساتھ ماں کو بتایا کہ کھمبے گر رہے ہیں۔ وہ ابا کو فون کرے۔ ثریا نے چونک کر دیکھا۔ پھر اسے اس کی فکر کی وجہ سمجھ میں آ گئی۔ اس نے تنفر سے سر جھٹکا۔ اور اسے آنگن میں نیا ٹب رکھنے کا حکم دے کر خود روٹیاں پکانے لگی۔

ثریا کے انداز میں قطعیت، حکم اور عملیت کا ایسا امتزاج تھا کہ وہ اپنے سارے خدشات دل ہی میں دبائے، آنگن میں آ گئی۔ پہلے ہی اسے ماں سے خوب ڈانٹ پڑ چکی تھی کہ اسے خود سے خیال کیوں نہیں آیا۔

ثریا نے یکدم بھونچال ہی برپا کر دیا۔ اس نے منٹ کے اندر ٹب، بالٹیاں، ہر چھوٹا بڑا برتن آنگن کے بیچ و بیچ رکھ دیا۔ اور اسے اور چھوٹے والے بیٹے کو حکم دیا کہ جیسے ہی برتن بارش کے پانی سے بھرتے جائیں وہ انہیں پلاسٹک کے خالی ڈرموں میں ڈالتے جائیں۔ ساتھ ہی وہ مسلسل بول رہی تھی کہ گڑیا یعنی وہ ذرا سمجھدار لڑکی ہوتی تو کب کا یہ کام ہو جاتا۔ پتا بھی ہے کہ ایک ایک گدھا گاڑی کتنے میں پڑتی ہے۔ وہ بھی گندا نمکین پانی۔ (وہ گدھا گاڑی جس کے پیچھے پانی کی ٹنکی رکھ کر پانی سپلائی کیا جاتا ہے) ماں کی محنت کی کمائی کا خیال ہوتا تو اتنی عقل آتی ناں۔ مگر نہیں۔ سارے ہی بے حس، بے درد ہیں۔

بہن بھائیوں کی تو موج ہو گئی۔ یہ عین ان کی دلچسپی کا کام تھا۔ آپا دھاپی مچ گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ڈرم بھر گئے۔ ثریا کے حکم پر اس نے تمام برتن بھر کے برآمدے میں رکھ دیے۔

ثریا نے چائے بنا کر پاپوں کے ساتھ بچوں کو پیش کر دی۔ اتنے دیر بھیگتے رہے تھے بے چارے، بچوں کی تو گویا دعوت ہو گئی۔

مگر خود ثریا کو چین نہیں تھا۔ اس نے بچوں کے اتارے کپڑوں کو آنگن کے بیچ رکھ کر فرش پر ہی دھونا شروع کر دیا تھا۔ پھر برستی بارش ہی میں تاریں بھر دیں۔

طیبہ نے دیکھا۔ ثریا کپڑے بدل کر چائے کے دو کپ چڑھانے کے باوجود بے چینی سے ادھر ادھر دیکھ رہی ہے۔ جیسے وہ اس برستی بارش سے اور کیا فائدے اٹھا سکتی ہے۔ مگر طیبہ جانتی تھی۔ کچھ بھی نہیں۔

پچھلی دو بارشوں میں وہ گھر کے سارے بستر، کمبل حتیٰ کہ فرش پر بچھا دری نما کارپٹ تک دھو چکی تھی۔ وہ بہت جفاکش اور سخت جان تھی۔ اس کے ماتھے پر ابھری سلوٹیں بتاتی تھیں کہ کسی ایسی سوچ میں مبتلا ہے جو اس کے جسم و جان کو اس مشقت میں ڈال رہی ہے۔ جیسی مشقت کدال سے زمین کھودتے مزدور کی ہڈیوں پر بیتتی ہے۔ کیا سوچ رہی تھی ماں۔

''ابو نہیں آئے اب تک؟'' چھوٹے والے کو اچانک ہی یاد آ گیا۔

یہ سوال گڑیا دل میں بارہا کر چکی تھی۔ سب کے ساتھ اس کی نظریں بھی ماں کی سمت اٹھیں۔ ماں نے چونک کر چھوٹے کو گھورا۔

اس نے سوال دہرایا۔ جواب میں ثریا نے ایسی سردنگاہی کا مظاہرہ کیا کہ بچہ دبک کر رہ گیا۔ ثریا کے چہرے پر ایسا تنفر امڈ آیا تھا۔ جس نے اسے چپ کرا دیا۔

بعد میں کسی نے جرأت نہیں کی کہ وہ ''ابو کہاں ہے'' کے بارے میں سوچے بھی۔ لیکن وہ۔ یعنی گڑیا۔

اس کے دل میں ماں کے خلاف گلہ ایسے بڑھنا لگا جیسے آٹے میں خمیر بڑھتا ہے۔ پوپلا سا۔ کھٹا سا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

بلبلے مارتا ہوا۔

ہاں ابا ایسا۔ ویسا اور کیسا تھا مگر۔ ایسی برستی خطرناک بارش میں اس کا کوئی پتا نہیں تھا۔ اور مجال ہے جو ماں کو ذرا پرواہ ہو۔

کسی ماہر رنگریز نے آسمان کو سیاہ رنگ میں رنگ کر ریشمی دوپٹے کی طرح پھیلا دیا تھا۔ جس میں سلوٹ کا شائبہ تک نہ تھا۔

اور ایسے میں ابا۔ اس کا دل سکڑا۔ پھر پھیلا۔ ہاں پر کچھ بھی ہو۔ رات جتنی بھی بیت جائے۔ یا راتیں۔ دو یا چار مگر ابا لوٹ آتا تھا۔ وہ صبح اٹھتی تو ابا ہاتھ پیر ڈھیلے چھوڑے، منہ کھول کر خراٹے لے رہا ہوتا۔ ثریا کی چڑچڑی عجلت زدہ پکاریں۔ گرتے پڑتے برتن۔ لٹیرین جانے والوں کی دہائیاں۔

گڑیا کو پراٹھے تھوپنے کی آواز سے ثریا کے مزاج کا اندازہ ہو جاتا وہ جیسے اپنے اندر کا سارا طیش پراٹھوں میں بھر دیتی۔

مگر ابا۔ اس کے کھلے منہ پر ہونے والی مکھیوں کی یلغار بھی خواب غفلت کے بیچ حائل نہیں ہوتی تھی۔ بہت ہوا تو وہ فضا میں ہاتھ چلا دیتا۔ کروٹ بدل لیتا۔ یا پھر منہ پر تکیہ رکھ لیتا۔

مگر آج تو ہر جگہ بارش ہے۔ ابا جن تھڑوں پر بیٹھتا تھا وہ بھی بھیگے ہوں گے تو پھر کہاں ہوگا ابا۔ اس کا دھیان ایک بار دن بھر ہونے والے حادثات کی سمت چلا گیا۔ اس نے کلمہ پڑھنا شروع کر دیا۔ دادی کہتی تھیں کلمہ سے دل کی بے چینی کو قرار آتا ہے۔ اور تھوڑی دیر میں اسے سکون محسوس ہونے لگا۔

اس نے منہ پر دوپٹا رکھ لیا۔ نیند بس آنے کو تھی۔ آئی آئی۔ مگر ابا۔ ہاں ابا۔

تڑ تڑ۔ ہوں ہوں۔ اور ہلکی سی چیاؤں میں یہ سیٹی کی آواز تھی۔

برسات کے موسم میں، تنہائی کے عالم میں۔
میں گھر سے نکل آیا، بوتل بھی اٹھا لایا۔
ابھی زندہ ہوں تو جی لینے دو۔ جی لینے دو۔
بھری برسات میں۔ آہا۔ بھری برسات میں۔ اوہو۔
بھری برسات میں پی لینے دو۔

ہاں ابا۔ یہ ابا ہی کی آواز تھی۔ گمان نہیں تھا۔

ابا نے اس وقت دروازہ نہیں بجانا تھا۔ وہ جانتی تھی۔ اور بجا بھی لیتا تو ابا سمیت سارا محلہ جانتا تھا۔ ثریا نے کھولنا نہیں تھا۔

دادی بتاتی تھی۔ ایک بار ثریا نے کھولتا گرم پانی پھینک دیا تھا دروازے کھولتے ہی ابا پر۔ وہ اس وقت بہت چھوٹی ہی ہوگی۔ مگر سوچتی ابا کو کتنی تکلیف ہوئی ہوگی۔

تو ابھی منٹ میں ابا دیوار تاپ کر اندر ہوگا۔ اس کے صبح سے بے چین دل کو قرار آنے لگا۔ اس کی پلکیں ایک دوسرے سے جڑ گئیں۔ اس کا لاشعور ابا کی آمد ہی کا منتظر تھا۔ اس نے ایک بار شعوری کوشش سے آنکھیں کھولی تھی۔ اسے ابا آنگن سے برآمدے کی طرف آتا دکھائی دیا تھا مگر پھر۔ وہ سوگئی۔ ہاں نندیا پری نے اسے اپنی آغوش میں بھر لیا۔

ابھی تو آنکھ لگی تھی۔ پھر کیسے کھل گئی۔ وہ ساکت لیٹی حیرت سے سوچ رہی تھی۔ ہاں برتنوں کی اٹھا پٹخ، ابا یقیناً کچھ کھانے کو ڈھونڈ رہا ہوگا۔ اسے تسلی ہوئی۔ ماں نے بالخصوص روٹی نہیں بنائی تھی۔ مگر

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے
بہنوں کیلئے خوبصورت ناول
یہ گلیاں یہ چوبارے
فائزہ افتخار
قیمت -/400 روپے
منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی
فون نمبر:
32735021

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

پاپوں سے پیٹ بھرے بچوں نے رات کے کھانے میں اتنی رغبت نہیں دکھائی۔

سو دستر خوان میں دو ثابت روٹیاں اور بچوں کے چھوڑے آدھے ادھورے ٹکڑے موجود تھے۔ آلو کی بھجیا بھی ویسے کی ویسی تھی۔

اس پر پھر سے نیند طاری ہوگئی۔ ابا شکم سیری کے بعد اب پھر گنگنا رہا تھا۔

"تیرے بھیگے بدن کی خوشبو سے، لہریں بھی ہوئیں مستانی سی۔"

ابا کی آواز اچھی تھی۔ اسے ہزاروں گانے یاد تھے۔

ابا کا گانا جیسے لوری کا کام کرنے لگا۔ میٹھی میٹھی بہت میٹھی نیند۔

اس نے ابا کو ماں کی چارپائی کی جانب آتا دیکھا۔ ابا نے پائنتی پر بیٹھ کر ماں کے پیر تھامے۔ وہ جیسے اب خواب دیکھ رہی تھی۔ ابا کا مسکراتا چہرہ بھی نمایاں تھا۔ ابا کی گنگناہٹیں۔ برستی رات۔ ٹپ ٹپ گرتے پتنگے۔ بارش کی سیلن زدہ مہک اور گلتے سڑتے کچرے کی بدبو۔

سب نے مل کر کیا سماں باندھ دیا تھا۔ اسے اپنے اندر سرشاری سی اترتی محسوس ہوئی۔ مگر یہ کیا۔ یہ کیا ہوا۔ ماں نے پائنتی پر ذرا سی جگہ بنا کر بیٹھے ابا جن کے ہاتھ میں ان کے پیروں تھے۔ انہی پیروں سے ایسی طاقت کا دھکا مارا تھا کہ ابا کو لیے کے بل دور جا گرا۔ خود اماں اچھل کر بیٹھی تھی اور خون خوار نظروں سے ابا کو گھور رہی تھی جیسے کچا چبا جائے گی۔

ابا نے اپنی حیران آنکھوں میں طیش بھرنا چاہا۔ مگر ماں کو ذرا ڈر نہ لگا تو آ۔ آ۔ میں سناتی ہوں گانا" وہ پہلوان لگنے لگی جو مقابل کو جان سے مار دینے کے لیے لڑنے کی دعوت دیتا ہے۔

ابا دونوں ہاتھوں کے سہارے کھڑا ہوا اب ہاتھ جھاڑ رہا تھا۔

اس نے آنکھیں میچ لیں۔ جبڑے بھینچ لیے اب کیا ابا اماں کو مارے گا۔

یا۔ یا ماں ابا کو۔

اس کا دل بولا۔ اگر ایسی مارم پٹی (مارکٹائی) شروع ہوجاتی۔ تو خدا کی قسم ماں ابا کو دھول چٹا دیتی۔"

ابا کھڑا تو جارحانہ تیور لیے ہوئے تھا۔ مگر ماں کی آنکھوں میں اترے خون نے اسے پسپا کر دیا۔ مگر تب ہی سب سے چھوٹی والی کسمسائی اور رونے لگی۔

اس نے ماں کی آنکھوں کو سوجا ہوا اور سرخ دیکھا۔ دیر تک سونے والا ابا بھی آج صبح ہی جاگ چکا تھا۔ اور پھنے خان بنا مسلسل ثریا کو گھورتا جاتا تھا۔

ماں باپ کے تیور دیکھ کر سب سہم سے گئے۔ گلی سے کسی بچے نے آواز لگائی۔ "آج اسکول کی چھٹی ہے۔ سارے اسکول میں پانی بھرا ہے۔" ساتھ والے گھر سے دادی نے بھی ہانک لگائی۔ متوجہ کرنے کے لیے وہ درمیانی دیوار پر ہاتھ بھی مارتی جاتی تھی۔

"ارے ثریا خبروں میں بتا رہے ہیں۔ سب اسکولوں کی چھٹی ہے۔ سرکاری پرائیویٹ سب۔" دادی کی آواز میں بھی خوشی تھی۔

بچوں نے تو خوشی سے چھلانگیں لگائیں۔ مگر اس نے ماں کی آنکھوں میں تھکن اترتی دیکھی۔

"ناشتہ ملے گا کہ ایسے ہی بھوکا نکل جاؤں"۔

ابا کا بولنا ناگزیر تھا۔ کچھ دیر پہلے تک تو اس کا خیال تھا کہ سب گھر سے نکل جائیں گے تو وہ خود آرام سے ناشتہ کرے گا۔ مگر اب تو ثریا کو گھر میں رہنا تھا۔ تو اب بھوکا بیٹھنے سے بہتر ہے وہ رعب سے مانگ لے۔ وہ مستعدی سے کھڑی ہوئی۔ اس نے چنگیر پکڑی، مگر ثریا نے جھپٹ لی۔

"نہیں۔" اس نے ابا کو ناشتہ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ ثریا کا دل ڈوب گیا۔ رات کو تھم جانے والی لڑائی اب شروع ہوتی تو رات تک جاری رہتی۔ آج تو ثریا گھر پر تھی نا۔ اور لڑنے کے لیے ابا چھٹی بھی کرلیا کرتا تھا۔

خیر ابا نے کبھی مارا تو نہیں۔ ہاں ماں ہی چمٹا، چوکی، چکلا، یا جو ہاتھ لگتا مار دیا کرتی تھی۔

اس نے سہم کر ابا کو دیکھا جو سخت جارحانہ عزائم

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

لیے کھڑا ہوا تھا۔ ثریا نے بھی جگہ چھوڑ دی۔ تو لڑائی شروع ہوگئی تھی۔

چند منٹ ہی گزرے ہوں گے۔ جب دادی کی گھبرائی آواز ابھری۔ ''ثریا۔ اے ثریا۔ اور ریاض۔ لڑ رہے ہو؟ او مالک۔''

وہ ساتھ ساتھ دیوار پر پہلے ہلکے پھر زور زور کے ہاتھ مارنے لگیں۔ اس کی توقع کے عین مطابق۔ اگلے منٹوں میں وہ سخت پریشانی کے عالم میں ان کے آنگن میں موجود تھیں۔

بغیر لے سنے انہیں منصف کا رتبہ بھی فوراً مل گیا۔ ثریا اور ریاض اب ان کی طرف منہ کر کے شکوے شکایات کر رہے تھے۔

گو ثریا جانتی تھی دادی دل سے، ضمیر سے، عقل و ہوش سے ماں کی طرف دار تھیں مگر ریاض نکما، نکھٹو، ہڈ حرام، بے ہدایت سب کچھ ہے۔ دادی نے یہ بات پوت کے پاؤں پالنے کے زمانے ہی سے بھانپ لی تھی۔ جوان ہونے پر جیسے خوبیوں پر چار چاند لگ گئے یعنی بہت زیادہ نکما۔ بے حد نکھٹو۔ بے ہدایت، بے پناہ اور ہڈ حرام (ثریا نے بعد میں نمک حرام کا اضافہ کر دیا)

مگر وہی ہر ماں کی طرح دادی کو یقین بلکہ کامل ایمان تھا کہ شادی کے بعد وہ ٹھیک ہو جائے گا۔ ایک اچھی لڑکی اسے بدل دے گی۔

اور ثریا واقعی بہت اچھی لڑکی تھی۔ سلیمہ بیگم کی سب سے بڑی ہونہار، سلیقہ شعار، صابر، دھیمی اور اس جیسی ساری مثالوں کے ساتھ ثریا۔

پیاری ثریا۔ بے چاری ثریا۔ پیاری تو وہ اب رہی نہیں تھی۔

تو شادی نے پیاری ثریا کو کچھ نہیں دیا۔ ہاں پانچ بچے۔ ایک پرائیویٹ اسکول میں دو شفٹوں کی ماسی گیری، آیا گیری، اور مصائب و آلام کا ایک پہاڑ۔ جہاں وہ خود کی دست گیر خود ہی تھی۔

اور ریاض؟؟؟

رشتہ طے ہونے کے زمانے میں اس نے اتفاقاً ثریا کی صورت دیکھ لی۔ دادی نے ریاض کے چہرے پر پھیلنے والی خوشی اور حیرت بھانپ لی۔

''ایسے ہی نہیں دیں گے اگلے اپنی لڑکی۔ چھان پھٹک کروائیں گے۔ لڑکا کیا کھاتا کماتا ہے۔ ان کی بیٹی کو عزت سے گھر بٹھا کر کھلا سکے گا یا نہیں۔ تسلی ہوئی تو رشتہ ملے گا۔''

''کر تو رہا ہوں نوکری۔'' ریاض نے نروٹھے پن سے کہا۔

''چھوڑنی کب ہے؟؟'' دادی نے جھنکتے لہجے میں کہا۔

''کیوں چھوڑوں گا۔ ابھی تو سیٹ ہوا ہوں''۔ دراصل ریاض کی ہڈی میں ٹک کر بیٹھنا نہیں تھا۔ وہ جلد اکتا جاتا تھا۔

کون سا شعبہ ہوگا جس میں اس نے ہاتھ نہ مارے ہوں۔ بات کرو تو اس سے زیادہ تجربہ کار اور عقل مند دوسرا کوئی نہیں۔ مگر عملی طور پر نہیں؛

تو ثریا کی پیاری صورت اور دادی کے جھوٹ سچ ریاض کو مجبور کر ہی دیا کہ وہ ذرا سنجیدگی سے کام کرے، شادی سے پہلے کے آٹھ نو مہینے اور بعد کے پورے نو مہینے وہ تن دہی سے کام کرتا رہا۔

دادی کا تکا فٹ بیٹھ گیا تھا۔ شادی کے بعد لڑکے ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ ان کا بیٹا بھی تو ٹھیک ہو گیا ناں۔

تو جب شادی کے نو مہینے بعد اس نے ملازمت چھوڑ کر آنے کا بتایا تو دادی سمیت سب نے یقین کر لیا۔ مالکان ہی خبیث ہوں گے۔ ریاض نے اس بار ایمان داری سے کام کیا تھا۔

صبح نو بجے نکلتا۔ دوپہر کو کھانا کھانے آتا۔ اور پھر رات کو ریاض کی آمد سے چاہیں تو گھڑی کا وقت سیٹ کر لیں۔

سارے دوستوں کو جنہیں وہ جانی کہتا تھا۔ ثریا کی قربت میں انہیں بھی بھلا چکا تھا۔ ایسا لگتا اسے ثریا کے سوا کچھ نظر ہی نہیں آتا۔

ثریا کے چہرے کی طمانیت اُس کی جھکی پلکیں۔

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

بالوں میں لگے گجرے۔ اور ریاض کے لائے رس گلے۔ گرم گلاب جامن کی تھیلی۔ تلی مچھلی کے بچے کھچے کانٹے اور تکے کا چکنا کوئلے کی خوشبو دیتا اخبار۔
ریاض کی ماں۔ کا دل باغ باغ ہو جاتا۔

وہ تصور کی آنکھ سے منظر کشی کرتیں۔ وہ آنگن ہی میں چارپائی ڈال کر پڑی ہوتی تھیں۔ جب ریاض گھر لوٹتا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ خالی ہوتے تھے۔ یعنی وہ کھانے کی چیزیں یا گجرے ماں سے چھپائے ہوئے ہوتا۔ جیکٹ کے اندر، یا پھر کہاں۔
پھر وہ سوچتیں۔ اس نے کس راز داری سے دروازہ بھیڑ کر ثریا کے بالوں میں گجرے لگائے ہوں گے۔ یا گرم گلاب جامن اپنے ہاتھوں سے کھلائے ہوں گے۔ بوڑھی ۔ ہونے کے باوجود ریاض کی ماں کو گدگدی ہونے کا احساس ہوتا۔ وہ آنکھیں موند کر سرشار ساہو کر بار بار منظر کو ری وائنڈ کر کے دیکھتیں جیسے ”تم خوش ہوناں؟؟ وہ ثریا کو ٹٹولتیں۔
”جی۔“ ثریا کے لبوں سے بمشکل نکلتا۔ مگر انہیں لگتا جیسے یہ اثبات بازگشت بن کر سارے جہاں میں پھیل گیا۔ آسمان کو چھو کر لوٹا ہوا۔ ”جی۔“
ثریا ملازمت کے ختم ہونے کی گھمبیرتا کو سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ اللہ خیر دوبارہ مل جائی نوکری۔ لیکن فی الوقت تو ریاض اٹھارہ ماہ کی ملازمت کی تھکان اتار رہا تھا۔

اور ریاض کی تھکان پہلا بچہ پیدا کرنے کے بعد عوت کی کمر میں رہ جانے والے اس تھکان اور درد کی طرح تھی۔ جو آخری سانس تک پیچھا نہیں چھوڑتا۔

جب تک ثریا صحیح صورت حال کو سمجھتی وہ تین بچوں کی ماں بن چکی تھی۔ ریاض کی ماں بے حد مشفق اور دردمند عورت تھی۔ وہ ثریا کو گلے لگائے روتی اور معافی مانگتی کہ اس نے تو بھلا ہی سوچا تھا۔ ثریا کو ساس کی صاف دلی اور غم زدہ ہونے اور شرم سار ہونے پر یقین آ گیا۔
ریاض کو سمجھاتے ڈانٹتے اور کوستے دیکھ کر کوئی یقین نہ کرتا کہ وہ اس کی ماں ہے۔ وہ ثریا ہی کی ماں لگتی تھی۔
مگر اس اخلاقی سہارے سے پیٹ تو نہیں بھرتا تھا۔ ریاض محنت سے جی چراتا تھا۔ من پسند نوکری ملتی نہیں تھی۔ ملتی تو ٹکتا نہیں تھا اور ٹک جاتا تو دوستوں کی منڈلی کھینچ لیتی۔ مرد کماتا ہو تو عورت کڑھتی ہے مرد کماتا ہی نہ ہو تو......؟؟

ریاض کو ملا کر ساس کے تین بیٹے تھے۔ ساس کا گھر کھلے آنگن کے سامنے بنے۔ کسی اسکول کا منظر پیش کرتے تین کمروں پر مشتمل تھا۔ کمروں کے آگے برآمدہ۔ ریاض تو کما کر لاتا نہیں تھا۔ مشترکہ باورچی خانے کی ہانڈی پر ثریا بھی بچے سمیٹ کر بیٹھ جاتی۔ پہلے جیٹھانیوں نے منہ بنایا پھر جیٹھوں نے بھی بچوں کو دسترخوان پر شور۔ مچانے اور تمیز نہ دکھانے پر ٹوکنا شروع کر دیا۔ سب کا ۔ خیال تھا۔ ثریا کے بچے روٹی کو ندیدے پن سے دیکھتے ہیں اور کھانے پر پل پڑتے ہیں جیسے.....
بعض جملے قصداً ادھورے چھوڑے جاتے ہیں
کیونکہ اس طرح وہ زیادہ پراثر ثابت ہوتے ہیں۔
شروع میں ساس نے سب کو شرم دلانے کی کوشش کی۔ کہ وہ ایسا سوچ بھی کیسے سکتے ہیں اور ابھی وہ زندہ ہے۔ اور وہی سالن ورتاتی (تقسیم کرتا) ہے۔ اور گھر اس کا ہے۔ خبردار۔“ سب دبک گئے۔ واقعی گھر کی مالکن تو وہی تھی۔ مگر ایک روز دونوں جیٹھانیوں نے اکا کر لیا۔ گھر بھلے سے ساس کی ملکیت ہے اور وہی ہانڈی ورتاتی ہے۔ مگر کما کر تو ان کے شوہر لاتے ہیں۔ ریاض بھی لائے اور حق سے بیٹھے۔ ساس کے لیے یہ جملہ چشم کشا تھا۔
اگلی صبح تین کمروں کی سیدھ میں دیواریں کھنچ گئیں۔ تین بھائیوں کے تین گھر، ایک ایک حصے میں مانو پچاس پچاس گز جگہ آئی۔ مگر امن ہو گیا۔ ہاں ٹھیک ہے اپنا کماؤ اپنا کھاؤ۔
ساس نے اپنے لیے درمیان والے گھر کے صحن میں چارپائی ڈال لی۔ جہاں سے وہ باقی دو کی خبر

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

گیری کرتی۔ ساتھ ہی حفظ ماتقدم کے طور پر پوچھ لیا۔ کہ وہ تو کچھ کماتی نہیں ہے۔ تو کیا اپنے لیے چولہا بھی چار پائی کے ساتھ رکھ لے۔ دونوں بڑے بیٹے اور بہویں پیروں پر جھک آئے۔

"اماں کیسی باتیں کرتی ہیں۔ اس روز کے سخت جملے تو صرف ایک کوشش تھی کہ ریاض عقل پکڑے اور کمائے۔ میرا گھر تو آپ ہی نے چلانا ہے۔ میں جو پیسے آپ کو دیتا ہوں راشن کے ویسے ہی دوں گا۔"

اس کی بیوی نے بھی زور شور سے سر ہلایا۔ یہ تو سراسر فائدے کا سودا تھا۔ ساس کے سر تھی ساری ذمہ داری۔ وہ سستا اور اچھا سامان ڈھونڈنے صبح سویرے ہی نکل جاتی۔ اس مہنگائی کے زمانے میں پیسے بچا کر بھی لاتی تھی۔

ساس کا دل بڑا ہوا۔ مگر وہ جو سوچ بیٹھی تھی۔ اس سے اب پیچھے ہٹنے کو نہ تھی۔ اس نے اپنی وصیت بھی لکھوالی اس کے مرنے کے بعد مکان تینوں بیٹوں کا ہوگا۔ ہاں مگر ریاض کا حصہ ثریا کے نام لگا دیا۔ جس نے سنا دانتوں میں انگلیاں داب لیں۔

"ہائے مائی غیر لڑکی پر بھروسہ کرلیا۔ اپنے سگے بیٹے کو ہاتھ دکھا گئی۔ وہ جو سب لے کر بھاگ گئی؟"

فکر نہ کی ریاض کی۔"

خود ثریا بھی ہکا بکا تھی۔ ساس نے سب کے اعتراضات تحمل سے سنے لبوں پر زخمی مسکراہٹ در آئی۔ آنکھ میں نمی نے بھی چمک ماری۔

"غیر نہیں ہے۔ بہو ہے، میرے پوتے پوتیوں کی ماں۔

اور ریاض کی فکر ہے۔ محبت ہے۔ اسی لیے تو یہ قدم اٹھایا ہے۔

اور رہی ثریا۔ وہ بھاگنے والی پیٹھ دکھانے والی ہے ہی نہیں۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" سب ہکا بکا ہوگئے۔ سب کا دل ساس کے یقین پر ایمان لے آیا۔ ثریا کی آنکھیں جھلملانے لگیں۔ سب کے سر اثبات میں ہلنے لگے تھے۔ اس کے جیٹھ نے سب سے پہلے بڑھ کر ماں کے اقدام کو سراہا اور ثریا کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ کہ وہ اس کے ساتھ ہے۔ کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو۔ ثریا کا سر جھک گیا۔ اسی جیٹھ نے اس کے بچوں کو ندیدہ کہا تھا۔ جیٹھانی ہم خیال فوراً ہو جاتی تھی۔ ہاں ہاں کرتی اس کے ساتھ چپک کر بیٹھ گئی۔ ڈھارس کے طور پر اس کا ہاتھ بھی تھام لیا۔

"ان ہی ہاتھوں سے اس نے آٹا گوندھتی ثریا کے ہاتھ سے پرات چھینی تھی۔

دوسرے جیٹھ جٹھانی نے فقط سر کو ہلانے پر اکتفا کیا۔ جاں چھوٹی لاکھوں پائے ثریا کے حصے میں اب ایک بڑا کمرہ۔ آگے بڑا آمدہ۔

دروازے کے ساتھ غسل خانہ وغیرہ۔ باورچی خانہ برآمدے کے ایک جانب بنا دیا گیا۔ اور ثریا اسی باورچی خانے میں کھڑی خالی برتنوں اور ٹھنڈے چولہے کو دیکھتی رہی۔ اتنے بڑے بڑے فیصلوں کے باوجود اس کا باورچی خانہ خالی تھا۔ ٹھنڈا چولہا۔

ایک جیٹھ نے ٹرے بھر کے چنوں کا پلاؤ بھیج د ۔ دوسرے نے گوبھی قیمہ کی پلیٹ رائتے کے ہمراہ۔ چار روٹیاں بھی دسترخوان میں لپٹی تھیں۔

ادھر دعوت منائی جا رہی تھی اور ادھر۔

صبح سے نئے گھر کو سجاتے اس کے چھوٹے چھوٹے بچے واقعی کھانے پر پل پڑے ویسے ہی

جیسے ابھی تو بتایا تھا بعض جملوں کو ادھورا چھوڑنا زیادہ بامعنی ہوتا ہے۔

ثریا نے بھی نگاہیں چرا لیں۔ کل۔ یہ دو حرف سوالیہ نشان تھے۔ کل۔ کل کیا ہوگا؟"

ریاض تو ماں کی اس ناانصافی و ظلم پر احتجاجاً گھر چھوڑ کر جا چکا تھا۔ ساس درمیانی گھر سے دو کپ چائے لیے آگئیں۔

اسے اپنے سامنے بٹھا کر لگی لپٹی بغیر کہنا شروع ہوگئیں۔

ان کی تمام تر گفتگو جس میں دکھ۔ معذرت شرمندگی اور درد کا عکس تھا۔ اس گفتگو کا لب لباب یہ تھا کہ اب اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ثریا کو کر کسنی ہوگی۔

ثریا کو۔ مگر کیا۔ اور کیسے؟؟

وہ بھونچکی رہ گئی۔ ساس کی چندھی نظریں غیر مرئی نقطوں پر جمی تھیں۔ اس نے جو کہا تھا بہت سوچ سمجھ کر کہا تھا۔

☆☆☆

اپنی خود ساختہ ناراضی یا لاتعلقی ختم کر کے ریاض نے ڈیڑھ ماہ بعد گھر میں قدم رکھا۔ تو سارے آنگن میں آلو کے پراٹھوں کی خوشبو چکرا رہی تھی۔ باورچی خانے سے اٹھتی دھویں کی لکیر پر سورج کی روشنی تھی۔ ایسے لگتا تھا جیسے مرغولے اڑ رہے ہوں۔ ریاض نے لمبا سانس بھرا۔ بھوک جاگ اٹھی۔

"مجھے دہی میں چٹنی ڈال دیں امی" چھوٹے والا کہہ رہا تھا۔

"اچھا بیٹا۔" ثریا کی آواز میں طمانیت اور شیرینی تھی۔

"آلو کے پراٹھے اور دہی۔ کیا میرے پیچھے ہُن برسنے لگا ہے۔"

اس کی آواز یک بیک گھر میں پھیل گئی۔ دیوار کے اس پار بیٹھی ماں بھی اپنی جگہ پر سُن رہ گئی۔ ثریا بھی۔ پراٹھے کے سارے سنہری پھول جل کر سیاہ ہوگئے۔ وہ باورچی خانے کے دروازے میں کھڑا تھا۔

دونوں ہاتھ سر سے اوپر کر کے چوکھٹ میں دھرے تھے۔ اور خمار بھری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ یا پھر۔ اوں ں ں۔ ہاں لوفرانہ نظروں سے۔ یہ ٹھیک تشبیہ ہے۔"

"تو پھر اس نے آگے بڑھ کر جلتے پراٹھے کو توے سے اتار دیا۔ اور ہاتھ جھٹکنے لگا۔ اتنا گرم وہ پوروں پر پھونکیں مار رہا تھا۔

پھر اس نے جلے آلو کے پراٹھے کو چٹکی سے پکڑ کر درمیان سے پھاڑ دیا۔ جلے حلقے کو چھوڑ کر دوسری پرت کو دو لقموں میں ختم کر دیا۔

"اتنے دن دو ہی چیزیں یاد رہیں۔" تو "اس نے اس کے شانے پر بازو پھیلایا۔" اور تیرے ہاتھ کے پراٹھے۔"

وہ یاد کی کسک مٹانے کو عملی کوشش کرنے کو جھکا۔ مگر ثریا کے ہاتھ جھٹکنے سے پہلے تینوں بچے دروازے پر آ کھڑے ہوئے تھے۔

وہ بدک کر پیچھے ہٹا۔ اور چھوٹے والے کو گود میں اٹھا کر بے تحاشا چومنے لگا۔

دو بچے ٹانگوں سے لپٹے تھے۔ ثریا کے وجود کی تنی ہوئی ڈوریاں ڈھیلی ہوگئیں۔ اس کے چہرے کا تنفر پگھلنے لگا۔ جیسے توے پر گھی پگھلتا ہے۔

دنیا کی ہر عورت کی طرح شوہر کو بچوں سے لاڈ کرتا دیکھ اسے خود پر فخر ہونے لگا۔ جیسے بچے ہی اس کا اصل کارنامہ رہے ہوں۔

تو اس کی ناراضی ختم ہوگئی (وہی جو مکان ثریا کے نام لگایا تھا۔ اور جو ریاض کی ماں صرف ثریا کی ماں لگتی تھی۔ شکوہ) وہ اسے سمجھانا چاہتی تھی کہ ماں تو وہ ریاض ہی کی ہیں۔ اور یہ کہ وہ غصہ تھوک دے (تھکا ہوا لگ تو رہا تھا)

وہ اسے لے کر بیٹھنا چاہتی تھی کہنا سننا چاہتی تھی۔

مگر وقت نہیں تھا۔ ساڑھے آٹھ بجنے کو تھے۔ بس آیا چاہتی تھی اسے گارمنٹ فیکٹری میں لے جانے کے لیے۔

"میری بیوی اور فیکٹری میں کام"۔ ریاض کے اٹھائے طوفان نے سارے ہمسایوں کو اس کے آنگن میں پہنچا دیا۔

وہ ثریا کا گلا گھونٹ دینا چاہتا تھا۔ جس نے اس کی عزت کا جنازہ چوک پر رکھ دیا۔ وہ اچھل اچھل کر ثریا کو مارنے دوڑتا تھا۔ ثریا بمشکل بتا پائی کہ یہ تو ساس کا فیصلہ تھا۔ بلکہ اس نے ملازمت ڈھونڈی۔ بات کروائی۔

ریاض نے اعلان کیا کہ وہ ماں کی پچھلی ساری خطائیں تو معاف کر سکتا ہے۔ مگر یہ والی۔ وہ باؤلے کتے کی طرح سردائیں بائیں مار رہا تھا۔ تماشا دیکھنے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کے شائق بھی اکتا گئے۔ محلے کے ایک بزرگ قطعیت سے کھڑے ہوئے۔

"ٹھیک ہے۔ تمہاری غیر حاضری میں دو عورتوں کی عقل نے جو بہتر سمجھا وہ کیا۔ اب تم آگئے ہونا۔ کماؤ۔ گھر بٹھا کر کھلاؤ بیوی کو۔

کون پاگل عورت ہوگی جس کی روٹی پوری ہوتی ہو تو وہ صبح سے شام تک فیکٹری میں خود کو رگڑے۔ شوقیہ کرنے والی نوکریاں اور ہوتی ہیں میاں۔

"کیوں بھئی ثریا۔ یہ کما کر لائے گا تو تم پھر بھی جاؤ گی فیکٹری؟" بزرگ آر پار والا مزاج رکھتے تھے۔

ثریا نے سب کی طرف نظر کی۔ وہ ابھی تک فیکٹری جانے والی سیاہ چادر اور بند جوتی میں آنگن کے بیچ چارپائی پر بیٹھی اپنے جرم سن رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں سستا سا پرس بھی تھا۔

ریاض کے انداز کی حیرت اور عملیت نے اسے موقع ہی نہ دیا تھا۔ کہ وہ یہ سب اتار کر رکھ دیتی۔

"امی فیکٹری جاتی ہیں ناں کام پر۔ انہیں لینے بس آتی ہے"۔

بچے کا جملہ ہی تو باعث طوفان تھا۔

بزرگ سمیت سب کی نگاہیں ثریا پر تھیں۔ ثریا نے ساس کو دیکھا جو گریبان میں منہ ڈالے بیٹھی تھیں۔ ثریا نے زبان سے ایک لفظ نہ کہا۔ سیاہ چادر اتار دی۔ جوتی بھی اور پرس بھی۔ فیصلہ ہوگیا۔

وہ واقعی شوقیہ نوکری نہیں تھی۔

اس بار ملازمت فوراً مل گئی۔ سب کو لگا ریاض سُدھر گیا ہے۔ مگر جتنی فوری ملازمت ملی تھی۔ اتنی ہی فوری چھوٹ بھی گئی۔ جیسے ہاتھ سے دہی کی تھیلی چھوٹ جاتی ہے۔

ثریا کی فیکٹری سے کمائے پیسوں کا راشن اس نے ڈیڑھ ماہ تک کھینچ کر ریکارڈ قائم کرلیا۔ (مگر افسوس گینز بک والے بے خبر رہے)

فیکٹری جانے کا تو سوال نہیں تھا۔ ساس نے کہیں سے تھیلے۔ سلائی کرنے کا کام لا دیا۔ سیدھی سیدھی سلائیاں۔ مگر اتنی محنت کے بعد اتنا کم معاوضہ۔ ریاض نے سراہا۔ ہاں یہ کام ٹھیک ہے۔

ثریا کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفقود ہوچکی تھی۔ وہ چوتھا بچہ پیدا کرنے جا رہی تھی۔ ریاض کو خود ہی احساس ہوگیا اس نے بتایا کہ عدالت کے باہر چائے کے کھوکھے کا کام بہت چلتا ہے۔ ثریا نے انگوٹھی بیچ کر کھوکھا دلوایا۔ اور چائے بنانے کے لیے گھر کے پتیلے برتن فراہم کردیے۔

اب آگے اللہ جانے کیا ہوا۔ تیسرے روز عدالت تو وہیں کی وہیں تھی مگر کھوکھا ندارد۔۔۔ کے ایم سی والے اٹھا لے گئے تھے یا پہلے سے موجود چائے والوں نے رات ورات کھوکھا اٹھا لیا تھا۔

یا پھر۔ ریاض نے خود ہی مال ٹھکانے لگا دیا تھا۔ کیونکہ وہ شغل شغل میں بازی بھی لگا لیتا تھا۔ اور یہ بتانے کی ضرورت تو نہیں رہی کہ کبھی کبھار لگائی جانے والی بازی وہ اکثر و بیشتر ہار جاتا تھا۔

اور گھر میں ثریا لڑے نہیں۔ فساد نہ ہو کوئی بھی اس کی کسی قسم کا الزام نہ رکھے۔ اٹوائی کھٹوائی لے کر پڑ گیا۔ دنوں لوگ پُرسہ دینے آتے رہے۔

بڑے جیٹھ نے راشن ڈلوا دیا۔ چھوٹے نے ریاض کی جیب میں پیسے۔ مگر ان دونوں چیزوں کی سب سے بڑی خامی یہ ہے۔

یہی راشن اور پیسے۔ جتنی بھی احتیاط سے استعمال کرو کم بخت ختم ہوجاتے ہیں۔

ریاض سگریٹ بھی پیتا تھا۔ نشہ پورا نہ ہوا تو جسم ٹوٹنے لگا۔ ثریا کے پاس تھیلوں کی سلائی آئی تو ڈبیا منگوا کر دینا پڑی۔ پہلا کش بھرتے ہی ریاض کے تخیل کی پرواز شاہین کو مات دینے لگی۔ وہ ثریا کو خواب دکھانے لگا۔

اس بار وہ پلمبری کے لیے جائے گا۔ اس کے کسی دوست نے بلڈنگ میں ٹھکا لیا ہے۔ جاگتی آنکھوں کے خواب پلاسٹک کی تھیلی کی طرح ہوتے ہیں۔ اڑتے ہیں اور اڑتے اڑتے کسی کھمبے سے

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ٹکرا کر ٹھس ہو جاتے ہیں۔ مگر جب تک اڑ رہے ہوں تو بڑا مزا دیتے ہیں۔ ثریا کو بھی مزہ آنے لگا۔

☆☆☆

زندگی کا سب سے مایوس کن لمحہ وہ ہوتا ہے جب انسان امید چھوڑ دیتا ہے۔

ثریا نے بھی چھوڑ دی۔ ریاض کے سدھر جانے کی امید۔ اس خیال کو خیال بد کی طرح جھٹک دیا۔

دادی نے ثریا کے لیے ملازمت کا فیصلہ اس کے بچوں کی فلاح و بہبود کے لیے کیا تھا۔ اس سے سب زیادہ فلاح اگر کسی نے پائی تو وہ دادی کا بچہ ریاض تھا۔

تھیلوں کی سلائی سے ہونے والی آمدنی اونٹ کے منہ میں زیرے کے مصداق تھی۔ سو ریاض کی فیاضانہ اجازت کے بعد ثریا نے اسکول میں ملازمت شروع کر دی جو ایک شفٹ سے شروع ہو کر دوسری شفٹ کے اختتام پر جا رکی۔

اور ساتھ ریاض کی ملازمت ڈھونڈنے یا کرنے کی جھوٹی سچی کوشش یا خواہش کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ اس کے کندھے سے گھر چلانے کا بوجھ اتر گیا۔

ثریا کما رہی ہے ناں۔ دو شفٹوں کی تنخواہ کیا کم ہوتی۔ سلیقے سے خرچ کیا کرے۔ وہ بستر پر سویا ہوتا جب ثریا منہ اندھیرے گھر سے نکلتی۔ اسے اسکول لگنے سے آدھا گھنٹہ پہلے پہنچنا ہوتا تھا۔

اور پھر دن بھر اسکول کی منزلوں کے چکر۔ ثریا گن نہ پاتی کہ وہ کتنی بار اوپر نیچے چڑھتی اترتی تھی۔ اس کی تنخواہ اچھی تھی۔

دو اسکول ٹیچرز اپنے شیر خوار بچوں کو سنبھالنے کے الگ سے پیسے بھی دیتیں۔ راشن کے ڈبے بھرنے لگے۔ ثریا کا وزن گھٹنے لگا۔ اس کا خیال تھا۔ معاشی آسودگی اس کے دلی قرار و سکون کا باعث ہو گی۔ جب بچے پیٹ بھر کے سوئیں گے اور پیٹ بھر کے ناشتہ کریں گے۔ تو زندگی کے سارے دکھوں کو وہ فراموش کر دے گی۔

مگر پیٹ بھرنے کی فکر سے ذرا تسلی ہوئی۔ تو اپنی زندگی پر غور کرنے کا موقع مل گیا۔ دن بھر کا تھکا بدن وہ بستر پر ایسے ڈالتی تھی۔

جیسے گندم کے دانوں کی بھری بوری کا منہ کھل جائے تو دانے اٹھان سے ڈھلوان کی طرف پھیل سے جاتے ہیں۔

کیا ملا زندگی سے۔ کیا ملا بیاہ رچا کر۔ ایسے میں اسے عزیز جان بچوں کی شکلیں بھول جاتیں وہ خود ترسی کا شکار ہو کر ٹھنڈے سانس بھرتی۔

سچ تو یہ تھا کہ اس کے برسر روزگار ہونے نے ریاض کے دلدّر دور کر دیے تھے۔ اس کی رہی سہی۔ پرواہ بھی جاتی رہی۔ وہ ثریا کے کمائے تر نوالوں کو اس حق سے کھاتا جیسے نان نفقے کی ذمہ داری نکاح نامے پر ثریا کے فرائض کے خانے میں درج کی گئی ہو۔

اس پر ڈھٹائی کا عالم ثریا کے ہاتھ کے ذائقے کی تعریف کرتا پھر یہاں تک آ گیا۔ کہ بہت دن ہو گئے تیرے ہاتھ کی نہاری کھائے ہوئے۔ یا شامی کباب کھائے، یا بریانی، یا۔ یا۔ یائے۔"

(کاش قسمت بھی انسان کے لیے اتنے سارے آپشنز رکھ دیتی)

شروع میں ثریا فوری فرمائش پوری کر دیتی تھی۔ لیکن آخر کب تک۔ ایک دن وہ چیخ پڑی۔

"ادب سے بات کر۔ شوہر ہوں تیرا۔"

"کوئی نہیں ہے تو میرا شوہر۔" وہ حلق کے بل چلائی۔ ساتھ ہی اس نے اسے سینے پر ہاتھ کے دباؤ سے پیچھے دھکیلا اور خود مسلسل آگے بڑھتی اسے برآمدے سے آنگن میں لے آئی۔

"میں ہوں۔" اس نے انگشت شہادت اپنے سینے میں ٹھونکی "میں ہوں اس کا گھر کا شوہر۔ اور بیوی تو ہے ریاض۔ وہ بھی بدحرام نمک حرام بیوی۔ مجھ سے ادب سے بات کیا کر۔ بلکہ نظریں جھکا کر۔ کر نظر نیچے نہیں تو۔" اس نے ریاض کے پیٹ میں گھونسا دے مارا۔ ریاض نے نظر تو کیا نیچے کرنا تھی۔ تکلیف کی شدّت سے دہرا ہو گیا۔ پر ثریا نے اس پر بس نہ کیا

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

وہ اسے دونوں ہاتھوں سے دھکیلتی دروازے سے باہر چھوڑ آئی۔

"دوبارہ ادھر کا رخ کیا تو ٹانگیں توڑ دوں گی۔"

گلی میں تماشا کھڑا ہو گیا۔ ریاض بھرے سانڈ کی طرح ثریا پر پل پڑنے والا تھا۔ مگر ثریا آج آپے میں نہیں تھی۔ اس سے پہلے کہ ریاض اس کے نزدیک پہنچ پاتا۔ ثریا نے لکڑی۔ پائپ کا ٹکڑا، جھاڑو پیر کی جوتی۔ جو جو چیز ہاتھ لگی اس پر دے ماری۔

وہ اپنی ذات میں ابابیل جیسی تھی۔ اس نے کنکر مار مار کے ریاض جیسے ہاتھی کی جان لے لینے کی قسم کھالی تھی۔

اسے کسی کے بھی دیکھنے دکھانے کی پرواہ نہ رہی تھی۔ مر جائے گی یا مار دے گی۔ مگر تب ہی اس کی نگاہ اپنے بچوں پر پڑی جو ایک دوسرے سے چپکے حیران پریشان روتے ہوئے کپکپاتے ہوئے باپ کو دیکھ رہے تھے۔ جو ماں کی پھینکی ہوئی چیزوں (ہتھیاروں) سے خود کو بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔

ثریا بچوں کو دیکھنے کے بعد ساکت رہ گئی تھی۔ اسٹیل کا گلاس جو وہ ریاض کی ناک پر مارنے کے ارادے سے اٹھائے ہوئے تھی۔ وہ ہاتھ سے زمین پر جا گرا، اس کا بازو پہلو میں یوں گرا تھا۔ جیسے کسی نے تلوار کے وار سے شانے سے الگ کر دیا ہو۔

ثریا نے پسپائی اختیار کر لی۔ شاید اسی لیے پہلے قصوں میں جنگ کے محاذ پر بچوں کا جانا ممنوع قرار دیا گیا ہوگا۔ شاید۔

ادھر ریاض آستین الٹ کر بساط بھر کہنی کو موڑ کر اس زخم کو دیکھنے کی سعی کرتے ہوئے معصومیت لاعلمی سے بتا رہا تھا۔ "کچھ بھی نہیں ہوا۔ اس نے بس یہی کہا تھا بہت دونوں سے پائے نہیں کھائے۔ بہت دل چاہ رہا تھا ثریا اپنے ہاتھوں سے۔"

سب کے سب ہکا بکا رہ گئے۔ پھر سب کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"بے غیرت۔" ریاض خوش ہونا چاہتا تھا۔ ثریا اسی خطاب کی مستحق تھی مگر اگلے جملے نے اسے بتایا کہ یہ اسے کہا گیا تھا۔

"اس نے اپنے ہاتھوں سے ہی کھلائے ہیں۔ مگر بکرے کے نہیں اپنے پائے۔ ٹھڈے مار کے گئی ہے وہ اسے۔" زبان سے لوگ کچھ بھی کہہ رہے ہوں۔ مگر دل کا کونہ جو سچائی کی میزان رکھتا تھا۔ ثریا کو صحیح سمجھتا تھا۔ کہ یہ تو ہونا ہی تھا۔

مگر آٹھ جماعت پاس ثریا سر پکڑے بیٹھی تھی۔ اس سب کا اس کے بچوں کی نفسیات پر بہت برا اثر پڑا تھا۔ اور اسے بچوں سے بے پناہ محبت تھی۔ اسے لگتا تھا کہ وہ دنیا کی واحد ماں ہے جسے اپنے بچوں سے اتنی شدید محبت ہے۔ اور ماؤں کو بھی ہوگی مگر اس کی محبت سے کم۔

بچوں کی وجہ ہی سے تو وہ ریاض کے ساتھ تھی۔ بچوں ہی کی وجہ سے تو اس نے آج تک ریاض کے صحیح ہو جانے کی امید کو نہیں چھوڑا تھا۔

ثریا کو لاکھ درست سمجھا جائے مگر یہ طے ہو گیا کہ ان دونوں کے بیچ رشتے کا احترام ادب لحاظ آج ختم ہو گیا تھا۔ اور اب باقی کی ساری زندگی انہیں ایسے ہی گزارنی تھی۔

دوسری طرف ریاض نے اسے پکا کاغذ دینے کا اعلان کر دیا۔

یہ جوشیلا بہانہ تھا۔ ہوش ملتے ہی اسے یاد آ گیا۔ ایسے تو وہ دربدر ہو جاتا۔ گھر ثریا کے نام تھا۔ دنیا کی ہمدردیاں ثریا کے ساتھ تھیں۔ اس نے ثریا سے معافی مانگ لی۔ اس کے الفاظ و انداز ایسے دل موہ لینے والے تھے کہ ثریا نے بھی معافی کے بدلے معافی طلب کی۔

منٹ کے اندر دونوں نے ایک دوسرے کو معاف کر دیا۔ زبانی کلامی۔ سچ تو یہ تھا نہ ریاض نے دل سے معافی مانگی تھی۔ نہ ثریا نے معاف کیا تھا نہ معافی مانگی تھی۔ مگر وہی گھر گرہستی ڈینا۔

ثریا نے خود سے عہد کیا۔ وہ دوبارہ ایسا نہیں کرے گی جس سے تماشا اٹھے۔

ریاض نے بھی دوبارہ کبھی شکایت نہ ہوگی کا

www.urdusoftbooks.com

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

دعویٰ وعدہ کیا۔ مگر یہ ممکن نہیں تھا۔ پہلا قدم بہر حال ریاض کو اٹھانا تھا۔

دوسرا ثریا کو۔ اور ریاض نے یہ زحمت اسے کبھی دی ہی نہیں۔ جو ثریا کے ہمدرد تھے وہ ثریا کے ردعمل کو اس کے صبر کے دامن کو چھوٹ جانا کہتے تھے۔ اور دوسرے ثریا نے اوقات دکھادی۔ چار پیسے کیا کمانے لگی مجازی خدا پر ہاتھ اٹھالیا۔ کوئی ٹوکتا۔ ایسی نہیں تھی ثریا۔ باادب خاموش طبع صبر والی تھی۔

"وہی تو۔ پیسے کمانے والی عورت کی آنکھ سے شرم اتر جاتی ہے۔ شوہر کو تو پھر کچھ سمجھتی نہیں۔ جوتی کی نوک پر رکھتی ہیں۔"

تبصرے کرنے والے کاش ثریا کے دل میں جھانک سکتے۔

ثریا نے عام عورتوں کی طرح کبھی چار عورتوں کی بیٹھک سجا کر خود کو مظلوم ظاہر کرنے کو کہانیاں نہیں گھڑی تھیں۔ اس کی مصروف اور تھکی ہوئی زندگی میں اس عیاشی کی گنجائش تھی ہی نہیں۔

"اس کی زندگی کے تین مقاصد تھے۔ پہلا بچوں کو کھلانا۔ دوسر بچوں کو کھلانا۔ تیسرا بھی بچوں کو کھلانا۔

ہاں۔۔ آگے وہ انہیں پڑھانا اور معاشرے کا کامیاب فرد بنانا چاہتی تھی۔ ہڈحرام اور دوسرے بہت سارے حرام کے ساتھ ریاض اب زیادہ ناقابل برداشت ہو چکا تھا۔ پہلے پہل وہ اسے بہلا پھسلا کر اس سے پیسے لیا کرتا تھا۔ جھوٹ سچ بول کر۔

پھر اس نے اس کے رکھے پیسوں پر بھی ہاتھ صاف کرنے کی کوشش کی۔ ثریا نے چوکس دکھائی تب تلملا کر۔ وہ سلائی مشین لے کر رفو چکر ہو گیا۔ پیسے ختم ہوئے تو گھر لوٹ آیا۔ "میں کبھی نہ کرتا یہ سب۔ مجھ پر قرضہ ہو گیا تھا ثریا۔"

"کیسا قرضہ۔ گھر کے لیے تو تم کبھی کسی سے نمک کی تھیلی بھی ادھار نہیں لائے۔" وہ چلائی۔

گھگھو بن کر چیں چیں —————— کرتا ریاض بھڑک اٹھا۔ اس سے زیادہ بلند آواز سے چیخا۔

"سو کام ہوتے ہیں مردوں کے باہر۔ لین دین چلتے ہیں اب گھر کی عورت کو کیا کیا بتاؤں۔"

"میں گھر میں رہنے والی عورت نہیں ہوں ریاض۔" ثریا نہ صرف چلائی تھی۔ بلکہ اس نے چھری اس کی سمت اچھال دی۔ ماتھے کے ٹانکے اس اپنی واقعہ کی یادگار تھے۔

سارے محلے میں خبر گرم تھی۔ ثریا اکلوتے کمرے اور باورچی خانے کو تالا لگا کر جانے لگی ہے۔

برآمدے میں پڑا ریاض پانی کو ترس جاتا ہے۔

ثریا بے وقوف تھی۔ برآمدے آنگن اور غسل خانے میں سیکڑوں چیزیں تھیں۔ جو ریاض نے غصے میں آگ بگولا ہو کر ٹھکانے لگا دیں اور پیسے کھرے کر کے چلتا بنا۔

اس نے بالٹی ٹب چوکی، پانی رکھنے کے کین کے ساتھ ساتھ جو جو چیزیں کباڑی کو دے سکتا تھا دیں اور دو مہینے کے لیے غائب ہو گیا۔

ثریا ایسے تحمل میں بیٹھی لوگوں کے تبصرے سن رہی تھی۔ جیسے بیس برس سے فالج زدہ خاوند کے مرنے پر بیوہ خوشی وغم کی ملی جلی کیفیت میں ہوتی ہے۔

اسے بخوبی اندازہ تھا وہ یہ سب چیزیں خریدنے بازار جاتی تو بٹوہ بھر کے پیسے لے جانے پڑتے۔ مگر کباڑی نے تو کباڑ کے مول ہی خریدی تھیں۔ یعنی یہ نقصان ثریا کو معاشی جھٹکا دینے کے بجائے ذہنی جھٹکا دینے کی کوشش تھا۔ جس میں وہ یقیناً کامیاب رہا تھا۔ لوٹا تک نہیں تھا۔

ایسے لگتا تھا وہ کبھی نہ واپس آنے کے لیے گیا ہے۔

"اچھا۔" ثریا صدمے سے ابھر گئی وہی بالٹی لوٹے کا صدمہ، اس نے ایسے ہاتھ جھاڑے جیسے کہتی ہو۔ خس کم جہاں پاک۔

مگر وہ اس وقت لوٹ آیا جب بچوں نے ابا پوچھنا بھی چھوڑ دیا تھا۔ دونوں کندھے تھیلوں کے بوجھ سے جھکے جاتے تھے۔ پھل مٹھائی کھلونے اور

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کپڑے ثریا کبھی اسے کبھی سامان کے ڈھیر کو دیکھتی۔
"تیرے لیے لال جوڑا لایا ہوں۔قسم سے۔"

شانے کے گرد بازو پھیلا لیا۔
ان کے رشتے سے یہ قربت یہ لمحے یہ التفات کب معدوم ہوئے پتا ہی نہ چلا۔
بچے چہک رہے تھے۔ثریا فرمائش پوری کرتے لال جوڑا چڑھا کر بھی آگئی۔ریاض کی ماں بھی آگئی۔
ریاض انہیں اپنے نئے کاروبار کے بارے میں بتانے لگا۔جو بس آسمان کو چھونے والا تھا۔
کاروبار کو زمین پر واپس لوٹنے میں تین مہینے لگے۔بات پھر وہیں آگئی۔
ایک بار پھر ثریا کے طعنے تھے۔وہ اسے کوستی تھی۔گھر سے باہر دھکیلتی تھی۔ایسے میں اس کے اندر حیوانی طاقت آجاتی تھی جیسے ۔۔اندر سے کنڈی چڑھا لیتی۔ریاض خود سے ہی دو چار دن بعد غصے کے اتر جانے کا اندازہ کر کے لوٹ آتا۔بچے تو باپ کی آواز سنتے ہی لپک کر دروازہ کھول دیتے۔اگر ثریا سامنے ہوتی تو وہ نظروں ہی نظروں میں بچوں کو تنبیہ کر دیتی"دروازہ نہیں کھولنا"ایک آدھ بار ریاض نے گلی میں احتجاجاً شور مچانا شروع کر دیا۔حسب معمول لوگوں کے دروازے کھلنے لگے۔مگر مجال ہے ثریا کے کان پر جوں رینگی ہو۔وہ اسٹیل کی تار سے پتیلے مانجھتی رہی۔
ریاض کی ماں نے ریاض کے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔اس نے جھٹک دیے۔
"ہٹ جا۔میری ماں تو۔تو ہے ہی نہیں۔تیرے کانڈ (کام) کی وجہ سے اس (گالی) کی ہمت اتنی بڑھی ہے۔کہ مجھے گھر سے نکالتی ہے۔تو نے لگا دیا اس کے نام مکان۔ورنہ ابھی کاغذ پکڑا دیتا۔
کیا کر لیتی سالی" وہ اونچا اونچا بول رہا تھا تاکہ ثریا سن لے۔اور ثریا نے سن لیا۔ریاض حاضرین کی رائے اکٹھی کر رہا تھا۔"صحیح کہتا ہوں ناں۔کیا کر لیتی سالی(گالی)"

ریاض کی گالی ادھوری رہ گئی۔گھر کا دروازہ کھلنے اور مانجھتے پتیلے کا سارا سیاہ جھاگ دار پانی "سالی" نے ریاض کے اوپر اچھال دیا۔ریاض کا بٹن آف ہو گیا۔پانی نے آنکھوں میں مرچیں بھر دی تھیں۔ریاض منٹ کے اندر بھیگی بلی اوہ معاف کیجیے بھیگا بلا بن گیا۔گلی کی عورتوں نے منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسی روکی۔بچوں کا جم غفیر البتہ ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو گیا۔
سنجیدہ مزاج مردوں نے تاسف سے نفی میں سر ہلایا۔جبکہ باقیوں کو مزہ آگیا۔
ریاض نے کلائی چہرے پر رگڑی اور مغلظات بکتا گلی چھوڑ گیا۔مجمع چھٹ گیا۔یہ سردیوں کے دن تھے۔بچوں نے صبح باپ کو برآمدے میں سویا دیکھا تو حیران رہ گئے۔ثریا بھی۔ریاض دیوار پھاند کر آیا تھا۔
وہ کراہ رہا تھا۔اسے بخار ہو گیا تھا۔ثریا سے چائے مانگتا تو صبح صبح طوفان اٹھ جاتا۔چکراتے سر کے ساتھ خود ہی باورچی خانے میں آگیا۔نظروں ہی نظروں میں چائے کی پتیلی ڈھونڈی۔پانی ہی بھرا تھا کہ ثریا نے چیل کی طرح لپک کر پتیلی جھپٹ لی۔
"دودھ پتی مفت میں نہیں آتی۔کہ حرام خوروں کے لیے چھوڑ دوں نکلو میرے باورچی خانے سے۔"اس نے نا صرف کہا بلکہ نکال کر دم لیا۔ریاض میں مزاحمت کی ہمت بھی نہیں تھی۔دبی زبان میں ناسازی طبع کا بتانا چاہا۔
"تو؟"ثریا نے ــــ جھٹکا دے کر سوال کیا؟ تو ؟؟یعنی وہ کیا کرے اگر طبیعت خراب ہے تو۔۔
ثریا کا نرم سرگوشی جیسا دھیما لہجہ نجانے کب پاٹ دار ہو گیا تھا۔جیسے کرارے پاپڑ بیچنے والے کی آواز بھی کراری ہو جاتی ہے۔
درمیانی گھر میں ثریا کی دیوار کے ساتھ ڈیرہ جمائے بیٹھی دادی کو ساری صورتحال سمجھ میں آگئی۔ماں تھیں۔لپک کر آئیں اور ریاض کو ہمراہ لے گئیں۔
درمیانی بیٹے اور بہو کو نظر انداز کرتے ہوئے۔ریاض کو چائے بنا کر دی۔گولی دی اور اپنی چارپائی پر ڈال

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کررضائی اوڑھادی۔

دادی کوثریا سے دلی ہمدردی تھی۔ وہ اپنے آپ کو اس کا مجرم بھی سمجھتی تھیں۔ ضمیر کی عدالت نے ہمیشہ ثریا کے حق میں فیصلہ دیا تھا۔ بھلے سے اس نے کچھ بھی ناحق کر دیا ہو۔

مگر اس کے باوجود دادی کی حیرت جاتی نہیں تھی۔

کہ ثریا۔ دراصل بکری کی کھال میں چھپی شیرنی ثابت ہوئی تھی۔ ایسی شیرنی جس کے پنجے یا دانتوں سے زیادہ خطرناک اس کی نظر ہوتی ہے۔ جس کو دیکھ لیا پانی پانی کر دیا۔

ساس سے ثریا کے تعلقات بحال تھے۔ سب حیرت کا اظہار کرتے جب وہ ساس کے لیے ثریا کا عزت واحترام دیکھتے۔ وہ انہیں آتا دیکھ کر آج بھی مؤدبانہ انداز سے جگہ چھوڑ کر کھڑی ہو جاتی تھی۔ دو ہاتھوں سے پانی کا گلاس پیش کرتی۔ چائے ناشتہ پوچھتی۔ یہاں دادی کا کردار والفاظ بھی دنیا کی انگلیاں منہ میں دے دیتے۔

دادی نے ثریا کے گھر کے کھانے پینے (پانی نکال کر) کو خود پر حرام قرار دیا تھا ــــ ''بیٹا کما کر لاتا تو وہ دھڑلے سے بیٹھ کر کھاتی۔ بہو کی کمائی پر کیسے حق جتاؤں۔ اس پر تو صرف اس کے پانچ بچوں کا حق ہے اور اس بیان و فیصلے سے دادی انچ بھر سرکنے کو تیار نہ ہوتی تھیں۔

وہ حرام خور اور ہڈحرام بیٹے کو پیدا کرنے کی مجرم ضرور ہیں مگر خود حرام خور نہیں۔ بس۔ بات ختم۔

☆☆☆

دادی ناکام ثالث کا کردار ادا کر کے رخصت ہو گئیں۔ تو ابا کے لیے ناشتے کی امید ختم ہو گئی۔ وہ راستے میں آتی چیزوں کو ٹھوکر مارتا گھر سے نکل گیا۔

گڑیا کا دل نچڑ کر رہ گیا۔ ابا بھوکا تھا۔ اس نے اپنے سامنے رکھی چائے اور پراٹھے کی چنگیر کو اٹھا کر باورچی خانے میں رکھ دیا۔

ثریا چڑے بھنچے بکھری چیزیں سمیٹ رہی تھی۔

اس کے چہرے پر سنگ مرمری سختی تھی۔ بیٹی نے ناشتے کو چھوا تک نہیں تھا۔

اس کی سوالیہ کرخت نگاہیں بیٹی کے چہرے سے جا ملیں۔

''ایسے ہی دل نہیں چاہ رہا۔ بھوک نہیں لگی۔''

اس نے لہجے کو مقدور بھر سرسری کر لیا۔ ثریا نے اس کا بازو دبوچ لیا۔ ''سب جانتی ہوں دل کو کیا ہوا ہے۔ مفت کی نہیں آتی چینی پتی، جو دل نہ چاہنے پر چھوڑ کر چلی جاؤ گی۔ صبح سے شام تک محنت کرتی ہوں تو آٹے کا کنستر بھرتا ہے۔ میرے جیسی ماں کے بچوں کے پاس دل نہیں ہوتا۔ تم کون سے دل کی کہانی لے کر کھڑی ہو گئیں۔ میرے جیسی ماں کے بچوں کے پاس صرف پیٹ ہوتا ہے۔ جسے بھرنے کے لیے وہ اپنی ہڈیاں گھساتی ہے۔ پھر بھی نہیں بھرتا۔''

''میں تھوڑی دیر بعد۔'' اس کی گھگھی بندھ گئی۔

''اچھی طرح جانتی ہوں۔ تھوڑی دیر کو میں۔''

ثریا نے ایسے جھٹکے سے بازو چھوڑا کہ وہ دیوار سے جا لگی۔ ''اپنے اس حرام خور باپ کے لیے سنبھال کر رکھا ہے ناں۔۔۔ پر آج میں بھی ادھر ہی بیٹھی ہوں۔ رکھے تو قدم ذرا وہ۔۔''

ثریا کی زبان گالیاں اگلنے لگی۔ وہ ہر چیز کو کوس رہی تھی۔ ریاض کو۔ اپنے ماں باپ کو۔ دادی تک کو۔ پانچوں بچوں کو اور اپنے نصیب کو۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ ثریا نے تو زمانوں پہلے رونا چھوڑ دیا تھا۔

اور اس وقت بھی وہ باقاعدہ نہیں رو رہی تھی۔ بولتی جاتی تھی اور آنکھوں سے آنسوؤں کا تار بندھ گیا تھا۔ یہاں تک کہ ہچکی بندھ گئی۔

گڑیا ساکت رہ گئی۔

وہ باپ کی وجہ سے ماں کے لیے دل میں عناد رکھتی تھی۔

وہ اتنے لوگوں کو جانتی تھی۔ محلے پڑوسی سہیلیوں کے گھر، دونوں چچا تایا کے گھر۔ کہیں ایسی مٹی پلید نہیں ہوتی تھی جیسی اس کے باپ کی اس کی ماں کرتی تھی۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

"امی۔" وہ پھسکڑا مار کے سر پر ہاتھ رکھ کر بیٹھی ماں کے نزدیک بیٹھ گئی۔ اس نے اس کے ٹخنے کو چھوا۔ یہ کسی مسیحا کے دست شفقت جیسا ٹھہراؤ بھرا لمس تھا۔ ثریا نے چونک کر بھری نظریں اٹھا کر دیکھا وہ جانتی تھی گڑیا دل سے باپ کی طرف دار ہے۔

مگر ایسا ڈھارس دلاتا لمس۔ نہ تو ثریا کی ماں کا تھا نہ دادی کا۔ دنیا میں کسی نے ایسی تسلی نہیں دی تھی۔ جیسی اس چھوٹے سے ہاتھ نے دی۔ ثریا کی حیران نظریں ٹک گئیں۔ لوگ بیٹی کو درد شناس کہتے ہیں۔ تو کیا اس کی بیٹی نے آج اس کے درد کو ماپ لیا تھا۔

ثریا کے دل میں عجیب سی خواہش ابھری کہ اس کی بیٹی اسے خود سے لپٹا لے۔ تو وہ اونچی اونچی آواز سے رونے کی برسوں پرانی خواہش پوری کر لے۔

اتنا روئے۔ اتنا روئے کہ شہر میں سیلاب آ جائے۔

اور پلک جھپکنے کی دیری تھی۔ اس نے سوچا وہ خود بیٹی سے لپٹ جاتی ہے۔ پہل دوج کا کیا مطلب۔ مگر اس سے پہلے بیٹی کے جملے نے اس پر ٹھنڈا یخ پانی ڈال دیا۔

"تو ابا معافی مانگ تو رہا تھا ناں۔ کر دیتیں معاف۔"

"معافی۔" ثریا نے زیر لب دہرایا۔ "معافی کب۔"

"رات کو جب ابا دیوار پھاند کر آیا تھا۔ پاؤں پکڑ کر معافی مانگ رہا تھا۔ آپ نے پیروں سے ہی دھکا دے کر زمین پر گرا دیا۔"

ثریا کے آنسو ہی نہیں جسم کا سارا پانی خشک ہو گیا۔ بیٹی کی سوالیہ خفا حیران نگاہیں بدستور تھیں۔ ثریا نے ایسا سانس لیا جیسے من بھر کی بوری شانوں سے اتاری ہو۔

"وہ معافی نہیں مانگ رہا تھا گڑیا۔" اس کی آواز کی شکستگی صدیوں کے سفر کا قصہ کہتی تھی۔

"نہیں مانگ رہا تھا میں نے خود دیکھا۔" وہ زور دے کر بولی۔

کرب کی شدت سے ثریا نے منہ پھیر لیا "معافی نہیں مانگ رہا تھا۔ وہ تو۔" اس نے زہر لب کیا۔

ثریا نے بیٹی کی آنکھوں میں اپنے لیے انکار دیکھا، بے اعتنائی، بے یقینی اور غصہ۔

ثریا چکرا کر رہ گئی۔ وہ تیرہ برس کی بیٹی کو کس طرح وضاحت دے سکتی تھی۔ کہ اس کا باپ معافی نہیں مانگ رہا تھا۔ وہ یہ وضاحت کبھی نہیں دے سکتی تھی۔

ہاں ایک وقت آتا جب اسے خود معافی کا مطلب سمجھ میں آ جاتا لیکن ابھی کے لیے وہ کیا کرے۔

آج سے کئی سال پہلے۔ جہاں آج گڑیا کھڑی تھی۔ وہاں کبھی وہ کھڑی تھی اور جہاں وہ بیٹھی تھی۔ وہاں ثریا کی اپنی ماں۔

معاملہ برعکس تھا۔ مگر غصہ، ہٹ دھرمی، بے یقینی سب ایسا ہی تھا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ سالوں پہلے اس نے بھی اپنی ماں کے آگے سوال رکھ دیا تھا۔ اعتراض، جڑ دیا تھا۔ سالوں پہلے۔

آج اس کی بیٹی اس سے متنفر تھی۔ کل وہ اپنی ماں سے متنفر تھی۔

دونوں کے درمیان وجہ تنازعہ ایک ہی تھا۔ ابا، ایک وہ جو گڑیا کا ابا تھا اور دوسرا ثریا کا ابا۔

آج گڑیا بیٹی تھی اور کل جب ثریا خود گڑیا تھی۔

تو یہ دو بیٹیوں کی کہانی ہو گئی نہیں۔ یہ دو ماؤں کی کہانی بھی تھی۔ اور دو باپ بھی۔

جو ایک دوسرے کا الٹ دکھائی دینے کے باوجود اندر سے ایک دوسرے کے جیسے تھے۔

آج گڑیا کو ماں کا رویہ، باپ کے لیے پسند نہیں تھا۔ کل ثریا کو بھی ماں کا رویہ اپنے باپ کے شایان شان نہیں لگتا تھا۔

وہ زیادہ کا مستحق تھا جبکہ اس کی ماں۔

وہ گالیاں ایسے سنتی تھی۔ جیسے وہ اس کے حسن کے قصیدے پڑھ رہا ہو۔ وہ جس جوتے کو اس کے

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

منہ پر اٹھا مارتا تھا۔ زمین پر گرنے پر اس کی ماں ہی کو وہ جوتا اٹھا کر واپس پیش کرنا پڑتا تھا۔ کہ اگر وہ ایک مارنا چاہے تو۔ دل نہ بھرا ہو تو۔

بیوی بچوں پر گالم گلوچ کے بعد شراب نوشی۔

اور مجسم ''نوشی'' بلکہ بہت ساری نوشیاں۔ اس کی جاننے والیاں تھیں۔

جیب گرم ہوتی تو پہلو گرم کرنے کو کسی کے بھی در پر جا کر پڑ جاتا۔ جیب خالی ہوتی تو بیوی کی صورت پر اکتفا کرنا پڑتا۔ یہ کڑوا گھونٹ پینے کے بعد وہ بیوی کو دھن کر رکھ دیتا۔ ''تو ہے ہی منحوس عورت، مال میں برکت نہیں رہنے دی۔ روتی صورت۔''

کماتا وہ خوب تھا۔ اڑاتا بھی خوب۔

کوئی اسے بتاتا کہ جس مال کی رونمائی کوٹھوں چوباروں کی دہلیز پر کی جائے اس میں برکت کیسے ہو سکتی ہے۔ بچے کھچے پیسے بیوی کے منہ پر مار دیتا۔ کہ وہ گھر کا خرچ چلائے اور اس پر اسے روکھی سوکھی کی عادت بھی نہیں تھی۔ ماں پتلے شوربے میں روٹیاں بھگو کر بچوں کو کھلاتی اور بھنے مسالے کے گوشت کو نگلنے کے بعد کچا رہ جانے کی شکایت پر بیوی کی چوٹی کس دیتا۔

اسے ثریا کی ماں سے بڑی شکایتیں تھیں۔ ایک تو وہ کم صورت اوپر سے روتی۔ سونے پر سہاگہ اپنے جیسے منحوسوں کی لائن لگا کر کھڑی تھی۔ اسے بچے زہر لگتے۔ جب وہ کھانا کھاتا تھا۔ ندیدوں کی طرح دیکھتے تھے۔

''ماں نے تمیز نہیں سکھائی۔''

باپ کے بہن، بھائی بھی اس کی بے سکون زندگی کی وجہ ماں اور ماں کے پیدا کیے بچوں کو گردانتے تھے۔ سسرال میں بھی وہ جوتی کی نوک پر دھری تھی۔

ثریا نے سنا، ماں کا پیچھا کمزور تھا۔ اسی لیے باپ اتنا شیر ہو گیا تھا۔ ثریا سوچنے لگی۔ اگر ماں خود کو مضبوط کرے۔ وہ مارتے کا ہاتھ کیوں نہیں پکڑ لیتی۔

آخر وہ کیوں پٹتی ہے۔

تھپڑ کے نشانوں والے گالوں کو دوپٹے سے ڈھکے وہ باپ کے کپڑے استری کرتی۔ جوتی کو پالش کرتی، بلکہ پیروں کے پاس بھی لا کر دیتی۔

اور بدلے میں ایک ٹھوکر بھی پڑ سکتی ہے، یہ اس کے مزاج پر منحصر تھا۔ اچھا یا خراب......

ثریا کو وجوہات سے دلچسپی نہیں تھی۔ وہ کم گو تھی۔ مگر جب بھی بولتی......

''آپ نے پہلے دن ہاتھ روکا ہوتا نا تو......''

''آپ معاف کرتی کیوں ہیں۔ رات کو پٹتی ہیں اور صبح اٹھ کر خدمت پر جت جاتی ہیں۔''

ماں کا سر جھک جاتا۔ وہ بیٹی سے کیسے کہتی کہ وہ اپنی غلط فہمی دور کرے۔ باپ نے معافی مانگی کب...... باپ کو مانگنے کی عادت نہیں تھی۔ وہ چھین لینا جانتا تھا۔

''اگر اس کے ساتھ ایسا کبھی ہوا تو وہ تو ہاتھ توڑ کر دوسرے ہاتھ میں دے دے۔'' ماں نے ثریا کے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

''اللہ نہ کرے۔'' اس کا چہرہ وحشت زدہ اور آنکھیں ابل پڑی تھیں۔ ''جو ثریا کا نصیب ماں جیسا نکلے۔''

ثریا شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔

لیکن شادی ہی واحد جائے فرار تھی۔ وہ اس گھر سے نکل کر ہی باپ سے چھٹکارا حاصل کر سکتی تھی۔ سو اس نے شادی کر لی۔ ریاض اس کے باپ سے بالکل الٹ تھا۔ تو یہ اتنا محبت بھرا رشتہ ہے۔ لاڈ پیار، ناز و ادا، روٹھنا منانا...... جب وہ جھوٹ موٹ روٹھ جاتی۔ اور جب ریاض اسے سچ مچ مناتا، گتھی سلجھنے کے بجائے اس موڑ پر آ کر بری طرح الجھ گئی۔

مگر شادی کے نو سال بعد ثریا کو پتا لگا۔ ضروری نہیں مارتا دھاڑتا، گالم گلوچ کرتا، مرد ہی بُرا ہو۔ ناقابل برداشت ہو۔ بالوں میں گجرے لگا کر دونوں ہاتھوں سے معافیاں مانگنے والا مرد بھی بہت بُرا ہو سکتا ہے۔

ثریا کو یہ بھی پتا لگا کہ عورت معاف کر دینے پر

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

اتنی مجبور کیسے ہو جاتی ہے۔ وہ ریاض کو معاف کر دیتی تھی۔ کیا کرے بے چارہ نوکری ڈھونڈتا تو ہے۔ اتنی مشکل سے ملتی ہے۔ ریاض کہتا کسی نے بندش کروادی ہے۔ لگی لگائی چھوٹ جاتی ہے۔ تو دکھی اور پریشان ہوتا تھا وہ......

ثریا چاروں قل پڑھ کر پھونکتی۔ کھانے سے جی اچاٹ کر کے بیٹھے ریاض کے منہ میں نوالے بھی ڈالے اس نے...... اپنے ساتھ کا یقین دلایا۔ مستقبل کے اچھے خوابوں کی اڑائی پتنگ کی ڈور کو ڈھیل دیئے ریاض کے پیچھے کھڑی رہتی اور ہر بار معاف کر دیتی۔

"مرد کی حیلہ بازی سے عورت نہیں جیت سکتی۔ کچھ تیرے باپ سے ہوتے ہیں۔ ڈنکے کی چوٹ پر عورت کو ذلیل کرنے والے...... اور کچھ ریاض سے ہوتے ہیں ثریا...... چوہے، جڑیں کاٹنے والے وہ تجھے اندر ہی اندر کھوکھلا کر رہا ہے اور دکھ اس چیز کا ہے۔ تجھے پتا نہیں چلتا۔ عورت کا مسئلہ یہی ہے، اسے پتا نہیں چلتا۔ اب تو یہ سوال نہیں کرے گی ناکہ ماں تو باپ سے پٹتی کیوں ہے۔ یا یہ کہ ہاتھ پکڑ کر توڑ کیوں نہیں دیتی۔ ہاتھ توڑنا اتنا آسان ہوتا تو...... اب تک تو ریاض کے شناختی کارڈ پر ٹوٹے ہاتھ کی علامت لگ جانی چاہیے تھی۔ اس کا نام بھی بدل جانا چاہیے تھا۔ ریاض ٹنڈا......؟"

ماں نے طعنے نہیں مارے تھے، جتایا بھی نہیں تھا اور اکسایا بھی نہیں تھا۔ مگر ثریا کو وہ ثریا یاد آ گئی۔ جس کے ہو جانے کا وہ دعوا کیا کرتی تھی کہ اگر کبھی ایسی صورت حال آئی تو وہ کیا کرے گی؟

تو پھر ثریا وہ ثریا بن گئی۔ جس سے اس کی گڑیا متنفر ہو چکی تھی۔

☆☆☆

ثریا من من کے قدم اٹھائے گڑیا کے نزدیک آ بیٹھی۔ گڑیا کی آنکھوں میں حیرت کے بعد شکوہ اور آخیر میں اجنبی تاثر آ کر ٹھہر گیا۔ وہ ماں کو نظر انداز کر کے بستر سمیٹنے لگی۔

ثریا نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ گڑیا نے ایک پل کی حیرت کے بعد اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا۔ مگر ثریا نے اسے اپنے سامنے بیٹھنے پر مجبور کر دیا۔ وہ بھی اپنی ماں سے ایسے ہی خفا رہا کرتی تھی۔ وہ کیوں معاف کر دیتی ہے اس کے باپ کو...... آج اس کی بیٹی کہہ رہی تھی۔ وہ کیوں معاف نہیں کرتی اس کے باپ کو...... دونوں سوال ایک دوسرے سے قطعاً مختلف تھے۔ مگر کہانی کا پس منظر اور کردار ایک سے تھے۔ بے حس مرد...... اور بے بس عورت......

"تمہیں برا لگتا ہے...... جو میں کرتی ہوں تمہارے باپ کے ساتھ؟" وہ کہنا تو نہ جانے کیا چاہتی تھی، منہ سے یہی نکلا۔ گڑیا نے چونک کر ماں کو دیکھا اور نظر جھکالی۔

"تمہیں میں غلط لگتی ہوں نا؟"

اس بار گڑیا نے نظر اٹھائی تھی اور سر کو اثبات میں ہلایا تھا۔ ساتھ ہی اس کی آنکھیں لبریز ہو گئی تھیں۔ ثریا نے تھوک نگلا اور بیٹی کو سینے سے بھینچ لیا۔ وہ اس کے بالوں کے بے آواز بوسے لے رہی تھی۔

"میں آج کے بعد اپنے لیے دعا نہیں کروں گی گڑیا۔ صرف تیرے لیے...... اللہ کرے تجھے زندگی میں کبھی ایسے سوالنامے کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ تیرا نصیب، تیری ماں اور نانی سے بالکل الگ ہو گڑیا...... بالکل الگ۔"

ثریا کی دعا خود کلامی میں ڈھل گئی اور اس کی بانہوں کے شکنجے میں کسی گڑیا کسمانے لگی۔

اسے ماں سے ان دعاؤں کی نہیں، اس تسلی کی ضرورت تھی کہ وہ ابا کو معاف کر دے گی اور دوبارہ کبھی ابا کو بے عزت نہیں کرے گی۔

اس سوال کی تشنگی بھی ہنوز تھی کہ رات جب ابا معافی مانگ رہا تھا تو ماں نے معاف کیوں نہ کیا۔

بلکہ الٹا ماں صاف مکر گئی کہ وہ کوئی معافی نہیں تھی۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ کتنے پیار سے ابا گنگنا رہا تھا اور ماں نے......

☆☆☆

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

تیرہ برس کی گڑیا آج تینتیس برس کی بھرپور جوان عورت تھی۔ بیٹے کو کولہے پر ٹکائے بیٹی کی انگلی پکڑے گزرنے والی ہر آنکھ کو اپنی سمت متوجہ کرتی وہ بہت دیکھ بھال کر سڑک پار کرکے پارکنگ میں کھڑی اپنی کار کا لاک کھول رہی تھی۔ ہلکی نیلی جینز پر سیاہ کرتا دوپٹا اوڑھے...... آنکھوں پر لگے گاگلز نے تاثرات اور مرکز نگاہ کو ڈھانپ رکھا تھا۔

اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود لاشعوری طور پر اس کے کان اپنے شوہر کی آواز سننے کے منتظر تھے۔

آواز تو نہ آئی، وہ سامنے سے آتا دکھائی دے گیا۔

چابی کو اچھالتا، خود کو لاپروا ظاہر کرنے کے لیے ہونٹ سکیڑے وہ سیٹی پر کوئی دھن چھیڑے ہوئے تھا۔

وہ ایسا نہ بھی کرتا تو وہ جانتی تھی، اسے کوئی پروا نہیں تھی۔ جب ہی تو آج ایسا دن طلوع ہوا۔ جس میں وہ دونوں الگ الگ گاڑی کے سوار ہو کر اپنی نئی منزل کی طرف چلے تھے۔

لیکن نہیں مرد کے لیے نئی منزلیں ہوسکتی ہیں۔

عورت کے لیے وقت ٹھہر جاتا ہے دو بچوں کے ساتھ اس کی زندگی نے پڑاؤ ڈال دیا تھا۔

وہ دوست کی بات سنتے سنتے غم زدہ سا دکھائی دینے لگا۔ وہ دونوں اسے اور اس کے بچوں کو دیکھ رہے تھے۔ دوست اپنے تئیں اسے صبر کرنے باہمت رہنے کا مشورہ دے رہا تھا۔ فاصلہ بہت زیادہ تھا، اس کے باوجود وہ جانتی تھی۔

اسے کوئی ایسا غم نہیں پڑا کہ جس کے لیے کندھا دیا جائے۔

اس کی تو مانو جان چھوٹی...... بیوی سے...... اور اس کے پیدا کیے بچوں سے، ثریا کی بیٹی کے حق میں کی گئی دعائیں قبول نہیں ہوئی تھیں۔

گڑیا کا شوہر گڑیا کے نانا اور باپ دونوں کی خصوصیات رکھتا تھا۔ بلکہ دیکھا جائے اس کی شخصیت زیادہ متنوع تھی۔ گڑیا مردوں کی دو قسموں سے واقف تھی اور اسی سے پناہ مانگتی تھی۔ خدا دشمن کو بھی بچائے۔ بے وقوف دشمن کی فکر پالنے کے بجائے اپنی پالتی تو شاید بچاؤ ہو جاتا۔

ثریا جیسی ماسی کے بچوں کے لیے اس کے ہائی فائی اسکول میں جگہ نہیں تھی۔ مگر ثریا کی محنت شرافت اور منت سماجت سے پرنسپل نے گڑیا سمیت اس کے دو بیٹوں کو کلاس کی آخری نشستوں پر بیٹھنے کی اجازت دے دی۔

اور ایک سال بعد رزلٹ کے روز اسی پرنسپل نے گڑیا کو تمام کیمپس میں پوزیشن لینے کا میڈل پہنایا تھا۔ گڑیا کے دو بھائیوں نے بھی پرنسپل سمیت سب کو حیران کردیا۔ غریب جفاکش ماں کے خیرات پر پڑھنے والے بچوں کو اعزاز سے نوازا جارہا تھا۔

میٹرک میں گڑیا نے پوزیشن لے کر حکومت کو اس بات پر مجبور کردیا کہ اس کا آگے کا تعلیمی خرچا اٹھانے کا اعلان کردیا جائے۔

دس پانچ پیسے کے جیب خرچ کو جمع کرنے والی گڑیا، بینکر بن گئی۔ زمان کلائنٹ بن کر آیا تھا۔ وہ بلا کا پرکشش تھا۔ اوپر سے جامہ زیبی پر چرب زبانی کا تڑکہ......

گڑیا نے شادی کا فیصلہ فوراً نہیں کیا۔ اس نے اپنے حساب سے خوب جانچا، پرکھا، پھر اس کے بعد......

اور دراصل بعد ہی تو مسائل کی جڑ ہوتا ہے۔ بعد ہی کا تو پتا نہیں ہوتا۔ بعد کا پتا ہو تو زندگی میں کچھ غلط ہو ہی نا...... زمان سونے کی طرح چمکتا تھا۔ یہ ملمع اترنے میں کچھ وقت لگا۔ مگر تب تک گڑیا کے قدموں کی زنجیر اس کی اپنی گڑیا بن چکی تھی۔

زمان کی انا ذرا، ذرا سی بات سے ہرٹ ہوجاتی تھی۔ اس لیے ملازمت کو جاری رکھنا مشکل ہوجاتا۔ تو وہ اس مشکل سے جان چھڑانے میں دیر نہ کرتا۔

گڑیا، ماں جیسی بے وقوف نہیں تھی۔ اسے خوب تجربہ تھا مردوں کے بہانوں کا...... شروع میں زمان بھی اس کی آمدنی سے یوں لاتعلق رہتا تھا۔ جیسے متقی نامحرم عورت سے...... لیکن گڑیا کیا کرتی،

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

جب مہینہ پورا ہونے پر فلیٹ کا کرایہ اور دیگر تمام بلز کے ساتھ کچن کے تمام خالی ڈبے سر پر آ پڑے۔

اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ اس مصیبت سے نکل سکتی تھی۔ میاں، بیوی ساتھی ہیں۔ مشکل میں وہ کام نہیں آئے گی تو اور کون...... زمان اس کا احسان مند تھا۔ وہ جلد ملازمت تلاش کرے گا۔ گڑیا کا دل ڈوب کر ابھرا، ابا بھی ایسے ہی کرتا تھا۔

لیکن خیر...... زمان کو ملازمت مل گئی۔ اگلے مہینے سب چیزیں زمان نے بحسن و خوبی پوری کر دیں۔ (تو زمان ابا سا نہیں تھا۔) لیکن اگلے ماہ اس کے پاس اے ٹی ایم کے اندر ڈاکوؤں کے آ جانے کا دل خراش واقعہ تھا۔ گھر کا خرچ گڑیا کو چلانا پڑا، بلکہ زمان کا غم غلط کرنے کے لیے اس نے اسے اچھی خاصی رقم بھی دی۔

زمان چرب زبان تھا۔ اس کے دوستوں کی وسیع تعداد تھی۔ جن پر وہ خرچ کرتا تھا۔ دوستوں میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی کثیر تعداد میں تھیں اور کچھ بہت خاص بھی......

گڑیا کو نانا یاد آئے۔ زمانہ بدل گیا تھا۔ پہلے عورتوں سے دوستی کو بے راہ روی کہا جاتا تھا۔ نئے زمانے میں یہ ماڈرن ازم تھا۔ ورکنگ ریلیشن شپ...... تو کام تو پھر وہ بھی کرتی تھی۔

زمان اپنی ذات پر دل کھول کر خرچ کرتا تھا۔ اس نے گڑیا سے کہا کہ وہ تو خود کماتی ہے۔ اسے بھلا اس کے پیسوں کی کیا ضرورت......

''لیکن میرے نان نفقہ کی ذمہ داری تمہاری ہے۔'' وہ حیرت سے بولی۔

''نان نفقہ...... نان تو آئی تھنک دس روپے کا ملتا ہے اور یہ نفقہ کیا ہے؟'' انگلش میڈیم کا پڑھا زمان الجھ کر دیکھ رہا تھا۔

''دِس مین کہ میری ہر ضرورت کو پورا کرنا تمہارا فرض ہے۔'' وہ چبا چبا کر بولی۔

''اوہ...... تو میں نے کب انکار کیا۔ مگر ڈیر تم پیسہ سنبھال کر کیا کرو گی۔ پیسہ ہاتھ کا میل ہے اور دیکھو میں ہاتھ صاف رکھتا ہوں۔ ہاہاہا......''

''شادی کرنے کے بعد بھی اگر مجھے خود کما کر خود پر خرچ کرنا تھا، تو مجھے شادی کا ٹنٹا پالنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔'' وہ حلق کے بل چلائی تھی۔ بال سنوارتا زمان ساکت ہو گیا۔ وہ آئینے سے اس کا لال بھبھوکا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ یک دم گھوما اس نے گڑیا کی ٹھوڑی دبوچ لی۔

''آواز نیچے......''

''چھوڑو مجھے......'' وہ مچھلی کی طرح تڑپی......

''مجھے چھوڑو زمان۔'' وہ اسے پیچھے دھکیل دینا چاہتی تھی۔ مگر زمان نے اسے بیڈ پر دھکا دے دیا۔ وہ تیزی سے اٹھنا چاہتی تھی۔ مگر زمان ایک ٹانگ بیڈ کے اوپر رکھ کر اس پر جھک آیا۔ جو کہنیوں کے بل سر اٹھائے ہوئے تھے۔

''میں نے کہا نا آواز نیچے۔''

''نہیں ہو گی آواز نیچے۔'' وہ کرنٹ کھائے انداز سے اچھلی اور نکل جانا چاہا، مگر زمان نے اس کا ہاتھ پیچھے سے جکڑ لیا۔

اور دوسرے ہاتھ سے تھپڑ گال پر دے مارا۔

☆☆☆

اگلے روز......

''مجھے معاف کر دو......'' وہ بیڈ پر پاؤں لٹکائے بیٹھی تھی اور وہ ایک گھٹنا موڑے اس کے سامنے زمین پر ہاتھ جوڑے بیٹھا تھا۔ وہ اتنا شرم سار تھا کہ گڑیا کو اپنی نظریں جھکانا پڑ گئی تھیں۔

''پتا نہیں مجھے کیا ہو گیا تھا۔''

''میں آفس کیسے جاؤں گی زمان...... میرے گال پر نیل ہے۔''

''اف یہ عورت...... نیل کے پیچھے دکھن بھی تو ہوتی ہے۔'' (آخر عورت کو اتنی قوت برداشت کیوں دی گئی۔)

''اوہ میری جان!'' زمان کھڑا ہو گیا۔ اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔ ''آئی ایم سوری۔'' اس نے اس کی پیشانی کا بوسا لیا۔ ''میں تمہاری لیو دے آتا

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ہوں۔ کہہ دوں گا...... آں...... آں...... ہاں...... بے بی کو بخار ہے۔ اس لیے تم غیر حاضر ہو۔ ہاں......" وہ اس کی رائے کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔

"ہاں......" وہ کھوئے کھوئے انداز سے ہاں میں ہاں ملانے لگی۔

اسے اس وقت بالکل یاد نہ آیا کہ نانی...... نانا کو معاف کردیا کرتی تھیں۔

☆☆☆

اگلی بار اس کے اے ٹی ایم سے رقم اڑائی گئی۔

اسے یہ جاننے میں ذرا دیر نہ لگی کہ یہ کس کی کارستانی تھی۔

زمان پہلے مانا نہیں...... پھر اس نے اپنی بے پناہ مجبوری بتائی۔

"تم مانگ لیتے۔" وہ اصول کی بات کرتی تھی۔

"ہنہ......" وہ پیر پٹخ کر کھڑا ہوا۔ "مانگ لیتے جیسے تم دے دیتیں۔"

"تو تم نے سوچا چوری کرلوں۔"

"ڈونٹ کال می چور۔" وہ چلایا۔

"چور کو چور نہیں کہوں تو کیا سعد کہوں......" آواز اسے بھی بلند کرنا آتی تھی۔

"سعد...... وہ جو تمہارا آفس کولیگ ہے۔" وہ غرّایا۔

"میں نے محاورہ بولا ہے۔" وہ پھنک کر بولی۔

"اوہ ہو...... محاورہ بھی سعد والا یاد کیا۔"

"تم اپنی لمٹس کراس کررہے ہو زمان......"

اس کی رگوں میں ثریا کا خون دوڑ رہا تھا۔ اس نے بنا سوچے سمجھے ایک زور کا ہاتھ اس کے شانے پر مارا۔ وہ اسے دھکیل دینا چاہتی تھی۔ مگر وہ توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ دیوار سے لگا اور اگلے پل وہ اسے جانوروں کی طرح پیٹ رہا تھا۔

"شوہر پر ہاتھ اٹھاتی ہے سالی۔"

گڑیا کو یاد آیا...... ابا چپتا خاموشی سے تھا۔

"اف مرد...... اور مردوں کی قسمیں...... اور قسمیں......" اسے دھنک کر رکھ دینے کے بعد وہ گھر سے چلا گیا۔

نیچے پارکنگ میں دو ٹین ایج لڑکیاں کھڑی تھیں۔ بیوی کو مارنے کوٹنے کے عمل میں اس کے جیل سے جمے بال بکھر کر ماتھے پر پڑے تھے۔

لڑکیوں نے تسلیم کیا۔ وہ اس بے ترتیب حلیے میں بھی بہت ہینڈسم لگ رہا تھا۔ (زمان نے ان لڑکیوں کو دیکھ کر مسکراہٹ بھی اچھالی۔) اور اندر گڑیا......

اسے ماں کے ہاتھوں باپ کی یہ بے ادبی کھلتی تھی۔ اپنے شوہر کے ہاتھوں اپنی بے ادبی نے اسے گنگ کردیا تھا۔ اس نے کاٹ میں قلقاریاں مارتی اپنی گڑیا کو دیکھا۔

"کل کو اس کی بیٹی کس کا ساتھ دے گی۔ ماں کا یا باپ کا۔" اپنی دکھتی ہڈیوں پر ٹکور کرتے ہوئے اس نے عہد کیا۔ وہ برداشت کرے گی۔ وہ اپنی بیٹی کو ایسے سوالات میں الجھنے نہیں دے گی۔

وہ گھر کے ماحول کو بہتر بنائے گی۔ کیسے بھی کرکے......

اور چونکہ زمان اس پر لعنت بھیج کر گیا تھا، تو گڑیا کو کوئی آئیڈیا بھی نہ سوجھ سکا کہ وہ آفس سے چھٹی کا بہانا کرے تو کیا۔

سو اس روز تمام کولیگ حیران رہے کہ میم نے اتنا تیز میک اپ کیوں کر رکھا ہے اور وہ بلاوجہ مسکرا کیوں رہی ہیں۔

☆☆☆

اگر زمان گھر کی بلنگ کو پورا کردیتا تو بچوں کے مہنگے دودھ کے ڈبوں میں ڈنڈی مار جاتا...... احتجاج پر اس کے جواب سے گڑیا کا تن بدن پھنکنے لگتا۔ وہ بھی تو کماتی ہے۔ بچے اس کے بھی تو ہیں۔ خرید لائے دودھ اور پیمپر، اس میں بظاہر حرج نہیں تھا۔

اسے بچے جان سے پیارے تھے۔ مگر پھر باپ کا کردار کیا ہوا۔ بس وہ پیدا کرنے کا حصے دار تھا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

بلکہ پیدا کرنے کی بھی خوب رہی۔ مرد کو اگر بچہ باقاعدہ پیدا کرنا پڑ جاتا تو دنیا سے نسل انسانی کب کی معدوم ہو چکی ہوتی۔

ایک پڑھا لکھا، خوش شکل، خوش گفتار شوہر، گڑیا کی جان کا آزار تھا۔ گزرے وقت نے اسے اس کے تمام سوالوں کے جواب دے دیے تھے۔ اس کی سمجھ میں آ گیا تھا۔ ابا اس رات معافی نہیں مانگ رہا تھا۔

ایسی بہت سی معافیاں زمان اس سے ہزاروں بار مانگ چکا تھا۔ بعض میں اس نے معاف کر دیا اور جب نہیں کرنا چاہا تو زمان کو معافی بھی زبردست لینا آتی تھی۔ اس کی یہ مجال کہ وہ معاف نہ کرے۔

کیسی دوغلی زندگی جی رہی تھی وہ......

کیوں...... وہ نانی کی طرح بری طرح پٹ کر گالم گلوچ سن کر بھی تابعدار بیوی کا کردار نہیں نبھا سکتی تھی۔ یہ بہت مشکل تھا۔

لیکن وہ اپنی ماں جیسی بھی نہیں بن پائی تھی کہ حاوی ہو جاتی۔ ایسی کوشش کو تو زمان نے پہلے ہی وار میں ناکام کر دی تھی۔

یا پھر صبر و ضبط کر کے زمان کے اچھا ہونے کی دعائیں کرے، وظیفے......

زمان نے نہیں سدھرنا تھا۔ اس نے اس کی کمائی بھی کھانا تھی اور آنکھیں بھی دکھانا تھیں۔

تو اتنا پڑھ لکھنے کے بعد ایک اعلا عہدے پر ہونے کے باوجود بھی وہ اپنی ماں اور نانی جیسی مظلوم و بے بس عورت ہی رہی۔

نانی نے خاموش رہ کر...... اور ماں نے آواز و ہاتھ اٹھا کر دراصل اپنی بقا کی جنگ لڑی تھی۔ دونوں خود کو اپنے اپنے انداز کی کامیاب عورتیں کہتی تھیں۔

مگر وہ خود کو کہاں کھڑا کرے، کیا نانی کی طرح پٹتی رہے۔ یا ماں کے جیسی بن جائے۔ تیسرا کوئی راستہ......

☆☆☆

دونوں ایک ہی گھر کے الگ الگ کمروں میں رہ رہے تھے۔ وہ بینک جانے کے لیے تیار ہو رہی

بیوٹی بکس کا تیار کردہ
سوہنی ہیئر آئل
SOHNI HAIR OIL

گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے۔
نئے بال اگاتا ہے۔
بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے۔
مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے یکساں مفید۔
ہر موسم میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔
قیمت -/150 روپے
سوہنی ہیئر آئل 12 جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہذا یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے، یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں، کراچی میں دستی خریدا جا سکتا ہے، ایک بوتل کی قیمت صرف -/150 روپے ہے، دوسرے شہر والے منی آرڈر بھیج کر رجسٹرڈ پارسل سے منگوالیں، رجسٹری سے منگوانے والے منی آرڈر اس حساب سے بھجوائیں۔
2 بوتلوں کے لئے ---------- 350/- روپے
3 بوتلوں کے لئے ---------- 500/- روپے
6 بوتلوں کے لئے ---------- 1000/- روپے
نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔
منی آرڈر بھیجنے کے لئے ہمارا پتہ:
بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی
دستی خریدنے والے حضرات سوہنی ہیئر آئل ان جگہوں سے حاصل کریں
بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی
مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37-اردو بازار، کراچی۔
فون نمبر: 32735021

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

تھی۔ اسے بیٹی کو اسکول...... اور بیٹے کو ڈے کیئر سینٹر چھوڑنا تھا۔ جب بیل کی آواز پر زمان گیا، لوٹا تو اس کے ہاتھ میں لفافہ تھا، گڑیا کے اعصاب تن گئے۔

یہ خلع کا نوٹس تھا۔

''تم...... تم نے...... تمہاری اتنی مجال......''

''مجھے ہاتھ مت لگانا۔ میں نے تھانے میں درخواست بھی جمع کروا رکھی ہے کہ میری جان کو تم سے خطرہ ہے۔ یا یہ کہ مجھے کسی بھی قسم کا نقصان پہنچے تو پولیس سیدھا تمہیں گرفتار کر لے۔ میرے پاس ون فائیو پر کال کا آپشن بھی ہے۔'' وہ پرسکون تھی۔

''میرے گھر میں رہ کر تم مجھے آنکھیں دکھاتی ہو۔'' اسے اٹھا کر مارنے کے لیے زمان کو کوئی چیز موزوں نہیں لگ رہی تھی۔

''گھر کا کرایہ میں دیتی ہوں۔ ایڈوانس بھی میں نے بھرا تھا۔'' اس نے اس کے طیش کے غبارے میں حقیقت کی سوئی چبھودی۔

''مجھے معاف کردو۔'' اگلے منٹ میں وہ اس کے قدموں میں بیٹھا تھا۔ مگر اس نے اپنے پیر سمیٹ لیے۔ اس کا سر قطعیت سے نفی میں ہل رہا تھا۔

☆☆☆

فیصلہ اس کے حق میں ہونے میں کوئی چیز حائل نہیں ہوئی اور آج وہ دونوں بچوں کو لیے اس گھر میں جا رہی تھی، جس کا کرایہ وہ بھرتی تھی۔

اپنا گھر بچانے کے لیے خاموشی اور تابعداری سے پٹنا نانی کی حکمت عملی (اسٹریٹجی) رہی۔

جارحیت ثریا کی حکمت عملی تھی۔ ثریا کی گڑیا کے لیے یہ دونوں راستے قابل قبول نہیں تھے۔

وہ نئے زمانے کی پڑھی لکھی عورت تھی۔ اس نے سب سے محفوظ راستہ استعمال کیا۔

نانی کے زمانے میں کامیاب عورت کی یہی نشانی تھی کہ وہ ہر ظلم و جبر کو نصیب کا لکھا سمجھ کر برداشت کرے۔

ثریا اپنے طرز کی واحد عورت تھی۔

گڑیا کو ان دونوں جیسا نہیں بننا تھا۔ اس نے وہ راستہ اپنایا جو اسے شریعت نے عطا کیا تھا۔

ہاتھوں اور پیروں سے مارنے والے نانا آخری دو برس فالج کے زیر اثر بستر پر جا پڑے۔ منہ بھی ٹیڑھا ہو گیا۔ نانی بوڑھے لرزتے ہاتھوں سے خدمت کرتی تھیں۔ موٹی زبان سے معافی مانگتے...... پھر اس کے بعد ساری رات اذیت سے سر پٹختے...... کیوں کہ نانی ہر بار معاف کر دیتی تھیں۔ ان کے بندھے ہاتھوں کو اپنے ماتھے سے جوڑ کر دل کی گہرائیوں سے یقین دلاتیں...... کہ ان کے دل میں کوئی خفگی ہے ہی نہیں...... تو وہ کس بات کی معافی مانگتے ہیں۔ انہوں نے کیا، کیا ہے؟

نانا آخری ہچکی تک نہیں بتا پائے کہ نانی کا معافی کا اعلان ایسی اذیت دیتا ہے کہ حد نہیں...... اگر وہ یہ کہہ دیں کہ جاؤ نہیں کیا تو شاید کچھ سکون ہو۔

تو نانی نے معاف کر کے بدلہ لے لیا۔

اور ثریا کی گڑیا کو وہ بھیگی برستی رات یاد آتی ہے۔ جب ابا...... ماں کے پیر چھو کر معافی مانگ رہا تھا اور ماں نے معاف نہیں کیا تھا۔ پیروں کو ایسے جھٹکا کہ ابا کولہوں کے بل زمین پر جا گرا۔

ثریا کی گڑیا نے خلع لے کر اپنے شوہر کو ایسے ہی ٹھوکر مار کے خود سے دور کیا تھا۔

تین ادوار کی تین عورتوں نے ایک جیسی صورت حال کو اپنے اپنے حساب سے جھیلا۔

تابعداری و درگزر سے...... برداشت و ہمت سے......

نفرت و بے زاری سے...... دھتکار کر مار کر...... اور چھوڑ کر...... راستہ بدل کر......

یہ فیصلہ اب آپ خود کیجیے کہ کس کا طریقہ درست تھا۔ ثریا کی ماں...... ثریا کا...... یا پھر ثریا کی گڑیا کا......

بس ایک لمحے کو خود کو ان تینوں کی جگہ پر رکھ کر دیکھنا ہوگا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

اذیت کی کوئی شکل ہوتی تو وہ یقیناً مہرالنسا ہوتی۔ بال زندگی کی مانند اجڑے اجڑے سے تھے، پیر جوتوں سے بے نیاز، وہ اس وقت اسٹور میں پناہ لیے ہوئے تھی۔ بے بسی کا یہ عالم تھا کہ سرعام رونا بھی گویا جرم ہو۔ منہ میں دوپٹا ٹھونسے وہ بے آواز آنسو بہا رہی تھی۔

صبح ویسی ہی تھی جیسی ہمیشہ ہوا کرتی تھی، نہ پہلے کبھی۔ اس کے دامن میں خوشیوں کے سندیسے لائی تھی، نہ ہی آج معمول کے برخلاف کچھ ہوا تھا۔ پہلے بھی ممانی کے اکتاہٹ بھرے لہجے سے

مہ وش طالب

آبادی کے بعد

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

اس کی صبح ہوئی تھی۔ آج بھی طنز و طعنے کے نشتر اس کے نیم جاں وجود پر چابک کی طرح لگ رہے تھے۔ غلطی بھی تو اس کی تھی۔ اس کی ممانی کو لگتا تھا کہ یہ یتیم و یسیر ہونے کے ساتھ بدنصیب بھی ہے۔ اس کے حالات سے بے زار ہو کر تو آفتاب نے بھی اپنی کرنیں اس پر نچھاور کرنا چھوڑ دی تھیں۔ یہاں تو پھر وہ انسان بستے تھے۔ جو کہنے کو اس کے اپنے تھے اور اسے ان حالات تک پہنچانے کے کسی حد تک ذمہ دار بھی۔ مگر کم ظرفی گھٹی میں شاید ایسی پڑی تھی کہ اس کے زیر اثر ہر احساس دب کر رہ گیا تھا۔

"چل اٹھ جا پوتی! پہلے کیا کم زندگی اجیرن تھی، جواب یہ عذاب مسلط ہو گیا۔" نازیہ دھاڑ سے دروازہ کھول کر اسٹور نما کمرے میں داخل ہوئیں۔ "کہاں چھپا رکھی ہے وہ سوغات۔" انداز میں سمندری لہروں کی سی بے چینی تھی۔ کہیں کا غصہ کہیں نکل رہا تھا، بلکہ غصہ جہاں کا بھی ہو، ممانی کی توپوں کا مرکز ہمیشہ وہی ٹھہرتی تھی۔

مہر النسا جانتی تھی، اس بے چینی و غضب کا محرک، مگر لب سیے دیکھتی رہی، اس کی سوئی ہوئی حسیات پوری طرح جاگ گئی تھیں۔ تکیے کے نیچے سے موبائل نکال کر ان کو تھمایا اور خود فرشی بستر سے نکل کر لباس درست کرنے لگی، جواباً نازیہ نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا تھا۔

"آئندہ تیرے پاس نہ دیکھوں اسے۔" دھاڑ سے ہی دروازہ بند ہوا۔ ماہین مشکوک ہوتے ہوئے بھی یہ "آفت" اپنے پاس رکھنے کی حق دار تھی، جب کہ وہ بے قصور ہو کر بھی سزاوار ٹھہرائی جاتی تھی۔ حسب معمول اپنی کم مائیگی کے احساس نے اسے رُلانے پر مجبور کر دیا۔

☆☆☆

وہ جب پیدا ہوئی تو سونے کا چمچہ تو دور کی بات، پیتل کا چمچہ بھی آس پاس نہ تھا۔

وہ اپنے ماں باپ کی ساتویں اولاد تھی۔ پہلی دو، دو سانسیں ہی لے سکی تھیں، باقی چار سے عمر کا اتنا فاصلہ تھا کہ بیچ میں ان کے جوان ہوتے بچے آتے تھے۔ کبھی جو وہ کوشش کرتی بھی ختم کرنے کی تو بڑی آپا اپنے نئے آنے والے منے کی فکر میں غلطاں ہوتیں یا بڑے بھائی کو بیٹے کی آمین پہ ہونے والے خرچے نے پریشانی میں مبتلا کیا ہوتا۔ ایسے میں کوئی کیونکر اس پر دھیان دے پاتا۔ اس پر مستزاد کہ پانچواں برس لگتے ہی اس کی کملائی ہوئی ماں عدم کو سدھار گئیں۔ اب وہ تھی اور اس کی تنہائی۔

باپ تھا، مگر یہ طے کرنا مشکل تھا کہ دونوں میں سے کس کے لیے کس کی حیثیت آٹے میں نمک کی مانند ہے۔ وہ ساری مصروفیات سے فارغ تھا۔ (اسے لگتا تھا) تو سوچا کیوں نہ کوئی مصروفیت پال لی جائے، چار مرلے کے گھر میں سوکھی داڑھی کھجاتے اور دھوتی سنبھالے وہ اِدھر سے اُدھر —— پھرتا تھا اور یہ کوئی قابل قدر کام نہ تھا۔ اسی لیے شاید کوئی ابا جی ابا جی کہہ کر اس کے آگے پیچھے پھرنے والا بھی نہ تھا۔ نہ بیٹے، نہ بہوئیں..... تب ہی اس نے قابل ذکر کام کر ڈالا۔ اب ہر کوئی ابا جی! ابا جی! کہتا تھا کہ آگے پیچھے پھرنے والی جو کوئی اور آ گئی تھی۔ ستر کے پیٹے میں داخل ہوتے باپ نے شادی رچا کر بڑا کارنامہ انجام دیا۔

مہر النسا سات سال کی ہوئی اور اسی سال یتیم بھی کہ باپ کا بھی کبھار کا رکھا ہاتھ بھی ہمیشہ کے لیے اس کے سر سے اٹھ کر نئی بیوی کے ہاتھ سے جاملا۔ اس دن مہر النسا کا اپنے گھر میں (جو بھی اسے اپنا لگا ہی نہیں۔) آخری دن تھا۔ اس گھر میں اگر اسے کوئی خوشی میسر آئی تھی تو وہ یہ کہ اس نے اپنے بھتیجے، بھتیجیوں کے ساتھ مارے باندھے ہی سہی، مگر نورانی قاعدہ مکمل کیا تھا۔

اگلی صبح دوسرے گاؤں سے چھوٹے ماموں آئے۔ چھوٹے ماموں، صرف چھوٹے نہیں بھولے بھی تھے۔ گاؤں میں چھوٹا مگر خوب چلتا "بک ڈپو" تھا۔ وہ ابھی بے اولاد تھے اور روز، روز کی چخ چخ کے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

باعث بیوی سے ان کی اَن بن رہتی تھی، بہنوئی کی حرکت کا پتا چلا تو چھوٹی بھانجی کا خیال آیا۔ سوچا شاید رب نے اسی لیے اولاد نہیں دی کہ مرحوم بہن کی بیٹی کو اپنی اولاد بنانا پڑے گا، لہٰذا کسی کی پروا کیے بغیر مہرالنسا کو لے آئے۔ گھر والوں نے شکر کا کلمہ ادا کیا کہ نام نہاد ذمہ داری سے جان چھوٹی۔

مہرالنسا اتنی سمجھ رکھتی تھی نہ ہمت کہ جانے سے انکار کر سکے۔

واپسی پر میکے گئی ہوئی بیوی کو حیران کرنے کا سوچا، مگر ہمیشہ ویسا کب ہوتا ہے، جیسا انسان سوچتا ہے۔ ممانی نے جو واویلا مچایا، اس کی بازگشت تیر بن کر دیر تک مہرالنسا کا پیچھا کرتی رہی اور پھر...... پھر جو چھوٹے ماموں نے عزم کیا تھا، بہن کی بیٹی کو بیٹی بنانے کا وہ بیوی کی ایک مگر شدید پھنکار سے ٹوٹ گیا۔

اب بیوی جانے اور بھانجی...... چھوٹے ماموں کو اجازت نہ تھی بولنے کی۔

جب تک اپنی کوئی اولاد نہ ہوئی تھی، تو نازیہ پھر بھی ہر دو رتایا کبھی کبھار شوقیہ مہرالنسا سے دو چار باتیں کر لیتیں، مگر دو سال بعد ماہین اور ایک ایک سال کے وقفے سے معاذ اور نورین کی پیدائش سے مہرالنسا کی رہی سہی اہمیت بھی جاتی رہی۔ اس کا وجود کسی ان چاہے بوجھ سے کم نہ تھا۔ مگر شوہر نامدار نے آج تک بیوی سے شاید پہلی اور آخری بات یہ ہی منوائی تھی کہ بھانجی کو واپس بھیجنے کی بات بھی نہ ہوگی اور مہرالنسا جہاں بھی رہتی، زندگی تو ایک ہی طرز سے گزر رہی تھی، جگہیں مختلف تھیں، مگر میزبان ایک سے تھے،

بے بسی، تنہائی اور نفرت......

☆☆☆

وہ سولہ سال کی ہوئی تو زندگی کے رنگ آپوں آپ ہی ذرا سے بدلے۔ ممانی کی زیادتیوں کے باوجود رات کو صحن میں لگے آئینے کے سامنے ضرور جا کھڑی ہوتی، کچھ لمحوں کے لیے ہی سہی، مگر اپنا جائزہ ضرور لیتی اور اپنے آپ کو کسی اور دیس کی باسی تصور کرتی۔ حالانکہ کوئی بتانے والا تھا، نہ سکھانے والا، نہ ہی کوئی سکھی سہیلی جس کے ساتھ مل کر شوخیاں ماری جا سکیں، ہاں...... مگر برآمدے میں لگا کالے رنگ کا ٹی وی جس کا تو شاید اب ماڈل بھی دنیا سے ناپید ہو چکا تھا، مگر ہمسایوں کے توسط سے رنگ برنگے چینل خوب آتے تھے، تو وہی تو تھے اسے سکھانے والے کہ اس عمر میں خیالات کیسے بدلتے ہیں اور کوئی دھیان دینے والا نہ ہو تو کردار بھی......

چھوٹی نورین تو معصوم تھی، جب ممانی آگے پیچھے ہوتیں تو اس سے اسکول کا سبق پڑھنا بھی سیکھ لیتی اور تربیت کتابوں اور عملی کرداروں سے ہی تو ہوتی ہے۔ مگر خالی خولی اپنی ہی شکل دیکھنے سے کیا ہوتا۔ لہٰذا جلد ہی طبیعت بے زار ہوئی، کاموں اور نفرتوں کے انبار تلے زندگی پھر سے دبی دبی محسوس ہونے لگی۔

☆☆☆

اٹھارہواں برس لگا تو لگا زندگی کو مقصد مل گیا ہے۔ سجاد اور اس کی محبت بھری باتیں، ان باتوں میں اتنا شیرا تھا کہ کیا ہی کسی گلاب جامن میں ہوگا، تو پھر مہرالنسا کا اس شیرے میں ڈوبنا لازم تھا۔ وہ اپنے سارے دکھ بھول گئی۔ وہ زندگی کو ''محسوس'' کرنے لگی، یہیں چھت پر ٹہلتے ہوئے بے دھیانی میں نظریں بھٹکی تھیں۔ ایک بار، دوسری بار اور تیسرے دن تیسری بار کچی چھت پر کچی محبت پکنے لگی، اب ممانی کی باتیں تکلیف دیتی تھیں، نہ کام بوجھ محسوس ہوتے تھے، بس صبح ہوتے ہی شام کا انتظار ہوتا کہ کب وہ کپڑے دھوئے اور کب سکھانے کے بہانے ______ چھت پر جائے۔ اسے یہ بھی اطمینان تھا کہ کوئی اس کی پروا کرنے والا ہے، نہ نگرانی۔

مگر ہائے رے یہ کم بخت خوش فہمی۔

تیرہ سالہ ماہین نے مزاج میں چالاکی اور سختی اپنی ماں سے گھٹی میں لی تھی اور رہی سہی کسر ماں کے لکھائے پڑھائے سے پوری ہو رہی تھی تو اس دن دو چوٹیاں باندھے ماہین نے آنکھیں پٹپٹاتے اور ہاتھ

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

نچاتے ہوئے مہرالنسا سے پوچھا۔

''سجاد بھائی سے ملنے جا رہی ہو نا، اس لیے آج دھلے ہوئے کپڑے دوبارہ دھو رہی ہو۔''

صابن سے جھاگ بناتی، بے وجہ مسکراتی وہ ٹھٹکی۔ ''ک...... کک، کیا مطلب؟'' تھوک نگلتے ہوئے بمشکل اس نے کہا۔

''اپنی خیریت چاہتی ہو نا تو اس کا خیال دل سے نکال دو، خود کو بڑی حسین شے سمجھتی ہو تم...... ہونہہ۔'' کہہ کر وہ پلٹی، مگر مہرالنسا کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ بے دلی سے چھت پر گئی، جہاں وہ فارغ الوقت سجاد فرصت سے منتظر تھا، مگر مہرالنسا نے تو گویا آنکھیں بند کرلی تھیں۔

کالے ــــ بال، نارنجی قمیص کے نیچے بدرنگ جینز پہنے سجاد کو اس بے اعتنائی کی وجہ سمجھ میں نہ آئی، مگر وہ انتظار کرتا رہا کہ شاید نیچے جاتے وقت ایک نظر عنایت ہو ہی جائے، یوں بھی آج کے جدید دور میں مفت میں اپنا قیمتی وقت دینے والی اس جیسی اور کہاں ملتی۔ مگر مہرالنسا نے پلٹنا تھا، نہ وہ پلٹی۔ دل کو دھڑکا ہی لگا رہا کہ کہیں ماہین ممانی یا ماموں کو نہ بتادے۔

مگر رات بلکہ اس سے اگلی رات بھی خیر ہی رہی۔

سجاد نے اگلے دن ''شش...... شش'' کر کے اسے متوجہ کرنے کی کوشش کی مگر مہرالنسا نے آج کان بھی بند کرلیے اور پھر تیسرے دن جب کپڑے دھو کر وہ اس شش و پنج میں مبتلا تھی کہ اوپر کیسے جائے، ماہین نے اس کے ہاتھ سے کاسنی رنگ کی بالٹی لے کر مشکل آسان کردی، اس کی بھی اور اپنی بھی...... مہرالنسا کو جب یہ اطمینان ہوگیا کہ ماہین اس کا یہ راز کسی کو نہیں بتائے گی، تو خوب سجاد کو یاد کرنے لگی۔ اسے یہ قلق تھا کہ وہ اسے بے وفا سمجھتا ہوگا، اس کی یاد میں بے چین رہتا ہوگا۔ مگر وہ کرتی بھی تو کیا۔ اس لیے جو کرنا تھا، وہ ماہین نے کر دکھایا۔ اب روز چھت پر کپڑے پھیلانے کی ذمہ داری ماہین نے لے لی تھی۔ واپسی پر ایک تلملا دینے والی مسکراہٹ اس کے لبوں کا احاطہ کیے ہوتی، جسے وہ پہلے نہ سمجھ سکی، مگر نام نہاد محبت کی یہ نئی پینگ چڑھتی اس نے بھی دیکھ ہی لی۔

دل ماننے کو تیار نہ تھا کہ سجاد نے اپنا دل بلکہ دل کا ایک خانہ کرائے پر دے رکھا تھا اور جب مہرالنسا کرائے کی رقم وقت پر ادا نہ کرسکی تو سجاد نے کرائے دار بدلنے میں چنداں دیر نہ کی۔ غلطی بھی تو مہرالنسا کی تھی جو دل لگی اور دل کی لگی میں فرق نہ سمجھ سکی۔ جو وقت گزاری کو مقصد حیات اور محبت تصور کرنے لگی تھی۔ تو زندگی پھر سے لاوارث ہوگئی۔ وہ جو ایک احساس تھا چاہے جانے کا، خوش فہمی ہی سہی، تھا تو...... ختم ہوکر رہ گیا۔

ماہین کی حرکتوں سے ممانی واقف تھیں یا نہیں، مگر مہرالنسا کی اوقات نہیں تھی کہ اس سے جواب طلبی کرسکے۔

☆☆☆

خزاں کے خشک دنوں اور اجاڑ راتوں میں اسے اپنی محرومیاں پھر سے ستانے لگی تھیں۔ کرنے کو بہت کچھ تھا، مگر بے زار کردینے والا دن تو کاموں میں جیسے تیسے گزر ہی جاتا تھا، مگر رات کو برائے نام فرشی بستر پر لیٹتے ہی اپنے آپ سے ہزاروں سوال کرنے لگتی۔

وہ اٹھارہ سال کی مہرالنسا جس کا نام بھی اس کے ماں، باپ نے نہ جانے کیا سوچ کر اور کیسے ''مہرالنسا'' رکھا تھا، ورنہ جیسی زندگی وہ گزار رہی تھی، اس کا کوئی نام نہ بھی ہوتا تو کوئی فرق نہ پڑتا۔ اسے یاد نہیں پڑتا کہ اس کی پیدائش کے وقت پہلی بار کسی کو اس کا نام بتانے کے علاوہ بھی کسی نے اسے اس کے پورے نام سمیت پکارنے کی زحمت گوارا کی ہو۔ ہاں...... البتہ کمی، پھپھی، نگوڑ ماری، پوتی، منحوس، میرو (جس کی نوبت بہت کم آتی۔) جیسے اس کے بے شمار نام تھے، جن سے جس کا جب دل چاہتا اسے پکارتا۔

ہاں...... تو وہ مہرالنسا جاگ رہی تھی، وہ جو سوالوں کے جواب تلاشنے لگی تھی، مگر کون تھا جو اسے مطمئن کرپاتا اور اس سے پہلے کہ وہ مایوس ہوکر سو جاتی۔ چھوٹے ماموں برآمدے میں ٹی وی کے سامنے بیٹھے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

دکان کے حساب کتاب میں مشغول تھے، جس پر کوئی قاری قرآن کی سورۃ مع ترجمہ پڑھ رہا تھا۔ نازیہ شوہر کے لیے دودھ پتی تیار کر رہی تھیں اور ماہین، مہرالنسا کے سامنے ہی گدے پر سونے کی اداکاری کر رہی تھی۔

"اللہ تعالیٰ اس وقت تک کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا، جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدل لے۔"

مہرالنسا نے یہ آیت مع ترجمہ سنی، وہ نہیں جانتی تھی کہ یہ قرآن کے کس حصے میں لکھی ہے، وہ اس آیت کا مفہوم بھی نہیں جانتی تھی، مگر یہ یقین تھا کہ یہ قرآن کے الفاظ ہیں۔ کچھ ایسا ہے ان لفظوں میں جو اسے اپنی طرف متوجہ کر گیا ہے، جو اسے اپنی زندگی سے جڑا محسوس ہو رہا ہے اور پھر ساری رات وہ سو نہ سکی۔ یہ گتھی سلجھ کے ہی نہیں دے رہی تھی کہ قوم اپنی حالت آپ کیسے بدل سکتی ہے، جب کہ سب اختیارات تو اللہ کے ہاتھ میں ہیں اور اس سے بھی زیادہ حیران کن بات اس کے لیے یہ تھی کہ کیا قرآن اردو میں بھی ہے؟ پھر دوسرے دن اور اس سے اگلے کئی روز وہ بے چین رہی کہ اپنے سوالوں کے جواب کیسے پائے؟

اس دن جب نورین نورانی قاعدے کی دہرائی کر رہی تھی اور وہ بظاہر اسے دیکھتی کسی غیر مرئی نقطے کو سوچ رہی تھی، تب ذہن میں ایک اور جھماکا ہوا۔ بعض اوقات سامنے کی چیز نظر نہیں آتی، آپ کے سوالوں کے جواب اتنی دور نہیں ہوتے، جتنا آپ انہیں سمجھ لیتے ہیں، اس کے معصوم مگر اہم سوالوں کے جواب اس گھر میں قاری صاحب کے علاوہ کون دے سکتا تھا، جو پانچ سال سے اس گھر میں وقفے وقفے سے آرہے تھے اور مہرالنسا کی بے بسی کے گواہ بھی تھے۔

"بیٹی قرآن اللہ کی کتاب ہے، جسے اس نے صرف ایک زبان عربی میں نازل کیا ہے، مگر تم دیکھو نا اس کی اتنی کائنات میں ہر طرح کی بولی، بولنے والے بستے ہیں تو ہر صاحب شوق اس کی فضیلت سے مستفید ہو سکے، اس کے لیے مختلف ملکوں کے علما نے اسے اپنی زبان میں ترجمہ کیا ہے اور یہ کام اب نہیں، بلکہ چودہ سو سال پہلے اس کتاب کے نازل ہونے کے بعد ہی ہونا شروع ہو گیا تھا۔ یوں جب اردو زبان وجود میں آئی تو قرآن مجید کا ترجمہ اردو میں کرنا بھی ناگزیر ہوا۔" قاری صاحب، معاذ اور نورین کو پڑھانے کے بعد کرسی پر بیٹھ کر اسے سادہ انداز میں سمجھا رہے تھے۔

"اور بیٹی یہ جو آیت ہے نا قرآن کی سورہ الرعد آیت 10 میں" بڑی زبردست ہے۔ امید دلاتی، ہمت بندھاتی اور بزدل اور سست لوگوں کو خوف دلاتی۔"

"مگر قاری صاحب اس میں پوری قوم کا ذکر ہے۔ اس کا مطلب ہے میں اکیلی جیسی ہوں، ویسی رہوں، اللہ کو مجھ سے کوئی سروکار نہیں۔" وہ الجھ گئی تھی۔

قاری صاحب مسکرائے۔ وہ سمجھ گئے کہ اس کے اندر تجسس کا بیج پھوٹ پڑا ہے، شعور نے انگڑائیاں لینی شروع کر دی ہیں۔

"بیٹا! قومیں بھی تو فرد واحد سے مل کر وجود میں آتی ہیں۔ تم ظلم سہتی رہوگی۔ صمٌ بکمٌ (گونگی بہری) بن کر اگر سب دیکھتی رہوگی تو اس کا مطلب ہے کہ تم نے ان حالات کو اپنے لیے پسند کر لیا ہے۔ تمہیں فرق نہیں پڑتا تمہارے ساتھ اگر اس سے بھی برا ہو، تم خود کچھ بھی نہیں کرنا چاہتیں اپنے لیے اور یہ ہی حال تو ہمیشہ سے کسی نہ کسی قوم کا رہا ہے، اللہ سے دوری ہی تو بے بسی اور مصیبتوں کا باعث بنتی ہے۔ سمجھ رہی ہو میری بات مہرالنسا بیٹی؟" انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"جی۔" وہ فقط یہ ہی کہہ سکی۔

کچھ دنوں بعد قاری صاحب نے اسے مشورہ دیا کہ اگر وہ چاہے تو اپنی ممانی سے اجازت لے کر ان کی بہن کے پاس قرآنی تعلیم حاصل کر سکتی ہے۔

ممانی سے پوچھا تو جواب آیا۔ "جہاں مرضی جاؤ۔ یہاں بیٹھ کر کون سا اناج کھلا رہی ہو ہمیں، مگر

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

دو گھنٹے سے ایک منٹ اوپر نہ ہو تمہیں وہاں۔"

روز کے دو گھنٹے ایک ایسے گھر میں گزارنا جہاں کوئی کسی کو طعنہ نہ دے، غلطیوں پر ذلیل نہ کرے، آپ کی بات کو سنا جائے، اہمیت دی جائے، مہرالنسا کے لیے غنیمت تھا۔

چالیس کے پیٹے میں داخل ہوتی فاطمہ باجی بظاہر جتنی سادہ اور پُروقار لگتی تھیں، اندر سے بھی طبیعت میں ٹھہراؤ اور نرمی تھی۔ انہوں نے قرآنی تفسیر اور مفہوم احادیث کا کورس کر رکھا تھا۔ اس لیے محلے کے بچوں کو پڑھاتی تھیں اور ہدیتہً پیسے لیتی تھیں۔ قاری صاحب کے توسط سے وہ مہرالنسا کے حالات کے بارے میں جانتی تھیں، اس لیے کبھی بھی اسے احساس نہیں ہونے دیا کہ وہ بالکل مفت پڑھ رہی ہے۔ یہ ان کی محنت اور مہرالنسا کا شوق ہی تھا جو وہ ڈیڑھ سال کے عرصے میں قرآن پاک کو عربی اور اردو میں سمجھ کر پڑھنا سیکھ گئی تھی اور اسی دلچسپی کے باعث اسے اچھا خاصا لکھنا بھی آ گیا۔ ذہین تھی، اس لیے معاذ وغیرہ کی اردو اور اسلامیات کی کتابوں کو شوق سے پڑھتی اور ان نکموں کی بھی دہرائی میں مدد کر دیتی۔

ممانی نے جو یہ دیکھا تو منہ میں انگلیاں داب لیں۔ "یہ اس کے پر کب اور کیسے نکلے۔" پھر انہوں نے زبان کی قینچی تیز کی اور سارے پر کاٹ دیے۔

اب ایک ہفتے سے وہ فاطمہ باجی کے ہاں نہیں جا رہی تھی۔ صد شکر کہ سیکھنے کو اس نے بہت کچھ سیکھ لیا تھا۔ امورِ خانہ داری بھی۔ اب کچھ عمل کرنے کا وقت تھا۔ وہ جو سجاد کی یاد اور بے وفائی پر ہفتوں تڑپی تھی۔ اب سوچتی تو اپنی حماقت پر مسکرا کر سر جھٹک کر دیتی۔ دل زیادہ اداس ہوتا تو شکر کرتی کہ کسی بڑے گناہ میں ملوث ہونے سے بچ گئی...... اور شاید دل بدلنا اسے ہی کہتے ہیں جیسے اس کا بدلا تھا۔

ممانی سے اجازت لے کر اس نے ان کی سلائی مشین سنبھال لی، ماہین اور نورین کے دو چار ان سلے کپڑے ٹیسٹ کے طور پر ممانی کو سی کر دکھائے اور ممانی نے اس بار پانچوں انگلیاں دانتوں تلے داب لیں۔ مفت کی درزن تو ہاتھ لگی تھی، مگر بھانجی کی یہ سلیقہ مندی ایک آنکھ نہیں بھا رہی تھی کہ نہ خود سلیقہ مند تھیں، نہ بیٹیاں۔ خیر محلے میں اطلاع دے دی کہ اب سب کے کپڑے مناسب داموں میں مہرالنسا ہی سیا کرے گی۔ ممانی کے شیطانی دماغ نے یہ بھی سوچ لیا کہ بھانجی کی کمائی بھی کھا لیں گے اور نام ورئی بھی ہو گی کہ یتیم کی کیسی اچھی تربیت کی ہے۔ سلائی کے پیسوں سے جہیز بھی تو اسی کا بنے گا...... مگر...... مہرالنسا کی تو گویا کایا ہی پلٹ گئی تھی۔ شرط رکھی کہ کپڑے اس شرط پر سیے گی، اگر کل آمدن کا ستر فیصد اسے ملے گا۔ مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق ممانی کو ہامی بھرنی پڑی کہ زبان دے چکی تھیں۔ اب بات عزت کی تھی۔

☆☆☆

وقت اپنی پوری رفتار سے گزرتا رہا، جہاں مہرالنسا کے روز و شب بدلے تھے، وہیں ماہین کی چھب بھی نرالی نکلی۔ بمشکل مڈل پاس کر کے اس نے آگے پڑھنے سے انکار کر دیا، جب کہ مہرالنسا نے فاطمہ باجی کی مدد سے آٹھویں جماعت میں داخلہ لے لیا، اس بار بھی ممانی کچھ بول نہ سکیں۔ مہرالنسا نے دن رات کی محنت کی کمائی سے اس گھر کا نقشہ بھی تو بدل کر رکھ دیا تھا۔ بدرنگ، گھسے اور ٹوٹے ہوئے برتنوں، گلدانوں اور موڑھوں کی بھی سن گئی۔ ممانی کو یقین تھا کہ وہ دو چار پیسے اور جمع ہوئے تو خود ہی پلنگ اور خستہ حال دیواروں کے بارے میں بھی سوچے گی اور یوں اچھے رشتے بھی آنے لگیں گے۔

بھئی اپنی ماہین کے لیے۔

شکر تھا کہ باقی اخراجات ابھی ماموں کی آمدن سے ہی پورے ہو رہے تھے۔

☆☆☆

مہرالنسا اب قدرے مطمئن رہنے لگی تھی۔ وہ جو گم شدہ سی تھی، اس زیست کو عنوان مل رہا تھا۔ یوں ہی اپنی گزشتہ زندگی کا ورق ورق پلٹتے رات کے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

آخری پہر، جب وہ نیند کو سلام کرنے ہی والی تھی، ممانی کی بے وقت آمد نے اسے جگا دیا، مگر ان کے خیال میں وہ گہری نیند سو رہی تھی۔ جب کہ ماہین حسب معمول سونے کی اداکاری...... آدھا خیال درست تھا...... آدھا خیال غلط بھی تھا۔

"ماہی اٹھ جا، اچھی خبر نہیں ہے، اس منحوس کا باپ مر گیا۔" نازیہ نے اس کے اوپر سے چادر سرکاتے ہوئے سرگوشی کی۔

"کیا...... امی۔"

"شش...... شش اس کو ہرگز خبر نہ ہو، چل اٹھ، شبیر (مہرالنسا کا بھتیجا) نے فون کر کے بتایا ہے۔ ہمیں ابھی جانا ہے، اس کمبخت کی آنکھ کھلنے سے پہلے تیار ہو کر آجا۔"

"اچھا اماں صبر کر لے۔" وہ جو موبائل پر اہم ترین کام انجام دے رہی تھی، ماں کی بے وقت آمد سے خوب کوفت زدہ ہوئی۔

مہرالنسا کو لگا شاید اس سے سننے میں غلطی ہوئی ہے۔ وہ کس بات کا یقین۔ کرے، باپ کی موت والی بات کا یا اسے باپ کی موت سے بے خبر رکھنے والی بات کا۔ مگر اسے تو ایک اور بات کا بھی یقین کرنا تھا۔

کچھ ہی دیر بعد لوہے کا داخلی دروازہ وا کرتے ہوئے ماہین نے ماں سے پوچھا تھا۔ "اماں! مہرالنسا کو کیوں نہیں بتانا۔"

"ارے تجھے نہیں پتا، بڑا کمینہ ددھیال ہے تیرا، نہ جانے کیسے معلوم ہوا انہیں کہ یہ بڑی پڑھنے لکھنے والی سمجھ دار ہوگئی ہے۔ قرآن کی باتوں کا پتا ہے اسے، تو ڈر گئے کہ کہیں باپ کا سنتے ہی وراثت میں حصہ مانگنے نہ آجائے۔"

"ہاں ویسے اماں! کچھ پتا بھی نہیں اس چلاکو کا...... ٹھیک کیا انہوں نے۔" تائید کرنے والی ماہین تھی۔

اور مہرالنسا......

نماز فجر کے لیے صدائیں بلند ہونے لگیں، مگر مہرالنسا ننگے سر، ننگے پاؤں اسٹور کی جانب دوڑی۔ یقین کرنا لازم تھا کہ سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں تھا اور اس کے یقین کرنے، نہ کرنے سے فرق کس کو پڑتا تھا۔ خوش فہمی اور محبت تو برسوں پہلے ہی ختم ہو چکی تھی...... مگر کوئی اتنی گھٹیا سوچ بھی رکھ سکتا ہے؟ اذیت کی کوئی شکل ہوتی تو وہ مہرالنسا ہوتی۔

☆☆☆

اگلی صبح معاذ، نورین اور ماموں بھی چلے گئے اور شام تک واپس آئے۔ اس سے کچھ کہنے یا پوچھنے کی زحمت گوارا نہ کی گئی اور اس ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کی فی الحال وہ سکت نہ رکھتی تھی۔ اب تو اپنوں کے دیے گئے دکھ زندگی کا ایک تحفہ تھے جو شاید عمر بھر اس کے ساتھ ہی رہتے۔ اندر ہی اندر آنسو بہائے، نہ جانے کتنے دن بیتے۔

فاطمہ باجی آئیں تو ان کے گلے لگ کر خوب سسکی، جب کہ فاطمہ اسے تسلی دیتے ہوئے سوچ رہی تھیں کہ اپنے بھانجے کے لیے مہرالنسا کا رشتہ اس کی ممانی سے مانگیں، تو کیسے مانگیں؟

"یہ فاطمہ سے تمہارا دوستانہ کچھ زیادہ نہیں ہوگیا؟ تمہاری ہم عمر ہے وہ، جو ہر وقت اس کے ساتھ لگی رہتی ہو۔" ممانی فاطمہ کے جاتے ہی زہر اگلنے لگیں۔

"وہ خود ہی آجاتی ہیں۔ میں ان کو منع تو نہیں کر سکتی۔" اس نے بے نیازی سے جواب دیا، جو ممانی کو ایک آنکھ نہ بھایا۔

"تو بی بی! جب تم لوگوں پر یہ ظاہر کرو گی کہ تمہارے ممانی، ماموں تم پر ظلم کرتے ہیں تو وہ تو ہمدردی کو آئیں گے۔ تم سب پر یہ ہی ظاہر کرنا چاہتی ہو نا کہ تمہارے ماموں، ممانی نے تم پر پابندی لگائی ہوئی ہے۔"

مہرالنسا کچھ نہ بولی تھی، مگر دل ممانی کی اس ہٹ دھرمی میں لپٹی صاف گوئی پر کٹ کر رہ گیا۔

☆☆☆

زیادہ دن نہ گزرے تھے، مگر یہ صبح گزرے دنوں کی نسبت قدرے روشن اور پرسکون لگ رہی تھی۔ دوپہر ڈھلتے ہی فاطمہ باجی اپنی بڑی بہن کے

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ساتھ آئی تھیں۔ یہ اتفاق ہی تھا کہ ماموں بھی گھر پر تھے۔ ممانی کا چونکنا لازمی تھا۔ فاطمہ نے یقیناً بڑی سوچ و بچار کے بعد یہاں آنے کی ہمت کی تھی اور پھر ان کی بہن نے جب اپنے آنے کا مقصد بیان کیا تو ممانی کے تو چہرے کا رنگ ہی اُڑ گیا۔ ماموں البتہ سنبھلے ہوئے تھے۔

''سوچ کر جواب دیں گے۔'' کہہ کر انہیں رخصت کیا۔

طنز کے تیر چلاتی ماہین کے توسط سے بات مہرالنسا تک پہنچی، مگر وہ یقین کرنے سے قاصر تھی۔ کیوں کہ ماہین سے تو کچھ بعید نہ تھا کہ مہرالنسا کے سوال کرنے پر بات کا بتنگڑ بنا کر ماموں، ممانی کے سامنے پیش کر دیتی۔ لہٰذا بے نیازی کا لبادہ اوڑھنے میں ہی عافیت جانی۔ یہ الگ بات کہ ساری رات جگنوؤں اور پھولوں کی وادی کی سیر کرتی رہی۔

اگلی صبح حسب معمول ممانی کی گل افشانیوں سے ہوئی۔

''ارے ہمیں کیا پتا تھا کہ تعلیم کے بہانے وہاں لڑکے پھنساتے جاتی ہے۔ فاطمہ سے سر جوڑے راز و نیاز کرتی تھی اور ان کے ابا کو دیکھو، ساری عقل دکان پر ہی چھوڑ آتے ہیں۔ اپنی بیٹیوں کی پروا نہیں۔ بھانجی منحوس کے لیے آئے رشتے کو ہاں کرنے چلے ہیں۔''

مہرالنسا اس الزام پر گھبرا گئی، وہ صفائی دینے کی خاطر ممانی کی طرف بڑھی، مگر......

''اللہ اس قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی نہ بدلے۔''

وہ پڑھے گئے تمام سبق کیسے بھول سکتی تھی۔ جو قدم قدم پر رہنمائی کرنے کو موجود تھے۔ ممانی تک پہنچتے پہنچتے اس کا ذہن بدل چکا تھا۔ اگر اس نے اپنے لب اب نہ کھولے تو ساری زندگی ذلت میں گزرے گی۔ دوسروں کے احسان تلے۔

''ممانی! اگر میں اتنی منحوس ہوں تو آپ اس رشتے کو ہاں کر دیں۔'' بستر کی چادر ٹھیک کرتی ممانی چونکیں۔

مہرالنسا نے سنبھل کر مزید کہا۔ ''میں چلی جاؤں گی تو ماہین اور نورین کے رشتوں میں حائل ہر رکاوٹ دور ہو جائے گی۔''

''تم کیا سمجھتی ہو خود کو، کوئی حور پری ہو؟ تم جیسی دس اور آ جائیں تو میری بیٹیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔''

''بالکل! اور میں آپ کی لاڈلی کا مقابلہ کرنا بھی نہیں چاہتی۔ بس یہ التجا ہے کہ اگر آپ چاہتی ہیں کہ ماموں، ماہین کی حرکتوں کی وجہ سے آپ کی بیٹیوں کی شادی زبردستی کہیں نہ کر دیں تو فاطمہ باجی کو ہاں کر دیں۔''

وہ کہہ کر رکی نہیں، مگر کمرے میں جا کر اس کا دل انجانے خوف سے دھڑکنے لگا تھا۔ اتنی بے باکی کا انجام نہ جانے کیا ہو۔ مگر وہ یہ بھی جانتی تھی کہ خواہ وہ قرآن پر ہاتھ رکھ لیتی، تب بھی ممانی اس کی پاک بازی کا یقین کرنے والوں میں سے نہ تھیں۔ اسے آج نہیں تو کل اس گھر سے نکلنا ہی تھا۔ پھر کیا حرج تھا کہ وہ ذلت کے بجائے عزت سے اس گھر سے رخصت ہو جائے۔

ممانی کو یقین تھا کہ مہرالنسا نے جو کہا ہے وہ کر بھی سکتی ہے۔ ماہین کی بے راہ روی بڑھتی جا رہی تھی۔ بہتر یہی ہے کہ مہرالنسا کے نام کی لٹکتی تلوار سے جلد از جلد چھٹکارا پایا جائے۔ پھر ماہین میں اتنا سلیقہ و سمجھ داری نہ تھی کہ وہ اس کا بیاہ رچا دیتیں۔ انہیں اپنے سر پر خاک نہیں ڈلوانی تھی اور پھر بھانجی کی اتنی اچھی جگہ شادی کرنے پر ساری واہ واہ ان کے حصے میں ہی آتی۔

رات سے صبح ہونے تک وہ اپنے آپ کو سمجھا چکی تھیں۔ لہٰذا دکان پر جانے سے پہلے شوہر کے کان میں ڈال دیا کہ لڑکے والوں کو اسی ہفتے بلا لیں۔

''بہت اچھا فیصلہ کیا۔ یتیم کی ذمہ داری نبھانا تو ویسے بھی بڑے ثواب کا کام ہے۔'' ناشتے کے لیے میز اپنی طرف کھسکاتے ہوئے ماموں نے فرمایا اور ممانی مسکرا بھی نہ سکیں۔

☆

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com
URDUSOFTBOOKS.COM

URDUSOFTBOOKS.COM
URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

URDUSOFTBOOKS.COM

سلویٰ سیف اللہ بٹ

سنہری دھوپ

دعا کی والدہ کا اچانک انتقال ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی ماں اور سوتیلے بھائی حماد کے ساتھ رہتی ہے۔ دعا کے دو ماموں، ریاض احمد جن کی بیوی رابعہ احمد ہیں اور الیاس احمد جن کی بیوی مریم ہے۔ رابعہ احمد کے کہنے پر ریاض احمد دعا کو اپنے ساتھ لے جاتے ہیں کہ سوتیلے بھائی کے ساتھ رہنے کا اب جواز نہیں ہے۔

ریاض احمد کے دو بیٹے عمیر اور عمر ہیں اور ایک بیٹی نوال ہے۔ عمیر بہت سلجھا ہوا نوجوان ہے، جس نے باپ کے ساتھ مل کر ان کا کاروبار بھی سنبھال رکھا ہے۔ جب کہ عمر ایک بگڑا ہوا ضدی اور خودسر نوجوان ہے۔

الیاس احمد اپنے بڑے بھائی ریاض احمد کے برابر میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ ہی رہتے ہیں۔ آنے جانے کے لیے درمیان میں دروازہ ہے۔ ان کی بیوی مریم ایک امیر خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ وہ بیوی کی جائیداد ہتھیانے کی کوشش میں ہیں۔ مریم کا ایک بھائی ایکسیڈنٹ میں معذور ہوتا ہے اور اس کی بیوی مر جاتی ہے، وہ ذہنی طور پر بھی ڈسٹرب ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر اس کا علاج شادی تجویز کرتے ہیں۔

مکمل ناول

URDUSOFTBOOKS.COM

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

انعم اور احسن ایک خوش گوار زندگی گزار رہے ہیں۔ لیکن اولاد کی کمی ان کی زندگی ہے۔ انعم کے شک کرنے پر احسن اپنا ٹیسٹ کرواتا ہے۔ انعم بہت پریشان ہے، احسن اسے تسلی دیتا ہے۔ لیکن اس کے بار بار پریشان ہونے پر ناراض ہوکر اسلام آباد چلا جاتا ہے۔ اس کی رپورٹ پازیٹو آتی ہیں، وہ بالکل وہ بالکل نارمل ہوتا ہے۔ انعم کا نروس بریک ڈاؤن ہوجاتا ہے۔ کمی اس میں ہوتی ہے۔

الیاس احمد بنیادی طور پر لالچی آدمی ہے۔ اسے رشتوں کا بھی پاس نہیں۔ وہ اپنی بیوی سے بھی اکھڑا اکھڑا رہتا ہے اور اپنے بھتیجے عمیر کو بھی باپ بھائی کے خلاف بھڑکاتا ہے۔

عمیر اور دعا ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ رابعہ احمد یہ پسند نہیں کرتیں۔ عمیر اور نوال دونوں بہن بھائی دعا کو اس کی ماں کے غم سے باہر نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ریاض احمد کو بہن اور بھانجی سے بہت محبت ہے۔ وہ اس کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ عمر کو دعا ایک آنکھ نہیں بھاتی، وہ اسے ہر وقت ذلیل کرتا رہتا ہے۔

دعا کو دیکھ کر الیاس احمد کا لالچی ذہن مختلف منصوبے بنانے لگتا ہے۔

الیاس احمد، عمر کے کہنے پر اس کے والد سے اس کے علیحدہ بزنس کی سفارش کرتے ہیں، جسے ریاض احمد سختی سے رد کردیتے ہیں۔ عمر ان سے مزید برگشتہ ہوجاتا ہے۔

تبریز ملک اپنے معذور بھائی کی شادی اور مریم کو ان کا حصہ دے کر ہمیشہ کے لیے امریکہ میں رہائش پذیر ہونا چاہتے ہیں۔ یہ سن کر الیاس احمد ایک شاطرانہ منصوبہ بناتا ہے اور عمر کو اپنے ساتھ ملا لیتے ہیں۔ عمر کا رویہ دعا کے ساتھ انتہائی دوستانہ ہوجاتا ہے۔ رابعہ احمد بھی اس کی حوصلہ افزائی کرتی ہیں، کیوں کہ انہیں مریم نے مشورہ دیا ہوتا ہے کہ عمر اور دعا کی شادی ہوگئی تو باپ، بیٹے کے درمیان فاصلے کم ہوجائیں گے۔

ریاض احمد، عمر اور دعا کی باہم پسندیدگی کو جانتے ہیں۔ اور ان کی شادی کا عندیہ دیتے ہیں، مگر رابعہ، دعا کا عمر سے شادی سے گریز اور بار بار عمر اور دعا کا تعلق سب کی نظر میں آجاتا ہے۔ ریاض احمد کو کھیل سمجھ میں آنے لگتا ہے۔ وہ عمر کو اسلام آباد برانچ کا چارج دے دیتے ہیں۔

عمیر کو دعا کا شادی سے انکار اور عمر سے تعلق کا رویہ الجھن میں ڈال دیتا ہے۔ دعا بھی ممانی کی نیت کا فتور سمجھ جاتی ہے، مگر کم ہمتی اور کوئی اور ٹھکانہ ہونے کے سبب خاموش رہتی ہے۔

منصوبے کے مطابق الیاس احمد بیمار ہوکر ریاض احمد کے گھر جاتے ہیں، جہاں دعا، عمر کے کمرے سے برآمد ہوتی ہے۔ عمر گناہ کا اعتراف کرتا ہے۔ رابعہ کو اس سارے ڈرامے کے باوجود دعا کی پاک دامنی پر یقین ہوتا ہے، وہ عمر کو ڈانٹتی ہیں۔ ریاض احمد صدمے سے بیمار ہوکر اسپتال پہنچ جاتے ہیں اور دعا کو الیاس احمد اپنے گھر لے آتے ہیں، جہاں مریم اسے خوب لعن طعن کرتی ہے۔ دعا اپنی پاک دامنی ثابت نہیں کرپاتی، اس کے باوجود عمیر کا دل اسے قصوروار نہیں مانتا۔

الیاس احمد، مریم کے معذور بھائی کے لیے دعا کا نام پیش کرتے ہیں۔

الیاس احمد اپنی لچھے دار باتوں سے مریم اور رابعہ احمد کو دعا کی آصف سے شادی پر راضی کرلیتے ہیں۔ ریاض احمد اور

نوال کے کہنے پر عمیر، دعا کو اس کی شادی سے ایک روز قبل الیاس کے چنگل سے چھڑا لیتا ہے اور اسے اپنی محبت کا یقین دلا کر اس کے سوتیلے بھائی کے دروازے پر چھوڑ آتا ہے۔

اس کا سوتیلا بھائی ملک چھوڑ کر جاچکا ہے۔ دعا گھر فون کرتی ہے تو پتا چلتا ہے کہ عمر نے عمیر کو گولی ماردی ہے۔ نوکرانی اسے کہیں اور جانے کا مشورہ دیتی ہے۔ بہت بری حالت میں دعا اپنی دوست انعم کے گھر پہنچ جاتی ہے اور اسے اپنے حالات بتاتی ہے۔

دعا کے متعلق رابعہ کے اصل خیالات اور عمر کے کرتوت جان کر ریاض احمد ان سے ناراض ہوجاتے ہیں۔ آصف خودکشی کرلیتا ہے۔

انعم، دعا کو اپنے گھر میں پناہ دے دیتی ہے۔ انعم کی ساس کینیڈا سے ملنے آتی ہیں۔ انہیں یہ بات پسند نہیں آتی۔ وہ انعم

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com
URDUSOFTBOOKS.COM

اور دعا کا موازنہ کرتی ہیں۔ یہ بات دعا کو الجھن میں ڈال دیتی ہے۔ وہ انعم کو اس کی بے اولادی کا احساس دلاتی ہیں۔ عمیر قاتلانہ حملے میں بچ جاتا ہے۔ ریاض احمد، عمیر اور نوال کی بے رخی، رابعہ احمد کو اپنی غلطیاں سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ عمر نشے کی حالت میں ماں سے بھی بدتمیزی کرتا ہے اور الیاس احمد سے بھی پیسوں کا تقاضا کرتا ہے اور سارا سچ مریم کے سامنے اگل دیتا ہے۔ دونوں کا جھگڑا ہو جاتا ہے اور عمر، الیاس احمد پر فائر کھول دیتا ہے۔ عمیر، الیاس احمد کو اسپتال لے جاتا ہے۔ مریم، عمیر کو عمر اور الیاس احمد کے گٹھ جوڑ اور سازش کا بتاتی ہے۔ عمر کو پولیس پکڑ کر لے جاتی ہے۔ تھانے میں اس پر تشدد ہوتا ہے۔ عمیر اور ریاض احمد تھانے جاتے ہیں جہاں سے رہائی پانے کی خاطر عمر انہیں سچ سچ بتا دیتا ہے۔

تبریز احمد، مریم کو اس کے حصے کی جائیداد دے کر بیرون ملک چلے جاتے ہیں۔ مریم کو ان کی بے رخی بہت کھلتی ہے۔ وہ الیاس احمد سے نفرت کرنے لگتی ہے۔ الیاس احمد اپنی جگہ شرمندہ ہوتا ہے۔

احسن اپنی ماں اور بیوی کو ہر ممکن روکنے کی کوشش کرتا ہے، مگر ناکام رہتا ہے۔ اس کی دعا سے شادی ہو جاتی ہے۔ وہ دعا کو اپنے ساتھ کا یقین دلاتا ہے، دعا اس نئے رشتے سے خوش ہے۔ جب کہ انعم متضاد کیفیات کا شکار ہے۔

رابعہ احمد کو عمر بہت یاد آتا ہے۔ وہ عمیر سے معافی مانگتی ہیں۔ عمیر نہ چاہتے ہوئے بھی ماں کی ہر خطا کو معاف کر دیتا ہے۔

الیاس احمد کی کوششوں سے عمر رہا ہو کر گھر آ جاتا ہے۔ اس کی ندامت پر سب اسے معاف کر دیتے ہیں۔ الیاس احمد اپنے اور مریم کے درمیان جاری سرد جنگ کو ختم کرنے میں ناکام ہو جاتے ہیں۔

انعم، دعا اور احسن کو گھلنے ملنے کا موقع نہیں دیتی۔ اور ذرا سی بات کا افسانہ بنا کر احسن کے ہاتھوں دعا کو ذلیل کروا دیتی ہے۔ انعم، دل آرا کو بھی دعا سے بات کرنے کا موقع نہیں دیتی۔ دل آرا، احسن کو معاملہ فہمی سے کام لینے کا مشورہ دیتی ہیں۔ اپنی بے عزتی پر دعا کا دل ٹوٹ جاتا ہے۔

URDUSOFTBOOKS.COM

دسویں قسط

انعم خوش تھی بے حد خوش۔ اس کے ہاتھ نیا اور دلچسپ موضوع آ گیا تھا۔ دعا کی رات والی حرکت نے اسے موقع فراہم کر دیا تھا، اب وہ پوری آزادی سے کھیل سکتی تھی۔

"ان بلیوایبل احسن! اس نے آپ کو بھی بیڈ روم سے نکال دیا۔" اس نے جوس کا جگ ٹیبل پر دھرا۔

وہ رات سے کوئی دس بار یہ جملہ کہہ چکی تھی۔

"نکالا نہیں، بہت تمیز کے ساتھ چلے جانے کو کہا تھا۔" احسن نے "نکال دیا" کی تصحیح کی۔

یہ جملہ اس کی مردانگی پر تازیانہ تھا۔ انعم کو احساس نہیں تھا کہ وہ اسے کتنا ٹارچر کر رہی ہے۔ وہ جلدی سے آفس پہنچ جانا چاہتا تھا۔

"ایک ہی بات ہے، اسی لیے ہمارے بزرگ نسلی اور خاندانی ہونے پر زور دیتے ہیں۔" وہ بڑے مدبرانہ انداز میں سر ہلا رہی تھی، احسن کو تپ چڑھ گئی۔

"تمہیں کچھ زیادہ ہی جلدی بزرگوں کے فرمان یاد نہیں آ گئے۔" اس کا لہجہ سنجیدہ اور آنکھیں سرخ تھیں۔

"ماما جی کو یقین تھا کہ دعا بہت معصوم اور خاندانی ہے۔" وہ شپٹا گئی۔

"ماما جی! زندہ باد۔" اس کی ہر برائی ان کے کھاتے میں ڈال کے خود بری الذمہ ہوا جا سکتا تھا۔

"اسے اس گھر میں رکھتے ہوئے تمہارا بھی یہی موقف تھا۔" اس نے بھی اپنے اندر کی جلن کم کی۔

"مجھے تو سخت غصہ آ رہا ہے احسن! آپ ہمارے مجازی خدا ہیں، آپ کا احترام ہم پر واجب ہے۔ میں نے کبھی آپ کو اُف تک نہیں کہا، اس نے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

اتنی انسلٹ کردی، میں اس کا منہ توڑ دوں گی۔" وہ ایسی ہی غصیلی اور جنگ جو تھی۔

"پلیز پہلا جھگڑا ابھی تک طول پکڑے ہے اور تم دوسرے کی تیاری کر رہی ہو۔ بہتر ہے کہ تم دونوں اپنی لمٹ میں رہو، گھریلو معاملات میں مجھے مت گھسیٹو۔ یہ نہ ہو کہ مجھے ماما کو واپس بلانا پڑے۔"

وہ جوس کا بھرا گلاس میز پر پٹختا کھڑا ہو گیا، اس کا اندازہ درست نکلا تھا۔ وہ بہت بڑی مصیبت میں پھنس چکا تھا۔

انعم لمحہ بھر کے لیے سہم گئی، اسے غصہ بہت کم آتا تھا۔

"کسی کے بارے میں اتنی جلدی حتمی رائے نہیں قائم کر لیتے بتی از اے گڈ گرل۔"

اسے بریف کیس اٹھانے سے پہلے باور کروانا پڑا۔

"یہ آپ کا سیلف ڈیفنس ہے یا اس کی طرف داری۔" باہر نکلتے اس نے اپنی پشت پر تپش محسوس کی۔

اس کا جی چاہا کہ مڑ کے اسے کرارا سا جواب دے۔ وہ کتنی جلدی ایک جانب ہو گئی تھی، یہ شادی کوئی عاشقی معشوقی کے چکروں میں نہیں ہوئی تھی۔

"خدا حافظ۔" اس نے زور دار آواز میں کہا، مرکزی دروازہ "ٹھاہ" سے بند کرتا باہر نکل گیا۔

☆......❀......☆

عمر نے انگڑائی لے کے ٹانگیں بیڈ سے نیچے اتاریں، چپل پیروں میں اڑس کے، تازہ ہوا کے لیے کھڑکی کے دونوں پٹ وا کر دیے۔ اس نے پورچ میں نیچے جھانکا جہاں ریاض احمد بار بار گاڑی اسٹارٹ کر رہے تھے، گاڑی چل کے نہیں دے رہی تھی۔ وہ جلدی سے کھڑکی کے سامنے سے ہٹا اور سیڑھیاں اترنے لگا، اس کے باہر آنے تک ریاض احمد گاڑی کا بونٹ اٹھا چکے تھے۔

"ہٹیں پاپا جان! میں دیکھتا ہوں کیا خرابی ہے؟" بڑی ہمت جمع کر کے وہ آگے بڑھا۔

جتنا وہ ستا چکا تھا اب ازالہ بھی کرنا تھا۔

انہوں نے مڑ کر اسے دیکھا۔ وہ اسے معاف ضرور کر چکے تھے مگر دل و دماغ اس کی طرف سے صاف نہیں تھے۔

"ہوں......" انہوں نے طنزیہ ہنکارا ابھرا۔

"نہیں تم جا کے نیند پوری کرو پھر تگڑا سا ناشتا کرو، میں خود دیکھ لوں گا۔"

"آپ کے ہاتھ کالے ہو جائیں گے۔" اس نے ہمت نہ ہارتے ہوئے وجہ بتائی۔

بہت برسوں کا حساب اس کی طرف نکلتا تھا، جو دکھ وہ انہیں پہنچا چکا تھا۔ اس کی بھرپائی آسان نہیں تھی لیکن وہ ثابت قدمی سے کوشش کرنے کا ارادہ باندھ چکا تھا۔

"ہاتھ کالے ہو جائیں تو صابن سے دھل جاتے ہیں جو کالک میرے منہ پر مل گئی ہے کیسے دھلے گی۔"

عمر کا چہرہ سرخ ہو گیا، کتنا تلخ سچ تھا، اسے لگا جیسے اس کے وجود میں کسی نے تیز دھار خنجر گھونپا ہو۔

"کاش میں اپنی کوتاہیوں کا ازالہ کر سکوں۔" اسے کچھ نہ کچھ تو کہنا تھا۔

"مگر تم سے گناہ سرزد ہوئے ہیں اور گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔" انہوں نے ایک اور نشتر چبھویا۔

"میں یہ کفارہ ادا کرنے کو تیار ہوں۔" اس نے انگلیاں مروڑیں۔

"میں نے سارا معاملہ اللہ کے سپرد کر کے تمہیں معاف کر دیا ہے، وہ میری یتیم ویسیر بھانجی کے ساتھ زیادتی کرنے والوں سے ضرور بدلہ لے گا۔" انہیں اس کی موجودگی ناگوار گزر رہی تھی۔

"میں اس سے بھی معافی مانگ لوں گا۔" بڑی شرمندگی سے وہ کہہ رہا تھا۔ وہ اس کا سامنا کرنے کی، خود میں ہمت نہیں پاتا تھا، نہ ہی اب تک اس کا ذکر زبان تک لایا تھا۔

"وہ معصوم تمہارے لگائے گئے الزام کو سینے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

سے لگائے، اپنے لب سیے، کسی سے شکوہ کیے بغیر، اپنے بھائی کے ساتھ بہت دور جا چکی ہے۔"

گاڑی ٹھیک ہوگئی تھی، انہوں نے سر باہر نکال کے بونٹ گرادیا۔

وہ نا سمجھی سے باپ کو دیکھ اور سن رہا تھا کیونکہ وہ حقیقت سے لاعلم تھا۔

"کچھ گناہ اتنے کبیرہ ہوتے ہیں کہ ہم زندگی بھر ان کی بھرپائی نہیں کر پاتے، جاؤ ڈھونڈ کے لے آؤ اسے۔ میں بھی مرنے سے پہلے معافی مانگ لوں گا ورنہ روز محشر بہت سے ہاتھ میرے گریبان تک آئیں گے۔"

وہ اس حیرت کے بت کو چھوڑ کے، فرنٹ سیٹ پر جا بیٹھے۔

ریاض احمد نے ہارن پر ہاتھ رکھا، عمر اپنے حواسوں میں لوٹا راستے سے ہٹ گیا۔

☆......❁......☆

اگلی صبح دعا بہت فریش اور ہلکا پھلکا ذہن لیے اٹھی تھی، اس نے تمام اذیت بھرے خیالات ذہن سے جھٹک دیے اور ارادہ باندھ لیا کہ وہ کسی پر بھروسا اور ضرورت سے زیادہ توقعات وابستہ نہیں کرے گی تب ہی اس کا اس گھر اور رشتے سے نباہ ممکن ہو سکے گا۔

احسن کبھی بھی مکمل اس کا نہیں ہو سکتا تھا، وہ ایک بٹا ہوا انسان تھا۔ انعم کا مضبوط پشت پناہ بھی' اسے احسن سے ضرورت سے بڑھ کر توقعات اور لگاؤ نہیں رکھنا چاہیے۔ فل سائز چائے کا مگ بنا کے وہ لاؤنج میں ٹی وی لگا کے بیٹھ گئی۔

انعم اپنے کمرے سے باہر آئی تو اسے اتنے آرام دہ انداز میں بیٹھا دیکھ کے سلگ کے رہ گئی۔

"تم نے رات احسن کو بیڈروم سے کیوں نکالا تھا؟" وہ اس کے سر پر کھڑی تھی۔ اس سے دعا کا سکون برداشت نہیں ہوا تھا۔

دعا کے تلوؤں میں لگی سر پہ بجھی۔

"یہ میرا اور احسن کا پرسنل میٹر ہے، اپنی پرابلم۔"

دعا نے ٹی وی کا والیوم کم کیے یا اس کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔

"تمہارا دماغ بہت آسمان پر چڑھتا جا رہا ہے دعا۔" وہ بدمزہ ہوگئی۔

دعا بولڈ نہیں تھی لیکن اتنی تو پراعتماد وہ تھی کہ وہ انعم کو تمیز میں پلٹا جواب دے سکتی تھی۔ کیونکہ وہ اتنے برس اس کی پرانی دوست رہی تھی۔

"آف کورس، اتنے ہینڈسم اور رچ پرسنالٹی کی وائف ہوں، پراؤڈ ہونا تو بنتا ہے ناں۔" وہ اسی کے انداز میں کہتی چائے ــــ پینے لگی۔

"تم اچھا نہیں کر رہی ہو دعا!" اس نے نخوت

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوب صورت ناولز

ملال زیست	آمنہ ریاض	300/-
بڑا آدمی	نسیم سحر قریشی	400/-
فصل غم کا گوشوارہ	رضیہ جمیل	300/-
دل اک گلشن	رضیہ جمیل	300/-
سوچ نگر کی رانی	رضیہ جمیل	350/-
حنا	نادرہ خاتون	550/-
چلمن	نادرہ خاتون	300/-

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لیے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 ... فون: 32216361

www.urdusoftbooks.com

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

سے سر جھٹکا۔

"اور جو تم نے میرے ساتھ کیا، وہ کس زمرے میں آتا ہے۔ یہ شادی تمہاری رضا مندی اور فورس کرنے پر ہوئی تھی، میں اور احسن ایک دوسرے میں انٹرسٹڈ نہیں تھے۔ نجانے تمہارے دل میں کون سے خدشات بیٹھ گئے ہیں انو! جو تم مس بی ہیو پر اتر آئی ہو، ان تمام میٹرز سے ہٹ کے ہم دونوں فرینڈز بھی تو ہیں اور اگر تمہیں میرے اور احسن کے ریلیشن سے پرابلم ہے تو اسے اپنے بیڈروم تک محدود رکھو، مجھے قطعاً ضرورت نہیں ہے تمہارے احسن کی۔"

دعا اسے بڑی اپنائیت سے سمجھاتی، کپ ٹیبل پر دھرتی کھڑی ہوگئی۔

"یہ تم کس لہجے میں بات کر رہی ہو دعا! آخر تم چاہتی کیا ہو، ہمارے خاندان میں عورتیں شوہر کے لیے ایک بھی غلط حرف منہ سے نہیں نکالتیں اور تم ہو کہ بڑھے چلی جا رہی ہو۔" انعم کی کھوپڑی الٹی گھوم گئی تھی۔

وہ تو اس کا دل اپنی طرف سے صاف کرنے کے لیے لفاظی ـــــ کر رہی تھی۔ اس کا جی چاہا کہ اپنا سر دیوار پر دے مارے۔ انعم نے اپنی ایسی ذہنیت کبھی ظاہر نہیں کی تھی۔

"مجھے پتا ہے کہ شوہر کی کیسے اور کتنی عزت کرنی ہے، یہ مجھے تم سے سیکھنے کی قطعاً ضرورت نہیں۔" دعا ریموٹ صوفے پر اچھال کے، اس منظر سے ہٹنے کے لیے سیڑھیاں چڑھ گئی۔

تب ہی لینڈ لائن فون کی بیل بجنے لگی، انعم مڑ کر اسٹینڈ تک گئی، یہ فون شاذ و نادر ہی بجتا تھا۔ اس کا شک درست تھا، سی ایل آئی پر دل آرا کا نمبر تھا، وہ یقیناً دعا کی آواز سننے کی خواہاں تھیں، انعم مسکرا دی، اسے کھیلنے کا اچھا موقع مل گیا تھا۔

☆......❀......☆

ماں کی زبان سے ساری سچائی سن کے وہ گنگ رہ گیا۔ اس کے جسم سے جان نکل چکی تھی۔ وہ ساکت تھا، آنکھیں خشک تھیں، اس کی سوچ یہیں تک تھی کہ وہ اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتی، گھر کے کسی کونے کھدرے میں چھپی بیٹھی ہے یا اپنے کمرے تک محدود ہے۔

اس کا فہم تھا کہ جیل میں سزا کاٹ کے 'گناہوں' کا کفارہ ادا ہو گیا مگر اصل سزا تو اب شروع ہوئی تھی۔ امتحان گاہ میں تو اب آیا تھا، رابعہ احمد اسے دعا کو ڈھونڈنے کا کہہ رہی تھیں۔ خود کو کوس رہی تھیں پھر وہ اللہ سے اپنی بھلائی اور مغفرت کی دعا مانگنے لگیں۔ دعا کی حفاظت اور عزت و آبرو کی سلامتی مانگتے ان کا دھیان بالکل عمر کی طرف نہیں تھا، جس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

☆......❀......☆

لینڈ لائن فون کی بیل بجی، انعم تیر کی سی پھرتی سے کمرے سے نکلی اور سی ایل آئی پر نمبر دیکھا، اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"ناہید...... ناہید......" اس نے ملازمہ کو آواز دی، اس کا ذہن تانے بانے بُن رہا تھا' وہ بہت آگے تک سوچنے لگی تھی۔

"فون اٹھاؤ ناہید!" اس نے سنجیدگی سے حکم دیا۔

اس نے لپک کے فون اٹھایا، انعم کی مشکوک حرکات اس کی عقل سے بالاتر تھیں۔

"ہیلو...... جی کون؟" اس نے حسب معمول جملہ دہرایا۔

"کیسی ہو ناہید! میری دعا سے بات کرواؤ۔" دل آرا نے حال پوچھ کے مطلب کی بات کی۔

گھر میں سیاست چل رہی تھی یا رویوں میں تلخی آ گئی تھی، ان کی عقل سے سب بالاتر تھا۔

"ٹھیک ہوں بی بی جی! ابھی دعا بی بی کو بلاتی ہوں۔" ناہید نے کن اکھیوں سے انعم کو دیکھتے زور سے اثبات میں سر ہلایا۔ انعم نے اس کے ہاتھ سے ریسیور تھام کے الٹا رکھ دیا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

"ماما جی سے کہو کہ دعا کا جواب ہے کہ وہ کسی سے بات نہیں کرنا چاہتی۔"

"ج...... جی بی بی......" اس کی زبان لڑکھڑائی اور آنکھیں پھیل گئیں۔

وہ گواہ تھی کہ جھوٹ اس خاندان کی سرشت میں شامل نہیں۔

"جو میں نے کہا، تم نے سنا نہیں ناہید!" انعم نے اسے آنکھیں دکھائیں۔ وہ خاندانی ملازمہ تھی، مالکن کے رحم و کرم پر۔ اس نے تھوک نگل کر ریسیور اٹھایا۔

"جی بیگم صاحبہ! دعا بی بی کہہ رہی ہیں کہ وہ کسی سے بات نہیں کرنا چاہتیں۔" ناہید بار بار اسے دیکھتی سب کہہ رہی تھی۔

"کیا اس نے یہ کہا؟" دل آرا بے یقین ہوئیں۔ جہاں تک وہ دعا کی فطرت کو جانتی تھیں، وہ اتنی بدتمیز نہیں تھی۔

"تم دوبارہ سے جاؤ اس سے کہو میرا حکم ہے کہ فوراً فون تک آئے۔" ان کا غصہ سوا نیزے پر پہنچ گیا۔

اس گھر میں کیا چل رہا تھا، کون صحیح تھا کون غلط۔ انعم سے کچھ پوچھنا بے کار تھا، اس کا رونا احسن کے گرد ہی گھومتا تھا، احسن کو وہ اس ساری چپقلش سے دور رکھنا چاہتی تھیں۔ اب کے ناہید نے خود ریسیور الٹا رکھا۔

"وہ بہت غصے میں ہیں، دعا بی بی کو پھر سے بلانے کا حکم دیا ہے۔" وہ بڑی مشکل میں پھنس گئی تھی، ایک مالکن حاضر تھی دوسری غیر حاضر۔ ایک سیر تھی تو دوسری سوا سیر۔

"کہہ دو کہ دعا نے دروازہ لاک کر لیا ہے، تمہارے دستک دینے اور آوازیں دینے پر بھی نہیں کھولا۔"

انعم کا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔

اس نے چار و ناچار فون اٹھایا اور گلا کھنکارا۔

انعم مسکراتی ہوئی مڑ گئی، اسے خود ساختہ انتقام کے علاوہ کسی چیز کی پروا نہیں تھی۔ وہ اس احساس سے بھی عاری ہو چکی تھی اگر اس کا جھوٹ پکڑا گیا تو وہ ہمیشہ کے لیے ماں کی نظروں سے گر جائے گی۔

☆......۞......☆

احسن شام کو گھر لوٹا تو انعم نے اسے بڑے خوش گوار موڈ میں کمپنی دی۔ اس نے دعا سے ہونے والی گفتگو کا بالکل ذکر نہیں کیا، دعا کچن میں کھانا تیار کرتی رہی، اس نے سب کچھ شوہر کا من پسند بنایا تھا۔ احسن اسے کچن میں کام کرتا دیکھ کے مطمئن ہو گیا، ملازمہ کے ساتھ مل کے اس نے ٹیبل لگائی۔ ڈنر تینوں نے ساتھ بیٹھ کے کیا۔

دس بجے کے بعد جب وہ کمرے میں آیا تو وہ کتاب پڑھ رہی تھی۔

"کیسی طبیعت ہے تمہاری دعا؟" اس نے تمہید باندھی۔

"بہتر ہوں۔" اس نے کتاب بند کر کے مختصر جواب دیا۔

وہ گزرے وقت کی رنجش دل میں نہیں رکھنا چاہتی تھی حالانکہ اسے احسن کی یک طرفہ گفتگو نے گہرا دکھ دیا تھا۔

"کتاب پڑھ رہی تھیں؟" اس نے یوں ہی پوچھ لیا۔

"جی، آج ہی شروع کی ہے۔" اس نے نظریں جھکائے جواب دیا۔

"دن بھر کیا کرتی ہو؟" وہ اس کے قریب تک گیا۔

"کچھ خاص نہیں، کتاب پڑھنا، ٹی وی دیکھ لیا یا پھر کچن۔" اس نے صاف بتایا۔

"ہماری شادی کی وجہ سے، تم دونوں کی مثالی دوستی دشمنی میں بدل گئی ہے ورنہ تمہارے آنے سے انعم بہت ریلیکس اور خوش ہو گئی تھی۔ تم دونوں کے پاس ڈھیروں قصے ہوتے تھے اور اب......" اسے

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

گھریلو تناؤ پر افسوس ہو رہا تھا۔

وہ چاہتا تھا کہ دونوں اس کے دائیں، بائیں بیٹھیں، وہ مل کر گپ شپ اور قہقہے لگائیں، کسی کے بھی دل میں دوسرے کے لیے خلش نہ ہو۔

''میری کسی سے کوئی دشمنی نہیں، انعم شاید خود کو ان سکیور فیل کرنے لگی ہے۔ مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ میری زندگی میں خوشی کا قیام صرف چند دن ہے۔''

وہ دھیمے لہجے میں بولتی ناخن کھرچ رہی تھی۔

''تم کیا فیل کرتی ہو؟'' احسن نے اس کی حرکت کو بغور دیکھا، اس نے اس کا اندرونی اضطراب بھانپ لیا تھا۔

''یہ گھر اور شوہر انعم کا ہے، جب میرا یہاں کچھ ہے ہی نہیں تو فیلنگز کیسی؟ میرا مالک اوپر بیٹھا ہے، وہی میرا محافظ ہے۔'' اس نے بات ختم کر دی، اس کی سوچ میں نئی تبدیلی آ گئی تھی۔

''کبھی دل نہیں چاہا کہ یہ گھر اور شوہر تمہارا بھی ہو جائے۔'' اس نے ٹٹولا۔

''مجھے قبضہ کرنا یا چھیننا آتا تو میں یہاں آپ لوگوں کے درمیان نہ ہوتی۔ میں اتنی بے وقوف ہوں کہ مجھے اپنا حق مانگنا بھی نہیں آتا۔'' وہ طنزیہ ہنسی۔

''لیکن تمہیں بولنا تو خوب آتا ہے۔'' اس نے ہلکی سی چوٹ کی۔

''میرے پاس اتنی عقل ہے کہ صحیح اور غلط میں فرق کر سکوں، میں نے کبھی کسی سے زبان درازی نہیں کی۔ ہاں اگر کوئی چھیڑے گا تو جواب دوں گی ناں۔''

اس نے نظریں اٹھا کے، سیدھا احسن کی آنکھوں میں دیکھا۔

''جواب دو گی یا مقابلہ کرو گی؟'' اس نے ٹانگ کھینچی۔

''میرا انعم سے کوئی مقابلہ نہیں، یہ حقیقت میں آپ کے لیے ''ہاں'' کرتے ہوئے بھی جانتی تھی۔ وہ سب کچھ خود ہی فرض کیے جا رہی ہے۔ ہاں، اگر وہ میری ذات پر انگلی اٹھائے، مجھے اور میرے خاندان کو برے الفاظ سے نوازے تو میں بالکل خاموش نہیں رہوں گی۔ یہ کوئی مہذب طریقہ نہیں ہے کسی کو ٹارچر کرنے کا۔'' دعا نے ٹانگیں بیڈ سے نیچے اتار لیں۔

احسن کے ذہن میں کچن والا واقعہ گھوم گیا، انعم واقعی بہت بدگمان ہو گئی تھی یا پھر ان سکیورٹی، کچھ تو تھا۔

''تم ذرا برداشت کر لیا کرو، گھر میں بے سکونی کری ایٹ کرنے کا فائدہ...... تمہارے ذرا سا جواب دینے پر وہ کتنا بھڑ کی۔ بات کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا، اگر تم تحمل کا مظاہرہ کرتے تھوڑی سی برداشت......''

''تھوڑی سی نہیں، مجھ میں بہت برداشت ہے۔ بچپن سے لے کر آج تک ہر رشتے کی زیادتی پر صبر ہی کرتی آئی ہوں۔ ایک بار اور سہی......'' وہ کہہ کر اٹھ گئی۔

اس کے حصے میں صبر و تحمل اور برداشت اور سمجھوتا ہی آتا تھا، اس نے خود سے قبول کر کے، احسن پر احسان کر دیا تھا۔

''اب کہاں جا رہی ہو؟'' وہ بھی سیدھا ہو گیا۔

''انعم سے لڑنے......'' وہ رکی۔

احسن کا سانس رکا۔

''نہیں...... آپ کے لیے کافی بنانے۔'' وہ جان دار سی ہنسی ہنستے باہر کو دوڑ گئی۔

احسن نے شکر کا سانس لیتے کراؤن سے سر ٹیک لیا۔

☆......❀......☆

انعم مووی لگا کے بیٹھ گئی تو احسن فائلز اٹھائے دعا کے کمرے میں آ گیا۔ وہ کل والی کتاب بڑے انہماک سے پڑھ رہی تھی، ابھی اس نے لیپ ٹاپ کھولا ہی تھا کہ اس کے موبائل کی بیل بجنے لگی، اس نے مسکراتے لیس کا بٹن دبایا۔

''السلام علیکم ماما جان!'' اس نے لیپ ٹاپ بند کر دیا۔ دعا کے بھی کان کھڑے ہو گئے، اس کے دل میں کئی بار خیال آ چکا تھا کہ یہاں سے جانے کے بعد، ساس صاحبہ نے ایک بار بھی خیریت دریافت کرنے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کی زحمت نہیں کی، کیا وہ بھی انعم کی حامی ہیں۔

"وعلیکم السلام میری جان! کیسے ہو اور کیا ہو رہا ہے؟" دل آرا کی کھنکتی آواز آئی۔

"آئی ایم فائن اور آفس کا کام لے کر بیٹھا تھا کہ آپ کی کال آ گئی۔" اس نے ٹانگیں آگے کو پھیلا لیں۔

"دعا کے پاس ہو؟" انہوں نے تجسس سے پوچھا۔

"بالکل ماماجان! میں بھلا آپ کی حکم عدولی کر سکتا ہوں۔" اس نے ماں کی تسلی کرواتے دل میں اللہ کا شکر ادا کیا۔

"اچھا، میری دعا سے بات کرواؤ۔" وہ اسی موقع کی تلاش میں تھیں' اس سے بدتمیزی کی وجہ بھی جاننی تھی۔

احسن نے دعا کو موبائل پکڑا دیا۔

"السلام علیکم آنٹی!" اس نے کتاب بند کر دی۔

"وعلیکم السلام دعا! کیا تمہارا دل نہیں چاہتا مجھ سے بات کرنے کو۔ میں تمہاری ساس ہوں، اس رشتے کا ہی خیال کرو۔" دل آرا نے حال احوال پوچھے بغیر گلہ جھاڑ دیا، انہیں دعا پر بہت غصہ تھا۔

"بہت دل کرتا ہے آنٹی! لیکن آپ شاید انعم اور احسن کے سیل فون پر کال کرتی ہیں، میرے پاس آپ کا رابطہ نمبر نہیں تھا اور نہ میں آپ کو لینڈ لائن نمبر سے کال کر لیتی، میرا دل آپ کے لیے بہت اداس تھا بہت سے مشورے' تسلیاں، دلاسے اور نجانے کیا کچھ۔ یہ سب آپ کی ذات سے تو وابستہ ہیں۔"

دعا بھرائی ہوئی آواز میں نرمی لیے ان سے بہت سی توقعات وابستہ کر رہی تھی۔

دل آرا کا دماغ سناٹے میں آ گیا، انہیں دعا کی آواز بہت دور سے آتی محسوس ہوئی، بھرائی سی آواز، بے یقین الفاظ بے اعتبار لہجہ۔

"تم دل سے کہہ رہی ہو یہ سب کچھ۔" ان کی زبان سے حیرت میں ڈوبا یہی نکل سکا۔

"میں آپ سے جھوٹ کیوں بولوں گی، آپ ہماری بڑی ہیں۔ آپ کے دل میں میرے لیے انعم جتنی محبت نہیں مگر انصاف اور رحم دلی ہے۔ اب واحد آپ ہی تو ہیں جن کے سامنے میں اپنا من ہلکا کر سکتی ہوں۔ آج بھی اگر احسن میرے پاس نہ ہوتے تو شاید بات نہ ہو پاتی حالانکہ میں آپ کی نئی نویلی بہو ہوں۔" بات کے اختتام تک، دعا کا لہجہ خوش گوار ہو گیا۔

"سنو دعا! ابھی احسن تمہارے ساتھ ہے، تم اس کے ساتھ ٹائم گزارو۔ میں صبح تم سے رابطہ کروں گی، او کے اللہ حافظ۔" انہوں نے اپنی کہہ کر فون بند کر دیا۔

دعا حیرت سے بند موبائل کو دیکھتی رہ گئی اسے تو بہت کچھ کہنا اور پوچھنا تھا۔

"کیا ہوا، بند ہو گیا۔" اس نے اسکرین سے ذرا کی ذرا نظر ہٹا کے پوچھا۔

"جی، آنٹی کہہ رہی ہیں کہ صبح کال کریں گی۔" اس نے موبائل احسن کو پکڑا دیا۔

"تم میری وجہ سے ڈسٹرب تو نہیں ہو گی۔" احسن کا اشارہ فائلز اور لیپ ٹاپ کی طرف تھا۔

"نہیں، اٹس او کے۔"

اپنے خیال سے چونکتے اس نے نفی میں سر ہلایا اور پھر سے کتاب کھول کے پڑھنے لگی۔

☆......❀......☆

مریم بچوں کو اسکول بھیج کے ٹیبل صاف کر رہی تھی، الیاس احمد رات آنے والے میسج پڑھ رہا تھا، رابعہ احمد ڈونگا لیے آئیں، مریم ان پر نظر پڑتے ہی پھرتی سے بھاگی۔

"بھابی جان آپ...... آپ ہمارے گھر...... کتنے عرصے بعد آپ نے ہمارے گھر کو رونق بخشی ہے۔" مریم ڈسٹر ٹیبل پر پھینک کر ان کے گلے جا لگی۔ الیاس احمد بھی بھابی کے احترام میں کھڑا ہو گیا۔

"السلام علیکم بھابی جان!" اس نے سر آگے کو

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

جھکا دیا۔
"وعلیکم السلام! جیتے رہو، آباد رہو۔" انہوں نے دل سے دعا دی، مریم کی آنکھیں نم ہوگئیں۔
"قسم سے بھابی جان! میرا دل خوشی سے پھٹ جائے گا، آپ کی پر خلوص دعاؤں کو ہم ترس گئے تھے۔" وہ ان سے الگ ہوتی کہہ رہی تھی۔
"جب دل مطمئن اور پرسکون ہو تو دعائیں خود بخود نکلتی ہیں۔ میں کافی دنوں سے آنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن عمر کے ساتھ مصروف رہی۔" انہوں نے ڈونگا ٹیبل پر رکھ دیا۔
"اس میں کیا ہے بھابی جان!" الیاس احمد نے ڈھکن اٹھایا۔
"تمہیں فیرنی پسند ہے ناں، میں نے رات بنا کے فریج میں رکھ دی تھی۔ اتنے عرصے بعد خالی ہاتھ آنا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔" وہ مریم کے ساتھ صوفے کی طرف بڑھ گئیں۔
"بھابی جان! کیا الیاس ہی آپ کے چہیتے ہیں، جو ان کے لیے بنا کے لائی ہیں اور میں......" مریم نے منہ بسورا۔
"تمہاری پسند کی ایک نہیں پوری تین ڈشز بناؤں گی۔ آج رات ڈنر پر ساری فیملی انوائٹڈ ہے۔" وہ انہیں دعوت دینے آئی تھیں۔
"میری پیاری بھابی جان! جیو ہزاروں سال، آپ کے ہاتھ کا پکا کھانے کو ترس گیا ہوں میں۔" الیاس احمد پرجوش ہوگیا۔ اپنی بھابی کے ہاتھ کے ذائقوں کا وہ مداح تھا۔
"الیاس میں تمہارا شکریہ ادا کرنے آئی تھی۔" انہوں نے آنے کی اصل وجہ بتائی۔
"کیسا شکریہ بھابی جان!" اس نے ڈونگا اٹھا کے گود میں دھر لیا۔
"تم نے عمر کو رہا کروا کے، مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔" انہوں نے تہہ دل سے شکریہ ادا کیا۔
"کیا مطلب عمر کو رہا، انہوں نے کروا دیا ہے۔" مریم اس حقیقت سے بے خبر تھی۔
"جانے دیں شرمندہ نہ کریں، میں نے تو صرف اپنے گناہوں میں کمی کروانے کی کوشش کی ہے۔ وہ گناہ جس کی سزا مجھے ابھی تک مل رہی ہے۔" اس نے ایک طائرانہ سی نگاہ مریم پر ڈالی جس نے فوراً رخ پھیر لیا۔

☆......❁......☆

وہ ریوالونگ چیئر پر آگے ہو کے بیٹھا، آہستہ سے دائیں سے بائیں اسکرین پر نظریں رکھے تیزی سے کی بورڈ پر انگلیاں چلا رہا تھا۔ موبائل کی بیل ہوئی تو اس نے ایک ہاتھ سے موبائل اٹھا کے یس کا بٹن پش کیا۔
"السلام علیکم! ماما جان۔" وہ سب کام چھوڑ کے، کرسی کی پشت سے ٹیک لگا گیا۔
"وعلیکم السلام احسن بیٹا! کیسے ہو؟" انہوں نے احوال پوچھا۔
وہ کسی ضروری کام کی غرض سے ہی اسے آفس ٹائمنگ میں ڈسٹرب کرتی تھیں ورنہ وہ رات کو کال کرلیا کرتیں۔
"میں بالکل فٹ فاٹ ہوں، آپ بتائیں، کیسے یاد فرمایا۔" وہ ماں کی عادت سے بخوبی آگاہ تھا۔
"احسن سارے کام چھوڑ کر مارکیٹ جاؤ اور دعا کو موبائل اور سم لے کر دو۔" ان کا انداز تحکم بھرا تھا، مطالبہ بھی دوٹوک تھا۔
"کیا ہوا ماما جان! خیریت، اتنا ارجنٹ آرڈر۔" وہ ماں کے انداز پر گھبرا گیا۔
"مجھے دعا سے بات کرنا ہوتی ہے بیٹا۔" اپنی تلخی پر قابو پا کے، انہوں نے خود کو پرسکون کیا۔ وہ اسے گھریلو سیاست سے دور رکھنا چاہتی تھیں۔ اس پر انعم کا جھوٹ کھولنا بھی مناسب نہیں تھا پھر یہ ان کا اور انعم کا ذاتی معاملہ تھا۔
"وہ بھی تو میری بہو ہے پھر۔ موبائل تو اس ماڈرن ایج کی ضرورت بن گئی ہے۔" انہوں نے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

مناسب الفاظ میں اسے ٹالا۔

"آپ اسے لینڈ لائن پر کال کرلیا کریں۔"

احسن کے دل میں فٹ سے انعم کی دل آزاری کا خیال خود آیا، اسے یقیناً یہ بات بہت بُری لگتی۔

"نہیں احسن! لینڈ لائن پر دعا بہت جھجک کر بات کرتی ہے، شاید اسے انعم کے ڈس ہارٹ ہوجانے کا ڈر ہے جب کہ میرے لیے وہ دونوں ہی برابر ہیں۔ انو بھی تو گھنٹوں میرے ساتھ لگی رہتی ہے۔ دعا میں یہ اعتماد نہیں ہے، میں چاہتی ہوں کہ اس کی سوچ اور پرسنالٹی بھی تھوڑی سی بہتر ہوجائے۔ میں اسے اپنے خاندان، وراثت اور اقدار بتاؤں، اسے تمہارے باپ کا بھی سامنا کرنا ہے اور ہماری فیملی میں سروائیو بھی۔" انہوں نے اسے مطمئن کرنے کی پوری کوشش کی۔

اسے ماں کے کسی حکم یا کام پر اعتراض نہیں تھا بس انعم کی فکر دامن گیر تھی۔

"اچھا اب جاؤ، میں تھوڑی دیر بعد تمہیں کال کرکے اس کا نمبر لوں گی، اوکے اللہ حافظ۔"

انہوں نے اپنی سنا کر فون بند کردیا کیونکہ انہوں نے بیٹے کی خاموشی محسوس کرلی تھی اور وجہ بھی وہ جانتی تھیں مگر وہ جانتی تھیں کہ اس کے لیے ماں کا حکم اولین تھا۔

☆....❀....☆

اس نے مارکیٹ جاکر فون خریدا، سم ڈال کے ایکٹیویٹ کی اور اس کا نمبر دل آرا کو سینڈ کردیا۔ وہ نئے پراجیکٹ پر کام ادھورا چھوڑ کے آیا تھا۔ کل اس کی بہت اہم میٹنگ تھی لیکن ماں کا کام کرنا بھی ضروری تھا اس لیے وہ سیدھا دعا کے کمرے میں گیا۔

"دعا......" اس نے اندر داخل ہوتے ہی آواز دی۔

"جی......" وہ بیڈ شیٹ درست کرتی پلٹی۔

"آپ اس وقت؟" وہ اس کی اچانک آمد پر حیران رہ گئی۔

"میں تمہیں یہ موبائل دینے آیا تھا، ماما تم سے تھوڑی دیر بعد رابطہ کریں گی۔" اس نے موبائل اور خالی ڈبا اسے پکڑایا۔

"واؤ اتنا خوب صورت موبائل۔" وہ خوشی سے نہال ہوگئی۔

"اس کی بھلا کیا ضرورت تھی، مجھے کون فون کرے گا۔" اس نے دل گرفتی سے کہا، چند لمحے قبل والی خوشی مایوسی میں بدل گئی۔

"ماما تمہیں کال کیا کریں گی، اب اس کے فنکشن اچھی طرح سے چیک کرلینا۔" وہ برش اٹھا کے بالوں میں پھیرنے لگا۔

"اچھا تو جناب یہ گفٹ مجھے ماما نے دیا ہے، آپ نے نہیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے سینے پر ہاتھ باندھے۔

"آف کورس، لیکن جو بھی ہے' پاکٹ میری ماری گئی ہے، میں آفس میں بہت امپورٹنٹ کام چھوڑ کے آیا ہوں، نکلتا ہوں، شام کو ملیں گے۔" احسن برش رکھ کے اس کا گال تھپکتا باہر نکل گیا۔

"ان شاء اللہ۔" اس نے زیر لب کہا۔

وہ بیڈ پر بیٹھ کے تسلی سے موبائل چیک کرنے لگی۔

☆....❀....☆

انعم نہا کے نکلی تھی، سر پر تولیہ لپیٹ رکھا تھا۔ وہ کپڑوں کو درست کررہی تھی جب اس نے گاڑی کے اسٹارٹ ہونے کی مدھم سی آواز سنی۔ وہ لمحہ بھر میں کھڑکی کے سامنے، احسن کی گاڑی گیٹ سے نکل رہی تھی۔

"یہ کب آئے اور چلے بھی گئے، مجھ سے ملے بغیر۔" وہ حیرت سے بڑبڑائی، ماتھے پر بل ڈال کے باہر نکلی۔

"ناہید......ناہید......" وہ چلا رہی تھی۔

"جی بی بی صاحبہ!" وہ ڈرائنگ روم سے گرتی پڑتی نکلی تھی، انعم کے چلانے نے اسے حواس باختہ کردیا۔

"احسن کیا لینے آئے تھے؟" اس نے استفسار

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کیا۔

''پتا نہیں جی، ہاتھ میں چھوٹا سا پلاسٹک بیگ تھا، دعا صاحبہ کے کمرے میں گئے اور چند منٹ بعد ہی واپس بھی چلے گئے۔'' اس نے اپنی معلومات سے دیں۔

وہ مزید تجسس لیے دعا کے کمرے کی طرف بڑھی۔

''دعا......'' اس نے آواز دیتے دروازہ کھول دیا۔ ''ابھی احسن کیوں آئے تھے؟'' لہجہ سخت نہیں مگر خشک تھا۔

''وہ مجھے یہ موبائل دینے آئے تھے۔'' اس نے خوشی سے موبائل والا ہاتھ آگے کیا۔

''موبائل......'' وہ حیرت سے گنگ رہ گئی۔

''یہ گفٹ وہ خود لائے ہیں یا تم نے منگوایا ہے۔''

''گفٹ'' کا لفظ استعمال کرتے اسے سخت تکلیف ہوئی تھی۔

''یہ گفٹ مجھے احسن نے نہیں، آنٹی جان نے دیا ہے۔'' دعا نے اس کی غلط فہمی دور کردی۔

''ماما نے......'' اس کا منہ کھلا رہ گیا۔ ''تمہاری ماما جی سے بات ہوئی تھی۔'' اس نے اپنا شک دور کرنا چاہا۔

''ہاں رات احسن کے سیل پر۔'' وہ بے خبری میں سب سچ بتاتی گئی۔

انعم واپس مڑ گئی اب مزید کچھ نہیں تھا پوچھنے کو۔

☆......۞......☆

انعم نے بال بنا کے، پہلا کام دل آرا کو کال کی، نمبر بند جا رہا تھا۔ اس نے جھنجلا کے موبائل کان سے ہٹایا، احسن کے ساتھ بات کرنا مناسب نہیں تھا، وہ بھی انجان تھا۔

انعم کے ذہن میں وسوسے آرہے تھے اگر اس کی چوری اور جھوٹ پکڑا گیا تو......

دوسری طرف دعا کو ایک گھنٹہ بعد پہلی کال دل آرا کی موصول ہوئی تھی۔

''السلام علیکم آنٹی جی! میں بہت شدت سے آپ کی کال کا انتظار کررہی تھی۔'' اس نے چھوٹتے ہی کہا۔

''وعلیکم السلام! جیتی رہو، میرے دل نے بھی تمہاری پکار سن لی اور سناؤ کیسی ہو اور کیا کررہی ہو؟'' ان کے لہجے میں شیرینی گھلی تھی۔

''بہتر ہوں اور فی الحال فارغ، رات کا کھانا بنانے کی ذمہ داری میری ہے تب مصروف ہوتی ہوں۔'' اس نے بڑے عام سے انداز میں اپنی روٹین بتائی۔

''کیا مطلب ذمہ داری...... کیا تم ڈیلی کھانا بناتی ہو؟'' انہیں اچھا خاصا جھٹکا لگا۔

''جی، جب آپ یہاں تھیں تب بھی میں ہی بناتی تھی۔'' وہ ناسمجھی میں کہہ گئی۔

''پہلے کی بات اور تھی دعا! اب تم احسن کی بیوی ہو اور شادی کو دن ہی کتنے گزرے ہیں۔ تم شام کو فریش ہو کے اسے کمپنی دیا کرو، آپس میں مل جل کے بیٹھا کرو۔ انعم کیا کرتی رہتی ہے دن بھر؟'' آخری سوال انہوں نے بڑے عام سے لہجے میں پوچھا۔

''وہ بھی کچھ خاص نہیں، بس یوں ہی......'' اس نے گول مول سا جواب دے دیا، وہ اب نہیں کیا بتاتی، وہ انعم کی ساس کے علاوہ ماں بھی تھیں۔

''سنو دعا! میرے ساتھ جھوٹ نہیں بولو، جو سچ ہے وہ بنا جھجکے بتادو۔ میں اگر وہاں موجود نہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم دونوں آپس میں لڑتی مرتی رہو اور میرے بیٹے کو پریشان کرو۔'' انہیں غصہ چڑھ گیا۔ انعم کا غصہ وہ اس پر نکال رہی تھیں۔

''بخدا آنٹی! میرا قصور یہی ہے کہ میں مسز احسن ہوں مگر انعم...... وہ بہت بدل گئی ہے اس کے رویے میں میرے لیے نرمی اور دوستی بالکل ختم ہو گئی ہے۔ اپنے کمرے میں گھسی رہتی ہے، دل چاہے تو بولتی ہے ورنہ نہیں......اور بھی بہت کچھ ہے جو میں شیئر نہیں کرنا چاہتی مگر پلیز...... پلیز آنٹی جان! آپ واپس لوٹ آئیں۔ آپ کی موجودگی، رہنمائی اور

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

سرپرستی ہی اس رشتے اور گھر کو بچا سکتی ہے۔" اس نے نم آواز میں انہیں اشارتاً بہت کچھ سمجھا دیا تھا۔

دل آرا کا دماغ اور کان سائیں سائیں کرنے لگے، غلط دعا کی رپورٹ نہیں انعم تھی۔ دعا جھوٹ نہیں بول رہی تھی، انہیں اپنی بیٹی سے ایسی نیچ حرکات کی توقع نہیں تھی۔

"میں خود چاہتی تھی کہ سب سیٹل ہونے تک تم لوگوں کے پاس ٹھہروں لیکن میری مجبوری تھی۔ میں جنید آفندی کو ابھی تک انفارم نہیں کر پائی۔ انہیں انعم سے بہت محبت اور لگاؤ ہے، آئی ڈونٹ نو، وہ کیسے ری ایکٹ کریں گے پھر وہ ہارٹ اور کولیسٹرول کے مریض ہیں ان کی بھی کیئر کرنی ہے۔" وہ بھی بہت دل گرفتہ ہو گئی تھیں۔ ان کا انعم پر شک یقین میں بدل گیا تھا۔

"تو پھر آنٹی میں کیا کروں؟" وہ ہمدرد پا کے روہانسی ہو گئی۔

"صبر کرو میری جان! آئی نو ویل کہ انو غیر مستقل مزاج ہے مگر وہ اتنی جلد اور بدگمان نکلے گی میں نہیں جانتی تھی حالانکہ میں بہت اچھی طرح سے اس کی برین واشنگ کر کے آئی تھی۔" دل آرا کو خود تشویش لاحق ہو گئی تھی، انہیں معاملے کی نزاکت کا خیال تھا لیکن وہ دعا کو صرف دلاسا ہی دے سکتی تھیں۔

"میرا دل بہت گھبراتا ہے آنٹی! انعم کا بدلتا روپ، مجھے ذہنی کوفت میں مبتلا کر دیتا ہے۔ میں اور احسن بہت محتاط رہتے ہیں، کبھی اس کے سامنے ایک دوسرے کو مخاطب بھی نہیں کیا۔ وہ میرے بیڈروم میں نہ آئیں، میں تب بھی گلہ نہیں کرتی کیونکہ میں اس حقیقت کو تسلیم کرتی ہوں کہ ان پر زیادہ حق اس کا ہے۔ ان کی خاندانی بیوی، محبت اور بچپن کی ساتھی اور کزن ہے، میں تو بے سہارا تھی' میرا کوئی مستقبل نہیں تھا۔ آپ لوگوں نے مجھے پناہ دی، نام اور رہنے کو چھت دی، میں آپ سب کی احسان مند ہوں، اس سب کے باوجود وہ مجھ سے ان سیکیور فیل کر رہی ہے۔" اس کے اندر کے غبار کو نکاس کا رستہ ملا تھا، وہ یہ سب احسن سے شیئر کر لیتی لیکن وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا مگر دل آرا اپنی فہم کے رستے اس کے لیے آسانیاں پیدا کر سکتی تھیں۔

"تم بس خاموش رہا کرو، اس کی بدزبانی کا برابر جواب نہ دیا کرو' اگر تم بھی مقابلہ کرو گی تو دونوں میں فرق کیا رہ جائے گا۔ ان شاء اللہ وہ بھی آہستہ آہستہ بہتر ہوتی جائے گی، ابھی نیا نیا بٹوارہ ہے پھر اس میں برداشت کی بھی کمی ہے۔"

دل آرا اسے ہی سمجھا سکتی تھیں، وہ کمزور مہرہ تھی۔ اگر وہ یہ سب انعم سے کہہ دیتیں تو وہ اودھم مچا دیتی، خودترسی کا شکار ہو جاتی، اسے اپنی حیثیت ماند پڑتی نظر آتی۔ وہ خود سے کتنے ہی اندازے لگا کے سب کا جینا محال بنا دیتی۔

"اچھا آنٹی! فون رکھتی ہوں۔" دعا نے بہت برے دل سے کہہ کر فون بند کر دیا۔ اس کا چہرہ اداس اور سوگوار تھا۔

ہر ایک اسے ہی صبر کا درس دیتا تھا، اس کے دل میں ٹیسیں سی اٹھنے لگیں۔

☆......❁......☆

ریاض احمد ہلکی مدھم روشنی جلائے ایزی چیئر پر جھول رہے تھے۔ لان میں دونوں فیملیز جمع تھیں سوائے ان کے، رابعہ احمد نے بہت عرصہ بعد خاص اہتمام سے دعوت کی تھی۔ مریم بھی مدد کروا رہی تھی، زین' عروہ اور نوال موبائل پر گیم کھیل رہے تھے۔

عمر نے ایک طرف باربی کیو کے لیے آگ جلائی ہوئی تھی وہ اور الیاس احمد سیخ کباب بھون رہے تھے۔ ٹیبل لان میں سیٹ کی گئی۔ ملازمہ مریم کی تقلید میں قیمتی برتن احتیاط سے ٹیبل پر سیٹ کر رہی تھی۔

وہ چیئر سے اٹھ کے کھڑکی تک آئے، لان کا منظر بلاشبہ خوب صورت تھا مگر انہیں نامکمل سا لگا۔ کہیں کچھ کمی تھی یا صرف انہیں ہی محسوس ہو رہی تھی یا پھر کوئی اور بھی تھا۔ جو ان سب کے بیچ بیٹھا بھی ذہنی طور پر حاضر نہیں تھا، جس کے ہونٹ ہلکی سی اداس

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

مسکراہٹ کا گھیراؤ کیے تھے۔

وہ بھی نوال کے پکار نے پر عروہ اور زین کی دھاندلی کا جھگڑا نمٹاتا، عمر کی پکار پر اس کا کباب چیک کر کے داد دیتا اور کبھی ماں کی پکار پر ٹیبل کھینچتا، چیئر سیٹ کرتا، اپنا دل بہلا رہا تھا۔

یوں ہی دھیان اور بے دھیانی میں ان دونوں کا دل اس سنہری سی لڑکی میں جا اٹکتا۔ کیا ہنسی اس کے ہونٹوں پر بکھرتی ہوگی؟ اس کا دل بھی مسرور و مطمئن ہوگا، رابعہ احمد دروازہ دھکیل کے اندر آ ئیں۔

''ریاض! کمرے میں اندھیرا کیوں ہے؟'' انہوں نے سوئچ بورڈ سے پاور لائٹ آن کی۔

''بس یوں ہی، طبیعت ٹھیک نہیں۔'' ان کا انداز بھی سست تھا۔

''کیا ہوا طبیعت کو، کہیں درد وغیرہ تو نہیں ہو رہا۔'' وہ فوراً پریشان ہو گئیں۔

''نہیں..... نہیں، آئی ایم ناٹ فیلنگ بیٹر۔'' وہ کرسی سے اٹھ کر بیڈ پر جا بیٹھے۔

''آپ باہر آئیں سب کے بیچ، دیکھیں، کتنی رونق لگی ہے، سب جمع ہیں ان کے ساتھ بیٹھیں، دل خود ہی بہل جائے گا۔'' انہوں نے اپنے تئیں مفید مشورہ دیا۔

وہ کچھ بول کے رابعہ احمد کا موڈ خراب نہیں کرنا چاہتے تھے اس لیے چپ سادھ لی۔

''نہیں، میں تھکاوٹ محسوس کر رہا ہوں، شور شرابے سے میرا دل گھبرانے لگے گا۔ تم لوگ انجوائے کرو، میں نیند لوں گا۔''

وہ کہتے ہوئے لیٹ گئے۔ وہ شوہر کے مزاج سے واقف تھیں، اس انکار نے اقرار میں نہیں بدلنا تھا۔

''آپ بڑے ہیں، آپ کی موجودگی سے تو خاندان مکمل لگے گا ورنہ سب بہت اداس ہو جائیں گے۔'' ایک آخری کوشش کی گئی۔

''جاتے ہوئے لائٹ اور دروازہ بند کر جانا۔'' انہوں نے آنکھوں پر بازو رکھ لیا، رابعہ احمد تاسف سے سر ہلاتی واپس مڑ گئیں۔

☆......❁......☆

احسن کی واپسی پر ایک طوفان اس کا منتظر تھا، انعم نے دوبارہ دل آرا کو کال کی اس بار بھی نمبر بزی جا رہا تھا، اس نے میسج بھی چھوڑا لیکن انہوں نے اسے کال بیک نہیں کی۔

جس سے انعم کے دل میں شک مزید گہرا ہو گیا، اب اسے احسن کی واپسی کا انتظار تھا۔

''السلام علیکم!'' وہ سیدھا اس کے پاس ہی آیا تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ موبائل کو لے کر وہ ناراض ہوگی۔

''تم آج آئے اور مجھ سے ملے ہی نہیں۔'' وہ سلام کا جواب دیے بغیر جرح پر اتر آئی۔

احسن نے بریف کیس رکھا، اسے انعم کے تاثرات چوکنا کر گئے۔ اس نے بات بڑے طریقے سے شروع کی تھی۔

''میں دعا کو موبائل دینے آیا تھا، آفس میں ضروری کام تھا اس لیے جلد لوٹ گیا۔'' وہ اس کے تیور برداشت کرتا جو سچ تھا وہ بولا تھا۔

''پہلے ضروری کام نپٹا لیتے، سب چھوڑ چھاڑ کے موبائل کا نذرانہ پیش کرنا ضروری تھا۔'' اس نے دانت پیسے۔

احسن نے پہلی بار اس سے پوچھے یا بتائے بغیر کوئی کام کیا تھا۔ وہ بھی اپنی دوسری بیوی اور اس کی سوتن کے لیے۔

''میری ماں کا حکم تھا، اس لیے سب چھوڑ چھاڑ کے نذرانہ دینے آنا پڑا۔'' اس نے انعم کی آنکھوں میں جھانک کر کہا اور ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرنے لگا۔

''اسے موبائل کی کیا ضرورت ہے، ماما جی میرے اور تمہارے نمبر پر بھی اسے کال کر سکتی ہیں، لینڈ لائن بھی ہے۔'' اس نے نیا نکتہ نکالا۔

احسن سے لڑنے کی تک نہیں بنتی تھی کیونکہ اس نے یہ حرکت اپنی مرضی اور دعا کی خواہش پر نہیں کی تھی۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

"آئی تھنک یہ سوال ماما جان سے پوچھنا، وہی صحیح سے وجہ بتا سکیں گی۔" وہ جوتے اتار کے واش روم کی طرف بڑھا۔

"چلو، یہ میں ماما سے پوچھ لوں گی، یہ بتاؤ اتنا مہنگا موبائل کیوں لا کر دیا؟" اس نے ایک نیا مخالف پوائنٹ نکالا جس میں زیادہ قصور احسن کا تھا۔

"کیونکہ میرا ضمیر اور حیثیت مجھے اجازت نہیں دیتے کہ میں اپنی بیوی کے لیے کوئی گھٹیا کوالٹی کی چیز خریدوں۔" وہ جو واش روم میں گھس گیا تھا، دروازے میں رک کر مڑ کر جواب دیا اور دروازہ زور سے بند کر لیا۔ انعم نے پاؤں زور سے زمین پر مارا۔

☆......❁......☆

"میں آپ سے سخت ناراض ہوں ماما!" انعم نے بڑے لاڈ سے گلہ کیا۔

اس نے خود ہی کال کی تھی، رات احسن دعا کے پاس سویا تھا، صبح انعم نے اسے ناشتا۔۔۔ بھی نہیں بنا کر دیا۔

"ناراض تو میں بھی تم سے بہت ہوں لیکن پہلے تم بتاؤ۔" دل آرا سمجھ گئی تھیں، اس لیے پہلے اسے بولنے کا موقع دیا۔

"آپ نے دعا کو موبائل گفٹ دیا ہے، وہ بھی مجھے بتائے یا مشورہ کیے بغیر۔" دل کی چبھن نوک زبان پر آ گئی۔

دوسری طرف دل آرا تھیں، اس کی رگ رگ سے واقف، اسے کب اور کس طرح ہینڈل کرنا ہے جانتی تھیں۔

"تو کیا ہوا؟ ایک معمولی سا موبائل ہی گفٹ کیا ہے، وہ بھی تمہاری وجہ سے۔" انہوں نے لگی لپٹی رکھے بغیر صاف کہہ ڈالا۔

"میری وجہ سے کیوں؟ میں نے کیا کیا؟" وہ حیران ہوئی۔

"تم نے میرے ساتھ جھوٹ کیوں بولا انعم! احسن کی ہم نے دوسری شادی مجبوراً کی ہے۔ تمہارا خیال ہے کہ میری نظروں میں تمہاری اہمیت گر گئی ہے اور اس اہمیت کو بڑھانے کے لیے تم جھوٹ کا سہارا لینے لگی ہو۔" دل آرا کو بے حد افسوس ہو رہا تھا۔

اگر وہ پہلے ہی موقع پر خاموش رہ جاتیں تو انعم کو مزید چھوٹ ملتی اسے پہلے ہی قدم پر ٹوکنا اور غلطی کا احساس دلانا ضروری تھا۔

"کک...... کیسا جھوٹ؟" انعم کا حلق خشک ہو گیا۔ اس نے سب بہت احتیاط سے کیا تھا، اس کی زبان الفاظ ادا نہیں کر پا رہی تھی۔

"کیا تم منکر جاؤ گی کہ تم نے ناہید سے جھوٹ بلوایا۔" دل آرا کا جی چاہ رہا تھا کہ اس غلط بیانی پر وہ ان کے سامنے ہو تو تھپڑ مار دیں۔

"نن...... نہیں ماما جی......" اس کی زبان ہکلا رہی تھی، مزید جھوٹ گھڑا نہیں جا رہا تھا، سچ بتانا بے وقوفی تھی۔

"آئی ایم سوری!" دل آرا کی خاموشی نے اس سے مبہم سا اعتراف کروا لیا۔ وہ کیسے بھول گئی کہ وہ اس کی رگ رگ سے واقف ہیں۔

"تم کیوں اتنی چیپ حرکتیں کر رہی ہو انعم! میں احسن کو انگلینڈ اسٹڈیز کے لیے بھیجنے پر راضی نہیں تھی، تمہیں اس پر بھروسا تھا تم ہی نے مجھے فورس کیا تھا۔ احسن جب سو جاتا تھا تم گھر میں ذرا بھی شور نہیں ہونے دیتی تھیں اور آج تم خود اس کا ذہنی سکون برباد کرنے پر تلی ہوئی ہو وہ بھی بغیر کسی وجہ کے۔ تم اپنے والدین اور شوہر سے جھوٹ۔۔۔ بولو گی، ہمیں دھوکے میں رکھو گی۔" وہ غصے میں بولتی ہی چلی گئی تھیں۔

انعم کے پاس کسی بھی سوال کا جواب نہیں تھا، وہ کیوں بھول گئی تھی کہ انہیں دھوکے میں رکھنا اتنا آسان نہیں، انہوں نے اسے جنم نہیں دیا تھا پالا تو تھا۔

"میری بات غور سے سنو انعم! احسن کی دوسری شادی اس کی رضامندی یا پسند کی نہیں ہے نہ ہی دعا کو اس میں انٹرسٹ ہے۔ یہ قدم ہم نے اپنی غرض اور وارث کے لیے اٹھایا ہے، اس میں تمہاری بھی رضامندی شامل تھی۔ یہ واحد فیصلہ جو میں نے اپنے بیٹے

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کے لیے لیا ہے ' مجھے اپنے اس فیصلے پر کوئی پچھتاوا نہیں، اپنے حواسوں پر قابو رکھو اور دماغ کا استعمال کم کرو۔ احسن خوش خبری آ جانے تک دعا کے پاس ہی رہے گا، تمہیں کوئی اعتراض ہے؟'' ان کا لہجہ اٹل تھا انہوں نے جھوٹ کی سزا سنا دی تھی۔

''جی نہیں۔'' اس کی پھنسی پھنسی آواز برآمد ہوئی۔

''تینوں شام کو مل کے چائے پیو، گپ شپ کرو، رشتوں کا احترام کرو۔ محبت سے پیش آؤ، کوئی عمر یا رشتے میں بڑا ہونے سے بڑا نہیں بن جاتا بلکہ انسان کا اخلاق اس کا وسیع ظرف، انسان کو بڑا بناتا ہے۔ مجھے تم سے اچھی توقعات ہیں اور مجھے امید ہے کہ تم مجھے مایوس نہیں کرو گی اور آئندہ شکایت کا موقع بھی نہیں دو گی، اللہ حافظ۔''

انہوں نے اچھی خاصی سنا کے فون بند کر دیا۔ وہ جانتی تھیں کہ انعم کے پاس اپنی صفائی میں کہنے کو کچھ بھی نہیں۔

☆......❁......☆

اگلے بیس روز دعا اور احسن کی زندگی کے خوش گوار دن تھے، انعم نے ہر قسم کا اعتراض' نکتہ چینی، روک ٹوک اور طنز وغیرہ کرنا ختم کر دیا تھا۔ وہ دونوں شام کو اکٹھی احسن کے ساتھ لان میں چائے پیتیں۔ روزمرہ کی باتیں، پرانے قصے، دعا مسکرا دیتی یا زیادہ خوش نظر آتی تو انعم یک دم سے خاموش ہو جاتی۔ اس کی چہرے پر بے سکونی، بوریت اتر آتی، دعا اسے مخاطب کر لیتی تو جواب دے دیتی ورنہ چپ چاپ پڑی رہتی۔ ایک جگہ، ایک ہی پوزیشن پر بیٹھے اسے گھنٹوں گزر جاتے۔

دعا کو اس کی حالت پر ترس آتا، اس نے احسن سے بھی ذکر کیا، اس کا خیال تھا کہ وہ خود ہی آہستہ آہستہ ایڈجسٹ کر لے گی۔ وہ خود ہی اس کے کمرے میں، اس کے پاس جا کر بیٹھ جاتی، وہ دعا کے مسلسل بولنے سے اس کے ساتھ باتوں میں مشغول ہو کر، پہلے جیسی انعم بن جاتی۔ یہی موقع تھا، دعا اس پر واضح کر دینا چاہتی تھی کہ وہ اس کے متعلق منفی سوچتی ہے، وہ اب بھی اس کی بہترین دوست ہے۔ اس کا ہر کہا اور فیصلہ اس کے لیے مقدم ہے، وہ اس کے لیے قابل احترام ہے اور وہ انعم کی احسان مند ہے، وہ خوش تھی کہ انعم نے اپنی ذہنی اختراع والے سارے اختلافات ختم کر دیے تھے۔

احسن بھی انعم کو زیادہ وقت دیتا، ناشتا اسی سے فرمائش کر کے بنواتا۔ آفس ٹائمنگ میں چار، پانچ بار اسے ضرور کال کرتا۔

دعا اسے مجبور کر کے انعم کے بیڈروم میں بھی بھیج دیتی حالانکہ دل آرا نے احسن کو سختی سے منع کر رکھا تھا۔ دعا نے یہ حقیقت ان سے چھپا لی تھی، دعا نے انعم کے بدلاؤ کا ذکر، بڑی خوش دلی سے انہیں بتایا تھا۔ دل آرا بھی اسے دل سے معاف کر چکی تھیں لیکن ان سب کو انعم کی خاموشی اور برداشت بہت مہنگی پڑنے والی تھی۔

☆......❁......☆

احسن آفس سے آ کے سیدھا انعم کے بیڈروم میں گیا، فریش ہو کے وہ دونوں لاؤنج میں آ گئے۔ شام کی چائے اور فرمائشی لوازمات دعا ہی بناتی تھی، آج کچن خالی تھا۔

''دعا کدھر ہے؟'' صوفے پر بیٹھتے اس نے انعم کو دیکھا۔

''شاید اپنے روم میں ہو، آج وہ میرے پاس بھی نہیں آئی۔ دوپہر کو ناہید بتا رہی تھی کہ اس نے لنچ بھی نہیں کیا۔'' انعم نے ذرا سوچتے ہوئے اسے بتایا۔

''تمہیں اس کی خیر خبر تو لینی چاہیے تھی۔'' وہ فوراً اٹھا اور اس کے کمرے کی طرف بڑھ گیا، انعم نے بھی اس کی تقلید کی۔ کمرے میں اندھیرا تھا، دعا لیٹی ہوئی تھی۔

''دعا ...... دعا......'' انعم نے اسے پکارتے لائٹ آن کی۔

دعا کاہلی سے اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی، لائٹ کی تیز روشنی کی چبھن پر اس نے آنکھوں پر ہاتھ رکھ

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

لیا۔

"آر یو اوکے، دعا!" وہ اس کے نزدیک ہوئی۔

"صبح ناشتے کے بعد سے طبیعت بہت بوجھل اور عجیب سی ہو رہی ہے۔ سر اتنا بھاری ہے کہ اٹھنے کو دل ہی نہیں چاہا، پلیز انعم! یہ لائٹ بند کر دو۔" اس نے سر گھٹنوں میں دے لیا۔

"تم نے مجھے بتایا ہوتا، میں ڈاکٹر کو کال کر دیتی۔" انعم نے احسن کو دیکھتے اپنا بچاؤ کیا۔

وہ چپ تھا، انعم کے سامنے اپنی تشویش ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا ورنہ وہ اس کی فکر کو محبت کے زمرے میں رکھ لیتی۔

"میرا اٹھنے کو جی نہیں چاہ رہا، بہت بھاری پن سا محسوس ہو رہا ہے۔" وہ رو دینے کو تھی۔ اس کی آنکھیں سرخی مائل اور رنگت زرد تھی۔

"انعم تم اسے چینج کرواؤ، میں ڈاکٹر کو کال کرتا ہوں۔" احسن موبائل پاکٹ سے نکالتا باہر نکل گیا۔

انعم اسے اٹھنے میں مدد دیتی واش روم میں لے گئی۔

☆......❁......☆

چالیس سالہ ڈاکٹر نے دعا کا بی پی اور نبض چیک کرنے کے بعد، بیڈ اور چین پکڑے، کافی دیر سوچتے ہوئے بغور دعا کا بھی جائزہ لیا۔

"یہ خاتون میرڈ ہیں۔" اس نے اندازہ لگایا۔

"جی!" انعم فوراً بول پڑی۔

"میں نے یہ میڈیسن لکھ دی ہیں، کچھ لائٹ سا کھلا کے انہیں دودھ کے ساتھ دیں اور صبح ضرور انہیں کسی اچھے گائنا کولوجسٹ سے چیک اپ کروائیں، مجھے معاملہ کچھ اور لگتا ہے۔"

آخری جملہ ڈاکٹر نے احسن کو نسخہ پکڑاتے آہستگی سے ادا کیا۔

"معاملہ......؟" احسن نے دہرایا۔

"گائنا کولوجسٹ......؟" انعم کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا دیے۔

"کیا آپ سچ کہہ رہے ہیں ڈاکٹر صاحب؟"

انعم پرجوش اور بے یقین تھی۔

دعا انجکشن کے زیر اثر پرسکون ہو کے آنکھیں موند چکی تھی۔

"میں کچھ بھی حتمی نہیں کہہ رہا، اپنا شک ظاہر کر رہا ہوں۔ آپ کل ان کا ٹیسٹ کروالیں کنفرم ہو جائے گا۔" انعم کے مسکراتے ہونٹ اور چمکتی آنکھیں ماند پڑ گئیں۔

"مجھے اجازت دیں۔"

ڈاکٹر اپنا بیگ اٹھا کے باہر کی طرف بڑھ گیا' بت بنا احسن اس کے پیچھے لپکا۔

☆......❁......☆

ڈاکٹر کے لگائے گئے انجکشن اور میڈیسن لے کر دعا پرسکون نیند سو گئی۔ احسن اور انعم وہیں صوفے پر بیٹھے خوشی و مسرت سے باتوں میں مگن رہے۔ انہیں ڈھلتی رات کا احساس ہی نہیں ہو رہا تھا۔

"تمہیں لگتا ہے کہ رپورٹ پازیٹو آئے گی۔"

اس نے انعم سے تصدیق چاہی۔

"آف کورس، کیونکہ میں بھی دو تین روز سے دعا کی طبیعت گری گری محسوس کر رہی تھی جو اللہ کو منظور، ہم دعا کر سکتے ہیں۔" انعم پر یقین تو تھی مگر قبل از وقت امید نہیں باندھنا چاہتی تھی۔

"تم کل ناشتے کے بعد دعا کو ڈاکٹر ماہرہ کے کلینک لے جانا، تسلی سے چیک اپ کروانا۔ اگر میری ضرورت پڑی تو میں بھی جوائن کر لوں گا۔"

احسن کا دل بلیوں اچھل رہا تھا لیکن انعم پر ظاہر کرنا بے وقوفی تھی پھر ابھی کچھ کنفرم بھی نہیں تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ خود دعا کو ڈاکٹر کی پاس لے جائے مگر اس میں اتنی جرأت نہیں تھی۔ وہ خوشی کے ملنے سے قبل ہی اسے ملیا میٹ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"ڈونٹ وری، میں سب ہینڈل کر لوں گی۔"

وہ دعا کی نیند کے خیال سے آہستہ سے بولی۔

"اس کی میڈیسنز، پرہیز وغیرہ اور ڈائٹ میں کیا لے، ہر چیز اچھی طرح سے پوچھ کے آنا۔"

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

احسن کو اس کی حالت پر افسوس تھا، وہ انعم کو دن میں کئی بار کال کر لیتا اب تو دعا کے پاس بھی موبائل تھا تب بھی اس نے ایک بار بھی اسے کال نہیں کی تھی۔ وہ سیاراون تکلیف میں رہی تھی۔ انعم کی لا پروائی کی حد تھی، اس نے دعا کے بیڈروم میں جھانکا تک نہیں اور نہ ہی اس کے لنچ نہ کرنے کا نوٹس لیا اس سب کا ذمہ دار وہ خود کو ٹھہرا رہا تھا۔

احسن بڑے غور سے سوئی ہوئی دعا کو دیکھ رہا تھا۔

"کتنی کمزور لگ رہی ہے ناں۔" وہ کھوسا گیا۔

انعم اس کے چہرے پر سے نظریں ہٹا نہ پائی، وہ اس کے ماتھے پر پڑے پُرتفکر بلوں کو گننے لگی۔ وہ خوش تھا، اس سے دعا کی چھوٹی چھوٹی باتوں میں مگن مسئلہ تب ہی پیدا ہوتا تھا جب احسن کی آنکھوں اور لہجے میں دعا کے لیے فکر یا ستائش چمکتی تھی۔

انعم کو لگتا کہ وہ دو حصوں میں بٹ رہا ہے، اس کی تقسیم بہت بھاری تھی۔ اس مرحلے پر اس کا حوصلہ، ہمت، خود کو پڑھائے گئے صبر و برداشت کے تمام اسباق جواب دینے لگتے۔ احسن کی زبان سے ماں کے بعد اس نے صرف اپنا نام، ذکر، فکر، تعریف، محبت اور لڑائی جھگڑا سنا تھا۔ اس کا ہر تعلق اور رشتہ اسی سے منسلک تھا۔ اب اس میں دعا بھی حصے دار بنتی جا رہی تھی، اس میں حوصلہ نہیں تھا۔

☆......❁......☆

"ماما جان! پاپا جان تیار نہیں ہوئے۔" آفس کے لیے تیار عمیر نے کرسی گھسیٹتے پوچھا کیونکہ ان کی کرسی خالی تھی۔

"تمہارے پاپا جان کو رات ہارٹ پین ہوئی تھی، کافی دیر جاگتے رہے۔"

"آپ مجھے جگا لیتیں، میں انہیں ہسپتال لے جاتا۔" عمیر کو سب کی فکر ایک ساتھ تھی۔

"انہوں نے خود ہی منع کر دیا تھا۔"

"آپ مان گئیں، خدانخواستہ کوئی سیریس......"

عمیر سلائس واپس رکھ کے تیزی سے بولا۔ اسے باپ کے معاملے میں ذرا سی بھی لا پروائی برداشت نہیں تھی۔ عمر جو نیوز پیپر کھولے ہیڈ لائنز پڑھ رہا تھا، وہ بھی متوجہ ہوا۔

"ڈونٹ وری! اباؤٹ ہم، وہ ٹھیک ہیں۔ ابھی سو رہے ہیں، میں نے ڈاکٹر کو کال کر دی ہے، وہ آ کے ان کا تسلی سے چیک اپ کر جائے گا۔" انہوں نے اسے مطمئن کرنا چاہا۔

"اچھا، میں نکلتا ہوں۔" وہ ٹیبل پر پڑا موبائل اٹھا کے کھڑا ہو گیا۔

"بیٹا ناشتا تو کرتے جاؤ۔" ماں نے اسے ٹوکا۔

"آفس میں بہت زیادہ کام ہے، اسلام آباد سے ڈیلی گیشن آنا ہے، دو ایمپلائرز کو فائر کر دیا گیا ہے، یا خدا آج کوئی لیو پر نہ جائے۔" ماں کو سب بتاتا وہ باہر کو دوڑتا گیا۔

عمر ٹیبل کی سطح کو کھرچتے کچھ سوچنے لگا۔

☆......❁......☆

دعا کو صبح انعم اس کے کمرے میں بہت نرمی، محبت اور دوستانہ انداز میں جگانے آئی تو وہ حیران رہ گئی۔

پھر ناشتے کی ٹیبل پر انعم نے اسے رات ڈاکٹر کا شک بتایا۔ دعا بے یقین تھی بھلا اتنی جلدی یہ سب مگر وہ خاموش رہی۔ انعم اتنی خوش تھی کہ مسلسل خود سے بولے جا رہی تھی۔ وہ اس کے ساتھ اسی خاموشی سے گائنا کولوجسٹ کے پاس آ گئی تھی۔

دعا کے ٹیسٹ ہو گئے تھے ڈاکٹر ماہرہ رپورٹ لینے گئی تھیں۔ دعا اور انعم کے لیے انتظار کا ہر پل چکی میں پسنے کے برابر تھا۔ انعم اضطراری کیفیت میں بار بار موبائل اسکرین کو دیکھتی، کبھی ٹیبل پر پڑے اوراق سے چھیڑ چھاڑ کرنے لگی ـــــ رات سے لے کر اب تک اس کا ہر عضو محوِ انتظار تھا۔

احسن، دعا کے ساتھ بیڈ پر سو گیا تھا مگر اس نے وہیں صوفے پر بیٹھے رات بتادی تھی۔ اس کے دل و دماغ میں بہت سی متضاد کیفیات چل رہی تھیں، وہ

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

بظاہر خوش تھی مگر دل کے کسی خانے میں دکھ کی چبھن بھی واضح محسوس کی جاسکتی تھی۔ وہ اپنی تمام تر کوشش کرکے خوش ہونا چاہتی تھی۔

"مبارک ہو مسز احسن! آپ کی یہ کزن پریگننٹ ہیں۔" ڈاکٹر مائرہ اسے مژدہ روح افزا سنا تی آرہی تھیں۔ دعا حیرت و بے یقینی میں گھری ڈاکٹر کے ہلتے ہونٹ دیکھتی رہ گئی۔

"آپ...... آپ......" انعم کے منہ سے الفاظ نکلنا مشکل تھے، وہ بیٹھے سے کھڑی ہوگئی۔

"جی میں بالکل سچ کہہ رہی ہوں۔" ڈاکٹر مائرہ نے اس کا ادھورا جملہ پورا کیا۔

"مبارک ہو دعا...... بہت بہت مبارک ہو۔" انعم نے اسے بھی زبردستی کھڑا کرکے خود میں بھینچ لیا۔

"آئی ایم سو ہیپی!" اس نے دعا کو خود سے الگ کیا۔

"احسن بھی بہت...... بہت خوش ہوں گے۔" اس نے کہہ کر دعا کو پھر سے گلے لگالیا۔ اس کا جی چاہ رہا تھا یہیں بھنگڑا ڈالنا شروع کردے۔ اسپچویشن نے دعا کے ہونٹ بھی ذرا سا مسکا دیے۔

"تھینک یو۔" وہ یہی کہہ پائی۔

"یہ لیں مسز احسن!" ڈاکٹر نے انعم کی طرف پرچہ بڑھایا۔

"انہیں کمزوری بہت زیادہ ہے، یہ میڈیسنز ریگولر یوز کرنی ہیں۔ دودھ کا گلاس صبح و شام ڈیلی، پھل اور گوشت کا استعمال بھی لازمی کرنا ہے۔ ڈائٹ اور میڈیسن ماں اور بچے کی صحت کے لیے بہت ضروری ہے، اب پندرہ دن بعد چیک اپ کے لیے آئیے گا۔" انہوں نے ساری ہدایات تفصیل سے بتادیں۔

"تھینک یو ڈاکٹر مائرہ! میں اس کا ہر ممکن خیال رکھوں گی، چیک اپ کے لیے بھی ضرور لاؤں گی۔" انعم نے مسکرا کے شکریہ ادا کیا اور اٹھ گئی، دعا نے بھی تقلید کی۔

☆......❁......☆

احسن کی ساری توجہ فائل پر مرکوز تھی، موبائل کی بیل ہوئی تو اس نے پین روک کے موبائل اٹھالیا۔

"ہیلو......" وہ کرسی کی پشت سے ٹکا۔

"مبارک ہو احسن!" انعم اور دعا گاڑی کی پچھلی نشست پر بیٹھی تھیں۔ گاڑی اسٹارٹ ہوتے ہی اس نے احسن کو کال کردی تھی۔

"تم سچ کہہ رہی ہو ناں انعم!"

اس کا ہر ہر عضو اس خوش خبری کو سننے کا منتظر تھا۔ اس نے خود پر بہت ضبط کا پہرہ بٹھا کے انعم کو کال نہیں کی تھی۔ وہ پل میں تولہ پل میں ماشہ بن جاتی تھی۔

"یس، دعا پریگننٹ ہے۔" انعم کی خوشی سے چیخ نکل گئی۔

دعا بے دلی سے پھیکا سا مسکرا کے، گاڑی سے باہر دیکھنے لگی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ یہ خوش خبری خود احسن کو سناتی مگر وہ انعم کو بتانے سے روک نہیں سکتی تھی یا شاید وہ اس سے زیادہ خوش تھی۔

"اسے ڈاکٹر کے پاس لے کر گئی ہو، ٹیسٹ کے بعد کنفرم ہوا ہے ناں۔"

"دعا کی رپورٹس پازیٹو آئی ہیں۔" اس نے چہرے پر آئے بالوں کو ایک ادا سے پیچھے جھٹکا۔

"میں بہت...... بہت خوش ہوں، میں اب کیا کروں۔" وہ بیٹھے سے کھڑا ہوگیا۔

"میں بس تھوڑی دیر میں پہنچتا ہوں، تم فون بند مت کرنا...... میرا مطلب ہے بند کردینا......" اس کی زبان اس کے دماغ کا ساتھ نہیں دے پارہی تھی، اس نے فون بند کیا اور باہر کو دوڑ لگادی۔

انعم نے مسکراتے ہوئے زیرلب اس کی سلامتی کی دعا مانگی اور موبائل جھولی میں گرالیا۔

☆......❁......☆

جس مقصد کے لیے یہ شادی کی گئی تھی، وہ بہت جلد پورا ہوگیا تھا۔ انہیں زیادہ انتظار سے نہیں گزرنا

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

پڑا تھا۔

انعم بھی اس خوش خبری پر دل سے مطمئن تھی، دعا کو پہلے تو جھٹکا لگا اب انعم اور احسن کو خوش دیکھ کے اس کے اندر بھی سکون اترتا چلا گیا۔

"دعا! تم یہاں بلاوجہ نہ بیٹھو، جاؤ اپنے بیڈ روم میں جا کے ریسٹ کرو۔ میں ناہید کے ہاتھ جوس اور ایپل بھجواتی ہوں، وہ ضرور کھا لینا۔" انعم نے دعا کو لاؤنج میں کھڑے ہی آرڈر دے دیا۔

ناہید جو اُن کی آمد پر چوکھٹ پر آئی تھی، جوس اور ایپل کے لیے دوبارہ مڑ گئی۔

دعا خاموشی سے اپنے کمرے کی طرف چل دی حالانکہ اس کا دل لاؤنج میں بیٹھ کے، احسن کا انتظار کرنے کو چاہ رہا تھا لیکن اس لمحے وہ انعم کو انکار یا حکم عدولی کر کے ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی۔

انعم کو بھی احسن کا انتظار تھا، وہ بیٹھنے کے بجائے چکر کاٹنے لگی، اسے اب تک پہنچ جانا چاہیے تھا۔

دعا کو خوشی میں آرام نہیں سوجھ رہا تھا، احسن تھوڑی دیر میں آنے والا تھا اسے پشاور لیے دو دن ہو گئے تھے۔ کل اس کی طبیعت خراب تھی۔ صبح بھی اس نے انعم کے کہنے پر کپڑے چینج کر لیے تھے، اب اس کا موڈ بھی کافی خوش گوار تھا۔ وارڈ روب کھول کے کپڑوں کے ہینگر آگے پیچھے کرنا شروع کر دیے۔

احسن کی گاڑی بیکری کے سامنے کھڑی تھی، مٹھائی خرید کے اس نے ٹوکریاں گاڑی میں رکھوائیں۔

انعم بار بار وال کلاک کو دیکھتی، ہونٹ چباتی چکر لگاتی جا رہی تھی۔ وہ دل آرا کو اتنی بڑی خوش خبری اکیلی نہیں سنانا چاہتی تھی، وہ احسن کی آمد کی منتظر تھی۔

دعا نے شاور لے کر نیوی بلیو کلر کا سوٹ زیب تن کیا، اس کی بری کے کتنے ہی جوڑے بغیر استعمال کیے لٹک رہے تھے۔ دل آرا نے سارے سوٹ گہرے رنگوں کے خریدے تھے ان کا خیال تھا کہ نئی نویلی دلہن کو یہی رنگ زیب تن کرنے چاہئیں، اس نے کبھی لال، پیلے، ہرے رنگ نہیں پہنے تھے۔

بالوں پر لپٹا تولیہ کھول کے اس نے بال جھٹکے، تولیہ اسٹینڈ پر ڈال کے، وہ دراز میں سے ہیئر ڈرائیر نکال کے سیدھی ہوئی تو اس کی نگاہ اپنے وجود پر جا ٹھہری۔ نیوی بلیو کلر اس کے متناسب سراپے پر خوب جچ رہا تھا۔

احسن کی گاڑی مسلسل ہارن بجاتی روش پر دوڑتی، پورچ میں آرکی۔ انعم کی اکھڑی سانس بحال ہوئی، وہ باہر کی طرف بڑھی۔

دعا کے ہاتھوں میں بھی تیزی آگئی، بالوں کو ڈھیلا سا کیچر میں جکڑ کے اس نے برش سے آنکھوں میں کاجل لگایا اور پنک لپ گلوس ہونٹوں پر پھیرا۔ خود پر اسپرے کر کے اس نے آخری تنقیدی نگاہ خود پر ڈالی وہ بالکل سادہ اور خوب صورت لگ رہی تھی۔ اسے پہلی بار گہرے رنگ بھانے لگے تھے۔ انعم ابھی چند قدم پیچھے تھی کہ احسن اندر داخل ہو گیا۔

"اتنی دیر کر دی آپ نے، اب تو میں سیریسلی پریشان ہونے لگی تھی۔" اس کی بے تابی عروج پر تھی۔

"اتنی بڑی خوشی کی خبر، اب کیا میں خالی ہاتھ گھر آ جاتا۔" چار ملازم مٹھائی کے ٹوکرے اٹھائے اندر داخل ہوئے۔

"مٹھائی میں سے ملازمین کا حصہ رکھ کے، باقی سب پڑوسیوں میں تقسیم کر دو اور سلیم، تم جا کے منڈی سے دو کالے بکرے صدقے کے لیے لے آؤ۔" احسن نے ملازمین کی ڈیوٹی لگائی۔

انعم کچھ بولنے جا رہی تھی، اس کے الفاظ منہ میں اور ہونٹ کھلے رہ گئے۔

"دعا کدھر ہے، نظر نہیں آرہی۔ دعا...... دعا......" احسن آوازیں لگانے لگا۔

وہ اپنی مسرت میں انعم کے تاثرات نوٹ نہ کر پایا ورنہ دعا کو آواز بھی نہ دیتا۔ بظاہر یہ اتنی بڑی بات نہیں تھی مگر انعم کے لیے تھی۔

وہ اسی پکار کی منتظر تھی، اسے احسن کا سامنا

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کرتے حیا آ رہی تھی، اس نے بیڈ پر پڑا دوپٹہ اچھے سے اوڑھ لیا۔

"دعا...... دعا......" اس کے نام کی دوبارہ پکار پڑی۔ وہ ہڑبڑا کے باہر کو دوڑی۔

"جی......" پھولی سانس لیے وہ اس کے سامنے موجود تھی۔

انعم جو پہلے ہی غصے سے بھری جا رہی تھی، دعا کو دیکھ کر جامد ہوگئی جسے اس نے ریسٹ کرنے بھیجا تھا، وہ چودھویں کے چاند کی مانند چمک رہی تھی۔ وہ اسکول و کالج کے فنکشنز میں بھی لائٹ کلرز استعمال کرتی تھی، نیوی بلیو کلر شاید بنا ہی اس کے لیے تھا وہ جنت سے آئی کوئی حور لگ رہی تھی، لمبے بال پشت پر لہرا رہے تھے۔ کچھ ایسی ہی حالت احسن کی بھی ہوئی تھی، انعم نے وہ لمحہ پکڑ لیا تھا۔

"دعا آئی ایم سو ہیپی...... ڈھیروں ڈھیر مبارک ہو تمہیں۔ میں خوشی سے دیوانہ ہو جاؤں گا، تم سیریسلی نہیں جانتیں کہ یہ میری زندگی کی کتنی بڑی خوشی ــــ ہے جو مجھ سے سنبھالی نہیں جا رہی۔" وہ غیر ارادی بولتا جا رہا تھا۔

دعا شرم سے سر جھکاتی، اٹھاتی مسکرائے جا رہی تھی اس کے چہرے پر بھی الوہی سی چمک ٹھہر گئی تھی۔

انعم جامد کھڑی، اس منظر میں ایک اسٹیچو لگ رہی تھی۔ جس کی نگاہیں کبھی احسن کے خوشی کا نور پھوٹتے چہرے پر اور کبھی شرمیلی دعا پر جا ٹھہرتیں۔

"سلیم! تم ابھی تک یہیں کھڑے ہو، صدقے کے لیے دو کالے بکرے لے آؤ اور یہ مٹھائی اٹھا کے سب میں بانٹ دو اور غفور چچا سب ملازموں کے نئے کپڑوں اور آپ لوگوں کے گھروں میں مہینے بھر کے راشن کا حساب لگا کے بتا دیں اور مظفر بھائی! آپ نے شام کو یتیم خانے اور مدرسے میں کھانا پوری ذمہ داری سے بھجوانا ہے۔ سب اپنے حصے کا کام دھیان سے کریں، کوئی غفلت نہ برتے۔" اس نے ایک ہی سانس میں وہاں کھڑے تمام ملازمین کو حکم جاری کر دیے۔ سب اثبات میں سر ہلاتے مٹھائی کے ٹوکرے اٹھا کے باہر نکل گئے۔

"ناہید! تم سارے گھر کے کام چھوڑ دو، صرف اور صرف دعا کا خیال رکھو۔ میں کسی قسم کی ذرا سی بھی کوتاہی برداشت نہیں کروں گا۔" اس نے انگلی اٹھا کے حکمانہ لہجے میں ناہید کو بھی تنبیہ کیا۔

وہ مسکرائی ہوئی اثبات میں سر ہلاتی رہ گئی۔

"ماما جان کو کال کی ہے؟"

اب اس نے رخ ساکت کھڑی انعم کی طرف موڑا۔ اس نے ہولے سے نفی میں سر ہلا دیا، وہ جو اس کی ہر رگ پکڑ لیتا تھا، اس کے چہرے پر ٹھہرے طوفان کو نہ پڑھ سکا۔

"چلو آؤ پھر ماما جان سے چیٹ کریں، وہ بہت ایکسائٹڈ ہوں گی۔" وہ دعا سے کہتا ہوا صوفے کی طرف بڑھ گیا۔

"تم بھی آؤ ناں انعم!" دعا نے مڑ کر وہیں کھڑی انعم کو پکارا۔

وہ خالی دل اور خالی ذہن لیے ان کی طرف چل دی۔

☆......۞......☆

"رابعہ بیگم میں بالکل فٹ فاٹ ہوں' آپ نے بلاوجہ مجھے چھٹی کروالی ہے۔ آج تو کام کا بر ڈن بھی بہت زیادہ تھا، عمر اکیلا پریشان ہوگا۔"

ریاض احمد کو بے چینی ہو رہی تھی، بار بار دھیان بیٹے میں جا اٹکتا۔

"نہیں پریشان ہوتا وہ اور نہ ہی آپ ہوں۔" وہ معنی خیزی سے مسکرا دیں۔

"تم نہیں جانتیں، دو ایمپلائز کو فائر کر دیا گیا ہے، آج اسلام......"

"سب جانتی ہوں میں، اپنا عمر ہے ناں، وہ چلا گیا ہے آفس۔" بڑے عام سے لہجے میں کہتی وہ خالی برتنوں کی ٹرے اٹھائے چلی گئیں۔

"عمر...... کیا عمر آفس گیا ہے۔" ریاض حیران و بے یقین پھرتی سے چپل پیروں میں اڑس کے ان کے پیچھے چلے آئے۔

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

''جی بالکل گیا ہے، اب وہ روز جایا کرے گا۔ آپ کو کوئی اعتراض؟'' ٹرے رکھ کے وہ پلٹیں، انداز بہت اتراتا ہوا تھا۔

''نن...... نہیں...... مجھے بھلا کیا اعتراض ہوگا۔'' وہ کندھے اچکا کے رہ گئے، اپنے اندر کی الجھن کو چھپانے کے لیے وہ واپس لاؤنج میں آ گئے۔

''اعتراض ہونا بھی نہیں چاہیے کیونکہ میرے بیٹے کا تعلیمی ریکارڈ بہت اچھا ہے، ہمیشہ فرسٹ ڈویژن......'' ریاض احمد کی ہچکچاہٹ نے ان کا حوصلہ بلند کر دیا تھا، انہوں نے پیچھے سے پُر جوش پکار لگائی۔

''جی بالکل جناب! تعلیم کے علاوہ بھی آپ کے بیٹے کے سارے ریکارڈ بہت شان دار ہیں، فرسٹ کلاس فرسٹ ڈویژن۔'' انہوں نے مڑ کر، بیوی کو گھورتے چبا چبا کر جواب دیا۔ انہیں عمر پر فخر کرتی، وہ بہت بری لگی تھیں۔

☆......❁......☆

''السلام علیکم ماما جان!'' لیپ ٹاپ احسن کی گود میں تھا، اس کے دائیں طرف دعا اور بائیں طرف انعم براجمان تھی۔

''وعلیکم السلام میری جان اینڈ آئی ایم سو ہیپی۔ میری فیملی ایک ساتھ مل جل کے بیٹھی ہے۔''

دل آرا نے دل میں ہی ان کا صدقہ اتارا اور امن و سلامتی کی دعا بھی مانگی۔

''دل تھام لیں ماما جان کیونکہ میں آپ کو بریکنگ بلکہ اسپارکنگ نیوز سنانے جارہا ہوں۔'' احسن نے سنسنی خیز تمہید باندھی۔

''میرا دل بہت مضبوط ہے، تم سناؤ۔'' ان کے جسم کا ہر رواں کھڑا ہوگیا، وہ کیا سنانے جارہا تھا جو سننے کو ان کے کان برسوں سے منتظر تھے۔

''اگر آپ اتنی اسٹرانگ ہیں تو چلیں پھر دس منٹ انتظار کریں۔'' وہ آج موڈ میں تھا، ماں کو تنگ کرنے میں اسے مزا آرہا تھا۔

''پلیز احسن تنگ مت کرو، جلدی سے بتادو۔'' وہ بھی بگڑنے لگیں۔

''ماما جان! آپ دادی بننے والی ہیں۔'' احسن نے چیخ مارنے والے انداز میں بتایا۔

''نہیں...... کیا...... سچ...... کیا تم...... میں دادی......'' خوش خبری اتنی جلدی، اچانک اور بڑی ملی تھی کہ زبان الفاظ ادا نہیں کر پارہی تھی۔

''انعم! یہ سچ بول رہا ہے، ہے ناں۔ دعا...... دعا تم بتاؤ...... تم ماں بننے والی ہو؟'' ان کی خوشی سے بری حالت اور بے یقینی طاری ہوگئی تھی۔ انہوں نے باری باری تینوں سے تصدیق چاہی۔

دعا کا سر شرم سے جھک گیا تھا، انعم کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

''یا اللہ تیرا شکر ہے، تُو نے مجھے اتنے بڑے رتبے پر فائز ہونے کی نوید دی، میں گناہ گار اس قابل کہاں...... تُو نے میری سن لی۔'' وہ خدا کا شکر ادا کرتی رونے لگیں۔ ان کو اپنے جذبات اور حواس پر بس نہیں تھا۔

''اس خوشی کے موقع پر آپ رو رہی ہیں۔'' احسن کو یہ عجیب منطق سمجھ میں نہ آئی۔

''تم نہیں سمجھو گے، ابھی باپ نہیں بنے بھلا اولاد کی تکلیف کیا جانو۔ اس وقت کے لیے میں نے کتنی دعائیں مانگی ہیں، خدا نے مجھ جیسی گناہ گار کی بھی سن لی حالانکہ میں اس قابل نہیں تھی۔'' انہوں نے گال پر پھیلے آنسو صاف کیے۔

''تو پھر آپ کب آرہی ہیں ماما جان!'' احسن نے انعم کو ٹہوکا دیا۔

''تم جانتے ہو، میں ابھی تک تمہارے پاپا جان کو انفارم نہیں کرسکی اس لیے اتنی جلدی چکر لگانا ممکن نہیں۔ کوئی سولڈ ریزن بھی تو ہونا چاہیے۔'' انہوں نے مجبوری بتائی۔

''اب آپ پاپا جان کو سب سچ بتادیں۔ وہ بہت خوش ہوں گے ماما جان!'' اس نے اپنے تئیں مشورہ دیا۔

''ایک دم سے ہرگز نہیں، وہ انعم کے لیے بہت

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

پوزیسو ہیں، ابھی مزید کچھ عرصہ خاموش رہو۔'' ان کی پلاننگ لمبی تھی۔

''آپ انہیں سارا سچ بتادیں ماماجی! آگے میں خود ہی ہینڈل کرلوں گی۔'' تب سے خاموش بیٹھی وہ بول پڑی۔

''اچھا کچھ کرتی ہوں، تم بتاؤ دعا کا صدقہ دیا، سب ملازموں میں کپڑے اور مٹھائی بھی بانٹنا احسن!'' انہوں نے احسن کو محبت بھری ہدایات دینا شروع کی۔

''جی ماما جان! صدقہ بھی دے دیا ہے اور مٹھائی بھی بٹ چکی ہے۔'' احسن نے ذمہ داری کا ثبوت دے دیا۔

''اور دعا تم نے خود اپنا خاص خیال رکھنا ہے، میں بھی کوشش کرکے جلد از جلد پاکستان پہنچتی ہوں۔ سنو دعا! تمہارے اسٹارٹ کے چند مہینے بہت احتیاط کے ہیں، خدانخواستہ ذرا سی بھی کوتاہی عمر بھر کا روگ بن جاتی ہے۔ اس لیے کوئی وزنی چیز نہیں اٹھانی، پراپر ڈائٹ لو، اپنی نیند پوری کرو، ہر دم خوش اور فریش رہو۔ جس کام اور چیز کے لیے دل چاہتا ہے وہ کرو، جس کے لیے دل رضامند نہیں وہ چھوڑ دو۔ میں روز تم سے تمہاری روٹین ڈسکس کروں گی اور ناہید......''

''ماماجان! ناہید کو میں نے کہہ دیا ہے وہ اس کا خاص خیال رکھے گی، ماشاءاللہ سے تین بچوں کی ماں ہے اسے تجربہ بھی ہوگا۔'' احسن نے ان کی بات کاٹ کے اپنی کارکردگی گنوائی۔ اس کے آخری جملے پر دل آرا نے قہقہہ لگایا۔

''گڈ احسن! تم نے بھی اپنی دعا کا خاص خیال رکھنا ہے، ڈاکٹر کے پاس ٹائم پر لے کر جانا، ایک ڈرائیور گھر کے لیے بھی گاؤں سے بلوالو۔'' وہ ایک ہی سانس میں اسے سب ہدایات دیے جارہی تھیں۔

''اور انو! تم نے تینوں وقت کا کھانا، خود دعا کو اپنے ساتھ بٹھا کے کھلانا ہے۔'' دل آرا نے اس خاموش مورت کو مخاطب کیا، وہ ہڑبڑا گئی۔

''جی...... جی...... ماماجان! جی ضرور......'' اس نے اٹکتے، جھجکتے ہوئے سر اٹھاکے ہاں میں ہاں ملادی۔

☆......❁......☆

رابعہ اور ریاض احمد لان میں آکر بیٹھ گئے تھے، شام کی چائے عمیر کے ساتھ ہی پی جانی تھی۔ رابعہ احمد بہت خوش اور پرجوش ہورہی تھیں لیکن اپنے جذبات پر ضبط رکھے بیٹھی تھیں تبھی گاڑی گیٹ سے اندر داخل ہوئی۔ گاڑی روش پر روک کر عمیر ڈرائیونگ سیٹ سے اور عمر دوسرا دروازہ کھول کے باہر نکلا۔

ریاض احمد نے دونوں جوان بیٹوں کو ایک ساتھ آتا دیکھ کے نظر لگ جانے کے ڈر سے ذرا رخ پھیرلیا۔

''کیسا رہا تمہارا دن عمر!'' ابھی وہ کرسی پر بیٹھا ہی تھا کہ وہ پوچھنے لگیں۔

''بہت اچھا، بہت ساری غلطیاں کی ہیں میں نے، حالانکہ میرا خیال تھا کہ میں دو چار جگہ جاب کرچکا ہوں مجھے آفس ورک کا تجربہ ہے۔'' عمر نے بڑے ریلیکس موڈ میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

''تمہیں صرف غلطیاں کرنے کا تجربہ ہے، اپنی زندگی میں صرف یہی کام تم نے دل لگا کے لیا ہے۔'' ریاض احمد کا انداز سنجیدہ تھا۔

ان سے عمر کی مسکراہٹ اور اطمینان برداشت نہیں ہوتا تھا۔ وہ لاکھ خود کو سمجھاتے مگر اس کے سامنے آتے ہی ان کا پارہ چڑھ جاتا، وہ اسے دیکھنا بھی گوارا نہ کرتے۔

عمر کا چہرہ تاریک پڑگیا، رابعہ احمد کی مسکراہٹ بھی سمٹ گئی۔ عمیر نے معاملے کی نزاکت بھانپ کر جلدی سے عمر کے کاندھے پر ہاتھ دھر کے اسے تسلی دی۔

''آپ نے پاپا جان سے سیکھا ہے میں بھی سب کچھ ان ہی سے سیکھوں گا۔'' اس نے حوصلہ نہ ہارا۔

غلطیاں بھی تو بہت کی تھیں، اسی کی وجہ سے انہیں دل کا روگ لگا تھا۔

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

"یہ عمیر ہی تمہارے ساتھ سر کھپائے گا، میں بہت جلد تھک جاتا ہوں۔" انہوں نے بڑے سبھاؤ سے صاف انکار کے ساتھ جواز بھی پیش کر دیا۔

"چلو اٹھو عمر اور عمیر! آپ لوگ چینج کرو، میں چائے لگواتی ہوں۔" رابعہ احمد موضوع بدلتے ہوئے کھڑی ہو گئیں' انہیں بھی شوہر کا انداز برا لگا تھا۔

"کل سے تم میرے ساتھ ہی جایا کرو گے۔" عمیر چلتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"نہیں میری بائیک ہے ناں۔"

ان کی آوازیں دور ہوتی جا رہی تھیں' ریاض احمد ان کی پشت کو دیکھتے کھوسے گئے تھے۔

☆...❀...☆

احسن دعا کو بڑی احتیاط سے چلنے اور اٹھنے بیٹھنے کی ہدایات کرتا اس کے ساتھ بیڈروم میں چلا گیا۔ انعم کتنی ہی دیر وہیں صوفے پر بیٹھی رہی اور پھر وہ بھی اٹھ کے اپنے کمرے میں آ گئی۔

اس کی رگ رگ میں تھکاوٹ اتر گئی تھی، وہ دھم سے بیڈ پر گری اور تکیے میں سر دے کے رونے لگی۔

اپنی کم مائیگی، بانجھ پن کا احساس اس کی نس نس میں سرایت کر گیا۔ یہی التفات، محبت، خوشی وہ احسن کی آنکھوں میں اپنے لیے دیکھنا چاہتی تھی۔ کتنی دعائیں مانگی تھیں اس نے اپنی تکمیل کے لیے۔ اللہ سے رو رو کے التجا کی تھی کہ وہ اس بنجر زمین کو ہرا بھرا کر دے لیکن اس نے لاکھوں نعمتوں سے نواز کے، ایک اس خوشی سے محروم کر دیا تھا۔

محرومی بھی اتنی بڑی کہ اس کی زندگی، اس کی سانسوں میں بسی محبت، دل کے ساتھ دھڑکتی محبت کا بٹوارہ ہو گیا تھا۔ دعا سے شادی کا مقصد اولاد کا حصول تھا، یہ سب تو ہونا ہی تھا پھر تکلیف اور آنسو کیسے؟

لیکن وہ دعا کے ماں بننے پر نہیں رو رہی تھی بلکہ اپنی محبت میں ایک اور حصے دار کی شراکت پر رونا آ رہا تھا۔

اس کی زندگی میں پہلی بار یہ بھی ہو گیا تھا کہ وہ احسن کی خوشی میں خوش نہیں تھی۔ اس کے دل میں ڈر نے کنڈلی ماری تھی اور ایسا بھی پہلی بار ہوا تھا، احسن اس کی چہرے کی اداسی، آنکھوں میں ٹھہری نمی اور ہونٹوں کی کپکپاہٹ کو دیکھ ہی نہ پایا تھا۔

کیونکہ آج اس کی نظروں میں صرف دعا کا عکس تھا، انعم کا رونا مزید شدت پکڑ گیا لیکن ابھی بہت کچھ پہلی بار ہونا باقی تھا۔

☆...❀...☆

موبائل کی بیل بجے جا رہی تھی، وہ منہ پر تکیہ رکھے روتے روتے سو چکی تھی۔ وہ کسمسانے لگی تھی، پانچ سیکنڈ کی خاموشی کے بعد موبائل پھر سے بجنے لگا۔ اس نے بھاری ہوتا سر اٹھایا، دکھتی آنکھیں بمشکل کھول کے بیڈ پر ہی ہاتھ پھیر کے موبائل ڈھونڈ لیا۔

"ہیلو، السلام علیکم!" اسکرین پر دل آرا کا نمبر دیکھ کر اس کے حواس قائم ہوئے۔

"وعلیکم السلام! کیسی ہو؟" دل آرا کا دھیان اسی میں تھا۔

"ٹھیک ہوں۔" اس نے آنکھیں زور سے میچ کر کھولیں۔

"نہ ٹھیک ہو نہ ہی خوش۔" انہوں نے اسے جتلا دیا۔

انعم کی آنکھیں یکدم پوری کھل گئیں، اسے لگ رہا تھا کہ وہ اپنی محرومی اور اداسی کے ساتھ تنہا کھڑی ہے تو وہ غلط تھی۔ انہوں نے اس کے چہرے پر ٹھہرا کرب پڑھ لیا تھا۔ کھوٹ اس کی محبت یا نیت میں آ گئی تھی، وہ رشتوں کی پہچان بھولتی جا رہی تھی۔

"ایسا کچھ نہیں۔" کافی دیر بعد وہ فقط یہی کہہ پائی۔

"تو پھر تم روئی کیوں ہو؟" وہ اسے نظر نہیں آ رہی تھی مگر وہ جان گئی تھیں۔

اب کے اسے حیرت نہیں ہوئی تھی کیونکہ اس کی آنکھوں اور عقل پر پردہ پڑ چکا تھا۔

وہ اٹھ بیٹھی۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

''کچھ نہیں ماما جی، بس یوں ہی مجھے رونا آ گیا تھا۔'' اسے بالآخر تسلیم کرنا ہی پڑا۔

''دعا کے پریگننٹ ہونے پر یا احسن کی خوشیوں پر۔'' انہوں نے دکھتی رگ پکڑ لی۔

''آپ جانتی ہیں، میں حسد نہیں کرتی ہوں۔'' انعم کو برا لگا۔

''میں جانتی ہوں کہ تم خود سے کمتر سے حسد نہیں کرتیں لیکن یہ تم اچھے سے جان لو کہ دعا ہمیں سات پوتے بھی دے دے تب بھی وہ کبھی تمہاری جگہ نہیں لے سکتی۔'' ان کا لہجہ مضبوط اور مستحکم تھا۔

''آپ یہ نہ بھی کہیں تب بھی مجھے یقین ہے لیکن جو آج پہلی بار میں نے احسن کی آنکھوں اور چہرے پر دیکھا ہے وہ احساس بہت انوکھا اور انہونا سا ہے۔'' اس کی آواز پر کپکپاہٹ واضح تھی۔

''بی بی پریوانو! اب بہت کچھ ایسا ہوگا، جو پہلے نہیں ہوا۔ لیکن تم فکر نہیں کرو، ہونے دو، یاد رکھو کہ یہ بچہ ہمارے خاندان کے لیے کتنا اہم ہے۔'' دل آرا نے اس کے ذہن میں راسخ کرنا چاہا، وہ اسے احساس کمتری سے باہر نکالنا چاہتی تھیں۔

''اس خاندان اور بچہ سے بڑھ کر، میرے لیے صرف احسن اہم ہے۔'' وہ زور سے بولتی ہوئی رو پڑی۔

وہ بھی خاموش ہوگئیں، انعم کے دل میں اٹھتے طوفانوں کا اندازہ تھا، احسن کی شراکت قطعاً برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

''کیوں انو! میں نے تمہیں آل ریڈی ہی سب تفصیل سے سمجھا دیا تھا۔ تم یہ سوچ کر ہی اپنا ظرف بڑا کر لو کہ احسن دعا میں انٹرسٹڈ نہیں تھا نہ ہی دعا اس میں۔ ساری پلاننگ ہم دونوں نے اپنے فائدے کے لیے کی ہے، دعا تمہیں بچہ دے گی، تمہاری گود بھر جائے گی۔ تمہاری محبت کا بٹوارہ ہوگا تو وہ بھی اپنی اولاد میں تمہیں حصہ دار بنائے گی، سودا گھاٹے کا نہیں ہے۔'' وہ اسے نرمی اور سبھاؤ سے ٹال رہی تھیں۔ انہیں افسوس تھا کہ اس نے اپنی عقل کا درست استعمال کرنا ترک کر دیا تھا۔

''نہیں ہے مجھ میں آپ جتنا ظرف، آپ نے ایک یتیم و مسکین تین سال کی انو کو سینے سے لگا لیا۔ اللہ کی قسم اگر میری سگی ماں زندہ ہوتی تو وہ بھی مجھے اتنی محبت نہ دیتی جتنی آپ نے مجھے دی لیکن ماں..... مجھ میں حوصلہ نہیں ہے، میں ٹوٹ رہی ہوں، مر رہی ہوں۔'' وہ پاگلوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

دل آرا خاموش ہوگئیں کیونکہ اتنی جذباتی حالت میں اسے کچھ بھی سمجھانا ـــــ ناممکن تھا۔

☆ .... ❁ .... ☆

رابعہ احمد باری باری سب کے آگے ناشتے کے لوازمات رکھتی جا رہی تھیں، عمر تقریباً بھاگتا ہوا ٹیبل تک آیا۔

''سوری، میں لیٹ تو نہیں ہو گیا۔'' اس نے عمیر اور نوال کو باری باری دیکھا۔

ریاض احمد نے اسے اوپر سے نیچے تک گھورا، نوال نے شرارت سے مسکرا کے کندھے اچکا دیے۔

''پورے سات منٹ لیٹ ہو۔'' عمیر نے رسٹ واچ دیکھ کے حساب لگایا۔

''وہ کل میں فنافٹ ایویں سا تیار ہو کے آفس چلا گیا، آج میں نے خوب دل لگا کے تیاری کی ہے۔ اچھا لگ رہا ہوں ناں۔'' اس نے اپنی تاخیر کی وجہ بتائی۔

رابعہ نے بولنے کے لیے منہ کھولا تھا اس سے پہلے ریاض احمد بول پڑے۔

''آفس جانا ہے فیشن شو میں نہیں۔'' وہ تلخ ہو گئے۔

''اگر میں فریش ہوں گا تو میرا ذہن بھی تازہ دم رہے گا جو کہ بہت ضروری ہے۔'' عمر نے جواز پیش کیا۔ عمیر منہ پر ہاتھ رکھ کے اپنی ہنسی روکنے لگا۔

''تمہارا ذہن صرف غلط رستوں پر ہی دوڑ سکتا

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ہے۔'' ان کی بڑبڑاہٹ اتنی واضح ضرور تھی کہ سب نے سن لی۔

☆......۞......☆

انعم کو رات بھر ٹھیک سے نیند بھی نہیں آئی، منہ ہاتھ دھو کے وہ چہل قدمی کے خیال سے باہر آئی تو اچانک اس کی نظر کچن میں کھڑی دعا پر جا پڑی۔ وہ حیران سی اس طرف آ گئی۔

''گڈ مارننگ!'' اس نے چوکھٹ سے ٹیک لگا لی۔

دعا پلٹی۔ ''گڈ مارننگ!'' وہ پھر سے آٹا گوندھنے لگی۔

''کیا کر رہی ہو؟'' اس نے ٹوہ لی۔

''آٹا گوندھ رہی ہوں۔'' سادہ سا جواب تھا۔

''اچھا آٹا گوندھ کے میرے لیے جوس بنا دو۔'' انعم آرڈر پاس کر کے وہیں کرسی گھسیٹ کے بیٹھ گئی' اس کا جوس پینے کا ارادہ ابھی بنا تھا۔

دعا آٹا پیالے میں نکال کے پرات اور ہاتھ سنک میں دھونے لگی، برتن لگا کے وہ فریج میں سے پھل نکال لائی۔

''بہت خوش ہو تم دعا!'' اس نے تمہید باندھی۔

رات سے کرب اس کے اندر پل رہا تھا۔

''ہاں خوش ہوں۔'' اس نے سچ بولا۔

''ماں بننے پر یا احسن کی نظروں میں برتری حاصل کرنے پر۔'' اب لہجہ کڑوا ہو چکا تھا، آنکھیں پھیل گئی تھیں۔

''برتری کیسی؟ شاید تم بھول گئی ہو کہ اس شادی کا مقصد یہی تھا۔'' وہ اسے یاد دہانی کرواتے سیب دھونے لگی، اس نے انعم کے حملے سے بچنا تھا۔

''ہمارا تو بس یہی ایک مقصد تھا لیکن تمہارے بہت سے مقاصد ہیں جواب ایک ایک کر کے پورے ہوتے جائیں گے۔'' اس نے ہوا میں تیر چلاتے الزام دھرا۔ رات دل آرا کی کی گئی نصیحتوں کا رتی بھر بھی اثر نہیں ہوا تھا۔

''تم بلاوجہ مجھ پر شک نہ ہی کرو تو بہتر ہے۔''

دعا پلیٹ میں سیب کاٹنے لگی۔

''چلو ہم کوئی اور بات کر لیتے ہیں۔'' دعا کو صبح صبح جھگڑا کرنا اچھا نہ لگا۔

کل ہی تو اسے اتنی بڑی خوش خبری ملی تھی، رات بھر اس نے اور احسن نے بہت خوب صورت سپنے دیکھے تھے۔ احسن کی اپنے بچے کے لیے لمبی پلاننگز تھیں جو وہ سن کے محض مسکراتی رہی، انعم کا رویہ پچھلے دنوں نارمل رہا تھا۔

''اور بات یہ کہ...... احسن کو اب تمہارے پاس سونے کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس بات کی اسے تکلیف تھی جو زبان تک آ گئی تھی۔ دعا کے ہاتھ لمحہ بھر کو رکے۔

''یہ بات آج تم اسے سمجھا دینا۔''

اس نے گیند دعا کی کورٹ میں پھینکی' وہ خاموش رہی۔ اسے انکار کر کے غصہ دلانے کی جرأت نہیں تھی، احسن واک پر گیا تھا۔ اسے بھی ابھی آ جانا تھا، وہ اس تلخ گفتگو کو سمیٹ دینا چاہتی تھی۔

''شوگر مت ڈالنا۔'' نیا آرڈر۔

''اب تم احسن کو نخرے دکھاؤ گی، فرمائشیں کرو گی، تمہارے پاؤں جم گئے ہیں، اب اسے خود سے باندھ کے، مجھ سے دور رکھنے کی کوشش کی جائے گی اور تم......''

دعا نے مشین کے بٹن پر انگلی رکھ دی تا کہ شور میں اس کی آواز دب جائے۔ انعم دانت کچکچا کے رہ گئی' دعا کو اس کی سوچ پر ہنسی بھی آ رہی تھی، جب تک مشین نہ بند ہوئی وہ دعا کی پشت کو گھورتی رہی۔

''میرا اتنے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کرنے کا کوئی ارادہ نہیں البتہ تم جو چاہو، احسن کو سمجھا دو۔ مجھے قطعاً کوئی اعتراض نہیں۔'' دعا نے نرمی سے اپنا مؤقف بتا دیا۔

''طنز کر رہی ہو؟'' اس کی نرمی بھی زہر لگی تھی۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

اس نے اپنے آگے جوس رکھتی دعا کو گھورا۔

''مشورہ دے رہی ہوں۔'' وہ کہہ کر پلٹ گئی اور فریج میں سے قیمہ نکالنے لگی۔

''مجھے تمہارے مشوروں کی ضرورت نہیں۔'' وہ مزید چڑ گئی۔

''دعا......دعا......'' احسن باہر سے ہی آوازیں دیتا آرہا تھا۔

انعم کے کان سائیں سائیں کرنے لگے، وہ صبح اٹھ کے اسی کو پکارتا تھا اس گھر میں صرف انعم کے نام کی گونج سنائی دیتی تھی۔ آج دعا کا نام بھی در و دیوار سے ٹکرا گیا تھا۔

''تم یہاں ہو میں تمہیں بیڈ روم میں ڈھونڈ آیا ہوں۔'' وہ کچن میں آ گیا۔

''جی میں آپ کے لیے قیمہ والا پراٹھا بنا رہی تھی، آپ کو پسند ہے ناں۔ آپ مجھے کیوں ڈھونڈ رہے تھے۔'' اس نے قیمہ میں سوکھا دھنیا اور زیرہ مکس کرتے پوچھا۔

''مگر تم چولہے کے سامنے اتنی دیر کھڑی نہیں رہ سکتیں، ماما نے رات تمہیں منع کیا تھا ناں۔ اب کیا مجھے ڈانٹ پڑواؤ گی۔'' احسن ناراض ہونے لگا۔

''کیا ہو گیا ہے، صرف آپ کا بریک فاسٹ ہی تو بنا رہی ہے۔'' انعم فٹ سے بیچ میں کود پڑی۔

''ڈاکٹر ماہرہ کہہ رہی تھیں، فرسٹ بے بی ہے، بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ ذرا سی کوتاہی بہت بڑے نقصان سے دوچار کر سکتی ہے۔'' احسن کا فرمان سن کے اس کی آنکھیں پھٹ گئیں۔

''آپ نے خود ڈاکٹر ماہرہ کو کال کی تھی؟'' اس کے منہ سے سیٹی نما آواز نکلی۔

''ہاں میں نے کی تھی، یار انعم! تم پراٹھا بنا دو، ساتھ میں ہری مرچ کی چٹنی بھی بنا لینا میرا دل کافی دنوں سے چاہ رہا تھا اور تم چلو کمرے میں۔'' احسن نے آگے بڑھ کر اس کی کلائی تھام لی۔

انعم اس کی جرأت پر حیرت کے زیر اثر تھی، اس کا کلائی تھام لینا ایسے لگا کہ چھت سر پر آ گری ہے۔ اس کے ہاتھ سے جوس کا گلاس گرتے گرتے بچا، اس نے بمشکل اپنے حواس قابو میں رکھے۔

''ہاتھ تو دھو لینے دیں۔'' دعا احتجاج کر رہی تھی۔

اس کا دل بھی مٹھی میں جکڑا گیا تھا، احسن کی ان تمام حرکات کا خمیازہ اسی کو بھگتنا تھا کیونکہ انعم نے تیور بدل رہے تھے۔

''اٹیچ باتھ میں دھو لینا۔'' وہ اسے باہر لے گیا تھا۔

''آئندہ میں تمہیں کوئی کام کرتے نہ دیکھوں۔'' وہ اس سے کہہ رہا تھا جو انعم نے بھی بخوبی سن لیا۔

اس کے جسم سے جان نکلی جا رہی تھی وہ ساکت و جامد میز کی سطح کو گھورتی رہ گئی۔

☆☆

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

گُلِ کہسار

فرح بخاری

قیمت -/400 روپے

منگوانے کا پتہ:

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37، اردو بازار، کراچی

فون نمبر: 32735021

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

URDUSOFTBOOKS.COM

قرۃ العین خرم ہاشمی

قدم

URDUSOFTBOOKS.COM

"ہر وقت تسبیح گھماتی رہتی ہیں اماں نجانے کیا پڑھ پڑھ کے اپنے بیٹوں پر پھونک مارتی ہیں۔ اس لیے تو دونوں بیٹے ماں کی ہر بات پر آنکھ بند کر کے عمل کرتے ہیں!"

نائلہ نے کھانے کی ٹرے رکھتے ہوئے کن اکھیوں سے اپنی ضعیف ساس کی طرف دیکھا جو پاس بیٹھے ہوئے بڑے بیٹے پر پھونک مار رہی تھیں۔

"ارشد کے لیے بھی کھانا لے آئیں۔ میرے ساتھ کھالیتا۔ آج کتنے دنوں کے بعد تو فراغت ملی ہے اسے!" اماں نے بڑے بیٹے کی طرف پیار بھری نظروں سے دیکھا۔ ارشد جو نائلہ کے اشارے پر اپنی جگہ سے اٹھنے لگا تھا، اماں کی بات سن کر رک گیا۔

"ارے اماں! ارشد ابھی تھکے ہوئے آئے ہیں! کچھ دیر آرام کریں گے۔ پھر کھانا کھائیں گے آپ آرام سے کھانا کھائیں، چلیں ارشد! میں آپ کے کپڑے نکال دوں۔"

ہمیشہ کی طرح نائلہ نے باتوں کے ہیر پھیر میں ارشد کو الجھا کر اماں کے پاس سے اٹھا دیا۔ ارشد بھی ہمیشہ کی طرح بیوی کی آنکھوں اور کانوں سے دیکھنے اور سننے والا۔ فوراً سر جھکا کر اٹھا اور اماں کے کمرے سے باہر نکل گیا۔ اماں نے گہری سانس لی۔ دل کے نہاں خانے سے اٹھتا اداسی کا ہلکا سا دھواں، سانس کی ڈور سے الجھا تو اماں کا دل گھبرانے لگا۔ وہ سر جھٹک کر سامنے رکھے سادہ سے کھانے کی طرف متوجہ ہوئیں۔ کچھ دیر تک دیکھتی رہیں اور پھر بسم اللہ پڑھ کر پہلا نوالہ توڑا۔ چند نوالے بمشکل کھائے اور پھر اماں نے روٹی لپیٹ کر رکھ دی۔

"شکر ہے میرے مولا۔۔!" اماں کی زبان سے شکر کا کلمہ نکلا۔

"زوہیب کے آنے میں ابھی کافی دیر ہے!"

اماں نے سامنے دیوار پر لگی گھڑی پر نظر ڈالی اور نیم دراز ہو کر اپنی تسبیح تھام لی۔ زوہیب کا انتظار کرتے ہوئے تسبیح کے ہر دانے کے ساتھ خیر کی دعا نکل رہی تھی۔

☆☆☆

"آج ویک اینڈ ہے۔ سب دوست کریم مارکیٹ میں اپنی مخصوص جگہ پر جمع ہو رہے ہیں۔ زبردست سا پیزا' لزانیہ میرے طرف سے! آخر تنخواہ میں اضافہ جو ہوا ہے۔ تم بھی ٹائم سے آجانا بلکہ ایسا کرو۔ میرے ساتھ ہی چلو۔ گھر جا کر کیا کرو گے!"

فیضان نے آفس سے نکلتے زوہیب سے کہا تو بائیک میں چابی لگاتا، وہ مسکرا دیا۔

"نہیں یار! پچھلے کچھ دنوں سے اماں کی طبعیت ٹھیک نہیں ہے۔ اکیلے گھبرا جاتی ہیں! ویسے بھی سارا ہفتہ انہیں ٹھیک سے وقت نہیں دے پاتا ایک ویک اینڈ تو ملتا ہے۔ وہ بھی ان کے ساتھ نہ گزاروں۔"

"ایک تو تم بھی نا یار! اپنے والدین سے سب ہی محبت کرتے ہیں مگر تم نے تو حد ہی کر دی ہے۔ اپنے لیے بھی تھوڑا ٹائم نکالا کرو۔ کل کو تمہاری شادی بھی ہونی ہے۔ اپنی فیملی کے لیے کیسے وقت نکالو گے!"

فیضان نے ہمیشہ کی طرح اسے سمجھایا۔

"تو کیا اماں میری فیملی نہیں ہیں؟" زوہیب نے تعجب سے پوچھا۔

"تم سمجھ نہیں رہے یار!" فیضان نے کچھ کہنا

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

چاہا۔

"ایسی سمجھ تم رہنے ہی دو میرے بھائی! ابھی میں چلا۔" زوہیب نے ہیلمٹ پہنتے ہوئے ہاتھ ہلایا اور زن سے بائیک اڑا کر لے گیا۔

☆☆☆

"یہ دیکھیں اماں!" کھانے کے بعد زوہیب ماں کے ساتھ لیٹ کر باتیں کرنے لگا اور پھر ہاتھ میں پکڑے موبائل پر انھیں نعتیں لگا دیں۔ اماں بہت خوش ہو کر دیکھنے لگیں۔

"زوہیب! میرا بہت دل کرتا ہے کہ میں اللہ کے گھر جاؤں مگر۔۔۔!" اماں نے حسرت سے موبائل میں نظر آتے خانہ کعبہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"مگر کیا امی! میں تھوڑے پیسے جوڑ لوں۔

URDUSOFTBOOKS.COM

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ان شاء اللہ آپ کو ضرور لے کر جاؤں گا!" زوہیب نے یقین سے کہا تو اماں دھیرے سے مسکرا دیں۔

"بیٹا! بیماری نے کسی قابل کب چھوڑا ہے۔ اب مجھ سے سفر کہاں ہوگا! بس میری دعا ہے کہ تم بہت جلد اللہ کے گھر کا دیدار کرو۔ اگر تم نے کرلیا تو میں سمجھوں گی کہ میں نے بھی کرلیا ہے۔"

"یہ کیا بات ہوئی اماں! ہم دونوں ساتھ ہی جائیں گے دیکھ لینا!" زوہیب نے کہا تو اماں خاموشی سے کچھ سوچنے لگیں۔

"زوہیب بیٹا! تم نے میری بہت خدمت کی ہے۔ میری ہر بات مانی ہے۔ بیٹا! میری خواہش ہے کہ اب تم شادی کرلو۔ دیکھو تمہارا بڑا بھائی خیر سے شادی شدہ بال بچوں والا ہے۔ وہ اپنی زندگی میں سیٹ ہے۔ اس لیے میں اس کی طرف سے مطمئن ہوں مگر میرا دل ہر وقت تمہارے لیے بے چین رہتا ہے۔ میرے بعد تم کیا کروگے!"

اماں نے کہا تو زوہیب نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

"اماں! آپ ایسی باتیں کیوں کررہی ہیں!" زوہیب نے ماں کا کمزور ہاتھ تھام کر کہا۔

"بیٹا! سوچنا پڑتا ہے۔ آنے والے وقت کے لیے! بس تم اب کچھ نہیں کہوگے۔ میں کل ہی تمہاری پھپھو کے گھر جاؤں گی۔ لیلیٰ سے تمہاری منگنی ہوئے بھی کئی سال گزر گئے ہیں۔ وہ لوگ بھی پوچھ پوچھ کر تھک کر خاموش ہوگئے۔ اگر لیلیٰ کی مرضی اور پسند شامل نہ ہوتی تو شاید وہ یہ رشتہ ہی ختم کردیتے!" اماں نے آہستہ سے سمجھایا۔

"ہاں تو کردیں! کسے فکر ہے!" زوہیب نے لاپروائی سے کہا تو اماں نے مسکرا کر اس کا کان پکڑ لیا۔

"اچھا زیادہ ڈرامے مت کر ماں کے سامنے جانتی ہوں تیرے دل کی بات! روز رات کو اس سے باتیں کرتا ہے۔ تُو سمجھتا ہے کہ میں سورہی ہوں اس لیے مجھے کچھ نہیں پتا۔ مگر سب خبر ہوتی ہے مجھے!"

اماں کے کہنے پر زوہیب کھسیانا ہو کر ہنس پڑا۔

"اچھا مان لیا! میری ماں بی بی سی ہے نا۔۔!"

"وہ کیا ہوتا ہے؟" اماں نے حیرت سے سوال کیا۔

"وہ جسے سب کی خبر رہتی ہے!" زوہیب نے ماں کو ٹالا۔

"سب کی تو نہیں، ہاں مگر ماں کو اپنے بچوں کی خبر ضرور رہتی ہے!"

اماں نے بھی اطمینان سے جواب دیا تو زوہیب مسکرا کر اثبات میں سر ہلانے لگا۔

☆☆☆

"ارے تم لوگ آج بھی گھر پر ہو؟ کہیں آؤٹنگ پر ہی چلے جاتے!"

نائلہ گنگناتی ہوئی نیچے اتری تو لاؤنج میں ٹی وی کے سامنے بیٹھی لیلیٰ کو دیکھ کر کہنے لگی۔ زوہیب کی شادی کے بعد وہ لوگ اوپر والے پورشن میں سیٹ ہوگئے تھے۔ نائلہ دن میں اکثر نیچے کا چکر لگا کر سن گن لینے کی کوشش کرتی۔ چھ مہینے گزر جانے کے باوجود اسے اپنے مطلب کی کوئی بات نہیں ملی مگر پھر بھی وہ اپنی طرف سے پوری "ایمان داری" سے کوشش کرتی رہتی تھی کہ کسی طرح ان لوگوں کی پرسکون زندگی میں ہلچل مچا کر تماشا دیکھ سکے۔

"آئیں بھابھی! میں ابھی چائے بنانے کے لیے اٹھ ہی رہی تھی۔ اچھا ہوا آپ آگئیں۔" لیلیٰ نے خوش دلی سے کہا۔

"چائے کو چھوڑو! میں نے جو پوچھا ہے اس کا جواب دو! زوہیب آج بھی اپنی اماں کے گوڈے سے لگ کر بیٹھا ہوگا اور تم یہاں اکیلی!"

نائلہ کے کہنے پر لیلیٰ گہری سانس لے کر رہ گئی۔

"ایسا نہیں ہے بھابھی! آپ کے دیور تو اپنی بائیک کی ہفتہ وار صفائی میں لگے ہوئے ہیں۔ اماں دوپہر کے کھانے کے بعد سے سورہی ہیں۔ عصر کی اذان ہوجائے تو انھیں اٹھادوں گی۔" لیلیٰ نے نرمی سے جواب دیا تو نائلہ "اونہہ" کر کے رہ گئی۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com
URDUSOFTBOOKS.COM

"ویسے تم اچھے پردے ڈالتی ہو! خیر مجھے کیا شوہر کو اپنے حقوق کا احساس نہیں دلاؤ گی تو وہ ایسے ہی لاپروائی سے پیش آئے گا۔ مجھے دیکھو ہر ویک اینڈ پر آؤٹنگ کا پروگرام بناتی ہوں۔ چاہے ارشد مانیں یا نہ مانیں۔ اس کے علاوہ بھی روز نہیں نہ کہیں ان کے ساتھ جاتی ہوں۔ اماں کی تو مجبوری ہے کہ کہیں آ جا نہیں سکتیں مگر ہم کیوں خود کو پابند کریں!" نائلہ نے نخوت سے کہا۔

"دراصل بھابھی! بات اپنی اپنی پسند اور ترجیحات کی ہوتی ہے! ضروری نہیں ہے کہ سب کی سوچ اور پسند ایک جیسی ہو! آؤٹنگ کرنا مجھے بھی اچھا لگتا ہے مگر کبھی کبھار! اور ایسا بھی نہیں ہے کہ مجھ پر کوئی پابندی ہے! میں اپنی مرضی اور خوشی سے زیادہ وقت گھر میں گزارنا پسند کرتی ہوں۔" لیلیٰ نے اطمینان سے جواب دیا تو نائلہ سر جھٹک کر رہ گئی۔

کچھ دیر وہاں بیٹھ کر پھر چلی گئی۔ لیلیٰ سب کاموں سے فارغ ہو کر میگزین دیکھنے لگی۔

"سنو! آئس کریم کھانے چلو گی؟" زوہیب نے میگزین کے ورق پلٹتی لیلیٰ سے پوچھا تو وہ چونک گئی۔

"اس وقت؟" لیلیٰ نے رات کے گیارہ بجاتی گھڑی کی طرف دیکھا۔

"ہاں تو؟" زوہیب نے تیکھے انداز میں پوچھا تو لیلیٰ اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ اماں رات کے کھانے کے بعد دوائی کھا کر سو چکی تھیں۔ لیلیٰ نے آہستگی سے دروازہ کھول کر اماں کو محو خواب دیکھا تو اطمینان سے سر ہلاتی باہر نکل گئی۔ زوہیب نے اسے آتے دیکھ کر بائیک اسٹارٹ کی۔ رات کی خاموشی میں بائیک کی آواز گونجی تو اوپر والی کھڑکی کا پردہ ہٹا اور نائلہ نے دونوں کو باہر جاتے ہوئے دیکھا تو منہ بنا کر رہ گئی۔

"اونہہ! لیلیٰ مجنوں!!"

زوہیب اور لیلیٰ قریبی آئسکریم پارلر میں آمنے سامنے بیٹھے، اپنے سامنے رکھی مزیدار اور پسندیدہ آئس کریم سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

"ویسے آج بہت مہربان ہیں لوگ!" زوہیب کے کپ میں سے چمچ بھر کر مزے سے کھاتے ہوئے لیلیٰ شرارت سے بولی۔ تو جواباً زوہیب نے بھی اس کے کپ کی طرف چمچ بڑھایا مگر لیلیٰ نے جلدی سے کپ پیچھے کر لیا۔ زوہیب اسے گھور کر رہ گیا۔

"ویسے ایک بات بتاؤ! کیا تم بھی نائلہ بھابھی کی طرح ہی سوچتی ہو کہ اماں ۔۔۔۔!!" زوہیب کے چپ ہونے پر لیلیٰ گہری سانس لے کر رہ گئی۔ وہ سمجھ گئی کہ زوہیب نے نائلہ بھابھی کی باتیں سن لی تھیں۔

"کیا آپ کو ایسا لگتا ہے؟ دیکھیں زوہیب! ہمارا رشتہ بنے زیادہ وقت نہیں ہوا مگر ہم دوستی کے ایک تعلق میں کئی سال سے بندھے ہوئے ہیں۔ شادی سے پہلے ہی میں بہت اچھی طرح سے جانتی تھی کہ آپ کی سوچ اور ذمہ داری کیا ہے؟ میں نے یہ سب دل سے قبول کیا ہے۔ اور اماں صرف میری ساس ہی نہیں، میری ممانی بھی ہیں۔ میرے دل میں ان کی جگہ اور مقام بہت اونچا ہے۔ آپ کسی وہم کا شکار مت ہوں۔"

لیلیٰ نے نرمی سے کہا تو زوہیب کے دل میں جہاں اس کا مقام مزید اونچا ہوا، وہاں اس سے محبت میں بھی اضافہ ہو گیا۔

"سچ پوچھو تو تم سے اتنے سال منگنی رہنے کے باوجود میں شادی کرنے سے ڈر رہا تھا، مجھے لگتا تھا کہ شاید میں ماں اور بیوی میں توازن نہیں رکھ پاؤں گا! نائلہ بھابھی اور ارشد بھائی کو دیکھ کر میں بہت حیران ہوتا۔ جس طرح نائلہ بھابھی نے ارشد بھائی کو اماں سے دور کر دیا، کہیں میری بیوی بھی آ کر ایسا نہ کرے! میں بہت چھوٹا تھا جب ابا ہمیں چھوڑ کر چلے گئے! اماں نے ہم دونوں بھائیوں کو بہت مشکل اور مشقت سے پالا پوسا ہے۔ میں ہمیشہ سے اپنی ماں کے زیادہ قریب تھا۔ ان کے ہر دکھ، درد کو بن کہے سمجھنے والا ۔۔۔! میں شاید کبھی نہیں بھول سکتا کہ میری ماں نے ہمارے لیے کتنی قربانیاں دی ہیں! اور شاید اسی وجہ سے

www.urdusoftbooks.com
URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

میں ان کے بارے میں بہت حساس ہوں!
زوہیب نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔
"آپ ہمیشہ مجھے اپنے ساتھ کھڑا دیکھیں گے زوہیب!" لیلیٰ نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو زوہیب اس کی آنکھوں سے جھانکتے یقین کو دیکھ کر مطمئن سے انداز میں مسکرا دیا۔

☆☆☆

"آپ کی بات ہوئی اماں سے یا نہیں!" نائلہ نے روز کی طرح جلدی جلدی کھانے کے برتن سمیٹتے ہوئے پہلا سوال یہ ہی کیا تو ارشد گہری سانس لے کر رہ گیا۔
"ایک بار کہہ تو دیا ہے تمہیں کہ اماں سے سب طے ہو گیا ہے پھر بار بار سوال کیوں کرتا! دیکھو اونے پونے میں گھر بیچنے کا کوئی فائدہ ہمیں بھی نہیں ہو گا۔ جب اچھی قیمت لگے گی تو گھر بیچ دیں گے یا مجھے میرا حصہ دے دیں گے۔ اب تم بھی کچھ صبر سے کام لو۔ تمہارے کہنے پر اپنی ماں اور بھائی کو چھوڑ کر یہاں آ گیا ہوں۔ تمہاری پسند کے مطابق، شہر کے پوش ایریا میں کرائے پر گھر لے لیا ہے۔ گھر سیٹ کرنے میں بھی کوئی کمی نہیں رکھی۔ جو تم نے چاہا، ویسا ہی تو ہو رہا ہے!"
ارشد نے تیز لہجے میں کہا تو نائلہ سنبھل کر بولی۔
"ہاں وہ تو مجھے پتا ہے۔ بچے بھی یہاں آ کر بہت خوش ہیں اور ہم یہ سب کر ہی کیوں رہے ہیں؟ اپنے بچوں کے اچھے مستقبل کے لیے نا!"
نائلہ نے ہمیشہ کی طرح بچوں کا نام لیا تو ارشد سر جھٹک کر رہ گیا۔
"ویسے کیا آپ کو لگتا ہے کہ زوہیب کے پاس کبھی اتنے پیسے ہوں گے کہ وہ ہمیں ہمارا حصہ دے سکے؟" نائلہ کی سوئی گھوم پھر کے وہاں ہی آ کر رکی۔
ارشد بھی سوچ میں پڑ گیا۔
"مشکل ہے! اس کی تنخواہ تو اتنی نہیں ہے اسے گھر بیچنا ہی پڑے گا! میں زیادہ انتظار نہیں کروں گا۔ آخر مجھے بھی کاروبار میں ڈالنے کے لیے رقم چاہیے!" ارشد نے دوٹوک لہجے میں کہا تو نائلہ کے دل میں سکون پھیل گیا۔
ارشد کو اس گھر سے یہاں تک لانے والی وہ ہی تو تھی! ارشد کا روز بہ روز ترقی کرتا کاروبار، پیسے کی ریل پیل نے نائلہ کا دماغ ساتویں آسمان پر پہنچا دیا۔ زوہیب کی ترقی کی رفتار کچھوے جیسی تھی جبکہ ارشد خرگوش کی طرح لمبی لمبی چھلانگیں مارتا، بہت آگے نکل گیا۔ اماں ان کے گھر چھوڑ کے جانے سے بہت افسردہ تھیں مگر وہ کچھ بھی کرنے سے قاصر تھیں۔ نائلہ نے بہت چالاکی سے، ان کا بیٹا دور کر دیا تھا۔ وہ سب سمجھتی تھیں مگر سمجھ کر بھی چپ تھیں۔ نائلہ کی حرکتیں اور چالاکیاں ان کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں تھیں۔ بس وہ گھر کا سکون برقرار رکھنے کے لیے خاموش رہتیں۔ جسے نائلہ ان کی کمزوری یا لاعلمی سمجھتی رہی۔
دوسری طرف لیلیٰ تھی۔ لیلیٰ جو بھی کرتی، اس میں کوئی دکھاوا یا مجبوری کا عنصر نہیں ہوتا تھا۔ لیلیٰ کا ہر عمل اس کی اچھی نیت اور صاف دل کو ظاہر کرتا تھا۔ وہ اپنی ساس کی تنہائی اور بڑھاپے کو سمجھتی تھی۔ اس لیے زیادہ وقت ان کے ساتھ گزارنے کی کوشش کرتی۔ بہت چھوٹی چھوٹی باتوں سے اس کے سچے اور صاف دل کا پتا چلتا تھا۔ اماں بھلے پرہیزی کھانا کھاتی تھیں مگر لیلیٰ انھیں دسترخوان پر اپنے ساتھ بیٹھنے پر اصرار کرتی اور وہ سب کھانا ایک ساتھ اور ایک جگہ پر کھاتے۔ پہلے پہل اماں نے منع کرنا چاہا تو لیلیٰ کے جواب نے انھیں لاجواب کر دیا۔
"اماں! آپ سے برکت ہے!"
لیلیٰ جب کبھی زوہیب کو پریشان دیکھتی یا اس کی طرف سے پریشان ہوتی تو دوڑی ہوئی اماں کے پاس چلی آتی۔
"اماں! زوہیب کے لیے دعا کریں! وہ آج کل پریشان ہیں۔"
"بےفکر رہو! میری ہر دعا میں شامل ہے وہ!" اماں تسبیح گھماتے ہوئے تسلی دیتیں۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

''جی اماں! مجھے پتا ہے مگر جب بھی میں آپ سے ان کے لیے دعا کا کہتی ہوں تو ان کی مشکل فوراً ختم ہو جاتی ہے!''

لیلیٰ کے کہنے پر اماں دھیرے سے مسکرا دیتیں۔ لیلیٰ بے خبری میں کائنات کے سب سے بڑے راز کو جان گئی تھی۔

کہ ماں کی دعا، اولاد کے لیے نجات کا ذریعہ ہے!

☆☆☆

''آج آپ نے آنے میں بہت دیر کر دی؟''

نائلہ نے تھکے ہارے ارشد کو پانی کا گلاس پیش کرتے ہوئے پوچھا۔ ارشد نے ایک ہی سانس میں گلاس خالی کر دیا۔

''بس کیا بتاؤں! کوئی کام بھی سیدھا نہیں ہو رہا۔ کاروبار میں مسلسل نقصان اٹھانا پڑ رہا ہے۔ قرض ہے کہ بڑھتا جا رہا ہے۔ اگر یہی صورت حال رہی تو...'' ارشد نے پریشانی سے کہا تو نائلہ اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ جہاں تھکن اور پریشانی کا گہرا جال بچھا ہوا تھا۔

''ایک بات کہوں' آج صائمہ کا فون آیا تھا میری پریشانی دیکھ کر اس نے ایک بابا جی کا پتا دیا ہے جو کچھ لیتے نہیں ہیں! اگر آپ اجازت دیں تو میں صائمہ کے ساتھ ان کے پاس چلی جاؤں!'' نائلہ نے جھجکتے ہوئے کہا تو ارشد نے بے دلی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''جو دل چاہے کرو!'' ارشد کہتا ہوا اٹھ گیا۔

نائلہ نے گہری سانس لے کر اپنی چھوٹی بہن صائمہ کو کال کی اور گرین سگنل ملنے کی نوید سنائی۔ اگلے دن نائلہ بابا جی کے پاس سے ہو کر آئی تو بہت پُرامید اور مطمئن تھی۔ ارشد کو تفصیل بتاتے ہوئے کہنے لگی کہ

''بابا جی بہت نیک اور نورانی چہرے والے ہیں! انھوں نے پڑھنے کے لیے کچھ وظائف دیے ہیں اور دعا بھی کی ہے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''اچھا چلو دیکھتے ہیں!'' ارشد پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

☆☆☆

''عجیب سی مشکلات میں گھر گیا ہوں۔ ایک مسئلہ حل نہیں ہوتا اور دوسرا سر اٹھا لیتا ہے۔ زندگی کتنی مشکل ہو گئی ہے!'' اپنے بچے کو ہسپتال سے ڈسچارج کروا کر ارشد گھر لایا تو تھک کر کہنے لگا۔ پچھلے ایک مہینے سے بچے کو لے کر مختلف ہسپتالوں کے چکر کاٹ رہا تھا کسی کو اس کی بیماری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ بمشکل بچے کی حالت سنبھلی تو وہ شکر کا کلمہ پڑھتے ہوئے گھر کو لوٹے۔

''ہاں کیا کہہ سکتے ہیں!'' نائلہ نے بھی مدھم لہجے میں کہا اور اٹھ کر بکھرے گھر کو سمیٹنے لگی۔

''مولوی صاحب! میں بہت پریشان ہوں! میرے لیے دعا کریں!'' ایک مدھم سی آواز پر ارشد نے سر اٹھا کر دائیں طرف دیکھا۔ جہاں ایک آدمی مولوی صاحب سے دعا کے لیے کہہ رہا تھا۔ نماز پڑھنے کے بعد بہت سے لوگ جا چکے تھے۔ بس کچھ لوگ ہی مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جن میں ارشد بھی تھا۔

''ہاں ضرور! دعا تو رحمت ہے اور رحمت تو سب کے لیے ہوتی ہے!'' مولوی صاحب نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''ایک بات بتاؤ بھائی! کیا تمہاری ماں حیات ہے؟'' مولوی صاحب کے پوچھنے پر اس شخص کے ساتھ ساتھ ارشد بھی چونکا۔

''اگر ماں حیات ہوتی تو فکر ہی کیا تھی مولوی صاحب! ان کی دعا تو ڈھال تھی میرے لیے!'' اس شخص کا لہجہ نم ہو گیا۔ مولوی صاحب نے ہمدردی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''ٹھیک کہا آپ نے! جس نے ماں سے دعا لی ہو، وہ دعا کے لیے در در کی ٹھوکریں نہیں کھاتا۔'' مولوی صاحب نے کہا۔

''اگر آپ کی ماں راضی گئی ہیں تو ان کی دعا کا سایہ ہمیشہ آپ کے سر پر رہے گا! فکر مت کریں!''

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

وہ شخص اثبات میں سر ہلانے لگا۔ ارشد کے دل کو کچھ ہوا۔ اسے اچانک یاد آیا کہ اماں بھی ہر وقت اس پر دم کرتی رہتی تھیں۔ اماں کے ساتھ رہتے ہوئے، وہ ایک عجیب سے حصار میں رہتا تھا۔ شاید وہ اماں کی دعاؤں کا حصار تھا۔ جو کسی مشکل یا پریشانی کو اس کے پاس نہیں آنے دیتا تھا۔ جب بھی وہ پریشان یا بیمار ہوتا تو اماں کے کچھ پڑھ کے پھونک مارنے سے فوراً ہی ٹھیک ہو جاتا۔ نجانے اماں کے دم میں ایسا کیا جادو تھا۔ وہ بے چین ہو کر اپنی جگہ سے اٹھا اور تھکے ہوئے قدموں سے مسجد سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

وہ جب اپنے پرانے گھر پہنچا تو مغرب کی اذان ہونے میں کچھ دیر باقی تھی۔ مین گیٹ کی لائٹس روشن تھیں۔ گھر کے در و دیوار پر ہوا نیا پینٹ اور پورچ میں کھڑی مہنگی گاڑی، اور زوہیب کے نام کی نیم پلیٹ، اس کی ترقی کی نشان دہی کر رہے تھے۔

"دیر سے ہی سہی مگر سب کچھ تو زوہیب نے بھی حاصل کر ہی لیا نا! اپنا گھر، اچھی گاڑی، ترقی، اچھی بیوی، پیارے بچے اور سب سے بڑھ کر اماں کی محبت اور رضا ۔۔۔! زوہیب کتنا خوش نصیب ہے۔۔۔!!"

ارشد نے گہری سانس لی۔ مغرب کی اذان کا نور ہر طرف پھیلنے لگا تو وہ مغرب کی نماز پڑھنے کے لیے قریبی مسجد کی طرف چل پڑا۔

وہ اپنے گھر لوٹا تو رات کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ نائلہ اسے دیکھتے ہی تیزی سے آگے بڑھی۔

"حد ہے بھئی! میں نے کتنی کالز کی ہیں مگر آپ کا فون ہی آف تھا! کہاں رہ گئے تھے آپ!"

نائلہ نے اس کے شکن زدہ اور مٹی سے اٹے کپڑوں کی طرف حیرت سے دیکھا۔

ارشد خاموشی سے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"سنو نائلہ! تم ہر فن میں طاق ہو نا!" ارشد نے مدھم لہجے میں پوچھا۔

"کیا مطلب؟" نائلہ نے الجھ کر پوچھا۔

"نائلہ! کیا تمہیں اماں کی طرح دم کرنا آتا ہے؟"

ارشد نے جھکا ہوا سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تو نائلہ اس کی سرخ آنکھوں میں تیرتے آنسو دیکھ کر ساکت رہ گئی۔

"تم جانتی ہو! آج میں کہاں گیا تھا؟" ارشد نے دوبارہ سر جھکا لیا۔

"کہاں؟" نائلہ نے سرسراتی آواز میں پوچھا۔

"اماں سے ملنے۔۔!!" نائلہ لرز کر رہ گئی۔

"مگر نائلہ! اتنی دیر تک ان کے پاس بیٹھنے پر بھی وہ نہیں ملیں۔ انھوں نے مجھے پریشان دیکھ کر ہمیشہ کی طرح دم نہیں کیا۔ نائلہ کیا مرنے کے بعد ماؤں کی قبر کی مٹی بھی خاموش ہو جاتی ہے؟ اگر ایسا ہے تو زوہیب کیوں کہتا ہے کہ اسے ہر بار اس مٹی میں سے ماں کی خوشبو، ماں کا لمس، ان کا احساس نظر آتا ہے۔۔! کیا اماں صرف زوہیب کی تھیں؟ دیکھو میں اماں کی قبر کی مٹی سے لپٹ کر اتنا رویا ہوں کہ خود مٹی ہو گیا مگر اماں کی خوشبو نہیں آئی! کیا وہ مجھ سے ناراض ہیں؟"

نائلہ پتھر کا بت بن کر کھڑی تھی۔ اس کی آنکھیں اپنے سامنے بیٹھے ہوئے مرد کو بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر روتا ہوا دیکھ رہی تھیں۔

آج اس کے اندر کی حاسد عورت کو شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ وہ جو آج تک اپنے پتے بہت چالاکی سے کھیلتی آ رہی تھی۔ آج منہ کے بل گری تو اسے اپنا بنایا ہوا یہ گھر بھی ہوا میں پتوں کی طرح اڑتا ہوا نظر آ رہا تھا۔

اس نے شکست خوردہ وجود کے ساتھ خود سے یہ اعتراف کیا تھا کہ

"مکاری اور چالاکی میں بھلے میں کتنی بھی آگے سہی! مگر میرے پاس اماں کے دم کا کوئی توڑ نہیں ہے۔"

www.urdusoftbooks.com

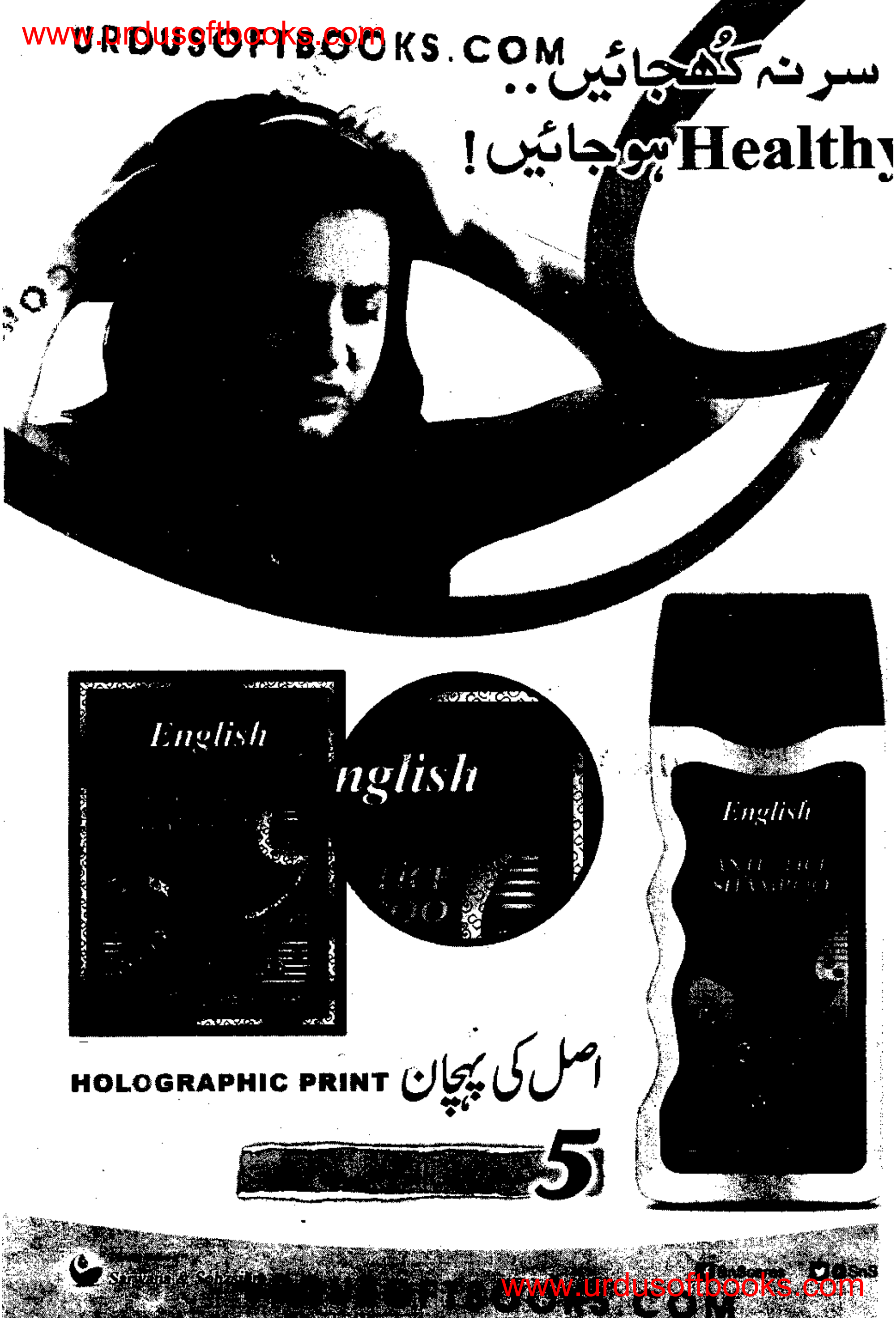

www.urdusoftbooks.com
www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

URDUSOFTBOOKS.COM

صائمہ اقبال

حالِ دل کُھل چکا

"اف منت کیا بتاؤں تمہیں۔ ان کو دیکھ کر کوئی یقین نہیں کر سکتا کہ لندن میں رہتے ہوں گے۔ آنٹی تو خیر شروع ہی سے مولبیانی (مولویانی) تھیں۔" اس کے برٹش لہجے میں اردو میں بات کرنے پر ادھر منت ہنس ہنس کر دہری ہو گئی تھی۔ موبائل ہاتھ میں پکڑے وہ پہلے کھڑکی میں کھڑی تھی پھر بیڈ پر گر گئی۔

"ان کی اولاد بھی ان ہی پر گئی ہے۔ جب تم یہاں آؤ گی تو دیکھنا کیسے کیسے نمونے بھرے پڑے ہیں ان کے گھر میں۔" اس کے انداز پر اس کا نقرئی قہقہہ کمرے کی خاموش فضا میں جلترنگ بجانے لگا۔

"اب تو مجھے بھی دیکھنے کا بہت شوق ہو رہا ہے۔ کئی سال پہلے دیکھا تھا۔ آنٹی سے تو ملاقات سال دو سال بعد ہو ہی جاتی ہے جب وہ پاکستان آتی ہیں مگر ان کی اولاد نہیں۔ کافی عرصہ ہو گیا ان کو دیکھے۔" کچھ سال پہلے دیکھی گئی اپنی کزنز اور لمبا مریل سا سرمد اسے یاد آ گیا۔

"کر لینا شوق بھی پورا انہیں دیکھنے کا، یہیں تو آنا ہے تمہیں۔ ملاقاتیں بھی ہوں گی۔" ابیہ نے اس کے شوق کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی تھی۔

"تم سناؤ تمہاری تیاری کہاں تک پہنچی۔ ہم تو ساری تیاری ادھر آ کر ہی کریں گے۔ پاکستانی لیٹسٹ

مُکمل ناوِل

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

URDUSOFTBOOKS.COM
URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ڈریسز۔ واہ۔" اس نے سوچ کر ہی خوب صورت کام والے کپڑوں کا مزہ لیا۔

"کچھ ہو گئی کچھ ہو رہی ہے۔ چل رہا ہے سب کچھ۔" اپنے کالے گھنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے اس نے سامنے شیشے میں اپنا عکس دیکھا اور کتنی دیر تک دیکھتی ہی رہی۔

"شادی کے ڈریسز بھی فیفی اور تم اپنی مرضی سے لے لینا۔ آج کل تو ویسے بھی اتنی ورائٹی ہے کہ چوائس مشکل ہو جاتی ہے۔" آخر وہ جس کا تذکرہ سننا چاہتی تھی' اس کا ذکر ہو ہی گیا تھا۔ اس کا گلابی رنگ مزید گلابی ہو گیا۔

"ہوں۔" ہولے سے بولتے ہوئے وہ مسہری پر بچھی چادر کے ڈیزائن پر انگلیاں پھیرنے لگی۔ وہ فیفی یعنی فیضان احمد کے متعلق پوچھنا چاہتی تھی' مگر ابیہ کے بیٹے کے رونے کی بدولت پوچھ نہیں سکی تھی۔

"اچھا منان کو دیکھ لوں ذرا پھر بات کریں گے اور ہاں تم دو چار اچھے اچھے ڈریسز کی فوٹوز سینڈ کرو' مجھے کچھ تو اندازہ ہو کہ کس طرح کا ڈریس لوں میں اپنے لیے۔" ابیہ اسے تاکید کرتے فون رکھ کر جا چکی تھی اور وہ آنے والے دنوں کے سنہری خواب آنکھوں میں سجائے خوامخواہ مسکرا رہی تھی۔

برٹش لہجے میں بات کرنے والا وجیہہ فیضان احمد صرف اس کی پھپھو کا بیٹا ہی نہیں تھا اس کو پسند بھی تھا۔ شاندار' من چاہی زندگی اور من پسند ساتھی۔ اس کی دھڑکنوں کی لے تھم تھم کر چلنے لگی۔ وہ شاید پندرہ سال کی تھی جب پھپھو نے اسے فیضان کے لیے مانگا تھا۔ پاپا کی لاڈلی بہن تھیں وہ بھلا ان کی بات کیسے ٹال سکتے تھے۔ سو اس کے ہاتھ میں فیضان کے نام کی انگوٹھی جگمگانے لگی تھی۔ ہر دو سال بعد آنے والی اس کی پھپھو اگر اس کی آئیڈیل تھیں تو ان کی اولادیں اس کی دوست۔

☆ ☆ ☆

محمد رؤف صدیقی پیپر مل کے مالک تھے جو انہوں نے انتھک محنت سے بنائی تھی ان کی چار بیٹیوں میں سب سے بڑی منت جو انگلش لٹریچر میں ماسٹرز کر رہی تھی۔ تحریم بی ایس سی میں تھی اور حریم اور امل دونوں جڑواں تھیں اور میٹرک میں تھیں۔ حرا رؤف ان کی بیگم پڑھی لکھی خاتون تھیں انہوں نے بہت سال پہلے ایک اسکول کھولا تھا جو اب اچھے اسکولوں میں شمار ہوتا تھا۔ ان کی ساری دلچسپیاں اسکول کے ساتھ تھیں۔

رؤف صدیقی کی دو بہنیں تھیں۔ حنا صدیقی اور ہما صدیقی۔ دونوں بہت سال پہلے بیاہ کر پہلے گاؤں اور پھر لندن چلی گئی تھیں۔ حنا بڑی تھیں۔ گاؤں میں شادی ہوئی تھی' پھر وہیں سے لندن جانے کا سلسلہ چل نکلا تھا اور ہما کو بھی انہوں نے ہی باہر بلایا تھا۔ حنا کی تین اولادیں ایک بیٹا اور دو بیٹیاں تھیں اور ہما کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔

رؤف صدیقی دونوں بہنوں سے چھوٹے تھے اس لیے ان کی اولادیں بہنوں کی اولاد سے چھوٹی تھیں۔ ہما کا بڑا بیٹا نعمان اور بیٹی ابیہ شادی شدہ تھے اور فیضان کے لیے انہوں نے منت کو مانگ لیا تھا۔

"منی' آج چلو میرے ساتھ شاپنگ کر لو۔ اتنے سارے کام جو پینڈنگ میں پڑے ہیں' ان کو بھی تو نمٹانا ہے' ویسے بھی تمہاری پھپھو کے آنے پر شاپنگ والی بات تو اب ختم ہوئی کیوں کہ ان کو صرف دو دن پہلے آنا ہے۔ اب ساری تیاری وہیں سے کریں گی۔ تم بھی مکمل کر لو اپنی شاپنگ۔"

حرا بیگم اس کے سامنے جوس کا گلاس رکھتے اسے تفصیل سے بتا رہی تھیں۔ انہوں نے آج اسی وجہ سے چھٹی کی تھی۔ منت ویسے ہی پیپرز کے بعد فارغ تھی۔ اس نے سرسری سا انہیں دیکھا اور گھونٹ گھونٹ جوس اپنے اندر انڈیلنے لگی۔

فیضان اس کا کزن اور منگیتر تھا' مگر بھاری بے قراری اور بے چینی صرف اسی کی طرف سے تھی۔ ہر کوئی فیضان کی بے انتہا مصروفیات کا ہی رونا روتا نظر

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

آتا تھا۔

"لیدر فیکٹری نہ ہو گئی، آرمی والوں کے رول ہو گئے۔" بے دلی سے سوچتے اس نے جوس ٹیبل پر رکھ دیا۔ عموماً "فون بھی وہی کیا کرتی اور کبھی کبھار اس سے بات ہو جاتی۔ وہ میز پر انگلیاں پھیرنے لگی۔

"منت تم خود ہی شاپنگ کر لو۔ کوئی اچھا سا کلر چوز کر لینا۔ میں تو ایک دن پہلے ہی آسکوں گا۔"

اسے اس کی کچھ دن پہلے کی باتیں یاد آئی تھیں۔ اس نے کیسے آرام سے کہہ دیا تھا اور اس کے سارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے تھے۔ کچھ سال پہلے تک کیسا ہنس مکھ ہوا کرتا تھا۔ اس نے ٹانگیں کرسی کے اوپر کر لیں۔ کچھ دن پہلے تحریم کے ساتھ کی گئی گفتگو اس کے ذہن میں ابھرتی رہی۔

"وقت کے ساتھ مجبوریاں آگئی ہے۔ اچھا ہے ہاں۔" تھی تو وہ اس سے چھوٹی مگر بلا کی سمجھ دار تھی۔ اپنے خدشات اس نے صرف تحریم سے شیئر کیے تھے اور تحریم نے اسے مطمئن بھی کر دیا تھا۔

"ہاں پروگرام کیا ہے آج کا۔ میں نے اسی لیے چھٹی کی ہے اور تمہاری خالہ بھی آرہی ہیں اسی مقصد کے لیے۔" حرا نے اسے وہیں بیٹھے دیکھ کر اس کے قریب آکر پوچھا تھا۔ وہ سوپ کے لیے سبزیاں نکال رہی تھیں جانے سے پہلے کچھ کام نبٹانے تھے۔

"آپ تحریم کو ساتھ لے جائیں، وہ پسند کر لے گی سب کچھ۔"

"شادی تمہاری ہے اور پسند تحریم کرے گی۔ واہ! تمہارا بھی جواب نہیں۔" وہ اسے شاباشی دے کر کندھا تھپکنے لگیں۔ ان کے انداز پر اسے ہنسی آگئی۔

"اچھا ٹھیک ہے، ہو جاتی ہوں تیار۔" بے دلی سے کہتی وہ چپل گھسیٹتے اٹھ کر کمرے کی جانب چل دی۔

"ہاں ہاں مہربانی ہے جناب کی۔" انہوں نے پیچھے سے آواز لگائی۔

"آخر یہ فیضان آ کیوں نہیں جاتا۔" اب وہ تحریم کے سر پر سوار تھی۔ اسکیچ بناتے بناتے اس نے اس کے منہ کے بگڑے زاویوں کو دیکھا۔ چہرے پر بے زاری چھائی ہوئی تھی۔

"تم ابیہ کو کیوں نہیں بلا لیتیں۔ آخر کو تمہاری سہیلی نند ہے تمہارے ذہن میں فتور ڈالنے والی۔ اب آکر شاپنگ کروا دے تمہیں۔" بڑے تحمل سے اس نے اسے راہ دکھائی۔

"ہاں کہہ چکی ہوں کئی بار، پر ہر ایک کی مصروفیات میری شادی کی منتظر تھیں۔ اس کے بچوں کے بھی پیپر ہیں۔"

"اگر تم پیپروں سے فارغ ہو گئی ہو تو کیا ضروری ہے کہ باقی سب بھی "ویلے" ہوں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ شادی کی تاریخ آگے کر دی جائے جب سارے فارغ ہوں تو...." اس کے چھیڑنے پر اس نے پاس پڑا تکیہ اٹھا کر اسے دے مارا۔

"من کی بچی! میرا سارا اسکیچ خراب کر دیا۔" اسے گھورتے وہ اپنا اسکیچ ٹھیک کرنے لگی۔

☼ ☼ ☼

بڑے سے صحن میں پھیلی دھوپ کی حدت ابھی جوں کی توں تھی۔ صحن میں لگا ہرے بھرے پتوں والا درخت اپنے نیچے چھاؤں کیے "سردارنی" اور اس کے بچوں کو اپنی پناہ میں لیے ہوئے تھا۔ کالے رنگ کی مرغی اور اس کے بچوں کو اس نے برآمدے سے درخت کے نیچے اونگھتے دیکھا تھا۔

"حسین کے لیے روٹی بنا لوں پھر ان کو دانہ ڈالتی ہوں۔" دل میں سوچتے ہوئے اس نے کچن کی جانب قدم بڑھا دیے۔

روٹی بنا کر رومال میں لپیٹتے اس نے سالن گرم ہونے کے لیے رکھا اور روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے چوزوں کے آگے ڈالے۔ مرغی اور چوزے جیسے کھانے پر ایک دم ٹوٹ پڑے تھے۔ مرغی زمین پر چونچ مار مار کے بچوں کو متوجہ کر رہی تھی۔ انہیں وہیں چھوڑ کر وہ اندر گئی، گھسیٹ کر پیڈسٹل فین برآمدے میں لائی، چٹائی بچھائی اور ایک بار پھر کمرے

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

میں آ گئی۔ حسین آنے والا تھا۔ جب وہ کھانا کھا چکتا تو بچے پڑھنے آنا شروع ہو جاتے یہ اس کے گھر کی ہر روز کی مصروفیت تھی اور اس میں کبھی کبھار ہی بدلاؤ آیا کرتا۔

حسین کی گاؤں کے نکڑ پر دکان تھی۔ تھوڑی بہت زمین بھی تھی جو اس کے اور اس کے چاچے کے بیٹوں کے درمیان تنازعے کا باعث تھی جس کی وجہ سے کئی سال سے مقدمہ چل رہا تھا۔ وہ تین سال پہلے گجرات کے اس دور دراز گاؤں میں بیاہ کر آئی تھی۔ ہاجرہ احسان اس کے ابو کی دور پرے کی بہن تھیں اور حسین ان ہی کا اکلوتا بیٹا تھا۔ امی ابو کے مرنے کے بعد ان بہن بھائیوں کی زندگی جن مشکلات کا شکار رہی تھی اس میں حسین کا رشتہ ایک نعمت کی طرح تھا جسے فوراً" قبول کر لیا گیا تھا اور وہ لاہور سے بیاہ کر گجرات آ گئی تھی۔ اب تو وہ اس زندگی کی عادی ہو گئی تھی۔ ویسے بھی حسین کی روز بروز بڑھتی محبت اسے کچھ اور سوچنے ہی نہ دیتی۔

"کیا حال ہے میری جگنی کا۔ کیسا گزرا آج کا دن۔" پورے دن کی تھکاوٹ کے باوجود وہ اسے دیکھ کر ہشاش بشاش ہو گیا تھا۔

"بالکل ٹھیک' آپ سناؤ' کیسا گزرا آپ کا دن۔"

اس نے اس کا دھیان خود سے ہٹاتے سامنے رکھی روٹی کی طرف دلایا اور اس سے پوچھنے لگی۔ اس کے دیکھنے پر وہ اسی طرح محجوب ہو جاتی تھی۔

"اچھا گزرا بس آج شہر جانا پڑا دکان کی کچھ چیزیں "مک" (ختم) گئی تھیں' کئی دنوں سے لوگوں نے پوچھ پوچھ کر جان تنگ کی ہوئی تھی۔ آج آخر کار لے ہی آیا جا کر۔" دال کے ساتھ روٹی کا لقمہ منہ میں ڈالتے وہ اسے تفصیلاً" بتا رہا تھا۔

"آج صبح ماسی حلیماں اپنی بیٹی کے ساتھ آئی تھی۔ بڑی عجیب بات کر کے گئی ہے۔" اس کی بات تسلی سے سننے کے بعد اس نے اچانک بات شروع کی تھی۔

"نہیں کیا عجیب بات۔" وہ جو ماسی کا حال چال دریافت کرنے والا تھا' اس کی بات کے دوسرے حصے پر ٹھٹک کر پوچھنے لگا۔

"رجو تو باہر ہوتی ہے ناں' پتا چلا تھا کہ مجھے آئی ہوئی ہے بال بچوں کے ساتھ' جب اماں زندہ تھیں تو بہت آنا جانا تھا اس کا یہاں' بیٹی بنایا ہوا تھا اماں نے اسے۔ مجھے بھی بھائی کہتی تھی۔ دیکھو کتنے دن ہو گئے۔ ملنے بھی نہیں آئی ایک بار بھی۔"

حسین کو زیادہ بولنے کی عادت تھی۔ وہ بولا تو بولتا ہی چلا گیا۔ "ویسے کیا کہہ رہی تھی۔"

"کہتی ہے' ادھر لندن میں مسجد میں بچوں کو قرآن پڑھایا کروں۔ اس کا میاں وہاں مسجد کی انتظامیہ میں ہے۔ کہتی تھی بھا حسین کو بھی لے جاؤں گی اور تجھے بھی' آپ سے ملنے آئے گی تو میاں بھی ساتھ آئے گا اس کا۔" اس نے اپنی طرف سے اسے حیران کر دیا تھا۔

"او مذاق کر رہی ہو گی۔ بڑی مذاقیہ تھی۔ ہر وقت ہاسے میں پڑی رہتی تھی۔ اب بھی وہی کر رہی ہو گی۔ ویسے بھی ہم اپنا گھر بار چھوڑ کر نئی جگہ پر کیوں جائیں گے۔"

اس نے سر ہلا دیا۔ یقیناً" وہ بہتر جانتا تھا۔ ہو سکتا ہے وہ مذاق ہی کر رہی ہو' بات آئی گئی ہو گئی تھی مگر اگلے ہی دن اس کی بات غلط ثابت کرنے کو وہ اپنے میاں کے ساتھ چلی آئی تھی۔

"بھائی' رہائش' تنخواہ اور اچھی جگہ پھر مسئلہ کیا ہے چلنے میں۔"

رجو (رضیہ) کا میاں عاطف اچھا خاصا پڑھا لکھا چلتا پرزہ قسم کا بندہ تھا وہ ہی حسین کو یقین دلانے میں کامیاب رہا تھا کہ یہ مذاق نہیں ہے۔

"اگر آپ اپنے لیے پریشان ہو تو میں ہوں ناں وہاں "آپ کی نوکری کا بندوبست میرا ذمہ۔" حسین کے سوچنے پر اس نے اس کی یہ پریشانی بھی دور کر دی تھی۔

وہ تب سے یہی سوچ رہا تھا کہ یہ آفر تو اس کی جگنی کے لیے تھی تو وہ کیا کرے گا وہاں۔ اماں کا انتقال ہوئے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کئی مہینے گزر گئے تھے۔ اس کا اپنا کوئی بہن بھائی تھا نہیں جس سے مشورہ کرتا۔ جگنی کے بھائی سے مشورہ کرنا چاہیے۔ اس نے سوچنے کا وقت لے لیا۔

✲ ✲ ✲

"ہما اپیا! کیا ریس لگا کر آئی ہیں۔ باقی لوگ کہاں ہیں؟" بڑے سے لان میں مہمانوں کا استقبال کرتے اسے ہما اندر جاتی نظر آئی تھیں۔ ابھی رات مہندی کے فنکشن پر ان سے ملاقات ہوئی تھی۔ پرسوں رات ان کی ساری فیملی کو انہوں نے ایئرپورٹ پر ریسیو کیا تھا۔ گھر لانے کھانا کھلانے اور گپ شپ میں وقت گزرنے کا علم ہی نہ ہو سکا تھا۔ ان کے بہت روکنے پر بھی وہ نہیں رکے تھے۔ ان کے ہوٹل میں کمرے پہلے سے بک تھے۔ سو وہ سب ادھر چلے گئے تھے۔ ہما کا چہرہ دیکھتے انہیں عجیب سا احساس ہوا تھا جسے وہ کوئی بھی نام دینے سے قاصر رہے تھے۔

"رؤف۔ رؤف وہ۔" کمرے کا دروازہ بند کرتے کوئی تیسری بار ان کا نام پکارتے وہ پھر سے چپ ہو گئیں۔

"سب ٹھیک تو ہے نا اپیا۔۔۔ امانت بھائی کی طبیعت۔۔۔" بہنوئی کے بخار نے انہیں کل کافی پریشان کیا تھا۔

"وہ ٹھیک ہیں۔ بس فیضان واپس چلا گیا ہے۔" ان کی طرف سے جیسے دھیمے لہجے میں دھماکا کیا گیا تھا۔

"کیا۔۔۔ کیوں۔۔۔؟ کیسے چلا گیا واپس۔" ہما کے الفاظ تو ان کی سمجھ میں آ گئے تھے شاید مفہوم سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

"وہ شادی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں نے ہی اسے قسمیں دے دے کر منایا، یہاں آنے پر راضی کیا اور آج۔۔۔" اب کچھ چھپانا ممکن نہیں تھا۔ وہ پھپک پھپک کر رونے لگیں۔ وہ سُن سے وہیں کھڑے رہے۔

"کیوں شادی نہیں کرنا چاہتا تھا۔" ٹھہری ہوئی آواز میں پوچھ کر وہ کرسی پر بیٹھ گئے۔

"وہ کسی اور سے شادی کرنا چاہتا تھا، مگر میں۔۔۔ میری ہی غلطی ہے سب۔۔۔ اگر پہلے۔" انہوں نے دھیمے لہجے میں اعتراف کیا۔

"تو آپا آپ مجھے پہلے بتا دیتیں۔ ذلیل کرنے کے لیے کیا آپ کو میں ہی ملا تھا اب جب کہ سب لوگ میرے گھر میں جمع ہیں۔ بارات کے آنے سے پہلے آپ مجھے بتا رہی ہیں کہ آپ کا بیٹا بھاگ گیا ہے۔" انہیں شدید غصہ آیا تھا۔ ان پر اسی لیے آواز اونچی ہو گئی۔ ہما نے ان کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔

"مجھے معاف کر دو رؤف۔" انہوں نے ان کے بندھے ہاتھوں کو نظرانداز کر کے دوسری جانب منہ پھیر لیا۔ ان کا غصہ قابو سے باہر ہوا جا رہا تھا۔

"مگر ایسا ہی بے قابو اور آوارہ تھا آپ کا بیٹا تو میری بیٹی۔۔۔ مجھے پہلے بتا دیا ہوتا۔" نہ جانے انہوں نے خود کو کیسے کنٹرول کیا تھا۔

"جائیں اپیا! یہاں سے چلی جائیں، اس سے پہلے کہ مجھے خود پر قابو نہ رہے۔" ان کا چہرہ شدت جذبات

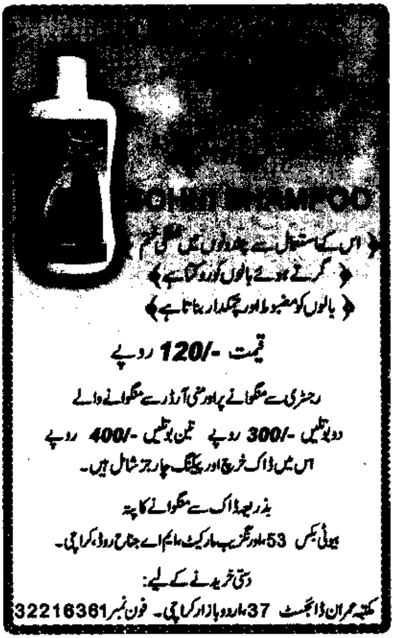

www.urdusoftbooks.com
URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

اور اشتعال سے دہک رہا تھا۔ مٹھیاں بند کرتے کھولتے ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کیا کریں۔

"یہ صلہ ہے میری ساری نیکیوں کا۔۔۔ امی ابو کے بعد آپ دونوں کی تعلیم، شادی، آپ کا باہر سیٹل ہونا۔ کہاں کمی رہی تھی جو آپ کی اولاد مجھے یوں ذلیل کر گئی۔ ابیہ کی شادی، نعمان کی شادی ان کے رشتے۔۔۔ رؤف بھیا کوئی رشتہ دیکھو، یہاں کے لڑکوں سے تو میں اپنی لڑکی کا رشتہ بالکل کرنے کی نہیں۔"

انہوں نے اس کی نقل اتاری۔

وہ آپے سے باہر ہو رہے تھے، تھوڑی دیر کو سانس لینے کے لیے رکے۔ اسی وقت حرا اور حنا کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔ کمرے کی فضا ان کی توقع کے بالکل خلاف تھی۔ کونے میں روتی ہوئی ہما اور سرخ چہرہ اور تیز آواز میں بولتا رؤف۔

"آپ کی آواز باہر تک جا رہی ہے۔ آہستہ بولیں۔ کچھ پتا بھی تو چلے کہ آخر ہوا کیا ہے؟" حرا نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر انہیں ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔

"پیچھے ہٹو۔ ان سے پوچھو، ان کا بیٹا بھاگ کر لندن چلا گیا انہیں سب کچھ پتا تھا کہ وہ شادی نہیں کرنا چاہتا۔ کہیں اور منہ کالا کر رکھا ہے اس نے پھر بھی یہ اسے بہلا پھسلا کر یہاں لے آئیں، پوچھو ذرا۔" حرا کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔

"یا اللہ خیر! باہر اتنے سارے مہمان جمع ہیں۔ اب کیا ہوگا؟" انہوں نے حنا کی جانب دیکھا جو سن کھڑی کبھی رؤف کو چپ کرانے اور کبھی ہما کی ہچکیوں کو بند کروانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"ہما! اسے کال کرنے کی کوشش کرنا تھی۔ اگر یہیں ہے تو اسے سمجھا لیتے۔" حنا نے دوپٹا سنبھالتے رسان سے ہما سے کہا تھا۔

"آپا! بڑی کوشش کی پر وہ فلائی کر چکا تھا۔ اب تک تو پہنچ بھی گیا ہوگا۔"

"تو آپ یہاں کیا کر رہی ہیں۔ جائیں چلی جائیں یہاں سے۔" رؤف نے ہاتھوں سے انہیں دروازے کی جانب دھکیل دیا۔

وہ بھائی کے غصیلے چہرے کو نظر بھر کر دیکھتے وہاں سے باہر نکل آئیں۔ نافرمان اولاد کیسے کیسے ذلیل و رسوا کرتی اور کرواتی ہے اس کا احساس کبھی پہلے نہیں ہوا تھا۔ آج ان کا اکلوتا بھائی ہمیشہ کے لیے ان سے جدا ہو گیا تھا۔ مرے قدموں کو گھسیٹ کر نہ جانے انہوں نے گیٹ تک کا راستہ کیسے طے کیا تھا۔

کمرے میں موجود تینوں نفوس ایک دوسرے کی طرف دیکھ نہیں رہے تھے۔ "اب کیا ہوگا؟" ایک ایسا سوال تھا جس کا جواب ان تینوں کو معلوم ہوتے ہوئے بھی کسی کو معلوم نہیں تھا۔

"وہ ادریس، میرا پارٹنر، دوبار رشتہ مانگا اس نے منہ سے منت کا۔ میں نے انکار کر دیا۔ کہنے لگا بھائی باہر کے لڑکوں پر اعتبار نہ کرنا۔ میں نے خوب دلائل دیے اسے۔ اب اس کو موقع مل جائے گا مجھے ذلیل کرنے کا۔" سر ہاتھوں میں تھامے، وہ اچانک بولتے بولتے خاموش ہو گئے۔

"آپا! آپ تو اسی شہر میں رہتی ہیں۔ آپ نے بھی کچھ نہ بتایا۔" انہوں نے پریشان بیٹھی حنا سے شکوہ کر ڈالا......

"بھائی! میں گھر میں رہنے والی عورت۔ مجھے کیا پتا......"

"کچھ کریں رؤف! میری تو بیٹی کی زندگی خراب ہو گئی۔" حرا روتے ہوئے ان کے پاس آ کر کھڑی ہو گئیں۔

"چار چار بیٹیوں کا ساتھ ہے۔ باقی رشتے کیسے کریں گے ہم۔ کیا بتائیں گے لوگوں کو۔"

رؤف صدیقی بھی کرسی پر بیٹھ جاتے کبھی اٹھ کر کمرے میں چکر کاٹنے لگتے۔ حرا ہاتھوں کو ایک دوسرے سے مسلتے، نم آنکھوں سے نہ جانے کیا سوچے جا رہی تھیں۔ "اب کیا ہوگا" کا ڈراؤنا جن منہ کھولے ان کے سامنے تھا۔

"آپا آپ ہی کچھ بتائیں، کریں اب باہر جا کر

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

لوگوں کو کیسے بتاؤں کہ بارات نہیں آ رہی' کیسے دوں گا جواب میں لوگوں کے سوالوں کا۔" پنڈال میں پوچھے جانے والے سوالوں کو سوچ کر ہی ان کی پیشانی عرق آلود ہو گئی تھی۔

"دولہا بھاگ گیا... بھئی دلہن تو سنی تھی بھاگتے یہاں تو دولہا ہی غائب ہو گیا... نیا زمانہ ہے بھئی نیا زمانہ۔"

"آپ کا تو بھانجا تھا ناں پھر ایسا کیسے ہو گیا۔"

"کیا لڑکی پسند نہیں تھی اسے۔"

"لڑکی میں ہی کوئی عیب ہو گا۔ عین وقت پر پتا چلا تو چھوڑ کے چلا گیا۔"

طرح طرح کی آوازیں ان کی سوچوں کو پراگندہ کر رہی تھیں۔ نیوی بلیو ڈنر سوٹ میں ملبوس باوقار سے رؤف صدیقی کے چہرے کا سارا خون جیسے کسی نے نچوڑ لیا تھا۔

"حوصلہ رکھو رؤف! اللہ بہتر کرے گا۔" آف وائٹ شیفون کے سوٹ میں بڑے سے دوپٹے سے خود کو مکمل طور پر ڈھانپے حنا نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی تھی۔

"حرا تم بھی حوصلہ کرو۔ بیٹھو یہاں۔" انہوں نے ہاتھ پکڑ کر روتی ہوئی حرا کو بیڈ پر بٹھا دیا۔

"پانی لاتی ہوں تمہارے لیے پھر مل کے کچھ سوچتے ہیں۔ اللہ بہتر کرنے والا ہے۔"

ان دونوں کو کمرے میں چھوڑ کر وہ کچھ دیر کے لیے منظر سے غائب ہو گئی تھیں۔

"انسب بیٹے! کہاں ہو تم۔ ابھی تک پہنچے نہیں یہاں۔ میں تو تمہارا انتظار کر رہی ہوں کب سے۔"

ان کا لاڈلا فرمانبردار بیٹا شاید اس بار اسی لیے پاکستان آیا تھا۔ انہیں اس پر خود سے زیادہ یقین تھا مگر اس سے بات کرنا بھی ضروری تھا۔

"بس امی! ابھی ماموں کے گیٹ سے اندر آیا ہوں۔ سوچا تھا پہلے پہنچ کر ماموں کی کچھ ہیلپ کروں گا مگر جلدی نہیں آسکا۔" وہ قریب ہی تھا انہیں حوصلہ سا ہوا۔

"انسب' مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے سیدھے اندر آجاؤ۔" فون بند کر کے وہ اس کا انتظار کرنے لگیں۔

✡ ✡ ✡

"کیا یہ ضروری ہے کہ دوسروں کا پھیلایا ہوا گند ہمیشہ ہم ہی سمیٹیں؟" بلیک ڈنر سوٹ میں ان کے سامنے کھڑا ان کا وجیہہ بیٹا ان سے جواب طلب کر رہا تھا۔ انہوں نے ایک تنبیہی نگاہ اس پر ڈالی۔ وہ اس کی صاف گوئی سے سراسیمہ ہو گئی تھیں۔

"اس طرح کی فضول باتوں کی مجھے تم سے توقع نہیں تھی۔" ان کا لہجہ تادیبی تھا۔

"ہاں توقع تو بہت سی چیزوں کی نہیں ہوتی۔ آپ کے عزیز از جان بہنوئی اور بہن نے کیا کیا؟ اس کی توقع تھی کیا آپ کو؟"

وہ نہ جانے کیا جتلانا چاہ رہا تھا۔ وہ سمجھتے ہوئے بھی انجان بن گئیں۔ وہ ان کے ساتھ ہی پاکستان آیا تھا مگر کراچی اپنے دوست کی شادی اٹینڈ کرنے چلا گیا تھا۔ کچھ کام اس کے ابو کے تھے جنہیں نبٹانے کے بعد وہ یہاں پہنچا تھا۔ اس کا انداز تھوڑا بدتمیز تھوڑا متنفر سا تھا۔ وہ کتنی دیر اس کی طرف دیکھتی رہیں۔ وہ کبھی کبھار ہی تو ایسا بدمزاج ہوتا تھا۔

"جو میں نے پوچھا ہے وہ بتاؤ' تم راضی ہو کہ نہیں۔" دوٹوک انداز میں اس سے بات کر کے وہ اسے دیکھنے لگیں۔

اس نے ایک لمبا گہرا سانس لے کر کندھے اور ہاتھ اوپر اٹھائے جیسے ساری صورت حال اس کی سمجھ سے باہر ہو۔

"کیا یہ سب آج ہی ضروری ہے۔"

"ہاں۔" اس کے پوچھنے پر انہوں نے صرف ایک لفظ کہا۔

"میرا بھائی میرے لیے کیا ہے۔ تم جانتے ہی ہو۔ اگر آج میں اس کا ساتھ نہیں دوں گی تو کون دے گا۔" اب کے ان کے انداز میں منت والا انداز در آیا

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

تھا۔

"پہلے بھی ایک بار "ساتھ دینے" کا انجام بھگت تو چکی ہیں آپ؟" متوازن و ہموار لہجے میں وہ انہیں جو یاد دلا رہا تھا' وہ انہیں بھولا ہی کب تھا۔

"تمہیں غصہ آجاتا ہے' کس بات پر آتا ہے' یہ بھی علم ہے۔ مگر اس بات کو کرنے کے لیے نہ جگہ مناسب ہے نہ وقت۔۔۔ تم اپنی شادی کا ہر اختیار مجھے دے چکے ہو' یاد ہے یا نہیں؟" آنے سے پہلے ہی تو انہوں نے اس سے بات کی تھی۔

"تو ٹھیک ہے' آپ کی مرضی۔"

اس نے کندھے اچکا کر انہیں مکمل اختیار دے دیا۔ جیسے معمولی بات ہو۔ تھوڑا اختلاف تھا' لیکن خیر۔۔۔ اس کا چہرہ جذبات سے عاری تھا نہ خوشی نہ غم۔۔۔ انہوں نے آگے بڑھ کر اس کا ماتھا چوم لیا۔

"میرے بچے! جیتے رہو۔ میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہو تم۔"

اس پر بے تحاشا پیار آیا تھا انہیں۔ وہ لینے تو پانی آئی تھیں مگر پانی کو بھول کر بھی بھائی کی سیرابی کا انتظام کر لیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"رؤف! انسب کو اپنا بیٹا بنا لو۔"

امداد غیبی کے منتظر رؤف صدیقی کھڑکی سے باہر جھانک رہے تھے' چونک کر مڑتے انہوں نے حنا اور انسب کو اپنے سامنے کھڑے دیکھا تھا۔

حنا نے حرا کا ہاتھ تھام لیا جو ابھی تک اسی جگہ کھڑی تھیں جہاں وہ چھوڑ کر گئی تھیں۔ رؤف صدیقی انسب کو سامنے دیکھ کر حیران ہی تو رہ گئے تھے۔ چھ فٹ سے نکلتا قد' ذہانت سے چمکتی آنکھیں' گندمی رنگت' مضبوطی سے جمے قدم۔ ابھی پچھلے سال ہی تو وہ لندن میں اس سے ملے تھے۔ فیضان پہلے ہی اپنے چچا سے ملنے دبئی جا چکا تھا۔ ہاں انسب سے ملاقات ضرور ہوئی تھی اور وہ اس سے بہت متاثر ہو کر آئے تھے۔ یونیورسٹی آف لندن سے ہسٹری کی ڈگری لینے کے بعد آج کل نہ جانے کیا کر رہا تھا۔

دماغ میں پنپتی الجھنیں' پریشانیاں اور اب۔۔۔

"آپا آپ کیا کہہ رہی ہیں۔" وہ بے یقین سے تھے۔ یک دم جیسے انہیں اندھیروں سے کھینچ کر باہر نکال لیا گیا تھا۔

"باہر کے لڑکوں کا کوئی اعتبار نہیں۔" ادریس ان کے اندر منہ پھاڑ کے چلایا۔ انہوں نے اندر کی آواز کو نظر انداز کر دیا تھا۔

"آپا! آپ نے انسب کی مرضی معلوم کر لی۔"

"تو اس کی مرضی کہاں ہو گی بھلا۔ اسے پڑھائی سے فرصت ہو تو کچھ اور سوچے یا پھر باپ کے ساتھ' ابھی بھی تو اسی کا سارا بندوبست کر کے آیا ہے۔ آرڈر لیٹ ہو گیا تو اس بار انہوں نے خود آنے کے بجائے اسے بھیج دیا۔"

ان کا چہرہ کھلا پڑ رہا تھا۔ رؤف کو اس کے اچھا ہونے میں کوئی شک نہیں تھا۔ جو تھوڑا تذبذب تھا' حرا کے ہاتھ دبانے اور سر ہلانے پر وہ بھی جاتا رہا تھا۔ انہوں نے چھوٹی بہن کو ہمیشہ تنقید کرتے' بڑی بہن کا مذاق اڑاتے دیکھا اور سنا تھا۔ وہ کبھی ٹوک دیتے کبھی نظر انداز کر دیتے' لیکن ان کے لیے دونوں برابر تھیں۔ کیا ہوا جو ہما کے پاس زیادہ پیسہ تھا۔ فیضان بینک میں اچھی پوسٹ پر تھا۔ امانت بھائی کا لیدر کا کاروبار تھا تو بڑی بہن بھی اچھا کھاتی پیتی تھیں۔ اولاد نیک تھی۔ ان کے لیے یہی بہت تھا۔

انہوں نے خود بھی تو صفر سے شروع کر کے سب کچھ حاصل کیا تھا۔ جدی پشتی رئیس تو تھے نہیں۔

"ٹھیک ہے آپا! جیسے آپ کی مرضی۔" انہوں نے کھینچ کر انسب کو سینے سے لگا لیا۔

☆ ☆ ☆

"وہ تمہارے قابل ہی نہیں تھا۔ اگر ہوتا تو یوں بے غیرتوں کی طرح منہ چھپا کے تمہیں اکیلا چھوڑ کر نہ بھاگتا۔ اللہ نے اسی میں تمہارے لیے بہتری لکھی تھی۔ اگر بعد میں کسی اور سے شادی کر لیتا یا عورتوں

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کے پیچھے۔۔۔"

بیٹی سے باتیں کرتے انہیں اس سے حد درجہ حیا آئی تھی لیکن جو کچھ وہ کہہ رہے تھے کہنا ضروری تھا۔اس کے سر پر ہاتھ رکھے وہ اسے سمجھاتے رہے۔

نہ جانے وہ خود کو تسلی دے رہے تھے یا اسے۔وہ کچھ بھی سمجھنے سے قاصر تھی۔جیسے بچے کے ہاتھ سے من پسند کھلونا چھین کر کوئی ان چاہا کھلونا پکڑا دیا جائے۔وہ انکار کرنا چاہتی تھی۔اسے اس شخص سے شادی نہیں کرنی تھی جسے وہ کل تک طنز و تضحیک کا نشانہ بناتی رہی تھی مگر اس کی تو ساری سوچیں ہی منجمد ہو گئی تھیں۔

"باہر لوگ جمع ہیں۔بارات کا پوچھ رہے ہیں۔"

اسے اپنی جگہ جمے کھڑے دیکھ کر انہوں نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

وہ غصے کے تیز تھے۔ان کی بیٹیاں ان سے اتنی فری نہیں تھیں مگر وہ اس کے جذبات سمجھ سکتے تھے۔اس پر جیسے سکتہ طاری ہو گیا تھا۔

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔۔۔فیضان اس کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتا ہے۔اس نے یقیناً مذاق کیا ہو گا۔"

سوچتے سوچتے اس نے اچانک کہا۔آواز کمزور اور لہجہ بے یقین تھا۔

"مذاق۔۔۔بارات لانے سے انکار۔۔۔مذاق!" حرا نے نفی میں سر ہلا دیا۔"یہ مذاق نہیں حقیقت ہے میری جان۔"

خوب صورتی اور مہارت سے کیے گئے میک اپ، سنہری عروسی لباس میں فیضان کے لیے پور پور سجی منت تھوڑی دیر پہلے تک کتنی سرشار تھی۔مہندی کی خوشبو اور اس کی سہیلیوں کی ہنسی سے بسا کمرہ یک دم جیسے ویران ہو گیا تھا۔حرا نے سب کو باہر نکال دیا۔صرف تحریم ایک کونے میں بے حس و حرکت کھڑی تھی۔اور منت سوچوں میں گم تھی۔

"میری عزت اب تمہارے ہاتھ میں ہے منت۔"

رؤف صدیقی ہولے سے کہہ کر ان ہی قدموں پر زمین پر بیٹھ گئے۔یک دم ہوش میں آ کر وہ تیزی سے ان کی جانب بڑھی۔اسے زمین پر بیٹھے باپ کے سوا کچھ یاد نہیں رہا تھا۔

میکانکی انداز میں نکاح نامے پر دستخط کر کے وہ انسب کی ہو چکی تھی۔اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے ایک رذیل شخص سے چھٹکارا ملنے پر خوش ہونا چاہیے یا ایک ان چاہے شخص کے ساتھ پر رونا چاہیے۔آگے کا سفر نہ جانے کیسے کٹنے والا تھا۔وہ تو ابھی سے تھک گئی تھی۔

پھپھو اسے چوم رہی تھیں۔لپٹا رہی تھیں۔مبارک بادیں وصول کر رہی تھیں اور وہ اپنے ہاتھوں کو دیکھے جا رہی تھی۔گہرا لال رنگ اضطراری انداز میں اس نے انگلیوں سے مہندی کو کھرچنا شروع کر دیا۔

✡ ✡ ✡

"کیوں پریشان ہوتی ہے میری جگنی۔۔۔" عاطف اور رجو نے اتنا زور دیا تھا کہ وہ آدھا راضی تو ہو ہی گیا تھا۔باقی جس جس سے بھی مشورہ کیا تھا انہوں نے بھی مثبت جواب ہی دیا تھا۔عاطف کو کوئی لالچ بھی نہیں تھا۔سارا کام بھی خود کروا رہا تھا تو انکار کرنا اسے مشکل لگنے لگا۔اتنا اچھا موقع ہاتھ سے گنوانا اسے بے وقوفی لگی، مگر جگنی نہ جانے کیوں وسوسوں میں گھری ہوئی تھی۔

"تین سال ہو گئے ہماری شادی کو اور ابھی تک ہم۔۔۔ہما کی شادی میرے بعد ہوئی تھی۔وہ دو اولادیں لے کر بیٹھی ہے۔"

اولاد نہ ہونا ایک ایسا غم تھا جو اس کے ہر غم پر بھاری تھا۔ہر خوشی اس ایک غم کو سوچ کر آدھی ہو جاتی اور اب بھی ایسا ہی ہوا تھا۔اسے نہ باہر جانے کی خوشی تھی، نہ بہتر زندگی کی نہ کسی اور چیز کی۔اسے تو صرف ایک ہی دکھ تھا جو ہر چیز پر حاوی ہو گیا تھا۔

"تین سال تو تو نے ایسے کہا جیسے تین کے بجائے تیس سال ہو گئے ہوں۔ڈاکٹر کہتے ہیں سب ٹھیک ہے۔اللہ کی رضا ہو گی تو اولاد بھی ہو جائے گی۔"

اس نے اس کا نرم ہاتھ پکڑ لیا۔پلنگ پہ دونوں ساتھ ساتھ ہی تو بیٹھے تھے۔اس کا سر اس کے کندھے پہ ٹکا

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

تھا۔ وہ آہستہ آہستہ اس میں انگلیاں پھیرنے لگا۔

"زمین کے کاغذ تو میرے ہی نام ہیں۔ بات کرتا ہوں رب نواز سے' جتنے پیسے دے اتنے ہی ٹھیک ہیں۔ دکان بھی بیچنے کا کہتا ہوں۔"

وہ فیصلے پر پہنچ ہی گیا تھا۔ اگرچہ فیصلہ مشکل تھا' مگر آفر پرکشش تھی پھر زندگی کو بہتر بنانے کے مواقع زیادہ تھے۔ دونوں ایک دوسرے کے قریب بیٹھے مختلف سوچوں میں گھرے ہوئے تھے۔ اس کی ہر سوچ بچوں سے شروع ہوکر بچوں پر ختم ہوجاتی' مگر وہ مرد تھا' اسے اور بھی بہت کچھ سوچنا تھا۔ اگر زندگی ایک موقع دے رہی تھی تو اس موقع سے فائدہ اٹھانا برا تو نہیں تھا۔

پھر کچھ مہینوں بعد ہی وہ سب کچھ بیچ باچ لندن کے اس گنجان آباد علاقے میں آگئے تھے۔

☼ ☼ ☼

"امی نے کہا' جانے سے پہلے ایک بار آپ سے مل لوں؟" وہ بے حسی' بے دلی اور لاتعلقی کی آخری حدوں کو چھوتی اسی کمرے میں موجود تھی۔ نکاح کے بعد سب کھانا کھانے جاچکے تھے جب وہ اچانک ہی اس کے سر پر آکر کھڑا ہوگیا تھا۔

"امی نے کہا' اتنے ہی ننھے کاکے ہو ناں تم کہ جو امی کہیں گی وہی کرتے رہوگے۔"

وہ اس کے بالکل سامنے کھڑا تھا' مگر نہ اس نے سر اٹھایا تھا نہ اٹھانے کی خواہش تھی۔ سر تو تب اٹھاتی جب دیکھنے کی کوئی خواہش ہوتی' مگر اسے اس سے کوئی سروکار نہ تھا۔ ہاں زہریلی سوچیں ضرور ذہن میں جنم لے رہی تھیں۔ اس کے پرسکون انداز پر اس کے اندر بھانبڑ جلنے لگے تھے۔

"کیسے آرام سے بات کررہا ہے جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔"

وہ کرسی کھینچ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ اسے کس طرح اس کے سر تھوپ دیا گیا تھا۔ کیا وہ اتنی بے کار' فالتو اور کم رو تھی رد کیے جانے کا عذاب سہتے شاید پتھر ہوگئی تھی۔ اپنی سوچوں میں گم شاید اس کی موجودگی بھی بھول گئی تھی۔

اس کا ہاتھ پکڑ کر اس نے اسے انگوٹھی پہنادی۔

"امی نے دی ہے۔" وہ بتا رہا تھا۔

"امی نے دی ہو یا تم نے خود دی ہو۔ مجھے کوئی سروکار نہیں۔" اس کی خودسری ایک دم عود کر آئی' اس نے ہاتھ گود میں دھرلیا۔

اسے کچھ سال پہلے کا مریل انسب یاد آگیا۔ ذرا' ذرا سی بات پر گھبرا جانے والا' عدم اعتماد کا شکار جسے کئی بار اس نے بے وقوف بنایا تھا۔ اس کی نظروں کی تپش محسوس کرتے ہوئے بھی اس نے اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ اسے کوئی شوق بھی نہیں تھا' اسے دیکھنے کا۔

وہ اس سے کہنا چاہتی تھی۔

"تم ہوتے کون ہو مجھے اس طرح دیکھنے والے۔"

مگر نہیں کہہ سکی تھی' ابھی سارے حقوق خود تفویض کیے تھے اس نے اسے دیکھنے کے.....

"انسب بیٹا! تمہارے ابو تم دونوں کو دیکھنا چاہتے ہیں۔" دروازہ کھٹکھٹانے کے بعد حنا کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔ "اسکائپ آن ہے۔ لو بات کرو۔"

"چھچھورے' سب ہی چھچھورے ہیں۔ ان کی تو جیسے مراد پوری ہوگئی ہے۔ میری شادی وہاں نہیں ہوئی تو انہیں موقع مل گیا۔"

یہاں وہاں سب کے لیے نفرت ہی نفرت تھی اس کے اندر۔

پھپھو سے فون پکڑ کر اس نے خود سلام کرکے اس کے سامنے رکھ دیا۔ اس نے بھی سلام کیا تھا۔ جانے کیوں کیا تھا۔ خود بھی نہیں جانتی تھی۔

"مبارک ہو بیٹا! بس جلدی سے آجاؤ' یہاں تمہیں پتا ہی نہیں کہ ہم سب کتنے بے قرار ہورہے ہیں۔" وہ بڑے جوش میں نہ جانے کیا کیا کہہ رہے تھے۔

"ہاں میرے ارمانوں کے خون اور بے عزت ہونے کی مبارک باد قبول کرلینی چاہیے مجھے۔"

"اچھا ہوا اس نالائق کے لیے لڑکی ڈھونڈنے نہیں جانا پڑا اور اسے دیتا بھی کون بھلا۔"

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

"جی جی ابو جی! آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔"
وہ اسے چھیڑ رہے تھے اور وہ جی بھر کے چھڑ رہا تھا۔

"ہاں واقعی! آپ ٹھیک ہی تو کہہ رہے ہیں۔ اس دو ٹکے کے دکان دار کو جو باپ کے ساتھ کپڑوں کی دکان پر بیٹھتا ہے۔ اسے بھلا مجھ جیسی لڑکی کہاں ملتی۔ میری بدقسمتی ہے نا۔"

اس کی سوچیں خطرناک حد تک زہریلی ہو رہی تھیں۔ کبھی خود پہ ترس آتا' کبھی خود کو بدقسمت سمجھتی اور کبھی بہت اونچا بٹھا دیتی کہ......

"بھابھی! جلدی سے ہمارے گھر کی رونق ہمارے پاس بھیج دیں' ہم سے انتظار نہیں ہو رہا اب۔" اب وہ حرا سے مخاطب تھے جو حنا کے پیچھے آکر کھڑی ہو گئی تھیں۔

"ہاں ہاں بھائی صاحب! آپ کی امانت ہے۔ بس کچھ دن انتظار کر لیں۔ باجی کے ساتھ آجائے گی آپ کے پاس... پیپرز وغیرہ تو بن چکے پہلے ہی۔" حرا نے ہنستے ہوئے کہا۔

طوفان آکر جا چکا تھا۔ سب مطمئن تھے۔ خوش تھے سوائے اس کے۔ وہ خود کو بہادر سمجھتی تھی۔ اس لیے ابھی تک روئی نہیں تھی۔

"زندگی تو میری برباد ہوئی ہے۔ سب ویسا ہی چل رہا ہے۔ کسی کو اس سے کیا تعلق واسطہ۔"

منفی انداز میں سوچتے نہ جانے کتنا وقت بیت گیا تھا۔

٭ ٭ ٭

"کیا میرے چار بچوں کی ماں بننے کے بعد بھی تم مجھ سے اسی طرح شرمایا کرو گی۔" اس کے گلال گالوں کو انگلی سے چھوتے اس نے اس کے کان کے پاس کہا تھا۔

آج کل اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ وہ خوشی جس کا انتظار وہ چار سالوں سے کر رہے تھے۔ لندن آنے کے کچھ مہینوں بعد مل ہی گئی تھی۔

"کیا ہر لڑکی اس روپ میں اسی قدر خوب صورت ہو جاتی ہے یا صرف وہ ہو گئی تھی۔" وہ سوچتا۔ اس پر تو نظر ہی نہ ٹھہرتی تھی۔

لندن آنے کے بعد ایک دو کمروں کا چھوٹا فلیٹ انہوں نے مسجد کے قریب ہی کرائے پر لے لیا تھا۔ وہ مسجد جانے لگی تھی اور وہ عاطف کے آفس کے باہر کے کام نپٹانے لگا تھا۔ اگرچہ اس کی تعلیم زیادہ نہیں تھی۔ صرف ایف اے تک ہی پڑھا تھا' مگر سیکھنے کی لگن اور شوق نے اسے مہمیز لگائی تھی۔ ان مہینوں میں اس کی شخصیت میں بہت سی ظاہری تبدیلیاں آئی تھیں۔ جو عاطف کے بقول ضروری تھیں۔ شلوار قمیص کے بجائے جینز پہننے لگا تھا۔ انگلش کی شدبد تھی۔ مگر اب بہت اچھے طریقے سے بول لیتا تھا۔

"یہ سب تمہاری وجہ سے ہے۔ میری قسمت کا چمکتا ستارہ تم ہی تو ہو۔" اس کے ہاتھوں پہ گرفت کچھ اور مضبوط ہو گئی تھی۔

٭ ٭ ٭

"آپ اب جو بھی کر لیں مجھے کہیں نہیں جانا' آپ کی عزت بچ گئی سب کے سامنے' مگر اب......" خود سری اور بد تمیزی کے ساتھ بولتی انہیں وہ کوئی اور ہی منت لگی تھی۔

انسب اسی دن واپس چلا گیا تھا۔ حنا کو اپنے سسرالی عزیزوں کے پاس جانا تھا۔ اس لیے وہ راولپنڈی چلی گئی تھیں۔ ان کی واپسی میں ابھی پندرہ دن تھے۔ وہ اسے سمجھانے بیٹھی تھیں اور وہ جو اتنے دن سے خاموش تھی۔ ایک دم پھٹ پڑی تھی۔ وہ حیران تھیں۔ اتنے دن وہ اس کی کیفیات سے کس قدر بے خبر رہی تھیں۔

"کیوں نہیں جانا تمہیں۔" ٹھنڈے ٹھار لہجے میں دریافت کیا گیا۔

وہ چپ کھڑی فرش کریدتی رہی۔ "اس لیے کہ وہ لوگ مجھے پسند نہیں ہیں۔ میں اس شخص کے ساتھ ساری زندگی نہیں گزار سکتی جسے میں ناپسند کرتی ہوں۔"

"کس ڈھٹائی اور بے شرمی سے تم اپنی پسند ناپسند

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کی بات کر رہی ہو۔ جو تمہیں پسند تھا۔ اس نے تمہیں دھتکار دیا اور جو تمہیں سر کا تاج بنا کر لے جا رہا ہے' اسے تم ناپسند کہتی ہو۔"

ان کے انداز پر وہ انہیں دیکھ کر رہ گئی تھی۔ اتنے سخت الفاظ کی اسے توقع نہیں تھی۔

"کیا کچھ نہیں کیا اس دن سے تمہاری پھپھو نے تمہارے لیے' ایک سے بڑھ کر ایک کپڑوں کی شاپنگ' اتنے خوب صورت جیولری سیٹ' جہاں تم پاؤں رکھتی ہو وہ وہاں ہاتھ رکھتی ہیں۔ تمہارے نخرے برداشت کر رہی ہیں' کیسے چاؤ سے بھائی جان ہر روز تمہیں فون کرتے ہیں۔ چاہے تم بات کرو یا نہ کرو۔ انسب ہزاروں میں نہیں لاکھوں میں ایک ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انہوں نے اس وقت ہمارا ساتھ دیا جب ہمیں کوئی راستہ نظر نہیں آرہا تھا اور تم پھر بھی......" بولتے بولتے تھک کر وہ روہانسی ہو گئی تھیں۔

وہ سمجھتی تھیں' وقتی کیفیت کے زیر اثر ہے۔ سانحے کا کچھ نہ کچھ تو اثر ہو گا اس پر' مگر وہ تو بالکل ہی پٹڑی سے اتر رہی تھی۔ یہ سن کر چپ کھڑی رہی۔

"وہ واہیات' بے غیرت شخص' جسے تم اپنی پسند کہتی ہو' وہیں سے انکار کرنے کے بجائے یہاں تک آیا' ہمارا تماشا بنانے۔ تمہیں تمہارے منہ پر دھتکار کر ناپسند کر کے چلا گیا اور تم ابھی بھی......" بولتے بولتے ان کا سانس چڑھنے لگا۔

"میں لعنت بھیجتی ہوں اس شخص پر..... آپ ہی کا طے کیا ہوا رشتہ تھا' مجھے اس سے بھی کوئی دلچسپی نہیں تھی۔" اس نے ان کی بات کی سختی سے تردید کر دی۔

"اگر لعنت بھیج ہی چکی ہو تو اللہ کی رضا سمجھ کر اس رشتے کو بھی قبول کر لو کہ یہی تمہاری قسمت میں لکھا تھا۔"

انہوں نے اس کا سر پکڑ کر چہرہ اوپر کر دیا۔ خود اس کی سمجھ میں بھی کچھ نہیں آرہا تھا۔ اس دن سے اس کے دل و دماغ میں ایک کشمکش جاری تھی۔ کبھی پھپھو اپنی محسنہ لگتیں۔ کبھی ضدی پن عود کر آتا تو مکار لگنے لگتیں۔

وہ یہ بھی مانتی تھی کہ اس دن سے کس طرح وہ اس کے لاڈ اٹھا رہی تھیں اور وہ بدتمیزی کرتی رہی تھی۔ وہ ہمیشہ سے ایسی ہی تھی۔ کبھی شعلہ' کبھی شبنم کا سا مزاج لیے ہوئے۔ غصہ آتا تو عجیب ہو جاتی اور سوچتی تو اپنی ہی باتوں پر دکھ ہوتا۔

"اگر وہ نہیں آیا تھا بھاگ گیا تھا تو کیا ضروری تھا کہ آپ مجھے کسی بھی ایرے غیرے' نتھو خیرے کے ساتھ بیاہ دیتیں۔ یہ کوئی بادشاہ' شہزادی کی کہانی نہیں کہ صبح جو سب سے پہلے محل کے دروازے پر آئے گا اسی سے شہزادی کی شادی کر دی جائے گی۔ کیا کبھی پہلے کسی کی بارات واپس نہیں گئی یا ایسا انوکھا واقعہ کسی اور کے ساتھ نہیں ہوا۔" اب وہ سسکنے لگی تھی۔

کئی دنوں کے آنسو تھے جو اچانک باہر نکل کر قطار در قطار گر رہے تھے۔ وہ خوب صورت تھی اور اسے اپنی خوب صورتی کا احساس بھی تھا۔ پھر ہمیشہ سے فیضان کو ہی اس حوالے سے سوچا تھا۔ ایک دم یہ ساری کایا پلٹ اسے زود رنج کر گئی۔ اتنے دنوں کا بھرا غبار نکل رہا تھا۔

"وہ کوئی ایرا غیرا نہیں تمہاری پھپھو کا بیٹا اور پڑھا لکھا قابل شخص ہے اور فیضان سے زیادہ ہی ہینڈسم بھی۔" انہوں نے اس کے سر پر بوسہ دیا۔

"پڑھا لکھا قابل شخص دکان پر ہی بیٹھے گا۔" جل کر کہہ بھی دیا۔

"ان کا اپنا کاروبار ہے۔ کیا برائی ہے اس میں۔ بیٹا! اپنے محسنوں سے محبت کرتے ہیں۔ متنفر نہیں ہوتے۔"

وہ بھی تو خود کو ہی سمجھا سمجھا کر تھک گئی تھی۔

"اور اپنے پاپا کے سامنے اس طرح کی کوئی بات نہ کرنا' وہ پہلے ہی بہت پریشان رہے ہیں۔ پھر تم ان کے غصے کو بھی جانتی ہو۔"

ان سے بات کر کے دل کی بے چینی کچھ کم ہوئی تھی' جب تک دوبارہ یہی کیفیت نہ ہوتی تب تک تو سکون ہی تھا۔ ان سے کچھ بھی کہے بغیر وہ اٹھ کر اندر آگئی۔ نہ جانے آنکھوں سے آنسو کب بہنا شروع

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ہوئے۔ یہاں تک کہ اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

"اب بس بھی کرو اور کتنا خود کو پریشان کروگی۔ کتنی اذیت دوگی۔" تحریم اس کے آنسو پونچھتی اس کے سامنے کھڑی براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

"کیا کروں۔ میرے اندر کی کشمکش ہی ختم نہیں ہوتی۔ خود کے رد کیے جانے کا احساس اس قدر اذیت ناک ہے کہ ... پھپھو میری محسنہ ہیں مگر ... انسب کیا صرف وہی تھا میرے لیے اس دنیا میں۔"

وہ نہ جانے کس سے شکوہ کررہی تھی اللہ سے اپنی بہن سے یا خود سے....

"سمجھنے کی کوشش کرو پھپھو کو اگر اپنی محسنہ سمجھتی ہو تو انسب بھائی بھی تمہارے محسن ہیں۔ اتنے ڈیشنگ ویل مینرڈ اچھی تعلیم ان کو بھلا کس چیز کی کمی تھی مگر انہوں نے صرف تمہارے لیے ... اپنی ماں کی بات کی لاج رکھی اور اتنے دن سے تمہارا رویہ کیسا ہے پھپھو کے ساتھ.... وہ شاپنگ کے لیے کہتی رہیں اور تم سر درد کا بہانہ کرکے کمرے میں بند ہو گئیں۔ دوسروں کی نظر سے نہیں ان کو خود کی نظر سے دیکھو۔ وہ کتنی اچھی ہیں تمہیں خود پتا چل جائے گا۔"

اچھی بہنیں خدا کی نعمت ہوتی ہیں اس کی بہن بھی اس کے لیے نعمت تھی۔ دونوں کی دوستی اتنی تھی کہ کبھی کوئی اور دوست بنانے کی ضرورت ہی نہ پڑی۔ منّت غصے کی کچھ تیز اور جذباتی تھی تو تحریم اس کے جذبات کو قابو کرنا جانتی تھی۔

"پلیز خود کو بدلو تاکہ پھپھو کو یا انسب بھائی کو کبھی اپنے فیصلے پر دکھ نہ ہو۔ تم بہت اچھی ہو بس ذرا سی بے وقوف ہو۔" تحریم نے اپنی لمبی انگلیوں کو ذرا سے اشارے کے لیے گول کیا۔

"اور انسب بھائی اگر ماسٹرز کی ڈگری کے باوجود اپنے ابا کے ساتھ دکان پر جاتے ہیں تو یہ ان کا کیئر کا ایک انداز ہے۔ جاب بھی ہو سکتا ہے کرنے کا ارادہ ہو۔ اگر نہ ہوا تو تم بنوا لینا آخر تم کس مرض کی دوا ہو۔

ویسے بھی کوئی بھی کاروبار ہو بزنس تو بزنس ہی ہے اب امانت پھپھا بھی تو لیدر کا بزنس کرتے ہیں اور نعمان بھائی اور فیضان بھی ان کے ساتھ ہوتے ہیں۔

"نام نہ لو اس کمینے کا۔" اس نے نفرت و حقارت سے کہا۔

"میں تو سمجھی اس فضول شخص کی محبت میں یہ سب کچھ کر رہی ہو۔ اگر محبت نہیں تو پھر کاہے کی پریشانی۔ اپنے بندے سے محبت کرو نا قسم سے اتنا ڈیشنگ ہے۔"

آنکھ دبا کر کہنے پر اس نے اس پر تکیہ پھینک دیا۔

"مرو تم۔"

مگر کچھ دن کے بعد پھر سے اس پر وہی کیفیت طاری ہونے لگی۔

"اگر تمہارے ارادے کی خبر تمہارے بابا کو ہو گئی تو وہ ہم سب کی ...." حرا ایک دم خاموش ہوئی تھیں۔

رؤف صدیقی سامنے کھڑے کینہ توز نظروں سے اسے گھور رہے تھے۔ قدم بڑھاتے وہ منّت کے قریب آکر کھڑے ہو گئے۔

"کیا چاہتی ہو تم؟" وہ عین اس کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے۔ مگر اس میں ان کی آنکھوں میں دیکھنے کا حوصلہ نہیں تھا۔ بہت دیر تک وہ کچھ بھی نہیں بول سکی۔

"میں لندن نہیں جانا چاہتی۔" اس نے سر جھکائے جھکائے جواب دیا تھا۔

"ٹھیک ہے حرا بیگم! اگر یہ لندن نہیں جانا چاہتی تو اسے کہیں اپنا ٹھکانا کہیں اور کرلے کیونکہ اب یہ اس گھر میں بھی نہیں رہ سکتی۔"

حکم دے کر وہ رکے نہیں تھے۔ وہ ان دونوں کے درمیان ہونے والی ساری گفتگو سن چکے تھے۔ مزید کچھ سننا نہیں چاہتے تھے۔ ان کے سامنے وہ جملہ بھی نہ جانے کیسے منہ سے نکل گیا تھا اور اب وہیں کھڑی آنسو بہاتے وہ کچھ بھی کہنے کے قابل نہیں رہی تھی۔

✲ ✲ ✲

ان گزرے سالوں میں جہاں حسین نے اپنی محنت

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

لگن، تجربے اور قلیل سرمائے کو کام میں لاتے ہوئے لیدر کا بزنس سیٹ کر لیا تھا، وہیں اس کا گھر دو بیٹیوں اور ایک بیٹے کے وجود سے پُر رونق ہو گیا تھا۔ ان دونوں کی محبت مثالی تھی۔ وہ ابھی بھی اس کے اظہارِ محبت اور التفات پر چھوئی موئی بن جاتی۔ فریال، رخ اور انسب۔ زندگی کتنی خوب صورت تھی۔

"ساری عمر گزر گئی، ابھی تک تمہاری طرف سے اظہارِ محبت کا انتظار ختم نہ ہوا۔" وہ اسے جگانے آئی تھی، اس نے ہاتھ کھینچ کر اسے قریب کر لیا۔

"جناب آفس سے دیر ہو رہی ہے۔ بچے کب کے اسکول جا چکے ہیں۔" اس کی گرفت سے نکل کر وہ پرے ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔

"آج لیٹ جانا ہے آفس۔" کسلمندی سے کہتا وہ پھر سے بیڈ پر گر گیا۔ ابھی اس کا اٹھنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

"یار! یہ ہی کہہ دو کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے۔" وہ پھر سے اسے چھیڑنے لگا۔

"کیا ابھی بھی اس کی ضرورت ہے۔"

"ضرورت تو ہمیشہ رہتی ہے اظہار کی، مگر تم بھی ایک زاہد خشک ہو۔" اس نے اس طرح منہ پھلا کر کہا کہ اس کا نقرئی قہقہہ بے اختیار ہی بلند ہوا۔

"شکر ہے تمہاری ہنسی تو سننے کو ملی، ورنہ تو ہنسنے کے نام پر ایک لکیر سی ہونٹوں پر کھنچ جایا کرتی تھی۔" وہ پھر سے شوخ ہونے لگا۔

"اب اٹھ جائیں، آج ہما، امانت بھائی اور بچوں کو ریسیو کرنے ایئرپورٹ بھی جانا ہے آپ کو۔" اس کو یاد دلا کر اس کا دھیان مکمل طور پر موڑ دیا۔

"ہاں یار۔۔۔ تم چلو گی انہیں لینے۔" وہ اس سے پوچھنے لگا، آخر کو بہن تھی اس کی، وہ بھی چھوٹی۔

"نہیں! آپ لے آئیں، تب تک میں کھانا تیار کر لوں گی، پھر کچھ دن تک تو وہ ہمارے ہاں ہی ٹھہریں گی۔ فلیٹ میں جن چیزوں کی کمی ہو گی وہ خود دیکھ لیں گے۔"

ہما کو فیملی سمیت پاکستان سے یہاں بلانے میں اسی کا ہاتھ تھا۔ لیدر کا بزنس روز افزوں ترقی کر رہا تھا۔ ایسے میں نئے ورکرز کی ضرورت پڑتی رہتی تھی، ہما اول روز سے اس گھر میں تنگ تھی۔ امانت اللہ پڑھا لکھا شخص تھا، مگر نہ جانے جاب پر ٹک کر کام کیوں نہیں کرتا تھا، آئے دن ہما کی پریشانیاں اسے بھی پریشان کرتی رہتی تھیں۔ بچوں کے ساتھ نے اسے خود ترس اور زود رنج بھی بنا دیا تھا۔ وہ جب فون کرتی ہما رونے لگتی۔ اس نے حسین سے بات کی تھی اور حسین بھلا اس کی بات کیسے ٹال سکتا تھا۔ کئی مہینوں کی کوشش کے بعد وہ انہیں اپنی کمپنی کا ایمپلائی بنا کر لانے میں کامیاب ہو ہی گیا تھا۔

اس کے اپنے کوئی قریبی رشتہ دار تھے نہیں بس یہ ہی سسرالی عزیز تھے جو اسے اپنی بیوی کی طرح بہت عزیز تھے۔ ویسے وہ نیکی کو پھیلانے کا قائل تھا، بہت پہلے اگر عاطف نے اس کے ساتھ نیکی کی تھی اور بغیر کسی صلے کے اسے یہاں سیٹ کروایا تھا تو وہ بھی کسی اور کے ساتھ ایسا ہی کرنا چاہتا تھا اور یہیں سے اس کی بدقسمتی کا آغاز ہوا تھا۔

✲ ✲ ✲

"کبھی اتنا برا سفر نہیں گزرا، جتنا اب گزرا ہے۔"

ایئرپورٹ پر لینے والا انسب کئی سال پہلے دیکھے گئے انسب سے کتنا مختلف تھا۔ وہ اسے دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔ وہیں کندھے جھٹک کر لاتعلق بھی ہو گئی تھی۔ پھپھو سفر کی طوالت، دھند اور نہ جانے کن باتوں میں الجھی ہوئی تھیں اور وہ گاڑی کے ایک کونے میں بیٹھی باہر کی روشنیوں میں نہ جانے کیا ڈھونڈنے کی کوشش کر رہی تھی۔ کبھی اسے لندن گھومنے کا کتنا شوق تھا اور اب باہر دوڑتے بھاگتے، ملگجے اندھیرے کتنے عجیب لگ رہے تھے۔ سچ ہے کہ ساری رونق، ساری خوب صورتی آپ کے اندر ہوتی ہے۔

"فریال اور رخ تو آئی ہوں گی اور لقمان، حسن

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

بچے۔۔۔؟"

"ہاں سب ہی آئے تھے' پھر آپ کا انتظار کر کر کے لقمان اور حسن بھائی تو پہلے گئے' ہاں دونوں آپیاں ادھر ہی ہیں۔" اس کی بھاری گمبھیر آواز گاڑی کی خاموشی میں گونج رہی تھی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے اس کا ایک ایک لفظ سنا تھا۔

سفر نے واقعی تھکا ڈالا تھا۔ پھپھو کے شکوے بجا تھے۔ تنے ہوئے اعصاب آرام مانگ رہے تھے۔ اس نے سر سیٹ کی پشت سے ٹکا دیا' اس کی چوڑی پشت پر بے دھیانی میں نظریں جمائے وہ اس کے اعتماد پر حیران تھی۔

"اتنا انتظار کروایا توبہ۔۔۔ اب تو انتہا ہو گئی۔" فریال' منت سے ملتے ہوئے اس سے معصوم سا شکوہ کر رہی تھی۔

"ہمارا تو بس نہیں چل رہا تھا کہ سوئے ہوئے بچوں کو چھوڑ کر ایئر پورٹ پہنچ جائیں۔ بس ابو نے انکار کر دیا کہ اگر کوئی رویا تو ان کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ وہ کسی کی چوکیداری نہیں کر سکتے اس وقت۔" رخ آپا اسے لپٹائے لپٹائے ڈرائنگ روم میں لے آئیں۔

"بھئی کوئی ہمیں بھی تو ہماری بیٹی سے ملنے دے۔" طارق بھی کمرے سے نکل کر وہاں آن کھڑے ہوئے۔ گھر میں ہونے والے شور نے انہیں جگا دیا تھا۔ آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ڈھیروں دعائیں دے ڈالیں۔

"جیتی رہو' خوش رہو' آباد رہو' ہمارے گھر کی رونق بنی رہو۔" سارے رستے جس بے زاری اور لاتعلقی کا مظاہرہ اس نے پھپھو سے کیا تھا' اس پر اسے شرمندگی ہو رہی تھی۔ حالانکہ گھر سے ارادہ کیا تھا کہ وہ اپنی سوچوں کو صحیح رخ دینے کی کوشش کرے گی' مگر

گھوم پھر کے پھر وہی چیزیں دماغ میں آ جاتیں اور اس کا دماغ الٹ جاتا۔

"بیٹھ جاؤ منت۔" پھپھو نے ہی آگے بڑھ کر اسے صوفے پر بٹھایا تھا۔

"ہم دونوں کے سونے کا انتظام کرو تم دونوں۔۔۔ ایسا برا حال ہے کہ بیان سے باہر ہے۔" حنا بیگم' فریال اور رخ سے مخاطب تھیں۔ منت کے ساتھ صوفے پر بیٹھتے انہوں نے پاؤں اوپر کر کے رکھ لیے۔

"بیگم جہاز میں سفر کر کے آئی ہیں کہ گدھا گاڑی میں۔" طارق کا چٹکلہ سن کر سب مسکرانے لگے۔

"گدھا گاڑی ہی سمجھ لیں۔ اتنی دیر میں تو اگر گدھا گاڑی میں بھی بیٹھ کر آتے تو جہاز سے پہلے پہنچ جاتے۔"

"انسب! تم بھی بیٹھ جاؤ' اتنا مؤدب ہو کر ہاتھ باندھے کھڑے رہنے کی ضرورت نہیں۔" طارق حسین نے انسب کے مسلسل ایک جگہ کھڑے ہونے کو مذاق کا نشانہ بنایا تھا۔ جس پر فریال اور رخ آپی کا مجموعی قہقہہ اسے سٹپٹانے پر مجبور کر گیا تھا۔

"شروع ہو گئے ابو کے شوشے۔" اندر کی جانب جاتی رخ نے انسب کو دھکا دے کر اس کے برابر بٹھا دیا۔ سب بہن' بھائی شاید ایک دوسرے سے بہت فری تھے۔

"کچھ کھاؤ گی' بھوک تو نہیں لگی تمہیں۔" حنا کے پوچھنے پر اس نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔ خود کو "کانفیڈنٹ" سمجھنے والی منت تھوڑی نروس تھی۔ وہ اس کے ساتھ جڑ کے بیٹھا تھا۔ فریال کے دھکے پر ویسے بھی وہ بمشکل سنبھلا تھا۔ پھر صوفے پر جگہ ہی تنگ تھی۔ ایک طرف پھپھو پھیل کر بیٹھی تھیں تو ایک طرف وہ۔۔۔

"امی! منت کا ڈریس اس کے واش روم میں لٹکا دیا ہے اور آپ کا ڈریس بھی' بس اٹھیں اور جا کر ریسٹ کریں' باقی سب صبح۔۔۔ آؤ منت! میں تمہیں تمہارا کمرہ دکھا دیتی ہوں۔" فریال نے اس کا ہاتھ پکڑا۔

چھ سال پہلے دیکھی ہوئی فریال ابھی بھی ویسی ہی تھی۔ دو بچوں کے باوجود نازک اندام سی اپنی کزن اسے بہت بھائی تھی۔

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

"ممی منت کو ہمارے کمرے کے ساتھ والے کمرے میں لے جاؤ، میں بھی آج اس کے ساتھ سوؤں گی، پراپر ریسٹ کرلے، پھر کل۔۔۔" انہوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے اشارہ کیا جسے سمجھتے اس نے سرہلا دیا۔

"آج تو تھکی ہوئی اتنی ہے، کل ذرا اچھی طرح تیار ہو گی تو رخصت کردیں گے اس کے کمرے میں۔"

ان دونوں کے جانے کے بعد انہوں نے آہستگی سے طارق صدیقی سے کہا تھا، جس کے جواب میں انہوں نے سرہلا دیا تھا۔

کچھ دیر موبائل پر کھیلنے کے بعد وہ بھی اٹھ کر اپنے کمرے میں آگیا تھا۔ زندگی میں اچانک آنے والا انقلاب اس پر اثر کرسکا تھا یا نہیں لیکن بہت کچھ بدل ضرور گیا تھا۔ بلیو جینز اور بلیک ٹی شرٹ میں اس کے کسرتی بازو نمایاں ہو رہے تھے۔ گھڑی اور موبائل سائیڈ ٹیبل پر رکھتے الماری میں سے کپڑے نکالتے شاور لیتے، سارے کاموں کے دوران اس کا دھیان عجیب طریقے سے بٹا ہوا تھا۔ اس دن ساری سچویشن کو سنبھالنے کے لیے جو کچھ اس کی ماں نے کیا تھا انہیں ایسا ہی کرنا چاہیے تھا، مگر اس کے ذہن و دل میں نہ جانے کیسے عجیب و غریب خیالات آتے رہے تھے۔

رخ اور فریال کی طرح اس نے بھی اپنی شادی کے سارے اختیارات ماں، باپ کو دے دیے تھے۔ مگر۔۔۔

بیڈ پر بیٹھ اس نے لیپ ٹاپ کھول لیا۔ نکاح کی تصویریں جو کچھ دن پہلے امی نے سینڈ کی تھیں اس کے سامنے تھیں۔

"کیا وہ اسے نہیں سوچتی ہو گی بچپن کی منگنی اور۔۔۔" اپنی کمینی سوچ پر لعنت بھیجتے ہوئے اس نے لیپ ٹاپ بند کردیا۔ ساری سوچوں کو جھٹک کر خود کو ریلیکس کرنے کی کوشش کی، ابھی اسے اور بہت کچھ سوچنا تھا۔

☆ ☆ ☆

فیضی کے ساتھ میری کوئی رقابت نہیں تھی۔ نہ ہمارا اسکول ایک تھا نہ گھر پاس پاس تھے اور نہ ہی ہمارے دلچسپیاں ایک جیسی تھیں، مگر اس نے میری ایک کمزوری کو میرے لیے عذاب بنادیا تھا۔ میرے ٹھہر ٹھہر کر بولنے کا مذاق بناتے، مجھے چھیڑتے تو وہ ہر حد پار کرجاتا، مجھے اس سے نفرت ہو گئی تھی۔ صرف اس ایک بات کی وجہ سے نفرت کچھ عجیب لگتا ہے نا، مگر اس کی صرف اس بات سے نہیں اس کے ان سارے کرتوتوں کی بدولت جو گاہے بہ گاہے وہ مجھے نیچا دکھانے کے لیے کرتا رہتا تھا۔

پہلے پہل میرا خیال تھا کہ اس کے آنے سے مجھے ایک دوست مل جائے گا۔ میں اکلوتا بیٹا تھا اور وہ میرا خالہ زاد، مگر وہ کبھی میرا دوست بن سکا نہ بھائی۔ جس طرح اس کے والدین کبھی میرے والدین کے ہمدرد اور بہی خواہ نہ بن سکے۔ میں اس سے کسی چیز میں پیچھے نہ تھا۔ بہترین اسٹوڈنٹ، اچھی شکل و صورت کا مالک، مگر میرا شرمیلا پن ضرور ایسا تھا جو اس میں نہ تھا اور شاید یہی وجہ تھی کہ وہ میرا مذاق اڑاتا تھا۔

ہمارے گھر میں ان کا آنا جانا تھا۔ میں اس کا سامنا کرنے سے کتراتا تھا۔ میری لکنت، تھراپی کی بدولت تقریباً ختم ہو چکی تھی اور ڈاکٹر کے خیال میں رہی سہی کسر بھی آنے والے سالوں میں پوری ہو جاتی، مگر اس کی چھیڑ چھاڑ اور مذاق نے مجھے احساس کمتری میں مبتلا کردیا تھا۔

وقت تھوڑا اور آگے گزرا، ہم تھوڑے بڑے ہوئے، میری اٹھان اچھی تھی۔ قد، رنگت، ہر لحاظ سے میں اس سے بہتر تھا۔ امانت انکل کا رنگ گہرا سانولا تھا، اس لیے ان کی اولادیں بھی ایسی ہی تھیں، مگر میری ساری خوبیوں پر میری ایک خامی حاوی ہو گئی تھی۔ وہ مجھے چڑاتا، مذاق اڑاتا، شرارتیں کرکے میرا نام لگاتا اور میں اپنی صفائی میں کچھ بھی نہ کہہ پاتا۔

ایک بار خود گرنے پر اس نے میرا نام لگا کر مجھے خوب ڈانٹ پڑوائی تھی۔ اسی طرح کے اور بہت سے واقعات میرے حافظے میں ابھی تک محفوظ ہیں۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

URDUSOFTBOOKS.COM

نیا نیا لڑکپن تھا۔ سب ہمارے گھر اکٹھے ہوئے تھے۔ لیونگ روم میں ایک طرف ہما آنٹی اور امی باتیں کررہی تھیں اور ایک طرف ہم بچے بیٹھے تھے۔ میں کھیل میں شامل نہیں تھا۔ دونوں بہنیں راز و نیاز میں مصروف تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ ہم سب کا دھیان ان کی طرف نہیں۔

"میں تو اپنے انس کے لیے منت کو مانگ لوں گی' مجھے بہت پیاری لگتی ہے۔ بہت پہلے سے سوچ رکھا ہے میں نے۔"

امی کی بات سن کر میرے اندر کچھ ہوا تھا۔ ہاں وہ مجھے اچھی لگتی تھی' مگر وہ بری کس کو لگ سکتی تھی؟ یقیناً" کسی کو بھی نہیں' میرے دل میں پھلجھڑیاں چھوٹنے لگیں۔ نئی نئی جوانی اور نیا نیا اس کا خیال۔ میں کتنے دن تک اس کے خیالوں میں کھویا رہا تھا' لیکن ٹھیک ایک ہفتے بعد آنٹی نے مٹھائی بھجوائی تھی کہ فیضان کے لیے انہوں نے منت کو مانگ لیا ہے جہاں مجھے ایک دھچکا لگا تھا وہیں امی بھی منہ کھولے کتنی دیر مٹھائی کا ڈبا پکڑے کھڑی رہی تھیں۔

فیضان یوں خوش تھا جیسے اس سے پہلے کبھی خوشی دیکھی ہی نہ ہو' لیکن یہ خوشی اس لیے تھی کہ اس نے میرا رشتہ وہاں طے نہیں ہونے دیا تھا۔ اس کے بتانے پر اس کی کمینگی سے مجھے کچھ اور بھی نفرت ہوگئی تھی۔

اس کی منگنی کے بعد لڑکپن اور جوانی کا وہ بخار بھی اتر گیا تھا۔ پھر اس کے والدین نے جو کیا تھا اس کے بعد ان سب سے میری نفرت دوچند ہوگئی تھی۔

☆ ☆ ☆

لندن آنے کے بعد ہما' امانت اور بچوں کی زندگی یکسر بدل گئی تھی۔ ظاہری شخصیت کی تبدیلیاں اس قدر ٹھٹکا دینے والی تھیں کہ اگر مالی والا گاؤں کا کوئی شخص انہیں دیکھ لیتا تو پہچاننے سے انکار کردیتا۔ سب سے بڑی ــــ تبدیلی امانت علی کی سوچ میں آئی تھی اور باقی تبدیلیاں اسی کی بدولت تھیں۔ اس نے ہما اور بچوں میں آنے والی تبدیلیوں کو نظرانداز کیا تھا یا وہ خود ایسا ہی چاہتا تھا۔

ہما کی بڑی چادر کی جگہ دوپٹا' پھر دوپٹے کی جگہ گلے میں پہننے والا اسکارف اور پھر گلے میں پہننے والے اسکارف کی جگہ صرف الماری ہی رہ گئی تھی۔ شلوار قمیص کی جگہ جینز نے لی تھی اور بعد میں یہی جینز اسکن ٹائٹ میں تبدیل ہوئی تھی۔

ابیہ اور لقمان بڑے تھے۔ انہوں نے بھی ماں' باپ کی طرح کھلے ہاتھوں اور کھلے دل سے ان تبدیلیوں کا استقبال کیا تھا اور فیضان بھی انہی کے پیچھے پیچھے تھا۔ وہ تین سال کے اندر اندر ہی ان کا لب و لہجہ برٹش ہوگیا تھا۔ اردو کو انہوں نے دماغ کے ایسے حصے میں ڈال دیا تھا جہاں وہ ایک ناکارہ' ردی شے کی طرح اپنی بے وقعتی پر ماتم کناں رہتی۔

حسنین کی کمپنی "حسنینز" کی طرف سے ملنے والے پونڈ' اسٹرلنگ نے ان کے دن ہی نہیں دل بھی پھیر دیے تھے۔

جہاں تک ان تبدیلیوں کا تعلق تھا' اگر وہ صرف ان کی ذات اور گھر تک محدود رہتیں تو ٹھیک تھا' مگر ان کا دائرہ کار حنا کے گھر تک پھیل گیا تھا۔ ان کے کپڑوں' بولنے چالنے پر تنقید کی جاتی' طرح طرح کے مشورے دیے جاتے' ان کا مذاق اڑایا جاتا۔

"آپا! آپ کے ہاں آکر تو لگتا ہی نہیں کہ ہم لندن میں بیٹھے ہیں یا پاکستان میں' وہی پاکستان والا ماحول۔" نہ جانے یہ طنز تھا یا تعریف' مگر بار بار سننے کو ضرور ملا کرتی۔

"آپا! کچھ تبدیلی لائیں اپنی سوچ میں۔ مجھے تو لگتا ہے' وہی گجرات میں بیٹھی ہیں آپ۔ کتنے سال ہوگئے مگر آپ نہ بدلیں بلکہ بچوں کو بھی ویسا ہی بنالیا اپنے جیسا۔" ہما نے اپنے سٹیپ کٹنگ کیے بالوں میں ہاتھ پھیرا' ایک تنقیدی نظر فریال اور رخ کی شلوار قمیص پر ڈالی اور اکڑ کر صوفے پر بیٹھ کر بہن کے سر پر لیے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

دوپٹے کو دیکھنے لگیں۔

"سوچ کی تبدیلی ہی تو ہے ہما جس کی بدولت پتا چلا ہے کہ بچوں کو اپنی تہذیب اور معاشرے سے کس طرح جوڑ کر رکھنا ہے۔ اپنی زبان کی اہمیت ان پر کس طرح واضح کرنی ہے۔ یہاں رہ کر وہ انگلش بھی سیکھ جائیں گے' بلکہ سیکھ گئے ہیں لیکن پچھلوں سے تعلق تو میں ہی جوڑوں گی نا ان کا۔"

ان کے بچے گھر میں اردو بولتے تھے۔ اسکولنگ تو انگلش ہی میں تھی' مگر وہ خود اس بات پر سختی سے کاربند تھیں کہ بچوں کی تربیت کی ذمہ داری کسی اور جگہ پر آکر ساری کی ساری ماں' باپ کے کندھوں پر آجاتی ہے۔ کئی سال اس جگہ پر رہتے' ان کی سوچ بڑی گہری ہوگئی تھی۔

ہما نے کافی کے تلخ گھونٹ کے ساتھ ان ساری باتوں کو بڑی مشکل سے حلق سے نیچے اتارا تھا۔

"کچھ لوگ کولہو کے بیل کی طرح ساری زندگی ایک ہی چکر میں گھومتے گھومتے گزار دیتے ہیں۔" سوچتے ہوئے انہوں نے بات بدل دی تھی۔ اگر وہ بدلنا نہیں چاہتی تھیں تو اس سے ان کی صحت پر کیا فرق پڑنے والا تھا۔

سب سے زیادہ تنقید اور مذاق کا نشانہ انسب کو بنایا جاتا' قدرتی طور پر اس کی زبان میں نامحسوس کی جانے والی لکنت تھی' جو تھراپی سے دور ہوچکی تھی' مگر اس کے اعتماد میں کمی اسی کی بدولت تھی۔ ابیہ' فیضان اور لقمان اس کا مذاق اڑاتے' اٹک اٹک کر بات کرتے اس کی نقل اتارتے اسے چڑایا جاتا۔

"تم لوگ اندر آکر کھانا کھاؤ۔ امی بلا رہی ہیں تمہیں۔"

ہما بچوں کے ساتھ حنا کی طرف آئی تھیں اور اس کا ان کو بلانا غضب ہوگیا تھا۔ فیضان بور ہو رہا تھا اور اسے اپنی بوریت دور کرنے کا ذریعہ مل گیا تھا۔

"آ۔۔۔ آ۔۔۔ آ۔۔۔ آکر۔۔۔۔"

ابیہ اس کے ساتھ ہنسنے لگی۔ انسب کا چہرہ گرم ہو کر تپنے لگا۔ اب وہ زمین کو گھور رہا تھا۔ اس کی خود اعتمادی ہوا ہوگئی تھی۔

"فیضان! یہ کیا بدتمیزی ہے۔" فریال ان دونوں سے بڑی تھی' اس لیے اس نے فیضان کو ڈانٹ دیا تھا۔

مگر ابیہ اور فیضان مسلسل ہنس رہے تھے۔

انسب جلدی سے اندر چلا گیا۔ پاکستان میں بھی اسے ہی نشانہ بنایا جاتا' اگر کسی کو اس کی اس کمی کے بارے میں پہلے سے علم نہ ہوتا تو بھی معلوم نہ ہوسکتا' مگر فیضان وہاں جا کر منت کو اپنے ساتھ ملا لیتا اور خوب رگیدا جاتا۔

✡ ✡ ✡

"ساری رات سو نہیں سکی' بخار نے مت ماردی ہے اس کی' دوا دی تھی میں نے دو گھنٹے پہلے' اب کچھ بہتر ہے' سو رہی ہے۔ جب تک سوتی ہے سونے دو' شاید موسم کی تبدیلی ہے یا تھکاوٹ سے یہ حال ہے' نازک بھی تو اتنی ہے۔" حنا بیڈ روم کا دروازہ ہولے سے بند کرتے سیڑھیاں اتر کر نیچے آگئیں۔

"نانو! ہمیں بھی ماموں کی دلہن دیکھنی ہے۔" پانچ سالہ سبحان اوپر جانے کے لیے پر تول رہا تھا۔

"دلہن کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ آپ بھائی کے ساتھ کھیلو' پھر بعد میں دیکھتے ہیں دلہن کو۔" فریال نے بیٹے کو ریان کے ساتھ دوسرے کمرے میں بھیج دیا۔

"آپ نے کچھ ریسٹ کیا یا نہیں۔" رخ ان کے ہاتھ تھامے پوچھ رہی تھی۔

"ہاں تھوڑا سوئی ہوں' اب چائے پی کر پھر لیٹوں گی' منت کو تم یا فریال دیکھ لینا۔"

"جی جی! دیکھ لیں گے۔ میں چائے لاتی ہوں۔ آپ تھوڑا ریسٹ کرلیں۔"

"انسب نہیں اٹھا ابھی تک اور تمہارے ابو۔"

"ابو تو چلے گئے دکان پر' ہاں انسب سو رہا ہے ابھی' وہ کہاں اتنی جلدی اٹھتا ہے۔ بچوں نے صبح سے دماغ کھالیا ہے۔ کبھی دلہن' تو کبھی ماموں' اتنی مشکل سے روک کے رکھا ہے۔" فریال صحیح معنوں میں بچوں کے ہاتھوں تنگ ہوئی بیٹھی تھی۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

سب کے بیڈ روم اوپر تھے۔ بچے دھپ دھپ کرتے سیڑھیاں چڑھتے' بڑی مشکل سے ان کو نیچے لانا پڑتا' سبحان اور ریان اس کے بیٹے تھے' جبکہ پری اور دائم رخ کے۔

"بیٹھ جاؤ تم' بچوں کو رخ دیکھ لے گی۔" فریال چائے ان کے سامنے رکھ کر ان کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔

"بیگ کھول کر دیکھ لینا' کچھ شاپنگ میں نے ادھر سے ہی کی تھی۔ منت کے لیے کچھ زیور جو تمہیں پہلے بھی بتایا تھا اور کچھ کپڑے' اس کی الماری میں سیٹ کردو اور ہاں ایک بھاری کام والا جوڑا ہے' وہ نکال کر الگ رکھ لینا۔"

حنا بیگم چائے پیتے پیتے اسے ہدایات بھی دیتی جارہی تھیں۔ اکلوتا بیٹا اور اس کی شادی کے ارمان ان کے دل میں کس طرح ٹھاٹھیں مار رہے تھے' کوئی ان سے پوچھتا۔

"آپ بے فکر ہوجائیں' میں دیکھ لوں گی۔" فریال نے انہیں تسلی دے کر ذمہ داری اٹھالی تھی۔

"حسن اور لقمان تو آئیں گے نا' آج شام اچھا سا کھانا تیار کرلینا تم دونوں بہنیں مل کے اور منت کو بھی تیار کردینا۔"

فریال سرہلاتی' سب سن رہی تھی۔

"امی' آنٹی اور فیضان نے جو کیا بھلا' ایسے بھی کرتا ہے کوئی اپنے سگے رشتہ داروں کے ساتھ' غیر ہوں تو اور بات ہے۔" بہت دنوں سے ذہن و دل میں کھٹکنے والی بات آخر اس نے ماں سے کہہ ہی ڈالی تھی۔

"بس بیٹا زندگی بڑی عجیب چیز ہے۔" وہ آہستہ آہستہ تفصیلات اسے بتارہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

بخار ایک نہ دو پورے چار دن لگا کر ختم ہوا تھا۔ فریال کے شوہر ڈاکٹر تھے۔ دوا بھی انہوں نے ہی دی تھی۔ سو اب بہتر تھی۔ پردیس کی بیماری نے اسے زود رنج بنادیا تھا۔ سب آتے' اس کے پاس بیٹھتے' ادھر ادھر کی باتیں کرتے' اس کا دل بہلانے کی کوشش کی جاتی اور محفل برخاست ہوجاتی۔ ابھی بھی سب اسی کے پاس سے اٹھ کر گئے تھے۔

سستی اس کے پورے وجود میں پنجے گاڑے ہوئے تھی۔ سترہار کا کمرے کا لیا ہوا جائزہ ایک بار پھر سے لیا جانے لگا تھا۔ صاف ستھرا' ہوادار' روشن کمرہ بیڈ اور دو سنگل صوفوں اور ایک چھوٹی میز سے آراستہ۔ بڑی شیشوں والی کھڑکی جس سے باہر جھانکنے پر ہرا بھرا لان نظر آتا مگر۔ دل پہ چھایا جمود ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ وہ اتنی خاموش طبع تو ہرگز نہیں تھی جتنی یہاں آکر ہوگئی تھی۔ تحریم سے بات کرکے دل کو سکون ملا تھا۔

"ماما تم سے بات کرنا چاہتی ہیں اور پاپا بھی۔" تحریم نے فون شاید منتقل کردیا تھا۔ دوسری طرف سے ہیلو ہیلو سننے کے باوجود ابھی تک اس کے منہ سے آواز نہیں نکلی تھی۔

"لگتا ہے کوئی مسئلہ ہے' آواز نہیں آرہی۔ کاٹ کردوبارہ کال ملاؤ۔" ماما کی آواز سنتے ہی اس نے فون بند کردیا۔

تحریم کی کال دوبارہ سے آرہی تھی۔ فون سرے سے آف کرتے وہ گم صم بیٹھی شاید کچھ بھی نہیں سوچ رہی تھی۔

"ولیمہ کا دن ہی مقرر کرلیتے۔" یہ رخ کے شوہر نامدار تھے' اسے سامنے بٹھا کر نہ جانے سب کون سی باتوں میں مصروف تھے۔ گولڈن اور ریڈ بھاری کام والا ڈریس پھپھو نے نہ جانے کب خریدا تھا۔ شاید تب ہی جب وہ ان سے مکمل اظہار لاتعلقی کرکے سوگ منانے میں مصروف تھی یا کسی اور وقت' بہرحال تھا بہت خوب صورت' رخ اور فریال نے اس کا میک اپ کرنے کی بھی کوشش کی تھی' مگر میک اپ کے نام پر صرف ایک لپ اسٹک ہی لگوائی تھی اس نے۔ وہ بھی اگر تحریم کی طرف سے تازہ تازہ ڈوز نہ ملی ہوتی تو شاید "یہ" کپڑے پہننے سے بھی انکار کردیتی۔ اب ماما' پاپا سے تو ناراض تھی ہی' تحریم سے ناراض ہونا نہیں چاہتی تھی۔

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

"منی! اگر تم نے کوئی بے وقوفی کی تو مجھ سے دوبارہ بات کرنے کی ضرورت نہیں' اب تو کچھ مچور ہوجاؤ۔" وہ فون پر کیا کچھ بولتی رہی تھی' اس کا بس نہ چلتا تھا کہ فون کے اندر گھس کر اس تک پہنچ جائے اور دماغ درست کردے۔

"ہفتے بعد کی تاریخ رکھ لیتے۔ ہال کی بکنگ تو ہو ہی جائے گی۔" رخ کے شوہر کا اپنا شادی ہال تھا یہاں اس لیے کوئی مشکل نہ تھی۔

بھانت بھانت کے لوگ اپنی اپنی بولیوں میں مصروف تھے۔ اس کا سر روایتی دلہنوں کی طرح جھکا ہوا ہی تھا' مگر جیہ وہ سوچیں تھیں جو بغیر روک ٹوک کے وارد ہو رہی تھیں۔

"انسب کہاں ہے' بھئی کچھ تصویریں ہی ہوجائیں۔"

طارق صدیقی اپنی اولاد سے دوستوں کی طرح بات کرتے تھے۔ اب بھی تصویریں لیتا انہیں ہی یاد آیا تھا۔

"انسب... انسب۔ اب آ بھی جاؤ۔ کہاں ہو بھئی۔"

وہیں سے آواز لگاتے وہ کتنے عجیب لگے تھے۔ اپنی ساری سوچیں ایک طرف رکھ کر اس نے اس مسخری فیملی کو دیکھنا شروع کردیا۔ پھپھا اوپر کو منہ کرکے اسے آوازیں دے رہے تھے۔ پہلی بار ہنسی آئی تھی۔ اس نے نیچے سر جھکا لیا۔ اچانک احساس ہوا تھا کہیں اسے بے وقوف ہی نہ سمجھ لیں۔ اول روز کے بعد سے اس نے اسے دیکھا تک نہیں تھا۔ اس نے بھی اس کا حال احوال پوچھنے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی۔

"اب آ بھی چکو۔ دولہا صاحب کے "ٹشن" ہی ختم نہیں ہو رہے۔"

وہ سیڑھیوں کے قریب کھڑے پھر سے آوازیں دینے لگے' جب اس نے اسے سیڑھیوں سے نیچے اترتے دیکھا تھا۔ آف وائٹ شلوار قمیص میں وہ تیزی سے اتر رہا تھا۔

"اب بیٹھ بھی چکو' کتنا ملو گے سب سے۔" لقمان کی سرگوشی' سرگوشی تو ہرگز نہیں تھی' کیونکہ سب کو سنائی دے گئی تھی۔ وہ اس کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گیا۔

"تارو بھئی تصویریں۔ دولہا کا رخ روشن آخر نظر آ ہی گیا۔"

طارق صدیقی ایک بار پھر ایکشن میں تھے۔ نہ جانے انہوں نے طنزیہ کہا تھا یا مزاحیہ' بہر حال اسے ایک بار پھر سے ہنسی آگئی تھی۔ اتنے دنوں کے بعد وہ اس موڈ سے باہر نکلی تھی اور یہ سب کتنا اچانک ہوا تھا۔

"جیتے رہو' خوش رہو دونوں۔" پھپھو نے دونوں کے سروں پر پیار دے کر ایک ایک گلاب جامن ان کے منہ میں ڈال دی۔

"دلہن یہ جو صاحب ہیں نا ہر بار مجھ سے ہار جاتے ہیں۔" سبحان اس کے سامنے کھڑا اسے بتا رہا تھا۔ اس نے آہستگی سے سر ہلا دیا۔ وہ نہ جانے کیا کیا بول رہا تھا بلکہ سب ہی اپنی اپنی بولیاں بول رہے تھے۔ اس کے ساتھ بیٹھا ہوا شخص بھی چونچال موڈ میں تھا۔ اگر خاموش تھی تو صرف وہی تھی باقی تو مچھلی منڈی گرم تھی۔

"ہم تو اب نماز پڑھنے جا رہے ہیں' تم اٹھو' دلہن کو لے جاؤ اپنے ساتھ۔"

رخ کو ٹہوکا دیتے حنا بیگم اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئیں۔ باقی سب بھی نماز پڑھنے جا چکے تھے۔ کمرے کی خوب صورتی اور خوابناکی دیکھ کر وہ ٹھٹک کر رک گئی۔

"ابو اور لقمان بھائی نے مل کر سجایا ہے۔"

رخ اسے بتا کر اب الماری کھول رہی تھی جہاں اس نے اس کی چیزیں سیٹ کی تھیں۔ کمرے کے کونوں میں جلتی موم بتیاں' دروازے سے بیڈ تک بنا پھولوں کا راستہ' بیڈ پر پھولوں سے بنا دل' خود اس کا دل ایک دم' اس خوب صورتی کا اسیر ہوا تھا۔ رخ اسے چھوڑ کر جا چکی تھی۔

"میں انسب کو بھیجتی ہوں۔"

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

جاتے جاتے وہ شرارت بھری مسکراہٹ اس کی طرف اچھال گئی تھی اور انسب کا ذکر جیسے اسے ہوش میں لے آیا تھا۔ دل ایک دم ہر چیز سے اچاٹ ہوا تھا۔

"انسب۔۔۔ انسب یہ نام۔۔۔" اس نے دانت کچکچائے۔

کمرے کی ساری خوب صورتی اس ایک نام نے سیاہ کردی تھی۔ الماری سے اپنے لیے سادہ بلیک سوٹ منتخب کرکے وہ باتھ روم میں گھس گئی۔ بہت دیر تک شاور لینے کے بعد باہر نکلی۔ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کریم کا مساج کرتے اچانک اس کی نگاہ اپنے عکس پر جا ٹھہری تھی، بڑی بڑی شربتی آنکھیں، خوب صورت نازک ہونٹ، کھڑی ناک، نازک صراحی جیسی گردن، گلابی رخسار، لمبا قد کیا وہ رد کی جاسکتی تھی؟ مگر کی جاچکی تھی۔ اس نے لمبا سانس بھرتے برش ڈریسنگ ٹیبل پر پھینک دیا۔

جس شخص کے حوالے سے وہ اس کمرے میں موجود تھی اسے کبھی قابل اعتنا نہ سمجھا تھا اور جسے اس نے اپنے جینے کی وجہ بنالیا تھا اس نے اسے جہنم میں دھکیل دیا تھا۔ "فیضان" بغیر آواز کے اس کے لبوں نے جنبش کی۔ کیا یہ زندگی تھی۔ ایک گہری ٹھنڈی سانس بھرتے وہ مڑی، اسی وقت وہ دروازہ کھول کر اندر آیا تھا۔

اسے اس طرح بغیر دوپٹے کے دیکھ کر جہاں ایک ثانیے کے لیے وہ ٹھٹکا تھا، وہیں وہ بھی بدحواس ہوئی تھی۔ سامنے بیڈ پر رکھا عروسی ڈریس الماری میں ہینگ کرنے کے لیے پکڑ لیا۔

"کچھ دیر کے لیے ہی سہی۔۔۔ تم سے اتنا انتظار بھی نہ ہوسکا کہ جس شخص کے حوالے سے تم اس کمرے میں موجود ہو اس کے لیے تیار۔۔۔" اس کے اس حلیے پر اس کی سوچ عجیب تو نہ تھی۔

نہ جانے اسے اس طرح سر جھاڑ منہ پہاڑ دیکھ کر دکھ کیوں ہوا تھا۔ کچھ بھی کہے بغیر وہ اس کے سامنے آکر کھڑا ہوگیا۔

بعض چیزیں واقعی اتنا بھاری بوجھ ہوتی ہیں کہ جتنی جلدی ان سے چھٹکارا پایا لیا جائے اتنا ہی اچھا ہوتا ہے۔

وہ عین اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا، انداز نہایت سنجیدہ اور ٹھہرا ہوا تھا۔ اشارہ اس کے ہاتھ میں پکڑے کپڑوں کی طرف تھا۔ اس کے کلین شیو چہرے پر تازہ شیو کی نیلاہٹ تھی۔ جبڑے بھینچے ہوئے اور کالی آنکھیں ٹھہرے پانیوں جیسی تھیں۔ ایک لمحے کو وہ واقعی شرمندہ ہوئی تھی اور حیران بھی۔

"کیا یہ وہی انسب تھا۔"

ایک قدم مزید بڑھا کر اس نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔ ٹھنڈے برف ہاتھ بھاری مردانہ ہاتھوں کی گرمی سے جیسے پگھلنے لگے تھے۔ سائیڈ ٹیبل کی دراز کھولتے دو بھاری کنگن اس کے ہاتھوں سے ہوتے اس کے ہاتھوں میں منتقل ہوئے تھے۔ انداز میکانکی اور روبوٹک تھا، جسے وہ ابھی تک دیوانسب سمجھتے ہوئے کسی خاطر میں نہ لارہی تھی۔ وہ ٹکٹکی باندھے اس کی آنکھوں میں گھسنے کی کوشش کررہا تھا۔ سراسیمہ ہوکر اس نے ہاتھ کھینچ لیے۔ اس کے سلگتے ہاتھوں کا لمس اس کے چہرے تک کو دہکا گیا تھا۔ اس کی ازلی بے نیازی عود کر آئی۔

"کیا یہ بھی امی نے دیے ہیں۔" اس کا انداز استہزائیہ تھا۔

ایک تپی ہوئی خشمگیں نگاہ اس پر ڈالتے وہ باتھ روم میں بند ہوگیا۔ ایک تمسخرانہ ہنسی ہنستے وہ جیسے جانی دشمن کو زیر کرکے آئی تھی۔ کمرے کے ازسرنو جائزے نے جہاں اسے خائف کیا تھا وہیں پریشان بھی کردیا تھا۔ اتنا بڑا بیڈ روم صوفے کے وجود سے خالی تھا بیڈ کے آگے بڑا کاؤچ، دو سنگل صوفے اور چھوٹی چھوٹی سائیڈ ٹیبلز، کاؤچ پر سونے کے خیال پر اس نے لعنت بھیجی تھی۔ اب اس کے قدموں میں سونے سے تو رہی۔ باقی باہر کے بیڈ روم نہ جانے کس کس کے تھے۔ ایک ہی حل تھا، اس کے آنے سے پہلے پہلے کمبل اوڑھ کر بیڈ کے ایک کونے میں سوجائے اور اس نے ایسا ہی کیا تھا۔

"اوہ! تو مس منت مجھے تاثر دینا چاہتی ہیں کہ ان

www.urdusoftbooks.com
URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

کے لیے میری اہمیت صفر ہے' حالانکہ جانتی نہیں کہ میں آپ کو صفر جیسی اہمیت بھی دینے سے قاصر ہوں۔ جس شخص سے آپ وابستہ رہی ہیں' اس کا نام ہی مجھے اذیت دیتا ہے اور آپ تو......" اس نے سر جھٹک کر سب سوچوں کو بھی جھٹکنے کی کوشش کی تھی۔

بیڈ کا دوسرا کونا آباد کرتے اس نے دوسری طرف ملتے کمبل کو چنداں اہمیت نہ دی تھی۔ اسے ابھی بہت سا کام کرنا تھا۔ اس لیے اس قسم کے فضول کاموں کے لیے اس کے پاس بالکل وقت نہیں تھا۔ لیپ ٹاپ کھول کر لاگ ان کرتے وہ مصروف ہو چکا تھا۔ بہت بہادر اور پُراعتماد ہوتے ہوئے بھی وہ تھوڑا ڈری ہوئی تھی اور پھر نہ جانے کب نیند کے سامنے بے بس ہو گئی تھی۔

✲ ✲ ✲

فیضان کے ساتھ مل کر میرا مذاق بنانے والی منت حادثاتی طور پر میری زندگی میں شامل ہو چکی تھی۔ بیڈ کے دوسرے کونے پر موجود وہ لڑکی کبھی فیضان کے ساتھ منسوب رہی تھی' مجھے یہ بات بھلائے نہ بھول رہی تھی۔ شاید میں بھول بھی جاتا اگر اس کا رویہ کچھ بہتر ہوتا' مگر وہ تو اول روز سے "سوگ" منا رہی تھی۔

اسے میری اور مجھے اس کی زندگی کا حصہ زبردستی بنایا گیا تھا۔ شاید وہ مجھے ابھی تک وہی "دتو" جھینپو اور رک رک کر بولنے والا کم اعتماد انسب سمجھتی تھی جو اس کی باتوں سے خائف ہو جایا کرتا تھا۔ مگر مجھے اس کی پروا نہیں تھی۔ ہم دونوں میاں' بیوی تھے۔ رشتہ بھی وہیں تھا اور ہم بھی۔ اگر اسے میری پروا نہیں تھی تو میں کون سا اس کے عشق میں فنا ہو رہا تھا۔ گزرے وقت نے جہاں اور بہت سی تبدیلیاں پیدا کی تھیں میری ذات بھی نکھر گئی تھی اور اس میں سراسر میری اپنی کوششوں کا دخل تھا۔

رات بیت گئی تھی۔ اسے بیت ہی جانا تھا۔ خنکی نے اچانک ہی دھاوا بولا تھا۔ ٹیرس کا دروازہ بند کرتے میں اندر آ گیا' جہاں وہ آرام سے سو رہی تھی۔ نیند تو میری بھی بہت اچھی تھی۔ وہ جانی دشمن ایک چھت کے نیچے ایک بیڈ کے مختلف کونوں میں مزے کی نیند سو رہے تھے۔

یہاں دل نہ لگنے کی وجہ اس کی عدم دلچسپی تھی۔ پھپھو' پھپھا اس سے باتیں کرتے' فریال اور رخ اگرچہ جا چکی تھیں۔ مگر ہر روز فون کیا کرتیں' مگر اس کی خاموشی ختم ہونے میں نہ آتی۔

پھپھو اس کو زبردستی مخاطب کرتیں۔ پرانے قصے سناتیں۔ پھپھا اپنے دن کی روداد سناتے اور وہ ہوں ہاں کرتے سنتی رہتی۔ انسب کے معمولات وہی تھے جن میں اس کے ہونے نہ ہونے سے کوئی فرق نہ آیا تھا۔ رات دیر تک بیٹھ کر ٹک ٹک کرتا' دیر سے سوتا' دیر سے اٹھتا اور کام پر چلا جاتا۔ اگر اس نے اسے اس کی اوقات میں رکھا تھا تو وہ بھی اسے چنداں اہمیت نہ دیتا۔ سارا دن اوپر نیچے کے چکر لگاتی' تحریم سے بات کرتی' ماما کی آواز سنتے فون بند کر دیتی۔ پھر آہستہ آہستہ وہ پھپھا اور پھپھو سے باتیں کرنے لگی تھی' جیسی وہ تھی نہیں کتنی دیر ایسی بن کے رہ سکتی تھی۔

✲ ✲ ✲

"مجھے نہیں معلوم کہ کسٹم والوں نے ہماری لیدر گڈز کیوں پکڑی ہیں' مگر ایک بات تو طے ہے کہ ہمارے لیے ایک بڑی مشکل کھڑی ہونے والی ہے۔ اگر مال چھڑوایا جائے تب بھی اور اگر وہ اسے کلیئر کرنے سے انکار کر دیں تب بھی' مگر ابھی مسئلہ یہ نہیں ہے۔"

اس سات منزلہ عمارت کے چوتھے فلور کے تیسرے کمرے میں حسین بے چینی اور پریشانی کے عالم میں چکر کاٹ رہا تھا۔ ایک طرف کھڑا اعانت اس کی پریشانی کو اس کے وجیہہ چہرے پر دیکھ سکتا تھا۔ اس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا اور پھر سے بند کر لیا۔

حسین ایک بار پھر بولنے لگا تھا۔

"مسئلہ تو پاکستان کا وہ آرڈر ہے جو پہلے ہی لیٹ ہو چکا ہے' وعدے کے باوجود ہم ان کمپنیوں کو مال

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

پہنچانے میں ناکام رہے ہیں۔ اب وہ ہماری پہلے کی ساکھ کی بدولت اگر ہمارے آرڈر کو اسی طرح ساتھ لے کر چل رہے ہیں تو ہماری خوش قسمتی ہے ورنہ...... بہر حال میں یہاں کس قسم کے معاملات دیکھتا ہوں' آپ پاکستان جائیں اور جو بھی مسائل ہیں انہیں فی الفور حل کرنے کی کوشش کریں۔"

اس کی آنکھیں بولتے ہوئے بھی گہری سوچ میں ڈوبی دکھائی دیتی تھیں۔ چاروں طرف سے مشکلات نے جیسے ایک دم دھاوا بول دیا تھا اور وہ کچھ بھی سمجھنے سے قاصر تھا۔ گزرے سالوں میں ایسی کسی مشکل سے واسطہ نہیں پڑا تھا' مگر اب......

"آپ فکر نہ کریں حسین بھائی' آپ جیسا چاہیں گے ویسا ہی ہوگا۔"

امانت علی کے من کی مراد جیسے بر آئی تھی' وہ یہی تو چاہتا تھا۔ پچھلے کئی سالوں سے امانت اس کے ساتھ تھا' ہر چیز کے بارے میں جانتا تھا۔ پچھلی بار بھی تو آرڈر کی ساری تفصیلات وہی طے کر کے آیا تھا اور یہیں سے حسین کی بدقسمتی کا آغاز ہوا تھا۔ دونوں کے درمیان ہم زلف کا رشتہ حسین کے لیے اہمیت رکھتا ہو یا نہیں' لیکن امانت بلاوجہ ہی مقابلے بازی کا شکار ہوا تھا۔ امانت کے جذبات کبھی بھی حسین تک نہیں پہنچ سکے تھے۔ مگر اس کی اتنی ترقی نے امانت کے دل میں عجیب طرح کے جذبات بھر دیے تھے۔

اگر حسین اس وقت اپنی سوچوں میں گم سامنے پڑی میز کو گھور نہ رہا ہوتا تو امانت کے ہونٹوں پر آنے والی مکارانہ مسکراہٹ سے کچھ نہ کچھ جان ضرور جاتا۔

☆ ☆ ☆

"اچھا بیٹے' میں جا رہی ہوں' اتنی چھٹیاں ہو گئیں' اب تو بچے بھی مجھے یاد کر کر کے تھک گئے ہوں گے۔"

حنا خاتون سر پر چادر جماتے اس کے سامنے کھڑی اسے بتا رہی تھیں۔ اس نے ان کے خوب صورت چہرے پر نظریں جماتے سر کے اشارے سے جی اچھا کہا تھا۔ وہ بہت خوب صورت تھیں' اس کی نظریں ان ہی پر جمی رہیں۔

"اگر انسب یا اس کے ابو آئیں تو کھانا نکال دینا' چاول تو بنے ہوئے ہیں' صرف گرم کرنے ہیں۔" اس نے ایک بار پھر سے سر ہلا دیا۔

دروازہ خود کار لاک سے بند ہو گیا تھا۔ اس نے کسلمندی سے ٹانگیں پھیلا لیں۔ کیسی عجیب بات تھی' لندن آکر جیسے وہ گاؤں میں آگئی تھی۔ وہی ماحول کتنا عجیب تھا سب' اس کی پھپھو حنا صدیقی قریبی مسجد میں بچوں کو قرآن پاک پڑھاتی تھیں۔ شام دو گھنٹے وہ مسجد میں گزارتیں' بہت پہلے وہ اس مسجد سے اپنے روزگار کے لیے وابستہ ہوئی تھیں اور اب اسے کار خیر سمجھتے ہوئے ابھی تک اسی پر کاربند تھیں۔

پھپھا طارق حسین کی فینسی کپڑوں کی دکان تھی۔ لندن ساؤتھ ہال کا یہ علاقہ جس میں زیادہ تر ایشیائی آباد تھے۔ خوب پر رونق رہتا۔ پھپھا بھی خوش رہتے' گاؤں سے آنے کے بعد انہوں نے یہاں روزگار تو ڈھونڈا ہی تھا' بہت سی دوسری دلچسپیاں بھی ڈھونڈھ لی تھیں۔ گاؤں کے حقے کی جگہ شیشے کے حقے نے لے لی تھی۔ شیشے کا نیا نازک حقہ وہ کبھی کبھار ہی گڑگڑاتے یا شاید دکان میں اپنا شوق پورا کر لیتے ہوں گے۔ فریال اور رخ دونوں شادی شدہ تھیں۔ ہفتے یا دو ہفتے بعد بچوں کے ساتھ چکر لگاتیں' دونوں کے دو' دو بچے تھے۔ دونوں پڑھی لکھی تھیں اور اسکول میں جاب بھی کرتی تھیں۔

یہاں تک تو سب کچھ ٹھیک تھا' لیکن جوں ہی اس کی سوچ انسب کی طرف جاتی اسے غصہ آنے لگتا۔ (ایم۔ اے انگلش کرنے والی یونی ورسٹی کی بہترین اسٹوڈنٹ کے لیے یہی کپڑے بیچنے والا دکان دار ہی رہ گیا تھا۔ اس کی سوچیں زہریلی ہو جاتیں۔) اول روز والی (میں تمہیں نہیں جانتی' کچھ نہیں سمجھتی۔) کیفیت ابھی تک برقرار تھی۔

پھر اس کی سوچ سے بڑھ کر خوب صورت اور بڑا تھا۔ کئی کمرے' بہترین فرنیچر' بڑا لان' آنے سے پہلے اس کے ذہن میں تنگ و تاریک دو کمروں کا فلیٹ گھوم

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

جاتا' جیسا کہ اس نے لندن کی رہائش کے متعلق پہلے سے سن رکھا تھا' مگر یہاں سب اس کی سوچ کے الٹ تھا۔ کبھی اسے تحریم کی باتیں یاد آتیں۔

"ویل منرڈ اور سافٹ اسپوکن سے ہیں انسب بھائی۔"

دوسروں کے لیے تو وہ شاید سافٹ اسپوکن ہی تھا' مگر اس پر عجیب طنز کے تیر برساتا۔ خیر وہ بھی کون سا کم کرتی تھی' وہ خودسر تھی۔ اس کی تضحیک کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتی تھی۔ باہر تو دونوں عموماً "(سب ٹھیک ہے) کی ایکٹنگ کرتے پائے جاتے اور کمرے کے اندر کبھی کبھار کی نشتر زنی چلتی رہتی۔

اس کی اپنی طبیعت میں عجیب طرح کا بچپنا تھا بہت جلد ناراض ہو جاتی۔ جلدی مان بھی جاتی' حالانکہ وہ گھر میں سب سے بڑی تھی۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا' مگر وہ ایسی ہی تھی۔ عجیب و غریب شخصیت کی مالک۔ کبھی پھپھو پر بے طرح پیار آتا' پھپھا کی باتیں سنتے سنتے کتنی دیر گزر جاتی اور کبھی ہر چیز سے دل اوب جاتا۔ کبھی کچن میں سارا سارا دن گزار دیتی' تو کبھی ایک منٹ کے لیے بھی وہاں کھڑی نہ ہوتی۔

وہ وجیہہ تھا۔ اسے اس بات سے کوئی انکار نہ تھا' مگر اس دل کا کیا کرتی جو اس کی طرف مائل ہی نہ ہوتا تھا۔ وہ اسے وہی دلو' جھینپو انسب سمجھتی تھی۔ جو اس کے قریب تک آنے کی جرات نہ کر سکا تھا۔

☆ ☆ ☆

"تم کیا سمجھتے تھے کہ تم وہاں میرا تماشا بنا کر چھوڑ کر بھاگ جاؤ گے تو میں وہیں تمہارے نام پر بیٹھی رہوں گی' سڑتی رہوں گی' دیکھو یہیں آگئی ہوں۔ میں اور بہت خوش ہوں۔" ایک ہی سانس میں جملے بولتے اس کا سانس چڑھ گیا تھا۔

کچن میں چائے بناتے بناتے اسے نہ جانے کیا ہوا تھا۔ وہ فیضان جسے نفرت سے سوچتے اس کا گریبان پکڑنے کی خواہش تھی۔ آج اچانک اس کا نمبر سامنے آنے پر اس کا نمبر ملا بیٹھی تھی۔ وہ اسے بتانا کیا چاہتی تھی' خود اس بات سے لاعلم تھی۔

"بس یہی بتانے کے لیے فون کیا تھا تم نے یا کچھ اور بھی کہنا چاہتی ہو۔ ویسے بھی میں شادی کے نام پر ایک اور "ماں" پالنے کا قائل نہیں' ایک ہی بہت ہے میرے لیے۔ جب شادی کے بغیر ہی معاملات حل ہو رہے ہوں تو شادی نام کا پھندا گلے میں ڈالنے کی ضرورت کیا ہے۔"

اس کی مکروہ آواز نے دوسری طرف کی خاموشی کو توڑا تھا اور توڑتی چلی جا رہی تھی اور وہ جو دل کے نہاں خانے میں اس کی معذرت' شرمندگی کی خواہش رکھتی تھی' اس کی بے شرمی' ڈھٹائی اور بے غیرتی دیکھتے وہیں سُن کھڑی رہ گئی تھی۔ کچھ بھی بولنے کے قابل نہیں رہی تھی۔

"لیزا اور میں ایک دوسرے کے معاملات میں دخل دیے بغیر عرصے سے لیونگ ریلیشن شپ میں ہیں۔ نہ وہ میرے معاملات میں دخل دیتی ہے نہ میں اس کے۔ سارا قصور میری ماں کا ہے۔ جو یہاں کی ہر چیز کو سینے سے لگا کر بس اسی چیز کو برا سمجھتی ہے۔ بار بار تمہیں بتانے کی کوشش کی مگر تم۔۔۔ اور میری ماں اگر زہر کھانے کی دھمکی دے کر پاکستان نہ لے جاتی۔۔" وہ نہ جانے کیا کیا کہتا جا رہا تھا۔

"تم اس قدر گھٹیا ہو گے' اس کا تو میں نے تصور بھی نہیں کیا تھا کبھی۔" چائے ابل ابل کر اوون کے اوپری حصے میں پھیل چکی تھی' مگر اسے اردگرد کا ہوش ہی کب تھا۔

"اس قدر گھٹیا!!" اس کا جناتی قہقہہ اسے فون کے اندر سے کان پھاڑتا سنائی دیا تھا۔

"اگر تمہارے ساتھ شادی کر لیتا لیزا کو بھی ساتھ رکھتا تو پھر اچھا ہوتا کیا؟ اتنی محبت کرتی ہو مجھ سے۔" ہلکی آواز کرتے نہایت عامیانہ انداز میں کہا گیا تھا۔ جیسے دو محبت کرنے والوں کے درمیان راز و نیاز چل رہے ہوں۔

"محبت اور تم سے۔۔۔" اس نے ایک طرف تھوک دیا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

"مجھے صرف اپنے شوہر سے محبت ہے۔" کمزور لہجے اور بے یقینی کے ساتھ شاید وہ خود کو یقین دلانے کی کوشش کررہی تھی۔

اس پر اس کا قہقہہ پہلے سے بھی بلند آہنگ تھا۔

"تمہارا شوہر؟ ہاں پتا چلا تھا۔ ویسے ایک بات تو بتاؤ۔" رازداری سے کہتے اس نے آواز کو بالکل ہلکا کرکے جیسے کان سننے کے لیے قریب کیا تھا۔ "وہی شخص جو دوسروں کی آنکھوں میں دیکھ کر بات تک مکمل نہیں کرسکتا تھا۔ وہی شوہر ہے نا تمہارا..... تو کیا اتنا حوصلہ ہے اس میں کہ دیکھے بغیر ہی....."

اس کے کان کی لویں سرخ ہوگئیں۔ سارے جسم کا خون جیسے چہرے پر اکٹھا ہوگیا تھا۔ اس کی معنی خیز بات نے اسے جیسے جلتے جہنم میں دھکیل دیا تھا۔ اس شخص کی خباثت سے وہ پہلے کیوں کر لاعلم رہی تھی۔

"بکواس بند کرو گھٹیا کمینے انسان۔"

مغلظات کا ایک طوفان زبان پر آنے کے لیے بے تاب تھا۔ اس نے فون بند کرکے میز پر پٹخ دیا۔ لمبے لمبے سانس لیتے اس نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔ آنسو نہ جانے کہاں کہاں سے اُمڈ کر آرہے تھے۔ کرسی پر گر کے وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔

"کیا یہی وہ شخص تھا جس کے لیے..... لعنت ہے تم پر فیضان 'لعنت۔" اس کے مکروہ اور گھناؤنے کردار کو سوچتے ہوئے اسے اس سے نفرت ہو رہی تھی' بلکہ وہ خود سے بھی نظریں ملانے کے قابل نہیں رہی تھی۔

کیا اس نے اس شخص کو سوچا تھا۔ ایک بدکردار شخص جس کا مکروہ اور مسخ شدہ چہرہ اس کے سامنے تھا' اس کی گندی ذہنیت اور اس کی باتیں اس کے دماغ میں چکراتی رہیں۔

وہاں بیٹھے بیٹھے نہ جانے کتنا وقت گزر گیا تھا۔ پہلے پہل اسے اپنے فون کرنے پر پچھتاوا ہوا تھا' مگر شاید یہ ہی بہتر تھا' کیونکہ اس کے فون کرنے سے دل میں ذرہ برابر بھی اس کا خیال نہ رہا تھا۔ اس کا اعتماد' اس کی وجاہت' اس کی شخصیت سب کچھ اس کے کردار کی آلودگی سے آلودہ ہو گیا تھا۔ وہ شخص نفرت کیے جانے کے قابل تھا۔

☆ ☆ ☆

"آپ کا جو آرڈر آیا ہے اس میں کچھ ایسے کیمیکلز پائے گئے ہیں جو انسانی صحت کے لیے مضر ہیں' ان کی ہم پڑتال کررہے ہیں' آپ کا سامان تب تک کلئیر نہیں کیا جائے گا۔ جب تک یہ معاملہ مکمل طور پر حل نہ ہو جائے۔" سامنے کھڑے آفیسر نے اس کے پاؤں تلے سے زمین کھینچ لی تھی۔ یہ ایک بڑا آرڈر تھا اور اس کے اندر مضر صحت کیمیکلز کا ہونا صرف آرڈر کے لیے ہی نہیں کمپنی اور اس کی ساکھ کے لیے بھی نقصان دہ ہو سکتا تھا۔

"مگر اس سے بھی بری اور بڑی خبر یہ ہے کہ آپ کی کمپنی اس معاملے کے حل ہونے تک ورکنگ پوزیشن میں نہیں ہوگی۔"

وہ ڈولتے قدموں سمیت گاڑی تک پہنچا تھا۔ کافی دیر فرنٹ سیٹ پر بیٹھے اس نے کچھ سوچنے کی کوشش کی۔ ابھی صبح ہی تو امانت علی سے اس کی بات ہوئی تھی۔ وہاں کا آرڈر بھیجا جا چکا تھا اور ادائیگی بھی کردی گئی تھی۔ اس کا حال بھی وہی ہونے والا تھا جو پہلے والے کا تھا یا..... کمپنی ورکنگ پوزیشن میں نہیں تھی تو یہ آرڈر.....

گاڑی چلاتے ہوئے اس کا ذہن مختلف خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ ان ساری سوچوں نے اسے اس قدر تھکا دیا تھا کہ وہ صرف اور صرف آرام کرنا چاہتا تھا۔ اسی آرام کی خواہش میں اس کی آنکھیں ایک سیکنڈ کے لیے بند ہوئی تھیں اور وہ سامنے سے آتی گاڑی دیکھ نہیں پایا تھا۔ ایک دھماکے کو سنتے اس کا دماغ و ذہن تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

☆ ☆ ☆

اس نے اسے کچن ٹیبل پر سر رکھے روتے دیکھا تھا' وہ اس کی آمد سے بے خبر ہچکیوں سے رو رہی تھی۔ فون پر ہونے والی گفتگو اس نے بلا ارادہ سنی تھی۔ دروازے کی چابی گھر کے ہر فرد کے پاس تھی' اس لیے

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

اس کے اندر آنے کا اسے علم نہیں ہو سکا تھا۔ وہیں رک کر اس نے چپ کروانے یا ویسے ہی چلے جانے کے بارے سوچا۔ کچھ دیر کھڑا سوچتا رہا اور پھر اسے اس کے حال پر چھوڑ کر ان ہی قدموں واپس چلا گیا۔ بہتر تھا کہ اسے خود سے سوچنے' فیصلہ کرنے کا موقع دیا جاتا' غبار نکل گیا تھا۔ یقیناً" اب بہت کچھ بہتر ہونے والا تھا۔

☆ ☆ ☆

"آپا! میں آپ سے معافی مانگنے آئی ہوں۔ بغیر کچھ بھی کہے مجھے معاف کر دیجیے۔" ہما ان کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑی تھی۔

وہ جو اس کے آنے پر حیران تھیں' وہیں کھڑی اسے دیکھ رہی تھیں۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور چہرے پر ندامت کا غبار چھایا ہوا تھا۔

"جس اولاد کے لیے سب کچھ کیا' اس نے دھوکا دے کر ثابت کر دیا کہ جو کچھ بوئیں گے وہی فصل کاٹنی پڑے گی۔ سوچا تھا فیضان کی شادی کر کے اسے اس کی حرکتوں سے باز رکھ سکیں گے اور لقمان کے ساتھ کاروبار میں... مگر..." رندھی آواز میں جملہ مکمل نہیں کر سکی تھیں۔

حنا نے آگے بڑھ کر انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا' مگر انہوں نے انکار میں گردن ہلا دی۔

"نہیں' میں رک نہیں سکتی۔ بس آپ معاف..." شرمندگی سے جھکا سر کچھ اور بھی جھک گیا۔

"میں نے معاف کیا۔" حنا کے منہ سے سنتے ہی وہ روتی ہوئی دروازے کی جانب بڑھ گئیں۔

"حنا! ان لوگوں نے سب کچھ کھا لیا' تم لوگوں کو گھر سے بے گھر کر دیا' کاروبار پر قبضہ کر لیا اور تم نے پھر بھی ان سے ملنا نہ چھوڑا۔"

رضیہ آپا لندن سے مانچسٹر منتقل ہو چکی تھیں۔ لندن آنے پر انسب کی شادی کی مبارک باد دینے آنے پر انہوں نے ہما کو باہر نکلتے دیکھا تھا۔ اسے دیکھ کر وہ خود پر قابو نہیں رکھ پائی تھیں۔ انہوں نے حنا اور طارق حسین کو گاؤں سے بلوایا تھا۔ ان دونوں سے خاص الفت رکھتی تھیں' وہ اونچی آواز میں بول رہی تھیں۔ منت کے قدم دروازے سے اندر آتے وہیں جامد ہوئے تھے۔

"مجھے تو ابھی تک یاد ہے' کیسا مشکل وقت کاٹا تم نے اور تمہاری اولادوں نے۔ طارق بے چارا زخمی ہو کر اسپتال میں پڑا تھا' بچے ابھی کسی قابل نہ تھے۔ کاروبار پر بہنوئی نے قبضہ جما لیا' بہن کو بھی شرم نہ آئی' اسے سمجھاتی۔ احسان کا بدلہ دھوکے اور فریب سے دیتے پہلی بار دیکھا۔ کیسے لوگ ہیں' پھر اسی شکل و صورت کے ساتھ آجاتے ہیں۔"

لگی لپٹی رکھے بغیر بولنے والی رضیہ آپا کے متعلق اس نے پھپھا سے سنا تھا۔ دونوں پھپھا پہلے لیدر کا کاروبار کرتے تھے۔ یہ وہ جانتی تھی' پھر بڑے پھپھا کا کاروبار ایکسیڈنٹ کی وجہ سے ٹھپ ہو گیا تھا۔ مگر اندر کی حقیقت اسے آج معلوم ہوئی تھی۔

"عرصہ ہو گیا آپا! اس بات کو ہم بھول بھال بھی گئے' چھوڑیں آپ بتائیں' آپ کا کیا حال ہے' بچے کیسے ہیں؟"

حنا بیگم نے نرمی سے کہتے ہوئے ان کا دھیان کسی اور جانب لگانے کی کوشش کی۔

"کیسے بھول جاؤں؟ میرا بھائی' زمینیں بیچ کر اس نے سارا کا سارا سرمایہ یہاں لگا دیا تھا۔" رضیہ آپا نے پھپھا کو بھائی بنا رکھا تھا' یہ بھی وہ جانتی تھی کیسے کیسے راز منکشف ہو رہے تھے۔

"گڑیا کا بتائیں' آپا کیسی ہیں' اس کے بچے کیسے ہیں' یہیں ہے یا وہ بھی مانچسٹر چلی گئی۔" حنا آخر ان کا دھیان ہٹانے میں کامیاب ہو ہی گئی تھیں۔

"ہاں وہ بھی مانچسٹر چلی گئی۔ میاں کی جاب جو وہاں ہو گئی تھی تو یہاں رہ کر کیا کرتی۔"

وہاں سے قدموں کو موڑتے بہت سے پردے آنکھوں سے ہٹے تھے۔

چھوٹی پھپھو کا ہر سال پاکستان کا چکر لگاتا' بے دریغ

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

پیسہ خرچ کرنا' شوخیاں' بڑی پھپھو اور ان کی اولادوں کی برائیاں' مذاق دقیانوسی ہونے کے طعنے' جاہل کہہ کر مذاق اڑایا جاتا۔ اوچھی حرکات اور وہ خود بھی تو کسی حد تک اس سب میں شامل رہی تھی۔ لوگوں کے چہروں پر پڑے نقاب سرک گئے تھے اور اسے کراہیت محسوس ہو رہی تھی۔

"امی! کیا کرنے آئی تھیں آنٹی یہاں۔" کچن میں سالن گرم کرتے اس نے اسے پہلی بار اونچی آواز میں بولتے سنا تھا۔

"تمہاری شادی کی مبارک دینے آئی تھی' صرف دو منٹ کھڑی رہی' پھر واپس......" ساری عمر وہ اپنی بہن کے لیے خود کو مجرم سمجھتی رہی تھیں۔

"انہیں دیکھتا ہوں تو میرے اندر دھماکے ہونے لگتے ہیں۔ کیسا مشکل وقت تھا وہ ابو کی دوائی کے پیسے نہ تھے۔ ہماری پڑھائی کے اخراجات' وہ ساری کسمپرسی یاد آجاتی ہے دیکھتے ہی۔ ویسے تو انہوں نے فراڈ کے ثبوت چھوڑے ہی نہیں تھے اور اگر کچھ تھے بھی تو آپ کے اور ابو کے روپے کی بدولت..... جب انہوں نے کوئی شرم نہیں کی تو آپ نے کیوں لحاظ رکھا بہناپے کا۔"

"ہم نے سب کچھ اللہ پر چھوڑ دیا اب سب۔"

ان کے ایک جملے نے اسے کچھ کہنے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔

آہستہ آہستہ اس پر سارے راز فاش ہوتے چلے گئے تھے۔ امانت پھپھا نے کس طرح "حسینیز" کی جڑیں کاٹتے خود کی بدر کمپنی بنالی تھی۔ اگر بڑی پھپھو نے پاپا سے ذکر بھی کیا ہوگا تو اس وقت وہ بہت چھوٹی تھی' ویسے بھی شروع ہی سے اس کی ساری کی ساری توجہ چھوٹی پھپھو اور ان کی اولاد کے لیے تھی۔ وہ اس کے لیے ایک ماڈل تھیں' پھر فیضان کے ساتھ عرصہ منگنی رہی تھی' دل خود بخود اس کے لیے نرم ہوتا چلا گیا تھا اور اب ہر راز سے پردہ اٹھ گیا تھا۔

بڑی پھپھو اور پھپھا کس قدر صابر اور اچھی طبیعت کے تھے' ان کے ساتھ رہنے پر اس پر منکشف ہو گیا تھا۔ احساسات بدلے تھے۔ حقائق سامنے آئے تھے اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی طرف مائل ہو گئی تھی۔ اس کا اٹھنا' اس کا بیٹھنا' بات کرنے کا انداز' ہر چیز تو اپنی طرف کھینچتی تھی۔ وہ بھی کھنچ رہی تھی۔

"جسوال سنگھ کے بڑے بھائی کی شادی تھی' برات دور جانی تھی تو ٹرین میں جانے کا بندوبست کیا گیا تھا۔"

طارق حسین کو قصے سنانے کا شوق تھا' ابھی بھی وہ منت کے شوق اور اشتیاق کو دیکھتے ہوئے چائے —— بنوا کر اسے اپنے سکھ دوست کا پرانا قصہ سنا رہے تھے۔

ریڈ سوٹ میں ان کے ایک طرف بیٹھی وہ چائے پینے کے ساتھ ساتھ انہیں سن رہی تھی۔ ایک طرف بیٹھی حنا بھی ان ہی کی طرف متوجہ تھیں' حالانکہ یہ قصہ انہوں نے کئی بار سن رکھا تھا۔ اس نے انہیں بیڈ روم کے سامنے بنے ٹیرس سے دیکھا تھا۔ آج کل اس کی دلچسپی ہر ہر چیز میں محسوس کی جاسکتی تھی۔ صوفے پر پاؤں اوپر کیے اس کا اشتیاق قابل دید تھا۔

"ٹرین کے اس ڈبے میں جہاں باقی لوگ بیٹھے تھے' جسوال رش کی بدولت نہ بیٹھا' ٹرین کہیں رکی تھی' کوئی چھوٹا اسٹیشن تھا۔ ایک شخص بھاگتا ہوا آیا۔ لڑائی ہو گئی' لڑائی ہو گئی۔ جسوال سمجھا کہ اس کے بھائی کی لڑائی ہو گئی۔ سکھ تھا نا' بارہ تو ویسے ہی بجے رہتے ہیں ان کے۔" بات سناتے سناتے وہ خود ہی ہنسے تھے۔ وہ بھی آکر عین اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ وہ پوری طرح ابو کی طرف متوجہ تھی۔

"بارش کے دن تھے' اس کے ہاتھ میں لمبی کالی چھتری تھی' اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ' باہر نکل کر لڑائی والی جگہ کی طرف دوڑ لگادی۔ جہاں دو افراد باہم بر سر پیکار تھے۔"

وہ تھوڑی دیر رکے۔

"ان کو الگ کرتے اس نے زور سے چھتری ایک کے منہ پر ماری۔ اس کی ناک سے بھل بھل خون بہنے لگا۔ بعد میں پتا چلا لڑائی کسی اور کی ہو رہی تھی۔ قریب ہی پولیس کے جوان کھڑے تھے۔ انہوں نے سنگھ کو پکڑ لیا۔ بھائی بے چارا جس کی شادی پہلے ہی بڑی

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

مشکل سے چالیس سال کی عمر میں ہو رہی تھی۔ اسے اپنی پڑ گئی کہ کہیں شادی ہی نہ رک جائے۔"

"کیوں میرے ویاہ دے پیچھے پے گیا اے۔"
(کیوں میری شادی کے پیچھے پڑ گئے ہو۔)

ان کا سنانے کا انداز اس قدر مزے کا تھا کہ اس کی آنکھیں اور ہونٹ دونوں ہنس رہے تھے۔ اس ہنسی نے اس کے گلابی چہرے کو مزید گلابی کر دیا تھا۔ آنکھوں سے پانی نکل نکل کر شفاف گالوں کو بھگو رہا تھا اور شاید پہلی بار اسے اپنی توجہ اس پر سے ہٹانی اس قدر مشکل لگی تھی۔

"پھر شادی ہوئی کہ نہیں۔"

اسے جان لینے کی جلدی تھی۔ آنکھیں صاف کرنے پر اس نے اسے سامنے بیٹھے دیکھا تھا۔ بظاہر لاتعلق نظر آتے طارق حسین کی طرف مکمل متوجہ۔

"ہاں شادی تو ہو گئی پر جسوال شادی اٹینڈ کرنے کی بجائے جیل میں بند رہا۔"

اس لیونگ روم میں اپنائیت کا جو احساس اس نے محسوس کیا تھا وہ کبھی کہیں بھی محسوس نہیں کر پائی تھی، یہاں تک کہ ان کے اپنے گھر میں بھی ایک تکلف کی فضا ہر وقت برقرار رہتی تھی۔ محبت اور سادگی کا کوئی نعم البدل نہیں ہوتا، اسے یہیں آ کر پتا چلا تھا۔

★ ★ ★

لاہور میں وہ دیر سے ہی اٹھا کرتی تھی، مگر یہاں آ کر معمولات تھوڑے بدلے تھے، کبھی دیر سے جاگتی، کبھی جلدی جاگ جاتی۔ حنا پھپھو نے اسے کبھی کچھ کہا نہیں تھا، مگر انسب تو دیر سے ہی اٹھتا تھا۔ نہ جانے رات رات بھر جاگ کر کیا کرتا رہتا تھا، رات کے کسی پہر آنکھ کھلتی تو اسے لیپ ٹاپ پر مصروف ہی دیکھتی۔

"بابا مجھے ایسے شخص سے بچانا چاہتے تھے جو عورتوں کے پیچھے بھاگتا نہ رہے، تو اب اس کے بھی تو وہی کرتوت ہیں۔ ساری ساری رات جاگ کر اگر چیٹنگ نہیں کرتا تو کون سے وظیفے کیا کرتا ہے بیٹھ کر۔"

ابھی بھی اس کی ٹک ٹک سے آنکھ کھلی تھی۔ سونے کی کوشش ناکام ہو گئی تھی۔ جل کر سوچتے اس نے ذرا سا کمبل ہٹا کر دیکھا۔

نہ جانے کس بات پر مسکرا رہا تھا، کچھ دیر وہ اسی طرح اسے دیکھتی رہی۔ اس کے سامنے بھینچے ہوئے لب اب مسکرا رہے تھے۔ آنکھوں کی چمک اور چہرے پہ چھائی بشاشت کچھ اور ہی کہانی سنا رہی تھی۔ اس کی سوچیں آتش فشاں کی طرح اس کے اندر آگ لگا کر بھسم کر رہی تھیں۔

"کیا یہ ٹک ٹک بند نہیں ہو سکتی۔ دماغ پک گیا ہے میرا اسے سن سن کر۔" جل کر آخر کہہ ہی دیا تھا اس نے۔ نہ جانے وہ گیلی لکڑی کی طرح کیوں سلگ رہی تھی۔

کمبل سے باہر نکلا چہرہ، تھوڑے بکھرے بال اور ادھ کھلی آنکھیں، وہ کتنی دیر سب کچھ چھوڑ چھاڑ اسے دیکھتا رہا تھا۔ وہ کٹ کھنی بلی کی طرح دانت کچکچا رہی تھی۔ وہ اسی طرح مسکرا رہا تھا۔

دانت تو ایسے نکلے پڑ رہے ہیں جیسے ہفت اقلیم ہاتھ آ گئی ہو۔ وہ بھی اسے گھورتے ہوئے سوچے جا رہی تھی۔

اس کے مسکرانے یا نہ مسکرانے سے میرا کیا تعلق۔ اس کی سوچ اسے تسلی دے رہی تھی یا غم غلط کر رہی تھی۔

"سوری، میرا نہیں خیال کہ یہ آپ کو ڈسٹرب کرتی ہو گی، کئی بار سوچا لیپ ٹاپ بدل لوں، مگر اس کی اتنی عادت ہو گئی ہے کہ ہر بار ٹال دیتا ہوں۔"

وہ اس سے ایسے بات کر رہا تھا جیسے ان کے درمیان بڑے دوستانہ تعلقات چلے آ رہے ہوں۔ اس کا معذرت خواہانہ انداز خلاف توقع ہی تھا، اس لیے وہ کروٹ بدل کر خاموش ہو گئی تھی۔

"کل ہی چینج کر لوں گا۔ دراصل دوسرے لیپ ٹاپ پہ کام ہی نہیں ہو پاتا۔" اس کی آواز اس کے پیچھے سے ابھری تھی۔

"ہاں بڑا پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھ رہے ہو نا جو کام ادھورا گیا تو "سیاپے" میں پڑ جاؤ گے۔" تپ کر اس پر

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

دو حرف بھیجتے اس نے آنکھیں بند کرلیں۔

آج کل پھپھا کے استعمال شدہ لفظ اس کے دماغ میں چکراتے رہتے۔ سیاپے والا لفظ بھی اس نے ان ہی سے سنا تھا۔ آنکھیں بند کرنے پر بھی نیند نہیں آئی تھی۔ حالانکہ اب وہ کچھ بھی نہیں کررہا تھا۔

"مگر کچھ نہیں کررہا تو کیا کررہا ہے؟" گھبراہٹ میں وہ اٹھ بیٹھی، عجیب مشکل تھی۔

"کیا ہوا؟ نیند نہیں آرہی۔" اس کی گمبھیر آواز پر وہ جلدی سے چپل پہن کر کھڑی ہوگئی۔

اس طرح اور مشکل تھی، اس طرح اور بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے وہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھا اور اسی نے اسے کمرہ چھوڑنے پر مجبور کردیا تھا، مگر کمرے سے نکلنے سے پہلے ہی اس کا بازو پکڑ کر اسے روک لیا گیا تھا۔ وہ نہ جانے کب اس کے پیچھے چلتا اس کے پاس آگیا تھا۔

"میں کسی اور کمرے میں چلا جاتا ہوں، تم سو جاؤ۔" وہ ابھی تک اس کا بازو پکڑے اسے روکے ہوئے تھا۔

"میں پانی پینے جارہی ہوں۔" اس کی مکمل توجہ سہاری نہیں جاتی، بے اعتنائی برداشت نہیں، نہ جانے وہ چاہتی کیا تھی، بازو چھڑا کر اس نے قدم آگے بڑھایا۔

"پانی یہ رکھا ہے۔" اس نے اس کے بہانے کا منہ بند کردیا تھا۔ ابھی شام ہی میں تو خود پانی کا جگ بھر کر رکھا تھا اس نے۔ اس نے ایک نظر جگ پر ڈالی اور دوسری اس کے شرمندہ چہرے پر، وہ واقعی اس کی نیند خراب کیے جانے پر شرمندہ تھا۔

"میں کافی پینا چاہتی ہوں۔" نظروں کے ارتکاز پر اس نے رخ موڑتے منمناتے ہوئے کہا تھا۔

فی الوقت وہ اس کمرے سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔ ابھی تک تو وہ یہی سمجھے بیٹھی تھی کہ وہ اسے نظر انداز کررہی ہے۔ اسے اہمیت نہیں دیتی اور یہ کہ وہ اتنی ہمت ہی نہیں رکھتا کہ اسے..... لیکن آج اس کی اس سوچ کی نفی ہوگئی تھی۔ وہ مرد تھا۔ اختیار رکھتا تھا اور اہمیت بھی رکھتا تھا اگر چاہتا تو اس کا ہاتھ پکڑ تا یا.....

باہر نکل کر کتنی ہی دیر وہ لاؤنج میں بیٹھی رہی، کافی پینے کو کس کافر کا دل چاہ رہا تھا، مگر بہانہ گلے پڑ گیا تھا، سو اب بنانی پڑ رہی تھی۔

"کیا وہ اس "ڈبو" بے اعتماد دکان دار سے خائف ہوکر کمرے سے بھاگ آئی تھی۔ اپنی کلاس کی سب سے برائٹ اسٹوڈنٹ، جس کی خوب صورتی مسحور کردینے والی تھی۔ وہ اس شخص کے سامنے بے بس ہورہی تھی۔

★ ★ ★

طارق حسین کی زندگی اس خوف ناک ایکسیڈنٹ کے بعد کئی مہینے اسپتال اور پھر گھر تک محدود ہوکر رہ گئی تھی۔ "حسنینز" کے سارے معاملات امانت علی کے ہاتھ آگئے تھے۔ وہ جو پہلے سے کسی موقعے کی تلاش میں تھا، اس ایکسیڈنٹ نے اسے یہ موقع فراہم کردیا تھا۔ چوری چھپے رجسٹر ہونے والی اس کی لیدر کمپنی "حسنینز" کے بند ہونے کی بدولت سارے کے سارے آرڈرز ملنے کے بعد سب کی نظروں میں آگئی تھی۔ اکاؤنٹ کے سارے معاملات اسی کے سپرد تھے۔ اس نے کمپنی کا پیسہ اپنی کمپنی میں ایسے ڈالا تھا کہ بستر پر پڑے طارق حسین کو کانوں کان خبر نہ ہوسکی تھی۔

حسین کے علاج اور کمپنی کے کھاتے کلیئر کرنے کے لیے قرض لینا پڑا تھا، جو بعد میں مکان بیچ کر ادا کرنے کی بدولت حسین، حنا اور بچے دوبارہ اسی دو کمروں کے اپارٹمنٹ میں آگئے تھے جو بہت پہلے چھوڑ کر جاچکے تھے۔ بچے ابھی چھوٹے تھے، کچھ کرنے کے قابل نہیں تھے اور حسین مکمل طور پر بیوی کی تنخواہ پر گزارہ کرنے پر مجبور تھا۔

یہ وقت حسین اور اس کی فیملی کے لیے امتحان ثابت ہوا تھا۔ سب کچھ گنوانے کے باوجود حنا کی حوصلہ مندی، صبر اور قناعت اسے بھی جینے کا حوصلہ دیتے، اسے اپنے مکمل ٹھیک ہونے کا انتظار تھا۔ جب وہ دوبارہ سے کام کرنے کے قابل ہوجاتا۔ وہ امانت اور ہما کو ابھی تک اپنا خیرخواہ ہی سمجھتے تھے اور آخر وقت

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

تک ایسا ہی رہتا اگر اس کی ملاقات فدا حسین سے نہ ہو جاتی۔

"فیکٹری سے تمہارا پتا لے کر یہاں پہنچا ہوں' عرصے بعد پاکستان آیا تو تم سے ملنے کو دل چاہا' بس تھوڑی دوڑ دھوپ کرنی پڑی۔"

طارق حسین ٹھیک ہونے کے بعد جسوال سنگھ کے ساتھ اس کی دکان پر بیٹھنے لگا تھا جو ساؤتھ ہال میں تھی۔ جسوال سنگھ انڈیا سے فینسی کپڑے منگواتا تھا اور اس بار اسی کے کہنے پر طارق حسین پاکستان سے کپڑے لینے آیا تھا۔

اب وہ ایک عام شخص تھا جسے فیکٹری کے مالکوں سے ملنے نہیں دیا گیا تھا' مگر فدا حسین اس فیکٹری کا مینیجر تھا جو ریٹائر ہو چکا تھا اور اس کے ساتھ طارق کے اچھے تعلقات رہے تھے۔ فدا اس کو گھر کے اندر لاتے تھوڑا خائف تھا' مگر اب اسے اس طرح ڈرنے کی ضرورت نہیں تھی' جس طرح وہ اس وقت ڈرا تھا' جس وقت طارق کے آرڈر کو خراب کیا جارہا تھا۔ اپنے دل پر پڑا بوجھ اس نے طارق کو حقائق بتا کر دور کر لیا تھا۔

"امانت علی نے تمہارے سارے کاروبار کو تباہ و برباد کر دیا' وہ تمہارا رشتہ دار تو تھا ہی آستین کا سانپ بھی نکلا' جس نے تمہیں ڈس لیا۔ وہ تمہارے ایکسیڈنٹ سے بہت پہلے اپنی کمپنی رجسٹر کروا چکا تھا اور پھر یہاں تمہارے آرڈر میں ایسے اجزا جو خطرناک تھے اسی کے کہنے اور لالچ دینے پر استعمال کیے گئے تھے۔"

فدا حسین سر جھکائے اس پر سارے راز کھول رہا تھا۔ دل کے درد سے بچ جانے والا فدا اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر رہا تھا اور طارق پریشانی' حیرت' افسوس اور بے یقینی کی کیفیت میں گھرا اس کی باتوں پر یقین نہ کرتے ہوئے بھی یقین کر رہا تھا۔

"بھلا کوئی شخص احسان کا بدلہ بددیانتی' دھوکے اور فریب کی صورت میں کیسے دے سکتا ہے۔"

لندن جانے کے بعد فدا کی کہی ساری باتیں تحقیقات سے ثابت ہو گئی تھیں۔ کاروباری حلقے پہلے ہی اس راز سے واقف تھے جس سے وہ ایک عرصے تک ناواقف رہا تھا۔ حنا کو سب کچھ بتاتے جتنا دکھی وہ تھا اس سے زیادہ حنا تھی۔ کیونکہ اس کا رشتہ بہن کے حوالے سے نازک تھا۔

"اب میں طارق سے کیسے نظریں ملا پاؤں گی کہ میری بہن اور بہنوئی نے ایسا کیا۔ اگر کوئی اور شخص ہوتا تو مجھے ساری زندگی طعنے دے کر چھلنی کر دیتا' مگر طارق نے چپ سادھ لی تھی۔"

طارق اور امانت کی آخری ملاقات خود انسب نے اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی' جہاں امانت نے طارق کی باتوں پر اسے دھکے دے کر اپنے دفتر سے باہر نکال دیا تھا اور انسب ایک دھوکے باز شخص اور اس کی اولاد سے نفرت کرنے لگا تھا۔

باپ کی بے عزتی اسے راتوں کو پریشان کر دیتی۔ ایک کمینے شخص کی کمینگی اور دھوکے بازی نے اس کے ہنس مکھ باپ کو سنجیدگی کے لبادے میں ملفوف کر دیا تھا۔ اس نے "نسب نامہ" کے نام سے بلاگ لکھنا شروع کیا تھا۔ یہ بلاگ عموماً "فیملی" "کنڈز ریلیشن" کے ٹاپک پر لکھا کرتا' مشورے دیتا۔ آہستہ آہستہ اس کے پڑھنے والوں کی تعداد بڑھتی چلی گئی تھی اور وہ ایک مشہور بلاگر بن چکا تھا۔

اس کا بلاگ معلومات کا خزانہ ہوتا۔ لوگ اس سے طرح طرح کے مشورے مانگتے' اس کے بلاگ پر تبصرے کرتے' یہی بلاگ اس کی کمائی کا ذریعہ بھی بن گیا تھا۔ اس نے ان ہی پیسوں سے گھر' گاڑی طارق کی دکان خریدی تھی اور ساتھ ساتھ اپنی پڑھائی بھی جاری رکھے ہوئے تھا۔ اس کی کوششوں سے طارق حسین کی حس مزاح پھر سے لوٹنے لگی تھی۔

"تو یہ تھا تمہارا وہ کام جو تم آدھی رات تک بیٹھے بیٹھے کیا کرتے تھے۔"

ٹیرس پر سگریٹ پھونکنے کے بعد وہ باتھ روم میں گھس گیا' اب وہ پندرہ بیس منٹ لگا کر باہر نکلتا۔ شاور لیتا' برش کرتا' اتنے عرصے سے کمرے میں ہونے سے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

وہ اس کے معمولات سے تو واقف ہو ہی گئی تھی۔ اس لیے بیڈ کے سائیڈ پر رکھا لیپ ٹاپ اپنے سامنے کرتے اس کی مصروفیت سے آگاہ ہوتے وہ حیران تھی۔ بلاگ لکھتے لکھتے وہ اٹھ کر گیا تھا۔

"نسب نامہ" اس کے سامنے تھا۔ اس کے فالوورز کی تعداد دیکھ کر اس کا سانس اوپر کا اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا تھا۔ وہ روزانہ کی بنیاد پر بلاگ لکھنے والا ایک بڑا بلاگر تھا۔ اسکرول ڈاؤن کرتے اس کے مشورے لوگوں کی تحسین لوگوں کے کمنٹ اس کے سامنے آتے چلے گئے۔ اس کا بلاگ معلومات سے بھرا ہوا تھا۔ وہ حیرت کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب ڈوب کر ابھر رہی تھی اور ابھر ابھر کر ڈوب رہی تھی۔

فیضان کی رذالت اور کمینگی نے اسے اس کی طرف مائل کیا تھا۔ پھر رضیہ آنٹی کی باتوں سے وہ پھپھا' پھپھو اور اس کے صبر' حوصلے اور احسان کی قائل ہوتی چلی گئی تھی اور آج اس کی ذہانت اور اعتماد نے اسے چاروں شانے چت کر دیا تھا۔ اس کے ہاتھ لیپ ٹاپ پکڑے ساکت تھے اور آنکھیں گہری سوچ کی غماز' ہلکا سا کھٹکا ہوا تھا۔ جلدی سے لیپ ٹاپ رکھتے دھڑ دھڑاتے دل کے ساتھ لیٹے' کمبل خود پر اوڑھتے' اس نے کمبل کی ننھی جھری سے اسے باہر آتے دیکھا۔

تولیے سے بال رگڑتے وہ پرفیوم چھڑک رہا تھا۔ بلا کا نفاست پسند شخص تھا۔ ڈھیلے ڈھالے ٹراؤزر اور ٹی شرٹ میں رات کے ایک بجے سونے کی تیاری ہو رہی تھی۔ چوری چوری اسے دیکھنا کتنا اچھا لگ رہا تھا۔ چوڑے شانے' لمبا قد' وہ بہترین شخصیت کا مالک تھا۔ پسلیاں توڑ کر باہر آتے دل پر ہاتھ رکھتے اس نے کروٹ بدل لی۔ لائٹ بند کر کے اب وہ بیڈ پر آکر لیٹ گیا تھا۔ لال بھبھوکا چہرے پر پھیلی نرم گرم مسکراہٹ اندھیرے میں جگمگ جگمگ کر رہی تھی۔

"تو مس منت! تم ایک دکان دار کو دل دے ہی بیٹھیں۔" سوچتے ہوئے اسے ہنسی آئی تھی' مگر ہنسی کا ارادہ موقوف کرتے۔ وہ پھر سے اسے سوچنے لگی تھی۔

☆ ☆ ☆

پکنک کا پروگرام اچانک ہی بنا تھا۔ رخ نے بچوں کے ساتھ اچانک دھاوا بولا تھا اور اب انسب کی طبیعت صاف کر رہی تھی۔

"عرصہ ہو گیا تمہاری شادی کو' نہ تم خود باہر نکلتے ہو' نہ اسے لے کر جاتے ہو' نہ جانے کیسی عجیب طبیعت ہے تمہاری' باہر نکلو' گھومو پھرو' اسے کچھ دکھاؤ' کیا گھر میں بند رہے گی؟"

فریال کو فون کیا تھا' مگر وہ اپنی مصروفیت کی بدولت آنے سے قاصر تھی۔

"تم کھڑی میرا منہ کیا دیکھ رہی ہو' تیار ہو جاؤ جلدی سے۔" اس نے منت کو اس کے کمرے کی جانب دھکیل دیا۔ آج وہ کسی کی سننے کے موڈ میں نہیں تھی۔ وہ حد سے زیادہ باتونی اور شوخ تھی۔

"امی' ابو آپ بھی چلیں۔ یہ دونوں ایسے ہی نکلیں گے' ورنہ تو گھر میں ہی پڑے رہیں گے۔" انسب بھی کچھ دیر کے لیے منظر سے غائب ہوا تھا۔

پری کی فراک کے بٹن بند کرتے اس نے طارق حسین اور حنا کو مخاطب کیا۔ طارق حسین نیوز پیپر پڑھ رہے تھے اور حنا اون سے مفلر بن رہی تھیں۔

"تمہارے بہانے نکل رہے ہیں' وہ دونوں ہم بوڑھوں کو چھوڑو۔"

طارق حسین نے عینک کے اوپر سے جھانکتے اسے تاکید کی تھی۔

"آج اگر تمہارے ہاتھ میں موبائل دیکھا نا تو اسے دریائے ٹیمز میں پھینک دوں گی' ایک بھی لمحہ سوچے بغیر۔" بلیو جینز اور گرے شرٹ میں بلیک کوٹ کے ساتھ اس کا موبائل اس کے ہاتھ میں دیکھ کر رخ نے اسے دھمکایا تھا۔

"ٹھیک ہے اپا' ٹھیک ہے۔" اس نے جلدی سے موبائل جیب میں ڈال لیا۔

"منت! تم آگے بیٹھو۔" پچھلا دروازہ کھولتے منت کے ہاتھ رک گئے۔ وہ گاڑی اسٹارٹ کیے اس کے بیٹھنے کا انتظار کر رہا تھا۔

"ماموں! ہم آئس کریم کھائیں گے اور جوس بھی

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

پہنیں گے۔" دائم اپنی فرمائش نوٹ کروا رہا تھا۔ اس نے سر ہلا دیا۔ سفید اور نیلے رنگ کا امتزاج لیے اسٹائلش سوٹ میں وہ خاموشی سے رخ اور بچوں کو سن رہی تھی۔

"ہم صرف آئس کریم کھانے اور ہائیڈ پارک میں پھرنے تک تمہارے ساتھ ہیں۔ اس کے بعد ہم چلے جائیں گے، تم دونوں لندن میں گم ہو جانا۔"

بڑی رازداری سے انسب کے کان کے پاس منہ لا کر اسے بتاتے وہ ان سے زیادہ پرجوش تھی۔

"تو پہلا پڑاؤ ہائیڈ پارک ہے۔" انسب بشاشت سے پوچھ رہا تھا۔ اس کے گاڑی پارک کرنے تک وہ دونوں بچوں کے ساتھ آگے نکل چکی تھیں۔ نرم چمکیلی دھوپ اور شفاف سڑکیں، سب کچھ کتنا بھلا لگ رہا تھا۔

سچ ہے کہ سارے موسم دل کے موسم ہی سے نمو پاتے ہیں۔ فوارے سے نکلتے موتیوں کو ہاتھ پر سمیٹتے رخ کے ساتھ ساتھ چلتے، باتیں کرتے، بچوں کو تتلیوں کے پیچھے بھاگتے دیکھ کر اس کا دل ایک دم ہلکا پھلکا ہو گیا۔ نہ جانے ان خوب صورتیوں کو دیکھتے کتنا وقت گزر گیا تھا۔

"ہم یہاں سے واک کرتے گھر تک جائیں گے۔" رخ بچوں کی انگلیاں پکڑے رخصت ہو رہی تھی۔ اس کا گھر یہاں سے قریب تھا، اس لیے بے فکری تھی۔

"تمہارے ساتھ ہی رہو، شام میں، میں خود چھوڑ جاؤں گا۔" انسب نے اسے روکنے کی کوشش کی۔ وہ دونوں تو اس ساری سیر کے دوران اس کی باتیں سنتے ہاں میں ہاں ملاتے رہے تھے۔

"بس ہمارا ساتھ یہیں تک تھا۔" ڈرامائی انداز میں کہتے اس نے ہاتھ اٹھا دیا۔

"دریائے ٹیمز پر جانا، گارڈز کی تبدیلی دیکھنا۔ ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے واک کرنا۔" وہ نہ جانے کیا کیا کہہ رہی تھی۔ منت نے جھینپ کر سر جھکا لیا۔

"اتنی شاعری کرنے کی ضرورت نہیں۔ سب دیکھ لیں گے۔"

انسب نے اس کے مزید فری ہونے سے پہلے اللہ حافظ کہہ دیا تھا۔

رخ اور بچوں کے اترنے کے بعد گاڑی میں ایک دم خاموشی چھائی تھی۔ وہ دونوں کبھی کبھار ہی ایک دوسرے سے مخاطب ہوتے تھے۔ اب بھی وہ سیدھا دیکھتے ڈرائیو کر رہا تھا اور وہ اپنی انگلی میں پہنی انگوٹھی کو بلاوجہ گھما رہی تھی۔ اس کی انگلیوں کی حرکات اس کی بے چینی ظاہر کر رہی تھیں۔ گاڑی میں مردانہ پرفیوم، ایئر فریشنرز اور سگریٹ کی ملی جلی خوشبو اس کے حواس پر سوار ہو کر گاڑی کی خاموشی کو مزید پراسرار بنا رہی تھی۔

"کہاں چلیں؟"

بات انسب نے شروع کی تھی، اس کی انگلیاں اسٹیئرنگ وہیل پر مضبوطی سے جمی تھیں اور آنکھیں اسے دیکھ رہی تھیں۔

"جہاں دل چاہے لے چلیں، ویسے بھی آپ تو دوسروں کو مشوروں سے نوازتے ہیں۔" اس کے ہونٹوں نے نامحسوس انداز میں جنبش کی تھی اور سر "کہیں بھی" کے انداز میں ہل گیا تھا۔

"یہ آکسفورڈ اسٹریٹ ہے یورپ کی مصروف ترین شاپنگ اسٹریٹ۔" گاڑی پارک کرنے کے بعد وہ اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ لوگوں کا ہجوم ارد گرد چلتی گاڑیاں، سرخ بسیں، لیکن اس کی نگاہیں تو اس جوڑے پر ٹھہر گئی تھیں جو لوگوں کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔

گھٹنوں پر بیٹھا وہ لڑکا جو اس خوب صورت لڑکی کو پروپوز کر رہا تھا۔ وہ دونوں بھی اس دائرے کا حصہ بن گئے جو دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ پرجوش ہوتے اس نے انسب کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ہاں وہ خوش تھی، بہت خوش۔

انسب نے حیرت سے اپنے ہاتھ پر مضبوطی سے جمے اس کے نازک ہاتھ کو دیکھا اور ایک نظر اس کے پرجوش چہرے کو دیکھا، وہ دنیا و مافیہا سے بے گانہ لگ رہی تھی۔ لڑکی نے اس کا پروپوزل اس کا پھول پکڑ کر قبول کر لیا تھا۔ ہاتھ پکڑ کر چلتے گاڑی میں آ کر بیٹھتے، وہ دونوں ہی جیسے بے خود سے تھے۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

دریائے ٹیمز پر وائلن بجانے والے بوڑھے کے پاس رکتے پھولوں کا تاج سر پر پہنتے اس نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ اسے دیکھتے پہلی بار گم ہوا تھا۔ اس کی خوب صورتی سر چڑھ کر بولتی تھی اور انسان کو کسی قابل نہیں رہنے دیتی تھی، وہ بھی نہیں رہا تھا۔ بادشاہوں اور ملکاؤں کی اس سرزمین پر آنے والی شہزادی اس کی دھڑکنیں تک چرالے گئی تھی۔ سر پر جلترنگ بجانے والی بارش سے بچنے کے لیے اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر گاڑی کی جانب دوڑ لگادی۔ وہ ہنس رہی تھی۔ گاڑی میں بیٹھ کر دونوں نے خاموشی سے بارش کو ونڈ اسکرین پر گرتے دیکھا تھا۔ بغیر کچھ بولے وہ اس سحر میں گم تھے۔

بکنگھم پیلس میں ہونے والی گارڈز کی تبدیلی دیکھتے وہ بچوں کی طرح خوش ہو رہی تھی۔ وہیں اسے فیضان اپنی طرف آتا دکھائی دیا تھا۔ اس کے ساتھ چلتی نیم عریاں لڑکی۔۔۔ اس نے نگاہیں پھیرلیں۔ ساتھ کھڑے انسب نے بھی اس کی نظروں کا تعاقب کرتے انہیں اپنی جانب آتے دیکھا تھا۔

"لیزا! تمہیں بہت شوق تھا نا اس لڑکی کو دیکھنے کا۔ یہ ہے میری وہ کزن جو شادی کے بعد بھی مجھ پر فدا ہے۔ دیکھی ہے تم نے ایسی محبت۔" اس نے ساتھ کھڑی لیزا کو لوفرانہ انداز میں آنکھ ماری۔ لیزا اس کو اوپر سے نیچے تک گھور رہی تھی۔ اس نے گھبرا کر انسب کی جانب دیکھا۔

وہ خشمگیں نگاہوں سے انہیں گھور رہا تھا۔

"ویسے مجھے اس کے ساتھ تمہاری شادی کا بے حد افسوس ہے، بہت افسوس۔" اس نے چچ چچ کرتے جیسے غم کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبنے کا اظہار کیا تھا۔ اس نے ایک بار پھر انسب کی جانب دیکھا، وہ کچھ بولتا کیوں نہیں۔

"اگر پہلے پتا ہوتا کہ تمہاری شادی۔۔۔ اس سے ہو جاؤ گی تو کبھی واپس نہ آتا، خود ہی شادی کرلیتا تم سے۔" اس نے جیسے افسوس کا اظہار کیا تھا۔ سنجیدگی کے لبادے میں لپٹی نفرت ابل ابل کر باہر آرہی تھی اور ہونٹ تمسخرانہ انداز میں ہنس رہے تھے۔

"بکواس بند کرو اور یہاں سے دفع ہو جاؤ، اس سے پہلے کہ جانے کے قابل نہ رہو۔" انسب غرایا۔

"واہ! تم تو بول بھی سکتے ہو اور وہ بھی رکے ب، ب، ب بغیر۔" تالی بجاتے وہ منہ کھول کر ہنسنے لگا۔

"چلو منّت! اب میری ایک پریشانی تو دور ہوگئی۔ اب یہ بول لیتا ہے ایک جملے میں۔۔۔"

ایک قدم آگے بڑھاتے وہ منت کے قریب ہوا، اپنے ہاتھوں کی انگلیوں سے اس کے سر پر سجے پھولوں کے تاج کو چھونے کے لیے اس کا ہاتھ آگے بڑھا، مگر چھونے سے پہلے ہی اس کا ہاتھ آہنی ہاتھ کی گرفت میں تھا، جسے پوری قوت سے دباتے انسب نے اپنا پورا غصہ اس پر نکال دیا تھا۔ آہنی گرفت میں اس کی انگلیاں چٹخی تھیں۔

"یو باسٹرڈ۔ چھوڑو مجھے۔" اپنی پوری قوت صرف کرنے کے باوجود وہ اپنا ہاتھ چھڑا نہیں سکا تھا۔

"اگر میں نے دوبارہ تمہیں یا تمہارے گھر والوں کو اپنے یا اپنے گھر والوں کے قریب دیکھا تو۔۔۔" باقی کے جملے اس کے ہاتھ نے کس کی زبان میں ادا کیے تھے۔

مغلظات کا ایک طوفان اس کے منہ سے فوارے کی طرح پھوٹا تھا۔ ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ سے دباتے وہ پتھر کھائے ہوئے کتے کی طرح بھونکتے ہوئے اس پر جھپٹا، مگر درمیان میں لیزا آگئی تھی۔

"فیضی۔۔۔ فیضی۔" تبدیل ہونے والے گارڈز ادھر ہی آرہے تھے۔ لیزا اسے کھینچ کے لے جانے لگی۔ انسب کے ساتھ کھڑی تھر تھر کانپتی منت نے اس کا یہ روپ پہلی بار دیکھا تھا۔

وہ قد آور اور طاقت ور تھا، مگر۔۔۔ متوقع لڑائی کے ٹل جانے سے اس نے سکون کا سانس لیا تھا۔ اس طرف سے دھیان ہٹتے ہی اس کا دھیان فیضان کی باتوں کی طرف چلا گیا۔

"نہ جانے انسب کیا سمجھ رہا ہوگا۔"

"میں نے صرف ایک بار اسے فون کیا تھا۔" شرمندگی سے کہتے جھکا سر مزید جھک گیا۔ "جیسی وہ

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

بکواس کر رہا تھا ایسا کچھ نہیں۔ اس کی خباثت.....
"مجھے معلوم ہے۔ کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔" اسے چلنے کا اشارہ کر کے وہ چلنے لگا۔

"ساری عمر ماں، باپ کے ساتھ میری بحث جاری رہی کہ انہوں نے اتنی آسانی سے اپنا حق کیسے چھوڑ دیا، کیسے قبضہ کرنے دیا ہر چیز پر، جانتے بوجھتے دھوکا دینے والوں کو کچھ نہیں کہا، مگر اس کا ادراک تو اب ہوا ہے کہ دھوکا فریب اور حرام لوٹ کر آپ کے پاس واپس آتا ہے۔"

وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے بول رہا تھا۔ اور وہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھی۔

"امانت انکل نے فریب اور دھوکا دیتے اپنے محسنوں کو بھی نہ چھوڑا۔ کاروبار ہتھیا لیا۔ ہم پائی پائی کے لیے ترستے رہے تو ان کے ساتھ کیا ہوا۔" وہ لحظہ بھر کو ٹھہرا۔ اس کی طرف دیکھا اور پھر سے چلنے لگا۔

"ان کی اولاد حلال اور حرام کی تمیز بھول گئی۔ لقمان نے انکل کو دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر کاروبار پر قبضہ جمالیا اور اب وہ دونوں میاں، بیوی محتاجوں جیسی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں اور فیضان حلال رشتہ بنانے کے بجائے وہی تعلق حرام طریقے سے جاری رکھے۔ لیزا کے ٹکڑوں پہ پل رہا ہے۔ شراب، جوا، عورتیں، ایسی کون سی برائی ہے۔ جس سے وہ بچا ہوا ہے۔"

اس بات کی تو وہ خود گواہ تھی، وہ برائی کو برائی کہاں سمجھتا تھا۔ دھڑلے سے اعتراف کرتے اسے ذرہ برابر بھی تو شرمندگی نہیں ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ چلتے اس کی خود کلامی سنتے وہ اس قدر گم تھی کہ سردی کا احساس ہی نہ ہو سکا۔ مگر اب وہ کپکپا رہی تھی۔

"ساری ہیرو والی خصوصیات کے باوجود ابھی تک جھوٹے منہ بھی مجھے کوٹ آفر نہیں کیا۔" اس نے گیلے ہوتے کوٹ کو حسرت بھری نگاہ سے دیکھا تھا۔

"مجھے سردی لگ رہی ہے۔" رخ کے اتنا کہنے کے باوجود وہ کچھ بھی پہن کر نہیں آئی تھی، نہ کوٹ، نہ سویٹر۔

"لندن کی دھوپ اور بارش ایسی ہی ہوتی ہے۔"

"یار! مجھے لندن کے متعلق تمہارا تھیسز نہیں سننا، تمہارا کوٹ چاہیے۔" کاش کہ وہ اپنی سوچ کو لفظوں کا روپ دے سکتی۔

"گاڑی ابھی کتنی دور ہے۔" اس سے پوچھتے ہوئے اس نے بازو اپنے گرد لپیٹ لیے۔ دانت اب بج رہے تھے۔

"ابھی تھوڑی دیر لگے گی۔" اسے جواب دے کر وہ اپنا کوٹ اتارنے لگا۔

"شاید خیال آ ہی گیا جناب کو۔" اس کے ہاتھ سے کوٹ چھین کر پہنتے اس نے ایک بار بھی تو کوٹ لینے سے منع نہیں کیا تھا۔ وہ اپنا موبائل بھی اس کے اندر سے نکال نہیں پایا تھا۔ اس کا قہقہہ بڑا جان دار تھا۔ سٹپٹا کر رک کر وہ اس کو دیکھنے لگی۔

"بہتر پر سکون زندگی نہ شخصیت کی محتاج ہوتی ہے، نہ شکل صورت کی اور نہ ہی دولت کی۔ ہاں اچھے انسان ہی زندگی کو بہتر اور پرسکون بناتے ہیں۔" اس کے سامنے کھڑا اس کی آنکھوں میں جھانکنے والا شخص رشتوں کی اہمیت کو جانتا تھا۔ ان کی حفاظت کر سکتا تھا اور اس کے کردار کو اس نے ایک چمکتے آئینے جیسا پایا تھا۔ اسے اس سے زیادہ کی توقع بھی نہیں تھی۔

"چلیں۔" اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے اس نے کہا تھا۔ اس نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

بارش ابھی بھی ہو رہی تھی۔ گھر پہنچ کر اسے ماما، پاپا کو فون کرنا تھا۔ اپنی بدتمیزیوں کی معافی مانگنا تھی اور اس شخص سے بہت کچھ کہنا تھا جو اس کے ساتھ بیٹھا خواہ مخواہ مسکرا رہا تھا۔

اور مسکرا تو وہ بھی رہی تھی۔

بعض باتیں اور چیزیں سامنے ہوتے ہوئے بھی ہماری نظروں سے اوجھل رہتی ہیں، مگر اب سارے دھندلے منظر صاف تھے، راستہ واضح تھا، ونڈ اسکرین پر گرتی بوند بوند بارش، دل کی دھرتی کو سیراب کر رہی تھی۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com
URDUSOFTBOOKS.COM
URDUSOFTBOOKS.COM

عمارہ خان

چھٹی کا دن

"ارے نہیں نہیں میری بیگم جاب نہیں کرتیں بھئی، ٹوٹلی ہاؤس وائف ہیں۔"

جاوید لاؤنج میں دوسری بار چائے ___ پیتے ہوئے، صوفے پہ نیم دراز دو کشن سیدھے ہاتھ کی کہنی کے نیچے تو ایک کشن کمر کی طرف ___ پاؤں صوفے کی ہتھی پہ رکھے پرسکون انداز میں اپنے دوست سے موبائل پہ گفتگو میں محو تھا، جبکہ پاس ہی اتوار کے دن کا فرمائشی ناشتہ یعنی حلوہ پوری وہ بھی گھر کی بنی ہوئی کی مہک پھیلی ہوئی تھی، تو سامنے میز پہ اخبار کے تقریباً سارے صفحات اپنی قسمت پہ رو رہے تھے۔

"ہاں، تم جب چاہو آجاؤ یار، میری بیگم کے ہاتھ میں جادو ہے جادو، ایک بار کھاؤ گے تو یاد کرو گے۔"

"اچھا، آج آؤ گے؟"

"چلو آجاؤ بس پھر۔"

URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

''ہاں ہاں بھابھی اور بچوں کو بھی یاد سے لانا۔''
''ارے بتایا نا تمہاری بھابھی کی کوئی خاص مصروفیت نہیں ہے وہ کیوں برا مانیں گی؟ پورا دن گھر پہ ہی تو ہوتی ہیں۔''
''اب دیکھو تم اجنبیت برت رہے ہو یار! آخر میں تمہارا بچپن کا دوست ہوں، اتنا حق ہے میرا۔''
''بس بس زیادہ ہیرو بننے کی ضرورت نہیں اب۔''
''میں انتظار کر رہا ہوں، ایک اتوار تو ملتا ہے جو اپنا ہوتا ہے، اس دن کوئی اپنا مل جائے تو سونے پہ سہاگہ نہ ہو جائے۔''
''ہاں یہ کی نا بات، ڈن ہوا پھر۔''
''کچھ لانے کی ضرورت نہیں جگر۔ تیرا ہی گھر ہے۔''
''ٹھیک ہے ٹھیک ہے، اللہ حافظ''
لاؤنج کے در و دیوار کے ساتھ ثمن نے بھی یہ یک طرفہ گفتگو کچن میں برتن دھوتے ہوئے بغور سنی اور ایک پھیکی سی مسکان لبوں پہ سج گئی۔
''بے شک میں ایک ہاؤس وائف ہی تو ہوں، ورکنگ وومن نہیں، پورا دن صرف گھر ہی تو دیکھنا ہوتا ہے ساتھ تین بچوں کو اور سسرال میکے کا آنا جانا بس اور کسی قسم کا کام نہیں کرنا پڑتا، واقعی میں خوش نصیب ہوں جو جاوید نے جاب نہیں کرنے دی لیکن ہوسکتا ہے اگر کرنے دیتے یا میں کہیں کام کرتی تو شاید ان ہی سب کاموں کے تیس پینتیس ہزار مل جاتے ساتھ ایک میڈل بھی ورکنگ وومن کا، واقعی معاشرے میں، میرا مقام ایک باعزت عورت کا ہے، جو اپنے گھر میں سکھ سے میاں بچوں کے ساتھ بیٹھی ہے۔ تو کیا ہوا جو ایک اتوار بھی اس کا اپنا نہیں۔
تو کیا ہوا جو ہفتے کے باقی دنوں کے بعد ایک اتوار کو بھی آرام میسر نہیں اور نہ ہی اس ایک لفظ سے مستفید ہوسکتی ہوں کہ آج چھٹی ہے۔''
ثمن نے دوپہر کے لیے بریانی بنانے کے سامان پہ بھی ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈالی اور واشنگ ایریا کی طرف بچوں کے میلے یونی فارم بھی پڑے اسے یاد دلا رہے تھے کہ ابھی ہم بھی پڑے ہیں راہوں میں۔
دوسری طرف جاوید نے گنگناتے ہوئے موبائل سائیڈ میں رکھا اور پرسکون انداز سے زوردار انگڑائی لیتے ہوئے ثمن کو آواز دی۔
''ثمن ڈارلنگ سنتی ہو۔'' موقع کی مناسبت سے مناسب مقدار میں شہد گھلے لہجے میں آواز گونجی۔
''جی؟'' ثمن نے بھی انجان بن کے پوچھا۔
''وہ یار! میرا ایک دوست کھانے پہ آرہا ہے، تو مجھے لسٹ بنا دو کیا کیا لانا ہے۔''
''جاوید! آج مجھے امی کی طرف جانا تھا، پچھلے اتوار کو میچ آرہا تھا، تب آپ نے کہا تھا اگلے اتوار کو لے جاؤں گا۔'' ثمن نے بجھے ہوئے لہجے میں یاد دلانا چاہا۔
''تو کیا ہوا یار، اگلے اتوار کو سہی، یا ایسا کرنا کسی دن بیچ میں پروگرام بنا لینا۔'' جاوید نے شرمندہ ہوئے بغیر بات ختم کی۔
''کل سے زونیہ اور عامر کے پیپرز شروع ہیں، آپ کو بتایا بھی تھا اور یہ اسکول والے پورے پندرہ بیس دن نکال دیتے ہیں پانچ چھ پیپرز میں ہی۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی ثمن کا لہجہ بھیگ گیا
''بس اب آنسو نہ بہانا شروع ہو جانا ثمن۔ اب تم کوئی ٹین ایج لڑکی تو نہیں جو ہاسٹل میں رہتی ہے کہ چھٹی ملتے ہی امی کی طرف دوڑی جائے، حد کرتی ہو۔'' جاوید نے ثمن کی طرف افسوس اور ملامتی نظروں سے دیکھتے ہوئے سر جھٹکا۔
''امی نے پورے ہفتے انتظار کیا ہوگا میرا، آپ کو ذرا احساس نہیں ہے، اس بڑھاپے میں اکلوتی بیٹی کا انتظار کتنا جان لیوا ہوتا ہے ان کے لیے۔'' ثمن نے بھرائی ہوئی آواز میں شکوہ کیا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

''کیا بچوں والی باتیں کر رہی ہو تم بھی ثمن۔ یہ کوئی وقت ہے ایسی بحث کا یا تم کوئی نئی نئی بیاہ کے آئی ہو جو ہر ہفتے حاضری لگانی ہے، ایک اتوار نہیں بھی جاؤ گی تو کوئی طوفان نہیں آ جائے گا؟ حد ہو گئی سالوں بعد کوئی دوست کے نام پہ گھر آ رہا ہے، بیگم صاحبہ کے مزاج ہی نہیں مل رہے۔'' جاوید بڑبڑاتے ہوئے بائیک کی چابی ڈھونڈنے میں مصروف سا ہوا۔

''تو آپ کو مجھ سے پوچھ لینا چاہیے تھا کوئی پروگرام سیٹ کرتے ہوئے، آخر میں بھی گھر کا حصہ ہوں، فرد ہوں اور وہ سو کالڈ لفظ 'ہاؤس وائف' بھی ہوں۔'' ثمن نے ایک دم چڑ کے ریک سے بائیک کی چابی اٹھا کے جاوید کے سامنے پٹختے ہوئے کہا۔

''بک بک کرا لو تم سے جتنی مرضی، ایک اتوار کا دن ملتا ہے مجھے، اس میں بھی آدھا تم سے بحث میں نکل جاتا ہے۔''

''تو یہ آپ کو خیال کرنا چاہیے کہ ''ایک'' اتوار کا دن ہوتا ہے آپ کے پاس اپنی فیملی کے لیے جس میں آدھا دن سو کے اور آدھا دن منت سماجت میں نکال دیتے ہیں آپ۔''

ثمن نے بھی اچھی طرح پچھلے ہفتے کا غصہ باہر نکالتے ہوئے آئینہ دکھانے کی کوشش کی۔

''اچھا میڈم ثمن، آپ فرمائیں کیا منع کر دوں فیصل کو؟ اور کیا بول کے منع کروں آج میری بیگم نے اپنے میکے جانا ہے تو ہمارے گھر کرفیو ہے، کوئی نہ آئے، بس شادی کو گیارہ سال ہی تو ہوئے ہیں۔ لیکن ہماری بیگم کا دل ابھی بھی اپنے میکے میں ہی ہے۔''

جاوید کا نہ صرف لہجہ خراب ہو چکا تھا بلکہ اب وہ عورتوں کی طرح طعنے دینا بھی شروع ہو چکا تھا۔

''آپ سے تو بات کرنا ہی بے کار ہوتی جا رہی ہے، کبھی تو کسی مسئلے کا حل نکالا کریں بجائے طعنے دینے اور بات کا بتنگڑ بنانے کے۔'' ثمن پاؤں پٹختی کچن کی طرف چلی گئی اور جاوید کے ماتھے کے ان گنت بل بتا رہے تھے اس ہفتے بھی اتی کی طرف جانا کھٹائی میں ہی پڑ گیا ہے۔

''ایک چھٹی کا دن ملتا ہے وہ بھی اس عورت کے چکر میں ضائع ہو جاتا ہے۔'' جاوید نے بڑبڑاتے ہوئے گھر سے باہر جانے میں عافیت جانی۔

''فیصل مناسب نہیں لگتا اتوار کے دن کسی کے گھر لنچ پہ جانا، ایک بار پھر سوچ لیں آپ'' مہوش نے دبے دبے لہجے میں تیسری بار اپنی بات دہرائی۔

''ایک تو میں تمہاری بحث کی عادت سے بہت چڑتا ہوں مہوش! جب بتا رہا ہوں، اتنے مان سے بلایا ہے اس نے تو اب کیا کہوں یہ کہ میری بیگم کیونکہ ایک ورکنگ وومن ہیں، تو ان کا خیال ہے جیسے وہ اتوار کو میکے جانا فرض سمجھتی ہیں اسی طرح تمہاری بیوی بھی سمجھتی ہوگی، تو ہم پھر کبھی مل لیں گے۔''

''تو غلط کیا ہے اس میں؟'' مہوش نے برا مانتے ہوئے کہا اور کچن کی طرف رخ کیا۔

''ارے بابا، اس کی بیوی ہاؤس وائف ہے، پورا دن گھر پہ ہی ہوتی ہے، ضروری ہے کہ اسے تمہاری طرح ایک اتوار ہی ملتا ہو، میکے جانے کے لیے۔''

''لیکن پھر بھی، گھر کے پچاس کام رکے ہوتے ہیں، میرے بھی اتنے کام پینڈنگ ہیں، آپ کو معلوم تو ہے۔'' مہوش کی پوری کوشش تھی آج کا دن کہیں آنے جانے میں ضائع نہ ہو، بلکہ وہ آج نئے آنے والے مہمان کے لیے کچھ شاپنگ کرنے کے ساتھ، گھر کی ضروری صفائی بھی کر لے اور لگے ہاتھوں شام میں آنے والے پورے ہفتے کے لیے تین چار سالن بھی بنا کے فریز کر سکے۔ کیونکہ روز سات بجے جب وہ فیصل کے ساتھ گھر واپس آتی تھی تو تازہ کھانا پکانا اس کی ہمت سے آگے کی چیز ہو جاتی تھی، جاب چھوڑنا بھی ممکن نہیں تھا کہ فیصل کی تنخواہ سے مکان کا کرایہ ادا کرنے کے بعد صرف

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

سودا سلف ہی آتا ۔۔۔ بل اور باقی کے لوازمات کے لیے اس ہی ہوٹل مینجمنٹ کی ڈگری نے کافی سہارا دیا ہوا تھا اور اب جبکہ وہ پہلی بار ماں بننے جا رہی تھی تو مشکل ہو ۔۔ رہا تھا گھر کے ساتھ نوکری کو نبھانا۔

''اسی لیے میں عورتوں کی نوکری کے خلاف ہوں ، ہر وقت کی زبان درازی، مجال ہے تم کوئی بات بحث کیے بنا مان لو۔'' فیصل نے چڑ کے مہوش کو گھورا۔

''میں اپنی مرضی سے جاب کر رہی ہوں؟'' مہوش نے ایک انگلی سے اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ ''میں نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا تھا، یہ ڈگری صرف شوق کی خاطر لی ہے، مجھے نہیں کرنی جاب واب، تم نے مجبور کیا تھا مجھے کہ دو تین سال میں جب تمہاری ترقی ہو جائے گی تو، جاب کی ضرورت نہیں رہے گی اور اب دس سال ہو گئے اس سزا کو بھگتے ہوئے، دس سال ہو گئے فیصل مجھے گھر کے ساتھ باہر کی نوکری کرتے ہوئے۔'' مہوش نے گیلی آنکھوں کے ساتھ فیصل کو یاد دلاتے ہوئے افسردگی سے سر ہلایا۔

''واہ اب تم مجھے اپنی کمائی کے طعنے دو گی مہوش بیگم؟ کیا میں اکیلا وہ لائٹ اور گیس استعمال کرتا ہوں جن کے بل تم بھرتی ہو؟ کیا تم اس چھت کے نیچے نہیں رہتیں جس کا کرایہ میں بھرتا آیا ہوں اتنے سالوں سے، میاں بیوی گاڑی کے دو پہیے ہوتے ہیں، جیسے میں کام کرتا ہوں، تم بھی کرتی ہو، اس میں احسان کس بات کا جھاڑ رہی ہو''۔

''احسان نہیں جھاڑ رہی، آپ کو احساس دلانے کی کوشش کر رہی ہوں، انسان ہوں میں اور اس حال میں ہر ممکن کوشش کر رہی ہوں آپ کا ساتھ نبھانے کی، لیکن بس اب تھک گئی ہوں، نہیں ہوتیں دو دو نوکریاں مجھ سے، گھر کی نوکری پھر باہر کی نوکری۔'' مہوش نے اچانک روتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''اف اب اس میں رونے کی کیا بات ہے، تم کو معلوم ہے یہ گھر در کے کام مجھے نہیں آتے ورنہ شاید میں کوئی ہیلپ کرا دیتا، اب کوئی ماسی نہ ملتی شام کو، اس میں میرا کیا قصور ہے، پورے ہفتے باسی کھانا کھاتا ہوں، اپنے ایمان سے بتاؤ کبھی شکوہ کیا تم سے، نہیں نا، کیونکہ مجھے معلوم ہے ابھی پوزیشن ایسی نہیں تم جاب چھوڑو، پھر کچھ ہی وقت کی بات ہے، ہمارا بچہ ہوتے ہی تم نے گھر ہی بیٹھنا ہے اور پھر مجھے تازہ کھانے بھی مل جائیں گے۔'' فیصل نے اپنی طرف سے تسلی دیتے ہوئے مہوش کے زخموں پہ نمک چھڑک دیا۔

''سبحان اللہ، ابھی بھی آپ کو تازہ کھانے اور باسی کھانے کی پڑی ہے، آپ کو یہ نظر نہیں آتا، پورے دن کی نوکری کے بعد سیدھا کچن میں گھستی ہوں اور ایک چھٹی ملتی ہے مجھے بھی آپ کے ساتھ لیکن اس دن بھی آدھا وقت کچن کی نذر ہو جاتا ہے۔'' مہوش رونا بھول گئی۔ ''آپ تو سارا دن سکون سے لیٹ کے اپنی تھکن اتار لیتے ہیں اور میں، میرے لیے ڈبل کام انتظار کر رہا ہوتا ہے کیونکہ آپ کو گھر کے کام کرنے نہیں آتے''۔ مہوش نے رندھے ہوئے لہجے میں کہہ کر فیصل کو دیکھا اور ترچھی نگاہوں سے بیڈروم کا حال دیکھا۔

سامنے ہی بیڈ کی آدھی لٹکی ہوئی چادر اپنی قسمت کو رو رہی تھی تو، باتھ روم کا کھلا دروازہ بتا رہا تھا وہاں کی صورتحال بھی خراب ہے، بیڈ کے بالکل برابر میں ـــــــــ فیصل کے جوتے اور کپڑے کارپٹ پہ بکھرے ہوئے تھے۔

فیصل نے مہوش کی نظروں کا پیچھا کرتے ہوئے بیڈروم کی سمت چہرہ کیا اور بے زاری سے کندھے اچکا کے مہوش کو دیکھا جو اسے شکوہ بھری نگاہوں سے تک رہی تھی۔

''خیر میں گاڑی دھلوا کے لاتا ہوں۔ جب تک یہ چھوٹے چھوٹے کام نمٹا لو اور تیار بھی ہو جاؤ''

فیصل نے بلند آواز میں گاڑی کی چابی اٹھاتے ہوئے مہوش کو تاکید کی اور بڑبڑاتے ہوئے باہر کی راہ لی۔ ''اب یہ عورتوں کی طرح بیڈ کی چادریں نہیں ٹھیک کر سکتا میں۔ ایک ہی چھٹی کا دن ملتا ہے وہ بھی بیگم کی چخ چخ کی نذر ہو جاتا ہے۔'' ☆

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com
URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

مکمل ناول

تاحدِ نگاہ پھیلے کھیتوں پہ اتری دھند کو صبح کی نرم کرنوں نے عجیب اسرار بھرا حسن عطا کر رکھا تھا۔ پرندوں کی چہکار، چکی کی گھوں گھوں اور فضا میں گھلتی تازہ روٹیوں کی مہک زندگی کے بیدار ہونے کا پتا دے رہی تھی۔

کچے آنگنوں میں عورتیں اپنے گھر والوں کے نازنخرے اٹھا رہی تھیں اور بے چارے کنوارے کسی نازنین کے ہاتھوں کے نرم لچھے دار پراٹھوں اور محبتوں سے بلوئی گئی لسی کا ارمان دل میں بسائے، تندور والی ماسی زیتون کے سخت کھردرے ہاتھوں کے موٹے موٹے پراٹھے کھانے پہ مجبور تھے۔ مگر پھر بھی ان کی امید جوان، قہقہے بے فکر اور حالات حاضرہ پہ بحث گرما گرم تھی۔ سادگی سے بھرا یہ پُرخلوص ماحول یہاں کی ہر صبح کا خاصہ تھا۔

وہ بھی اپنے معمول کے مطابق سویرے ہی دربار چلا آیا تھا۔ خادم سے حال احوال پوچھ کے اس نے وسیع صحن میں پانی کا چھڑکاؤ کیا اور ایک کونے میں رکھی جھاڑو اٹھا کے وہاں کی صفائی کرنے لگا۔ یہ صفائی نہ تو اس کی ذمہ داری تھی اور نہ ہی اس کی ضرورت۔ مگر اب پچھلے کچھ مہینوں سے اس کی ہر صبح کا آغاز یہیں سے ہونے لگا تھا' جو اس کی اس جگہ سے بڑھتی ہوئی عقیدت کا ثبوت تھا۔

مہوش افتخار

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

URDUSOFTBOOKS.COM

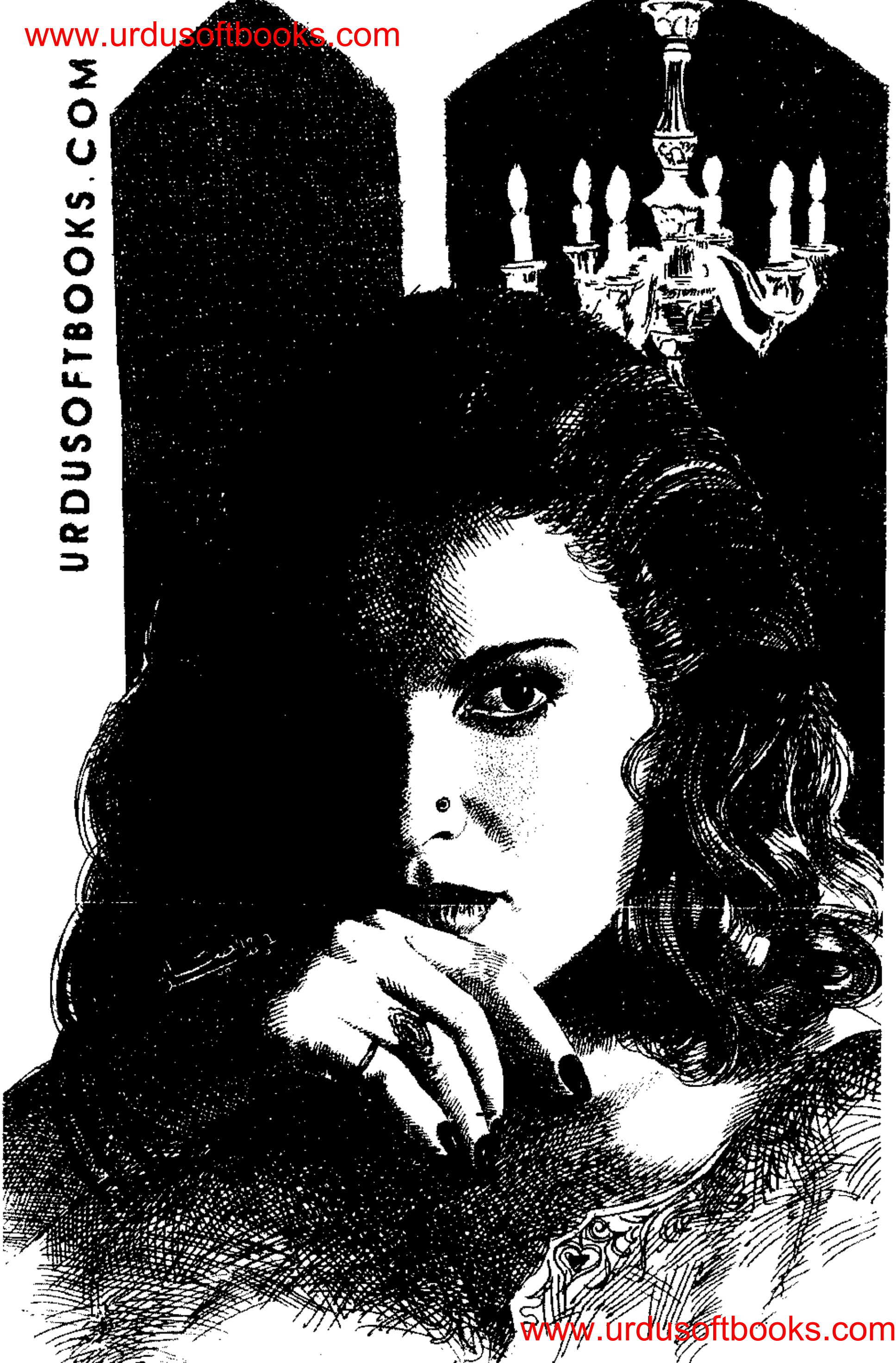

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

"اچھا بزرگو، میں چلا۔" صفائی ختم کر کے اس نے صحن سے ہی اندر بیٹھے خادم کو آواز لگائی اور گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔

وہاں سے نکل کے اس کا رخ اپنے گھر کی طرف ہو گیا تھا، جو اس گاؤں کی آخری دو گلیوں میں موجود گھروں میں سے ایک تھا۔

گھر میں آ کر وضو کر کے اپنے دھیان میں اٹھ کے پلٹا تو اپنے پیچھے اپنی بیوی کو کھڑا دیکھ کے لحظہ بھر کو ساکت رہ گیا۔

"ناشتہ بڑاواں؟" (ناشتہ بناؤں؟) اس نے سپاٹ لہجے میں استفسار کیا تو اسے چند لمحے لگے اس بات کا یقین کرنے میں کہ اس کی بیوی نے کچھ نہیں دیکھا۔

"میں کی پچھ رئی آں؟" (میں کیا پوچھ رہی ہوں؟) وہ ماتھے پہ بل لیے گویا ہوئی۔

"ہاں۔" وہ اپنی گھبراہٹ چھپاتا، تار پہ جھولتے تولیے کی طرف بڑھ گیا۔ ہاتھ منہ خشک کرتے ہوئے اس نے دزدیدہ نگاہوں سے اپنی بیوی کو دیکھا جو چھپر تلے بنے باورچی خانے میں، مٹی کے چولہے کے سامنے جا بیٹھی تھی۔ سکھ کا سانس لیتے ہوئے وہ بھی وہیں چلا آیا تھا۔

"کی گل اے' اینی چپ کیوں ایں؟" (کیا بات ہے۔ اتنی چپ کیوں ہو؟) اس کے مقابل چوکی سنبھالتے ہوئے، اس نے ایک گہری نظر اپنی بیوی کے چہرے پہ ڈالی جو خلاف معمول خاموشی سے اس کے لیے روٹی بنا رہی تھی۔

"تینوں کی۔ تو جا کے کھے پا اپڑیں سر اچ وی تے ساڈے وی۔" (تمہیں کیا۔ تم جا کے مٹی ڈالو، اپنے سر میں بھی اور ہمارے بھی۔) روٹی پہ نظریں جمائے وہ چیخ کے بولی تو وہ بے اختیار الجھ گیا۔

"او جے پتا دی تو چلے؟"

"ہاں جیسے تجھے تو کج پتا ای نئیں۔" اس نے چمک کے ہاتھ میں پکڑا بیلن پٹخا۔ "آیا تھا تیرا ماما (ماموں)۔ دس گالاں کڈھ کے (گالیاں نکال کر) گیا اے۔ تجھے وی اور مجھے وی۔"

"تا مامے کو کیا تکلیف اٹھی ہے؟" اس نے تیوریاں چڑھائیں۔

"وہی جو سب کو ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تیری اس دیوانگی کا کیا علاج کروں۔ او جمعہ کیا کم تھا ہمارے منہ پہ کالک تھوپنے کے لیے' جو تو اب روز ان مسلوں (مسلمانوں) کا کھڑا ونجنے (پونچھنے) پہنچ جاتا ہے؟ تیری کیوں مت (عقل) ماری گئی اے کبیرے؟" مارے بے بسی کے اس کی آواز جھنجلا اٹھی تھی۔

سکبیر سنگھ نے ایک خاموش نظر اس کے جھلائے ہوئے چہرے پہ ڈالی۔

"دیکھ بلونتے۔۔۔۔"

"دیکھنے کی مجھے نہیں تجھے لوڑ (ضرورت) ہے کبیرا! یہ۔ یہ کیش دیکھ۔" اس نے اس کے پگڑی میں چھپے بالوں کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ پگ (پگڑی) یہ کڑا دیکھ۔" اس نے اس کی کلائی تھامی۔ "تو کیوں بُھل گیا ایں کہ تو کون ایں؟" (تم کیوں بھول گئے ہو کہ تم کون ہو؟)

"او میں کج نئیں بُھلا (نہیں بھولا)۔ گل صرف انی اے (بات صرف اتنی ہے) کہ مجھے شاہ صاحب کی باتیں اچھی لگتی ہیں۔ ان کی خدمت کر کے سکون ملتا ہے۔ اور پھر واہے گرو جی نے بھی تو کہا ہے نا کہ اچھی مت (عقل والی بات) جہاں سے بھی ملے سمیٹ لینی چاہیے۔ اب اس میں کون سی گناہ والی بات ہے؟"

"گناہ والی نہ سہی' شرمندگی والی بات ضرور ہے۔ ہم سب بھی ان کی عزت کرتے ہیں لیکن تو نے تو حد مکا (ختم) دی ہے۔ سارا خاندان تھو تھو کر رہا ہے۔ گردوارے کی سیڑھیاں ویلے دے ویلے (وقت

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کے وقت) چڑھنے والا روز ستی سویرے (صبح سویرے) دربار پہنچا ہو، تو لوگ تو کہیں گے ناں کہ وچوں (درحقیقت) مسلمان ہو گیا ہے۔"

"ایویں کہیں گے۔۔۔۔اور ایک بات بتا۔ میں مسلمان ہوں یا سکھ مروں، کسی کو کیا تکلیف ہے؟ یہ میرا اور میرے رب کا معاملہ ہے۔"

"جی نہیں۔ یہ میرا اور میرے اکو اک پتر (بیٹے) کاوی معاملہ ہے۔ یہ ہماری نسل، ہمارے دھرم کاوی معاملہ ہے۔" بلونت کور تیز ہوئی۔

"ہاں تو جا نبھا اپنا دھرم۔ لیکن میرے معاملے میں کسی کو بولنے کی لوڑ نئیں (ضرورت نہیں)۔"

"چنگا فیر (ٹھیک ہے پھر)۔ مگر میرے پتر کو دوبارہ اپنے ساتھ وہاں لے کے نہ جائیں۔" وہ تنک کے بولی تو کبیر کے چہرے پہ غصہ پھیل گیا۔

"وہ میرا پتر، میری نسل ہے۔ میں اسے جہاں چاہوں گا وہاں لے کے جاؤں گا۔ تو برداشت کر سکتی ہے تو کر۔ نئیں تو اپنے چاچے کے گھر چلی جا۔"

آنکھیں نکالتا وہ ایک جھٹکے سے اس کے سامنے سے اٹھ گیا تو اس کے لہجے کی بیگانگی بلو کو ایک لمحے کے لیے ساکت کر گئی۔ کاش کہ ماں باپ کا مان بھرا سایہ اس کے سر پہ قائم ہوتا تو وہ اپنی ذات اور اپنی بات میں جھوٹا وزن پیدا کرنے کو ہی یہ گھر چھوڑ جاتی۔

لیکن اب تو وہ تنکے سے بھی زیادہ ہلکی اور بے وقعت تھی۔ بھائی کوئی تھا نہیں۔ بس بہنیں ہی بہنیں تھیں۔ جو دور قریب اسی کی طرح اپنی اپنی زندگیوں میں کھپی بیٹھی تھیں۔

کم مائیگی کا احساس اس کی آنکھوں میں دھواں سا بھر گیا تھا۔ اگلے ہی لمحے وہ پلّو میں منہ دیے پھوٹ پھوٹ کے رو پڑی تھی۔

☆☆☆

"صدف بی بی، چائے کے لیے یہ والا سیٹ ٹھیک رہے گا؟" ملازمہ ہاتھ میں آف وائٹ رنگ کا کپ اٹھائے کچن میں مصروف صدف کے پاس آئی تھی۔ اس نے پل بھر کو نظر اٹھائی۔

"چچ! ارے نہیں فضلی۔ وہ جو شاہ بی بی نے نیا سیٹ منگوایا ہے نا' وہ نکالو۔" اس کی ہدایت پہ جہاں فضیلت سر ہلاتی واپس پلٹی تھی وہیں اندر آتی معصومہ شاہ کے لبوں پہ بڑی استہزائیہ مسکراہٹ آن ٹھہری تھی۔

"نیا نکالو یا پرانا' نتیجہ تو وہی نکلنا ہے۔"

"اللہ نہ کرے بھرجائی۔" صدف نے ناگواری سے انھیں ٹوکا۔ معصومہ نے بغور دیورانی کا انداز ملاحظہ کیا اور سلیب سے ٹیک لگا کے کھڑی ہو گئیں۔

"جب انسان نے گل ہی ایسے کھلا رکھے ہوں تو اللہ کیا کرے میری بہن۔" وہ سینے پہ ہاتھ باندھے حظ اٹھاتے لہجے میں بولیں۔ تو صدف اس فضول گوئی پہ انھیں دیکھ کر رہ گئی۔

"استغفار۔" بہ آواز بلند کہتی وہ سامنے رکھی مرغی کی طرف متوجہ ہوئی۔

"تمہارے استغفار پڑھنے سے کیا فرق پڑتا ہے بی بی۔ دعا کرو خدا آنے والوں کی عقل پہ پردہ ڈال دے، تا کہ وہ اس گناہوں کی گٹھڑی کو ہمارے سروں پہ سے اتار لے جائیں۔۔۔۔ اس کی خاطر کیسا کڑوا گھونٹ پینا پڑا ہے اس کے بھائیوں کو، یہ وہی جانتے ہیں۔ یہ پہلی لڑکی ہو گی اس خاندان کی جس کے لیے باہر کے سیدوں میں رشتہ دیکھا جائے گا۔ کیونکہ خاندان میں تو اسے کوئی پوچھنے کو تیار نہیں۔" ان کی بات نے صدف کو سر تا پا سلگا کے رکھ دیا۔ لیکن بظاہر اس نے تحمل سے سر اٹھایا۔

"سوائے آپ کے بھائی کے، جو اس گناہوں کی گٹھڑی کو اپنے سر پہ لادنے کے لیے سالوں سے بے چین پھر رہے ہیں۔" صدف کے میٹھے طنز پہ معصومہ گڑبڑا کے سیدھی ہوئیں۔

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

"میرے بھائی کی منگ تھی زرناب۔ جسے چاچا جی نے اپنی ضد میں آ کر توڑا۔ ارے یہ تو ہاشم کی شرافت اور نیکی کی انتہا ہے جو وہ اس لڑکی کے ایسے کرتوت کے باوجود اسے اپنے نام کی چادر پہنانا چاہتا ہے، صرف اس لیے کہ وہ ہمارے اس اونچے نام و مقام والے خاندان پہ بدنامی کا یہ داغ نہیں دیکھ سکتا۔ مگر نہ جی۔ اس کی قربانی کی تو کوئی قدر ہی نہیں۔ باہر کی خاک چھاننے پر اتر آئی ہیں یہ ماں بیٹیاں۔" انھوں نے تنفر سے سر جھٹکا۔

"تو کون کہہ رہا ہے انھیں اتنی بڑی قربانی دینے کو؟ ایک بیوی کو تو وہ خیر سے فارغ کر چکے ہیں۔ اب بچوں کا احساس کرتے ہوئے کوئی نیک شریف سی ماں لائیں۔" صدف کے استہزائیہ انداز پہ معصومہ نے پہلو بدلا۔

"ویسے بھی ٹوٹتی وہ چیز ہے بھر جائی جو کبھی جڑی ہو۔ تایا جی نے تو زرناب کے لیے ہاشم بھائی کا رشتہ کبھی قبول ہی نہیں کیا تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ تائی جی بھی اس رشتے کو جوڑنا نہیں چاہتیں، جسے ان کے مرحوم شوہر نے مناسب نہیں سمجھا تھا۔ وہ الگ بات ہے کہ زرناب کو بھلانا شاید ہاشم بھائی کے بس میں نہیں۔" اس نے آخر میں اپنا لہجہ قصداً ترحم آمیز بنایا تو معصومہ کے سر پہ لگی اور پیروں پہ بجھی۔

"ہونہہ! بڑی حور پری ہے نا تمھاری زرناب جو میرا شہزادوں جیسا ویر اسے بھلا نہیں پایا۔ اٹھائیس سال کی ہو چکی ہے، وہ بھی اور تم بھی۔ تم دو بچوں کی ماں ہو اور وہ اب تک در بدر خاک بسر۔ اور ان شاء اللہ اسی طرح رہے گی۔ تاوقتیکہ یہ لوگ ہاشم سے معافی نہیں مانگتے اور اپنی غلطی کا ازالہ نہیں کرتے۔" ان کا لہجہ اب مغرور ہو چلا تھا۔

"خدا سے ڈر کر بات کریں بھر جائی۔ آپ کی اپنی بھی ایک نہیں دو دو بیٹیاں ہیں۔" صدف کی پیشانی شکن آلود ہو گئی تھی۔

اپنی عزیز از جان سہیلی جو اس کی تایازاد ہی نہیں بلکہ نند بھی تھی، اس کے لیے یوں منہ بھر کے بربادی کی بددعائیں سننا، اس کی برداشت سے باہر تھا۔

"خبردار! جو میری بیٹیوں کا مقابلہ اس بے شرم۔۔۔"

"معصومہ! زبان سنبھال کے بات کرو۔" یک لخت کچن میں بی بی نور بانو کی سخت آواز گونجی تو دونوں نے پلٹ کر دروازے کی طرف دیکھا جہاں ان کی ساس کھڑی تھیں۔ لیکن مقابل بھی معصومہ شاہ تھیں، دو دھاری تلوار۔ مجال ہے جو اپنے الفاظ پہ ذرا سی بھی گھبراہٹ یا ندامت محسوس ہوئی ہو۔

"ہونہہ! ہم زبان تک سنبھالیں اور آپ سے ایک بیٹی نہ سنبھالی گئی۔ کیا کہنے بھئی۔" وہ تیر چلاتی' تنتناتی ہوئی ان کے پاس سے گزر کے باہر نکل گئیں تو صدف نے گھبرا کے اپنی تائی جی کی طرف دیکھا جن کا چہرہ اس وار پہ سفید پڑ گیا تھا۔

وہ تیزی سے ان کی طرف بڑھی تھی۔

"تائی جی۔ پلیز تائی جی۔" ان کی آنکھیں بھیگتی دیکھ کر اس نے سُرعت سے انھیں خود سے لگا لیا تھا۔ اور وہ بے اختیار پھپھک کے رو پڑی تھیں۔ صدف نے نچلا لب دانتوں تلے دبائے بہ مشکل تمام اپنے آنسوؤں کو ضبط کیا تھا۔

"صبر تائی جی۔ صبر!" اس نے ان کی پشت سہلائی تھی۔

"ہور کتنا صبر کروں پتر۔ یہ آزمائش تو میری جان لے، لے گی۔" وہ سسکتے ہوئے بولیں تو صدف نے ان کو نرمی سے خود سے علیحدہ کیا۔

"اگر آپ نے ہمت ہار دی تو زری کی ڈھال کون بنے گا تائی جی؟" اس نے ان کے ہاتھ تھامے۔ "ہم سب کو، خاص کر زری کو ابھی آپ کی بہت ضرورت ہے۔ آپ بس اللہ سے دعا کریں کہ وہ زرناب کا برا چاہنے والوں کو اُس کی ایسی خوشیاں

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

دکھائے کہ وہ اپنا سامنہ لے کر رہ جائیں۔"

"آمین۔ثمہ آمین۔" وہ دل کی گہرائیوں سے گویا ہوئی تھیں۔" جاؤ جا کے زرناب کو دیکھو، تیار ہوئی ہے یا نہیں۔"

"ابھی جاتی ہوں۔آپ بھی کپڑے تبدیل کر لیں۔" وہ دھیرے سے مسکرائی تو بی بی نور بانو اک بوجھل سانس لیتی اپنے کمرے کی چل دیں۔

صدف سیڑھیاں چڑھ کے اوپر زرناب کے کمرے میں چلی آئی۔

"زری کی بچی! تم ابھی تک فریش بھی نہیں ہوئیں۔" تیز قدموں سے چلتی اس نے آگے بڑھ کے بیڈ پہ نیم دراز زرناب پہ سے چادر کھینچی تو اس نے تیزی سے آنکھوں پر رکھا بازو ہٹایا۔

"کیا تکلیف ہے تمھیں؟"

"یہی کہ فوراً سے پیشتر اٹھو اور باتھ روم جاؤ۔آپی کا فون آیا ہے، وہ لوگ بس آدھے پونے گھنٹے میں پہنچنے والے ہیں۔"

اپنی بہن شفق کا حوالہ دیتے ہوئے، وہ زرناب کی الماری کی طرف پلٹی تو وہ آہستگی سے اٹھ بیٹھی۔اس کی تھکی تھکی سی نگاہیں کھڑکی سے جھانکتے نیلے آسمان پہ جا ٹھہریں۔

"یہ والا کیسا رہے گا؟" چند لمحوں کی چھان پھٹک کے بعد وہ سرخ اور سفید امتزاج کا ہلکی سی کڑھائی والا سوٹ لیے اس کی طرف مڑی تو زرناب کی بے تاثر نظریں صدف کے چہرے پہ آٹھہریں۔

"کوئی فائدہ ہے اس سب کا؟" اس نے سپاٹ لہجے میں سوال کیا تو صدف کا رنگ ایک پل کو پھیکا پڑ گیا۔لیکن اگلے ہی لمحے وہ خود کو سنبھالتی مسکراتے ہوئے آگے بڑھی۔

"کیوں نہیں۔تم کو دیکھ کر بھلا کون کافر انکار کر سکتا ہے۔"

"مگر میرے بارے میں سن کر ضرور انکار کر سکتا ہے۔" اس نے لحظہ بھر کو رک کر صدف کی آنکھوں میں دیکھا۔" ہمیشہ کی طرح۔"

"ایسے مت کہو۔" صدف بے بسی سے اسے دیکھتی اس کے قریب آ بیٹھی۔" اللہ نے چاہا تو اب کی بار ایسا کچھ نہیں ہوگا۔۔۔۔۔آپی کی بہت اچھی سہیلی کی فیملی ہے۔اسلام آباد کی روشن خیال اور پڑھے لکھے سید لوگ ہیں۔وہ نہ تو ہمارے کسی ملنے والے کو جانتے ہیں اور نہ ہی انھیں کسی سنی سنائی فضول گوئی سے کوئی سروکار ہے۔"

"جب میرے اپنے خاندان والوں کو ان فضول باتوں سے سروکار ہو سکتا ہے تو غیروں کو کیوں نہیں؟"

"انھیں کچھ پتا چلے گا تب ناں۔"

اس کی بات پہ زرناب زہر خند سا مسکرائی۔" بے فکر رہو۔جنھوں نے ہر مرتبہ یہ کارنامہ انجام دیا ہے ناں۔وہ اب کی بار بھی یہ کام احسن طریقے سے کر لیں گے۔"

"ہاں تو کرنے دو۔" صدف نے تیوریاں چڑھائیں۔" بات اس بار آپی کے ہاتھ میں ہے اور انھوں نے کہا ہے کہ اگر ایسی کوئی ذلالت ہوئی بھی تو وہ سب سنبھال لیں گی۔اللہ نے چاہا تو منہ ٹوٹ کر رہ جائے گا معصومہ اور اس کے کمینے بھائی کا۔" اس نے دانت پیستے ہوئے زرناب کا ہاتھ تھاما۔" تم بس اللہ پر بھروسہ رکھو۔اور دعا کرو کہ اگر اس رشتے میں تمھاری بھلائی ہے تو یہ کام ضرور ہو جائے۔جانتی ہو بہت مشکل سے وہاں شفق نے سلمان بھائی کو اور یہاں تائی جی، شاہ بی بی اور امی نے مل کر قائل کیا ہے بھاجی اور صبور کو، وگرنہ یہ لوگ خاندان سے باہر کے لیے کہاں ماننے والے تھے۔"

"کیا ضرورت تھی اتنے پاپڑ بیلنے کی۔شاہ بی بی بھی تو ہیں ناں۔ان کی طرح میری بھی زندگی کسی طور گزر ہی جائے گی۔" اس نے سر جھٹکا۔

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

"شاہ بی بی کے پاس ماں باپ کے بعد پیر سید نظر حسین شاہ جیسا بھائی تھا۔جنھوں نے ہر آن انھیں دنیا کے سرد و گرم سے محفوظ رکھا۔انھیں بوجھ سمجھ کے کسی ایسے ویسے کے حوالے نہیں کیا۔تمھارے پاس تائی جی کے بعد یہ مان ہے؟"صدف نے سنجیدگی سے اسے دیکھتے ہوئے سوال کیا تو زرناب کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

"وہ تو بس ایک ہی تھے۔ان جیسا دوسرا بھلا کہاں سے لاؤں۔"اس نے سسکی لی۔"لیکن میں اپنے دل کا کیا کروں صدف؟کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ میری ہمت جواب دے جائے گی،میرے اندر اتنی ویرانی ہے کہ اب کسی کے ساتھ کی کوئی تمنا نہیں رہی۔جبکہ دوسری طرف اماں جان کی پریشانی دیکھتی ہوں تو اپنا آپ ان کا مجرم لگنے لگتا ہے۔تب دل کرتا ہے کہ خود کو ختم کرنے میں ایک لمحہ نہ لگاؤں۔"نڈھال سے انداز میں کہتے ہوئے اس نے اپنا سر بیڈ کی پشت سے ٹکا دیا تو صدف نے محبت سے اس کا ہاتھ سہلایا۔

"جب تک تم نئے خوابوں اور نئی خوشیوں کو اپنے اندر جگہ نہیں دو گی،یہ ویرانی کیسے تمھارا پیچھا چھوڑے گی۔"

"کیسے جگہ دوں؟یہ احساس کہ کسی کی زندگی محض میری وجہ سے داؤ پر لگا دی گئی،مجھے سکون سے جینے نہیں دیتا۔"اس کی آنکھیں یکایک جھلملا اٹھیں۔"بارہ سال گزر گئے ہیں اس بات کو۔لیکن مجھے آج بھی وہ دن نہیں بھولتا جب اس حویلی میں ایک قیامت برپا ہوئی تھی اور اس قیامت نے میری ذات کی دھجیاں بکھیر دی تھیں۔میرا وقار،میرے ماں جائے مجھ سے ہمیشہ کے لیے چھن گئے۔میں اپنے نقصان کو کس طرح فراموش کر دوں صدف؟"وہ گھٹنوں پہ پیشانی ٹکائے پھوٹ پھوٹ کے رو پڑی اور صدف اس کے دکھ میں ڈوبے وجود کو بے بسی سے تکتی لب کاٹ کر رہ گئی تھی۔

☆☆☆

گاؤں کی فضا میں آج خوب رونق تھی۔اور اس خوشی کا مرکز سفید حویلی تھی۔جس کے وسیع و عریض صحن اور باغ میں آج سارے گاؤں والوں کی ضیافت کا اہتمام کیا گیا تھا۔گاؤں نور والاں (ایک خیالی نام ہے)اور اس سے ملحقہ علاقے کی جان' سفید حویلی اور اس سے منسوب پیر نظر حسین شاہ کا گھرانہ تھا۔وہ گھرانہ جو اپنے دامن میں ہدایت اور نور کے بہت سے معتبر حوالے لیے ہوئے

سفید عمامہ،سفید لباس اور سیاہ ڈاڑھی سے سجا سرخ و سفید چہرہ جس پہ اتنی حلاوت اور سکون تھا کہ دیکھنے والوں کی نظر بندھ سی جاتی تھی۔بات کرتے تو ایک ایک لفظ اتنی نرمی اور تاثیر لیے ہوتا کہ سننے والوں کے دل میں اتر جاتا۔

آج سے تیئس ـــــ برس پہلے جب وہ محض بائیس سال کے تھے تب اپنے والد صاحب،پیر سید اسماعیل حسین شاہ،کی وفات کے بعد انھیں اپنے خاندان میں چلنے والی اس گدی کا سجادہ نشین مقرر کر دیا گیا تھا۔حالانکہ ان سے بڑے ایک بھائی اور تایا چچا کے بیٹے بھی موجود تھے۔

لیکن یہ ان کے گھرانے کی ایک اعلا روایت رہی تھی کہ انھوں نے ولایت سے جڑے اس منصب کو،جس کا تعلق درحقیقت صرف اور صرف "ہدایت" اور "قرب الٰہی" سے ہوتا ہے،بادشاہ وقت کا تخت نہیں بننے دیا تھا۔اس گدی پہ ہمیشہ وہی بیٹھا تھا جو صرف حسب و نسب کی حد تک قابل احترام نہیں بلکہ علم و عمل میں بھی اپنی مثال آپ ہوا کرتا تھا۔اور جس میں اپنے نیک اور برگزیدہ باپ دادا کے روحانی اوصاف کو،اپنی ذاتی ریاضت،عبادت اور اللہ سے اپنی مخلصی کے بل پہ خود میں زندہ رکھنے کی لگن ہوتی تھی۔

پیر سید اسماعیل حسین شاہ کے بعد ان کے خاندان میں یہ دھن،یہ لگن صرف سید نظر حسین شاہ

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

میں تھی۔اسی لیے سب کی باہمی رضامندی سے انھیں اس منصب پہ فائز کردیا گیا تھا۔جس کے بعد تو وہ گویا خود پہ دہری ذمہ داری محسوس کرنے لگے تھے۔کیونکہ ان کا ہر عمل اب ان کے چاہنے والوں کے لیے تقلید کا باعث تھا۔

وہ گاؤں کے ہر فرد کو،خواہ وہ بوڑھا تھا یا جوان اپنے بچوں کی طرح سمجھتے۔یہی وجہ تھی کہ نور والا کے دس کوس آگے اور دس کوس پیچھے ان کا نام نہایت عقیدت اور محبت سے لیا جاتا تھا۔یہاں تک کے ان کے گاؤں میں مقیم چند غیر مسلم گھرانے بھی ان کی بے حد عزت کیا کرتے تھے۔

یہ ان کی بے پناہ شفقت اور اچھائی کا ہی اعجاز تھا جو کبیر سنگھ نامی سکھ نوجوان، ان کا کچھ ایسا گرویدہ ہوا تھا کہ ان کی جانب کھنچا چلا آنے لگا تھا۔اس کی اس محبت کو شاہ صاحب نے بھی بہت خلوص سے قبول کیا تھا۔وہ ان کے پاس ہوتا تو ان کے بہت سے چھوٹے چھوٹے کام اپنے ہاتھ سے انجام دینے کی کوشش کرتا اور وہ اسے ہرگز نہ ٹوکتے۔

وہ ان کا جمعے کا خطبہ سننے کے لیے مسجد میں آ بیٹھتا اور وہ اسے کچھ نہ کہتے۔یہاں تک کہ اس نے دربار (حویلی سے متصل وہ جگہ جہاں شاہ صاحب بیٹھا کرتے تھے) کی صفائی بھی خود ہی اپنے ذمے لے لی تھی اور شاہ صاحب نے اس سے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ان کے اس رویے کو دیکھتے ہوئے کسی میں بھی اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ کبیر سنگھ کو کچھ کہہ سکتا۔

آج کے اس خوشی کے موقع پہ بھی وہ ہر کام میں پیش پیش تھا۔آج شاہ صاحب کے سب سے بڑے بیٹے،سید بختیار حسین شاہ،اور ان کے بھتیجے،سید حاذق رجب شاہ،کے انٹر میں کامیاب ہونے کی خوشی میں سارے گاؤں کو ظہرانے پہ مدعو کیا گیا تھا۔اس تقریب میں ان کے خاندان والے اور دوست احباب بھی شامل تھے۔ہر طرف خوب رونق تھی۔ایسے میں کبیر سنگھ کا یوں دربار کے مصاحبین کے ساتھ ساتھ رہنا شاہ صاحب کے دور دراز سے آئے کئی مہمانوں کے لیے حد حیرانی کا باعث تھا۔مگر انھیں کسی کی حیرت کی مطلق پرواہ نہ تھی۔

"کبیر! باہر جا کے کھانے کا نیا سلسلہ شروع کرواؤ۔" وہ کچھ دیر پیشتر آنے والے چند مہمانوں کو مشروب دے کے پلٹا تو شاہ صاحب اپنے مخصوص نرم لہجے میں گویا ہوئے۔ان کے لہجے کی حلاوت آنے والوں کو حیران کر گئی۔

کبیر سنگھ اثبات میں سر ہلاتا باہر کی جانب بڑھ گیا تو شاہ صاحب کے شہر سے آنے والے ایک مرید کے لیے مزید خود پہ قابو پانا ممکن نہ رہا۔

"اجازت ہو تو ایک بات پوچھوں شاہ صاحب؟" وہ مؤدب انداز میں بولا تو ان کے

URDUSOFTBOOKS.COM
www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

چہرے پہ شفیق سا تاثر پھیل گیا۔
"پوچھو عثمان۔"
"یہ آدمی تو سکھ لگتا ہے شاہ صاحب۔ پھر یہ یہاں آپ کے پاس۔۔۔" وہ جھجک کے خاموش ہو گیا تو پیر سید نظر حسین شاہ کے لبوں پہ دھیمی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔
"سکھ ہے تو کیا ہوا۔ محبت اور عقیدت کا تعلق تو دل سے ہوتا ہے عثمان۔ اور دلوں کے سودے بڑے ہی عجیب ہوا کرتے ہیں۔"
"وہ تو ٹھیک ہے شاہ صاحب لیکن آپ اتنی پاک صاف ہستی اور یہ طہارت و پاکیزگی کی ہر شرط سے بے بہرہ ایک غیر مسلم۔ معذرت کے ساتھ لیکن آپ کو اس سے گھن نہیں آتی؟"
"گھن؟ میں اس سے کیسے گھن کھا سکتا ہوں عثمان۔ ہم کیسے کیسے گناہوں میں لتھڑ کے اپنے بساند بھرے وجود لیے اللہ عزوجل کی پاک و معتبر ہستی کے سامنے جا کھڑے ہوتے ہیں۔ کیا اس نے ہم سے کبھی گھن کھائی ہے؟" انھوں نے مسکرا کے انتہائی نرمی سے استفسار کیا تو اس کا سر میکانکی انداز میں نفی میں ہل گیا۔
"پھر بھلا میں اس کا ایک عاجز اور گنہگار بندہ ہو کے یہ متکبرانہ حرکت کیسے کر سکتا ہوں؟" وہ دھیرے سے بولے تو سوال کرنے والے کی نگاہ بے اختیار جھک گئی۔ "تم سب تو مجھ سے اپنی محبت کے اظہار میں مکمل طور پہ آزاد و خود مختار ہو۔ مگر یہ شخص جب جب اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کے یہاں آتا ہو گا اسے یقیناً بہت سی باتیں سننی پڑتی ہوں گی۔ اپنے لوگوں کی خفگی کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہوگا۔ لیکن پھر بھی اس کے قدم پیچھے نہیں ہٹتے۔ کیوں؟ کیا مل جاتا ہے اسے یہاں سے؟ کچھ بھی تو نہیں۔ پھر میں کیسے اس کے اس درجہ خلوص اور بے لوث محبت کی قدر نہ کروں؟ کیسے اس بات کو بنیاد بنا کے اسے جھڑک دوں، اس کا دل توڑ دوں کہ وہ ایک غیر مسلم ہے۔ مجھ سے تو اپنی پاکیزگی کا ایسا زعم نہیں دکھایا جائے گا۔" دھیرے سے کہتے وہ خاموش ہوئے تو اس شخص کا ہاتھ ان کے گھٹنوں پہ آ ٹھہرا۔
"آپ نے تو مجھے کچھ کہنے کے قابل نہیں چھوڑا شاہ صاحب۔" وہ شرمندہ سا گویا ہوا تو پیر سید نظر حسین شاہ کا ہاتھ اس کے شانے پہ آ ٹھہرا۔
"میری ایک بات یاد رکھنا عثمان، تمھارا اپنی زبان سے کروایا گیا تعارف تو لوگوں کو بھول سکتا ہے۔ لیکن تمھارا وہ تعارف جو تمھارا کوئی نیک عمل کسی سے کروائے گا، وہ مقابل کو کبھی نہیں بھولے گا۔ لہٰذا اپنے صاحب ایمان ہونے کو اپنے اچھے عمل سے ثابت کرو۔ کسی کو کمتر گردان کے نہیں۔" وہ شفقت سے گویا ہوئے تو سننے والے کا دل جیسے پانی بن کر بہنے لگا۔
"پھر بھی تمھاری تسلی کے لیے میں یہ ضرور بتانا چاہوں گا کہ کبیر ایک نہایت حساس انسان ہے۔ وہ یہاں کے آداب سے بہ خوبی واقف ہے۔ اس لیے وہ بنا غسل کے کبھی یہاں قدم نہیں رکھتا۔" ان کی آخری بات پہ اس کا چہرہ مارے خفت کے سرخ پڑ گیا تھا۔ جسے شاہ صاحب نے قصداً نظر انداز کر دیا تھا۔
"لو اب اپنا منہ میٹھا کرو۔" انھوں نے مسکرا کر اس کا دھیان بٹایا تو وہ اپنے سامنے رکھے شربت کی طرف متوجہ ہو گیا جو کبیر سنگھ اسے پیش کر کے گیا تھا اور جسے پینے میں اسے اب کسی قسم کی کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہوئی تھی۔

☆☆☆

ملک کے مایہ ناز سیاست دان کے نجی فارم ہاؤس میں رنگ و نور کی بڑی خوبصورت سی محفل سجی تھی۔ جس مین ان کی پارٹی کے سب ہی اہم اراکین شامل تھے۔ اس دعوت کا اہتمام خاص طور پہ سید بختیار حسین شاہ کے اعزاز میں کیا گیا تھا، جنھوں نے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

حکومتِ وقت کی پارٹی میں شامل ہونے کے بجائے ان کی پارٹی میں شمولیت اختیار کر کے نہ صرف اپنے سیاسی کیرئیر کا باقاعدہ آغاز کیا تھا بلکہ ان کی پارٹی کو بھی پنجاب کے ایک اہم حلقے کی طرف سے مستحکم بنا دیا تھا۔

"ان سے ملیں شاہ جی۔" پارٹی لیڈر خود بختیار شاہ اور ان کے چھوٹے بھائی سید صبور حسین شاہ کو لے کر اپنے اہم مہمانوں سے ملوار ہے تھے۔

"یہ ہیں ہمارے بہت بڑے کرم فرما جسٹس نصیر احمد۔"

لفظ کرم فرمانے بختیار شاہ پہ بہت کچھ واضح کر دیا تھا۔ بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ انھوں نے جج صاحب کا مصافحے کے لیے بڑھایا گیا ہاتھ تھام لیا تھا۔ جو دوسرے ہاتھ میں تھامے گلاس کے باعث اس وقت خاصی ترنگ میں تھے۔

"بڑے عرصے سے خبریں گرم تھیں آپ کے حوالے سے شاہ صاحب۔ اچھا ہوا جو آپ نے چغدوں کا وہ ٹولا جوائن نہیں کیا۔" انھوں نے بے تکلفی سے آنکھ دبائی تو بختیار شاہ قہقہہ لگا کے ہنس پڑے۔

"ڈوبتے جہاز میں بھلا کون سوار ہونا چاہے گا نصیر۔" پارٹی لیڈر نے ہنستے ہوئے جج صاحب کا شانہ تھپتھپایا تو ان کا سر اثبات میں ہل گیا۔

"بس تھوڑا سا انتظار اور، پھر ہمارا وقت شروع ہوگا۔ عیش ہی عیش۔ موجیں ہی موجیں۔" وہ بے ربط سی ہنسی ہنسے تو صبور شاہ نے حظ اٹھاتی نظروں سے انھیں دیکھتے ہوئے اپنے گلاس سے چسکی لی۔ اور معذرت کرتا اپنے کزنز کی طرف چلا آیا۔

"انسان کو اپنی عمر دیکھ کر چڑھانی چاہیے۔" تمسخرانہ لہجے میں کہتے ہوئے اس نے جسٹس نصیر کی طرف اشارہ کیا تو سب ہی قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

"جس حساب سے تو پینے لگا ہے ناں، تیرا بھی اس عمر میں یہی حال ہونے والا ہے۔" اس کے ماموں زاد فخر شاہ نے ہنستے ہوئے اس پہ چوٹ کی تو سب کا قہقہہ ایک بار پھر گونج اٹھا۔

"بھا جی سے سبق سیکھ۔ کبھی لگایا ہے انھوں نے کسی ایسی ویسی چیز کو منہ؟" اس نے صبور شاہ کا شانہ تھپتھپایا۔

"سب کے اپنے اپنے نشے ہیں لالے۔ مجھے اگر پینے کا شوق ہے تو انھیں طاقت کا نشہ ہے۔ وہ ہر گزرتے دن کے ساتھ مزید طاقتور بننا چاہتے ہیں۔ دیکھ نہیں رہے، آج کیسا سرور بھرا ہے ان کی آنکھوں میں۔" اس نے مسکرا کر بھائی کی طرف دیکھا تو خاموش کھڑے ہاشم شاہ کی کینہ توز نظریں دور کھڑے بہنوئی پہ جا ٹھہریں۔

پیر سید نظر حسین شاہ کی اولاد کس قدر مطمئن اور خوش تھی۔ ان کی آرزوئیں اور خواہشیں وقت کس طرح ایک ایک کر کے پوری کر رہا تھا۔ اور ایک وہ تھا جس کے دل کی ناشادگی کا کسی کو احساس ہی نہیں تھا۔ سلگتے ہوئے اس نے ایک تلخ گھونٹ اپنے اندر اتارا تھا۔

"ارے ہاں یاد آیا۔" فخر نے صبور شاہ کی طرف دیکھا۔ "ساہیوال والی اس زرعی زمین کا کیا بنا؟"

"ہار دی ہے محترم نے۔" ہاشم نے نگاہوں کا زاویہ بدلتے ہوئے استہزائیہ انداز میں لقمہ دیا تو فخر کے ساتھ ساتھ باقی سب کا منہ بھی کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"کیا؟ یہ کب ہوا صبور؟" خود پہ سب کی نظریں پا کے صبور شاہ شرمندہ ہو گیا۔

"اوہ یار۔ بس بازی لگ گئی تھی۔" اس نے نظریں چراتے ہوئے گلاس لبوں سے لگایا۔ اس کی سبکی ہاشم کے اندر ٹھنڈک سی اتار گئی۔

"کتنی عجیب بات ہے ناں، چاچا جی کو جو کیڑے کبھی مجھ میں نظر آیا کرتے تھے، آج وہ سب

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کے سب ان کے اپنے لاڈلے میں بھی پڑ چکے ہیں۔۔۔۔او بھائی، کچھ تو اپنے باپ کی لاج رکھ لے۔" طنز کے تیر چلاتے ہوئے اس نے آخر میں قصداً اپنے لہجے کو دوستانہ بنایا تو فخر تاسف سے صبور کو دیکھنے لگا، جس نے اتنی قیمتی زمین محض چند گھنٹوں میں گنوادی تھی۔

"اچھا اب زیادہ ڈرامے نہ کر۔" اس کی نظروں سے جھینپ کر صبور شاہ نے ایک دھپ فخر کو رسید کی تو وہ گہری سانس لیتا ہوا نظروں کا زاویہ بدل گیا۔

"حاذق لالہ بتا رہے تھے کہ اپنے علاقے میں کوئی بڑا پولیس آفیسر تعینات ہونے والا ہے۔" فخر کے بھائی زبیر نے موضوع گفتگو بدلا۔

"ہونہہ! بڑے عرصے سے سنتے آ رہے ہیں یہ افواہ۔" صبور نے کان پہ سے مکھی اڑائی۔ "ان دیہی علاقوں میں بھلا کہاں کوئی آفیسر آتا ہے۔"

"فکر نہ کر، ایک آدھے ہفتے میں ہی پہنچنے والا ہے وہ یہاں۔" ہاشم سگریٹ جلاتے ہوئے بولا تو صبور نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

ہاشم مسکرادیا۔ "اندر کی خبر ہے۔"

"کچھ پتا چلا کون ہے؟"

"نہیں۔ یہ نہیں پتا چل رہا۔" اس نے کش لیتے ہوئے جواب دیا۔ تو صبور شاہ کے چہرے پہ پرسوچ سا تاثر پھیل گیا۔ بختیار شاہ پچھلے کچھ ماہ سے اپنے سیاسی جوڑ توڑ میں مصروف تھے، تب ہی شاید یہ خبر ان تک نہیں پہنچ سکی تھی۔

"ہوں۔۔۔۔ بھاجی سے ذکر کرتا ہوں میں۔"

"کوئی اطلاع ملے تو بتانا۔" زبیر کے کہنے پہ وہ اثبات میں سر ہلاتا گھونٹ بھرنے لگا۔ تب ہی اردگرد جلتی روشنیاں مدھم پڑ گئیں اور سامنے بنا اسٹیج، فلم انڈسٹری کی ایک مشہور حسینہ کے جلووں سے روشن ہو گیا۔ مہمانوں کے درمیان سنسنی سی پھیل گئی۔

"اوئے ہوئے۔ اب آئے گا ناں مزہ۔" صبور شاہ نے مسکراتے ہوئے گلاس خالی کر دیا تھا۔

☆☆

ناشتے کا دسترخوان معمول کے مطابق حویلی کے بڑے ہال میں بچھانے کا اہتمام کیا جا رہا تھا۔ بی بی نور بانو اور بی بی حوراں اپنی نگرانی میں سب کی پسند کا ناشتہ بنوانے میں مصروف تھیں۔

سفید حویلی میں شاہ صاحب کی فیملی کے علاوہ ان کے چھوٹے بھائی، سید منظور حسین شاہ کی بیوہ اور دو بیٹیاں، شفق اور صدف بھی ساتھ رہتی تھیں۔ سید منظور حسین کا جوانی میں ہی ایک کار ایکسیڈینٹ میں انتقال ہو گیا تھا۔ اس وقت ان کی شادی کو محض سات سال کا عرصہ ہوا تھا۔ یہ حویلی چونکہ دیگر جائیداد کے ساتھ ترکے میں ان دو بھائیوں کے حصے میں آئی تھی اس لیے شاہ صاحب نے اپنی بیوہ بھابھی اور یتیم بھتیجیوں کی ذمہ داری خود اٹھالی تھی۔ جبکہ ان کے بڑے بھائی، سید رجب حسین شاہ، اپنے اہل و عیال کے ساتھ دوسری حویلی میں مقیم تھے۔ جو عام طور پہ بڑی حویلی کے نام سے مشہور تھی۔

بڑی حویلی کے شاہ جی طبیعتاً خاصے اکھڑ مزاج اور مغرور تھے۔ ان کے چار بچے تھے۔ سب سے بڑا بیٹا ایاز، بیس اکیس سال کا تھا۔ اور وہ شادی شدہ تھا۔ اس سے چھوٹا حاذق، بختیار حسین کا ہم عمر تھا اور ابھی اس کے ساتھ ہی انٹر سے فارغ ہوا تھا۔ اس کے بعد ان کی ایک بیٹی تھی معصومہ، جو سولہ سال کی تھی۔ اور معصومہ کے بعد ان کا چھوٹا بیٹا ہاشم تھا، جو ابھی چودہ سال کا ہوا تھا۔

معصومہ اور سید بختیار حسین کی بات ان کے بچپن میں ہی شاہ صاحب کے والد مرحوم نے طے کر دی تھی۔ ان کے گھرانے میں خاندان سے باہر شادی کرنے کا رواج نہ تھا۔ اور اس رواج نے شاہ صاحب کی سب سے بڑی بہن کو، خاندان میں

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

مناسب رشتہ نہ ملنے پر، ان کے باپ کی دہلیز پہ ہی بوڑھا کر دیا تھا۔ جس کا شاہ صاحب کو بے حد قلق تھا۔ وہ اس بے جا پابندی کے شروع سے ہی خلاف تھے جس کا شرعاً کہیں کوئی حوالہ نہیں ملتا تھا۔

شاہ صاحب کی دوسری اور سب سے چھوٹی بہن کو بھی ان کے والد نے ان سے کئی سال چھوٹے چچا زاد سے بیاہ دیا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ شادی کے دو سال بعد ہی ان کے بہنوئی نے اپنی کلاس فیلو سے پسند کی شادی کر کے گاؤں اور اپنے خاندان کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ دیا تھا۔ شوہر کی ٹھکرائی ہوئی مریم شاہ کو بہت جلد سسرال والوں نے بھی اپنی زیادتیوں کی زد پہ رکھ لیا تھا۔ کچھ وہ حساس بھی بہت تھیں۔ اس پہ مستزاد اولاد نہ ہونے کا غم۔ وہ محض چند سالوں میں ہی بستر سے جا لگی تھیں۔ اور پھر ایک روز خاموشی سے اپنے آخری سفر پہ روانہ ہو گئی تھیں۔

چھوٹی بہن کی اس ناگہانی موت کا سید نظر حسین شاہ پہ گہرا اثر ہوا تھا۔ انھوں نے دل میں تہیہ کر لیا تھا کہ کم از کم وہ اپنی بیٹی اور بھتیجیوں کے ساتھ زندگی کے کسی موڑ پہ ایسی کوئی زیادتی نہیں ہونے دیں گے۔ اور ان گزرے ماہ و سال میں انھوں نے یہ بات ثابت کر دکھائی تھی۔ وہ نہ صرف اپنی بیٹی زرتاب بلکہ بھتیجیوں، شفق اور صدف کے لیے بھی شفیق ترین باپ ثابت ہوئے تھے۔

شاہ صاحب کے اپنے تین بچے تھے۔ اور تینوں میں ہی عمروں کا خاصا فرق تھا۔ بڑا بیٹا بختیار حسین اس وقت اٹھارہ برس کا تھا۔ جبکہ چھوٹے بیٹے، صبور شاہ کی عمر دس سال تھی۔ بختیار کے آٹھ سال تک ان کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ یوں وہ اپنی والدہ نور بانو کا بے حد لاڈلا تھا۔ ان کے اس بے جا لاڈ پیار نے اسے اچھا خاصا بگاڑ دیا تھا۔ بختیار حسین کے آٹھ سال بعد صبور شاہ پیدا ہوا تھا اور صبور کے دو سال بعد ان کی اکلوتی بیٹی زرتاب کی پیدائش ہوئی تھی جو اس وقت آٹھ برس کی تھی۔

ہر صبح کی طرح آج بھی شاہ صاحب لان میں اخبار کی سرخیوں پہ نظر دوڑانے میں مصروف تھے جب ایک چھوٹا سا وجود اندر سے بھاگتا ہوا ان کی ٹانگوں سے آلپٹا تھا۔

"بابا صاحب!"

"بابا کی جان۔" اخبار ہٹاتے ہوئے انھوں نے شفقت سے اپنی لاڈلی بیٹی کو آغوش میں بھر لیا تھا۔

"آپ کو پتا ہے۔ ان کی گود میں آتے ہی ننھی زرتاب کی زبان چل پڑی تھی۔" بھاجی میرے لیے اس بار لاہور سے تین گڑیائیں لائے ہیں۔" خوشی سے چہکتے ہوئے انھیں اطلاع دی گئی تو وہ بے اختیار مسکرا دیے۔

"واہ بھئی واہ۔۔۔ اور صبور بھائی کیا لائے ہیں؟"

" کچھ بھی نہیں۔ وہ تو بس ہر وقت روتے رہتے ہیں۔ اماں جان سے ضد کرتے رہتے ہیں کہ انھیں اسکول پڑھنے شہر نہیں جانا۔"

خاندان کے سب ہی لڑکے ہر دور میں شہر کے مختلف اداروں میں تعلیم حاصل کرتے رہے تھے۔ ان کی رہائش وہیں ہوسٹلز میں ہوا کرتی تھی۔ جبکہ لڑکیوں کو تعلیم دلوانے کا ان کے ہاں کوئی رواج نہ تھا۔ ان کے لیے بس بنیادی دینی تعلیم کو کافی سمجھا جاتا تھا۔ مگر سید نظر حسین شاہ نے اس غلط روش کا خاتمہ کیا تھا۔ انھوں نے اپنی بھتیجیوں اور بیٹی کے لیے خاص طور پہ شہر سے ایک اعلا تعلیم یافتہ لیڈی ٹیچر کا بندوبست کیا تھا۔ جو ہفتے میں چار بار آکر بچیوں کو پڑھایا کرتی تھی۔

ان کے اس اقدام کی دبی دبی مخالفت خاندان کے سب ہی گھروں کی طرف سے ہوئی تھی۔ لیکن کھلی

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

مخالفت کی ہمت صرف ان کے بڑے بھائی سید رجب حسین شاہ میں تھی۔ جنھوں نے نہ صرف اپنی ناگواری کا گرج برس کے اظہار کیا تھا بلکہ اپنی اکلوتی بیٹی، معصومہ، کو بھی اس سب کا حصہ بنانے سے صاف انکار کر دیا تھا۔

"اوہو۔ یہ تو اچھی بات نہیں۔ میری بیٹی کی پڑھائی کیسی جا رہی ہے؟" انھوں نے پیار سے اس کے بال سنوارے۔

"بہت اچھی۔ پتا ہے کل مس نے ٹیسٹ لیا تھا اور میرے ٹین میں سے ٹین آئے ہیں۔" اس نے فخریہ انداز میں بتایا تو شاہ صاحب نے اس کا گال چوم لیا۔

"شاباش۔ بس ایسا ہی اچھا اچھا پڑھنا ہے آپ نے۔" وہ اس کی مزید گٹ پٹ سننے میں مگن تھے جب برآمدے کا دروازہ کھول کے شاہ بی بی باہر آئی تھیں۔ زرناب کو باپ کی گود میں بیٹھا دیکھ کے وہ مسکراتی ہوئی ان دونوں کے پاس چلی آئی تھیں۔ بڑی بہن کو آتا دیکھ کے شاہ صاحب ہمیشہ کی طرح اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"السلام علیکم آپا۔"

"وعلیکم السلام۔" انھوں نے پیار سے اپنے بھائی کا شانہ تھپتھپایا تھا۔ "کتنی بار کہا ہے نظر! میرے لیے کھڑے نہ ہوا کرو۔ تمھارا مرتبہ بدل چکا ہے۔"

"میرا اصل مرتبہ اپنی ماں بہنوں کی عزت میں ہے۔" وہ مسکرا کر گویا ہوئے تو شاہ بی بی کی آنکھوں میں ان کے لیے محبت کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا۔ ان کی یہی باتیں تو انھیں اس خاندان کے دیگر مردوں سے مختلف بناتی تھیں۔ شاہ صاحب کی ذات اس گھرانے کے لیے صحیح معنوں میں رب تعالیٰ کی خاص رحمت تھی۔

"سلامت رہو۔ اللہ کبھی کوئی غم نہ دکھائے میرے ویر (بھائی) کو۔" وہ پاس رکھی کرسی پہ بیٹھیں تو شاہ صاحب بھی دوبارہ بیٹھ گئے۔ زرناب ان کی گود سے اتر کر اندر بھاگ گئی تھی۔

"پرسوں رجب آیا تھا میرے پاس۔ وہ چاہتا ہے کہ اب معصومہ اور بختیار کی شادی کر دی جائے۔"

ان کی بات پہ شاہ صاحب نے گہری سانس لی۔

"میرے خیال میں اگر دو سال ٹھہر جائیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ اصل میں، میں چاہتا ہوں کہ بختیار کا کسی انجینیئرنگ کالج میں داخلہ ہو جائے۔ اس عرصے میں وہ اپنی ذمہ داریوں کو بھی سمجھنے کے قابل ہو جائے گا۔"

"سو تو ہے لیکن تم جانتے ہو کہ اس کا پڑھائی کی طرف بالکل رجحان نہیں۔ رہی ذمہ داریاں تو وہ جب تک اس پہ ڈالی نہیں جائیں گی، اس کے مزاج کی لاپروائی نہیں جانے والی۔ اس لیے بہتر ہوگا اگر تم اس کا گھر بسا دو اور اسے زمین داری کی طرف لے آؤ۔" وہ رسان سے گویا ہوئیں تو سید نظر حسین شاہ خاموش ہو گئے۔

شاہ بی بی کی بات اپنی جگہ بالکل درست تھی۔ لیکن وہ اس ملال کا کیا کرتے جو ان کے اندر اپنے بیٹے کے مستقبل کو لے کر اٹھنے لگتا تھا۔ وہ ہمیشہ سے اُسے ایک اعلا تعلیم یافتہ اور سلجھے ہوئے انسان کے روپ میں دیکھنے کے خواہش مند تھے۔ مگر بختیار حسین نے نہ صرف انھیں تعلیمی میدان میں مایوس کیا تھا بلکہ مزاج و اطوار میں بھی وہ ان کے بالکل برعکس تھا۔

"میں ایک بار اس سے بات کر لوں۔ پھر آگے اس کا نصیب۔" چند لمحوں کے توقف کے بعد وہ دھیرے سے بولے تو ان کے چہرے کی افسردگی شاہ بی بی کا دل دکھ سے بھر گئی۔ انھیں بھتیجے کے حوالے سے اپنے بھائی کی آرزوؤں کا بہ خوبی علم تھا۔ لیکن اسے چراغ تلے اندھیرا کہا جاتا یا پھر سید بختیار حسین کی بد

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

نصیبی کہ وہ اتنے مثالی باپ کا فرزند ہو کے بھی ان کی خوبیوں سے فیض یاب ہونے سے محروم رہا تھا۔

"اللہ پہ بھروسہ رکھو نظر۔اس نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔" انھوں نے تسلی آمیز انداز میں ان کا ہاتھ تھپتھپایا تو شاہ صاحب دھیرے سے مسکرا دیے۔

"کیوں نہیں آپا۔وہی تو ہمارا والی وارث ہے۔"

"بے شک۔" شاہ بی بی کے منہ سے بے اختیار تائید نکلی تھی۔

"آئیں چل کے ناشتہ کرتے ہیں۔" اپنے مخصوص پرسکون انداز میں کہتے ہوئے وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے تو شاہ بی بی بھی دھیمی سی مسکراہٹ لیے ان کے ساتھ چل پڑیں۔

☆☆☆

آسمان بھی اگر معصومہ شاہ کے سر پہ آ گرتا تو شاید انھیں اتنی تکلیف نہ ہوتی جتنی کہ لڑکے والوں کے مثبت جواب سے ہوئی تھی۔شفق کی سہیلی کی فیملی کو نہ صرف زرتاب بے حد پسند آئی تھی بلکہ انھوں نے دو دن بعد ہی ان سب کو اسلام آباد اپنے گھر بھی مدعو کیا تھا۔ان کے پیغام نے حویلی میں خوشی کی ایک نئی لہر دوڑا دی تھی۔بی بی نور بانو کا تو پاؤں زمین پہ نہیں ٹک رہا تھا۔انھیں یہ پڑھے لکھے اور نفیس طبع لوگ پہلی ملاقات میں ہی اپنی بیٹی کے لیے بہت اچھے لگے تھے۔

شاہ بی بی، صدف اور بی بی حوراں (شفق اور صدف کی والدہ) کی خوشی کا بھی اپنا ہی ایک عالم تھا۔صرف ایک زرتاب حسین شاہ تھی جس کے اندر اس خبر نے کوئی ہلچل نہیں مچائی تھی۔وہ خالی آنکھوں اور پھیکی سی مسکراہٹ سے ان سب کی خوشی دیکھتی رہی جو اسے بے حد عزیز تھے۔

بختیار شاہ اور صبور شاہ کا ردعمل بھی ایک عجیب سی ٹھنڈک لیے ہوئے تھا۔انھیں اس بات کا غم زیادہ تھا کہ وہ خاندان سے باہر بیٹی دے کر سب کی باتوں کا نشانہ بننے والے تھے۔اور اس احساس کو معصومہ کے کٹیلے جملے مزید ہوا دے رہے تھے جو پچھلے دو دن سے جلے پیر کی بلی بنی گھوم رہی تھیں۔

زرتاب حسین شاہ کو اپنے تمام تر غرور سمیت اپنے بھائی کے قدموں میں گرے دیکھنا ان کی خواہش سے بڑھ کر ان کی ضد تھی' تب ہی تو وہ آج تک ہر ممکن طریقے سے اس کے لیے آنے والے رشتوں میں روڑے اٹکاتی رہی تھیں۔مگر اس بار ان کا داؤ چلانا اتنا آسان نہ تھا۔وہ لوگ نہ تو ان کے خاندان کے تھے اور نہ اس علاقے کے اور نہ ہی ان کی جان پہچان کے جو وہ ماضی کی کسی بات کا تجسس پھیلا کے کوئی رخنہ ڈال سکتیں۔تب ہی تو اس رشتے کا انجام بخیر ہوا تھا۔

"میں سوچ رہی تھی خالی ہاتھ جانا اچھا نہیں لگے گا۔آخر کو وہ ہماری شفق کی سہیلی بھی تو ہے۔" بی بی نور بانو نے اپنی نند اور دیورانی کی طرف دیکھا۔

"بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ہم شفق سے کہہ کر اسلام آباد سے اچھا سا کیک اور پھول لے لیں گے۔" صدف خوشی سے چہکی۔شفق اپنے شوہر سلمان کی جاب کی وجہ سے اسلام آباد میں ہوتی تھی۔

"لے اے کیک تے پھل کی ہوئے (لو یہ کیک اور پھول کیا ہوئے)۔بندہ اپنے باغوں کے پھلوں کے ٹوکرے لے کے جائے۔"

ان کی بات پہ صدف نے پیشانی پہ ہاتھ مارا۔

"نہیں تائی جی! پھلوں کا آج کل کوئی فیشن نہیں۔"

"لو دسو۔ہن پھلاں دے دی فیشن ہون لگے نے۔" (لو بتاؤ۔اب پھلوں کے بھی فیشن ہونے لگے ہیں۔) وہ ہنستے ہوئے شاہ بی بی اور بی بی حوراں کی طرف پلٹیں تو وہ دونوں بھی ہنس پڑیں۔

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

"اور یہ ہم کہاں سے آ گیا بیٹا جی؟" شاہ بی بی ہنستے ہوئے صدف سے مخاطب ہوئیں۔ "صرف ہم تینوں اور شفق جائے گی۔"

"کوئی نہیں۔" وہ بدکی۔ "میرا جانا از حد ضروری ہے۔ زرتاب کی پسند ناپسند صرف مجھے پتا ہے۔" وہ سینے پہ ہاتھ رکھے اترائی۔

"اللہ نے چاہا تو بہترین جوڑ ہوگا۔" شاہ بی بی نے بے ساختہ دعا کی تو سیڑھیاں اتر کر نیچے آتی معصومہ کے لبوں پہ استہزائیہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"اور اگر بہترین تو کیا' بہتر بھی نہ نکلا۔۔۔تو؟" ان کی آواز پہ سب ہی نے ناگواری سے ان کی طرف دیکھا۔ معصومہ نے شانوں کو خفیف سی جنبش دی۔ "اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے۔ آخر کو وہ غیر ہیں۔ اب ہمیں کیا معلوم کتنا سچ بول رہے ہیں اور کتنا جھوٹ۔" وہ مسکراتی ہوئی صوفے پہ آ بیٹھیں تو شاہ بی بی نے ایک تلخ نظر بھتیجی کے چہرے پہ ڈالی۔

"تو بختیار اور صبور کس لیے ہیں۔ وہ پتا کروائیں گے ناں۔" شاہ بی بی نے سپاٹ سے لہجے میں جواب دیا۔

"ہونہہ! اسے کہتے ہیں گھر کی نعمت چھوڑ کے غیروں کی جوتیاں سیدھی کرنا۔ خیر ہمیں کیا۔ آپ لوگوں کے نصیب میں ہی شاید خواری ہے۔۔۔کون کون جا رہا ہے؟" انھوں نے بھڑاس نکال کے اچانک موضوع بدلا تو صدف کا دل چاہا کہ پاس پڑا گل دان اس عورت کے سر پہ دے مارے۔

"ہم تینوں اور شفق۔" شاہ بی بی نے قصداً صدف کا نام لینے سے گریز کیا۔

"کیوں؟ میری ماں آپ لوگوں کی کچھ نہیں لگتی؟" معصومہ نے ماتھے پہ بل ڈالے استفسار کیا۔ شاہ بی بی نے ایک نظر بی بی نور بانو کی طرف دیکھا۔ اور پھر تحمل سے گویا ہوئیں۔

"جب تک بات طے نہیں ہو جاتی' ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ یہ معاملہ گھر والوں تک محدود رہے تو بہتر ہوگا۔"

"یعنی مرحوم سید رجب حسین شاہ کے بیوی بچے اب آپ لوگوں کے لیے باہر والے ہو گئے ہیں۔ واہ! کیا کہنے ہیں آپ کے شاہ بی بی۔" معصومہ جلبلا کے سیدھی ہوئیں۔ ان کا انداز کوثر شاہ کا چہرہ سرخ کر گیا۔ وہ بہت دیر سے ان کی فضول گوئی برداشت کر رہی تھیں۔

"یہ دن تم لوگوں نے اپنی حرکتوں کی وجہ سے خود دیکھا ہے۔ ہمیں الزام دینے کے بجائے بہتر ہوگا اگر تم سب اپنی نیتیں صاف کر لو۔"

"یعنی ہم بدنیت لوگ ہیں؟" معصومہ نے تیوریاں چڑھاتے ہوئے دوبدو سوال کیا۔

"بالکل ہو۔" شاہ بی بی، مطلق پرواہ کیے بنا پرسکون انداز میں گویا ہوئیں تو صدف کا دل اندر تک ٹھنڈا ہو گیا۔ لبوں پہ پھیلتی مسکراہٹ دباتے ہوئے اس نے معصومہ شاہ کی طرف دیکھا جو اس کرارے جواب پر غصے سے پھپھو کو دیکھنے لگی تھیں۔ جلبلاتے ہوئے انھوں نے کچھ کہنے کے لیے لب وا کیے ہی تھے کہ شاہ بی بی کی تنبیہہ نے ان کی زبان تالو سے لگا دی۔

"اس سے پہلے کہ میں آج اگلے پچھلے سارے حساب برابر کر دوں' اپنے کمرے میں جاؤ!" اور معصومہ اس کھلی بے عزتی پہ سرخ چہرہ لیے، دھم دھم کرتی اپنے کمرے میں جا کر بند ہو گئی اور گھر کی تینوں خواتین مع بنی سنوری، ہنستی مسکراتی صدف کے، ڈرائیور کے ہمراہ اپنی منزل کی جانب روانہ ہو گئی تھیں۔

"یہ من مانی آپ لوگوں کو بہت مہنگی پڑے گی۔" کھڑکی میں کھڑی معصومہ شاہ نے تنفر سے گیٹ سے باہر نکلتی گاڑی کو دیکھا۔ اور پھر پلٹ کر چادر لپیٹتی ہوئی نیچے چلی آئی تھیں۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

"حق نواز گڈی کڈ۔ "(حق نواز گاڑی نکالو۔) ان کی غصیلی پکار پہ جہاں چوکیدار کے ساتھ مصروف ملازم بوکھلا کر ان کی طرف بھاگا تھا وہیں اپنے کمرے میں گم سم سی بیٹھی زرناب بھی چونک اٹھی تھی۔

آج دوپہر میں جو کچھ بھی ہوا تھا' وہ صدف کے ذریعے اس کے علم میں آچکا تھا۔ تیز قدموں سے کھڑکی کی طرف آتے ہوئے اس نے باہر دیکھا تھا جہاں معصومہ شاہ بے چینی سے ٹہلتے ہوئے موبائل پہ کوئی نمبر ملا رہی تھیں۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ گاڑی میں سوار ہوئی تھیں اور حویلی کا بڑا سا گیٹ پار کر گئی تھی۔

ان کے منظر سے ہٹتے ہی زرناب نے ایک بوجھل سانس لیتے ہوئے اپنا سر کھڑکی سے ٹکا دیا تھا۔ وہ بنا بتائے بھی ان کی منزل کا پتا خوب جانتی تھی۔

☆☆☆

دس سالہ اجیت سنگھ نے نوالہ چباتے ہوئے ڈرتے ڈرتے اپنی ماں کی طرف دیکھا تھا۔ وہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی اسکول سے لوٹا تھا۔

"بے بے۔"

"ہاں" بلو نے ہاتھ میں دبے کرتے پہ سے نظریں ہٹائے بنا جواب دیا۔ وہ بے ساکھی کے تہوار کے لیے اپنے لاڈلے کے کرتے پہ کڑھائی کا شوق پورا کر رہی تھی۔

"میں روٹی کھا کے حویلی کھیلنے چلا جاؤں؟"

"میں لتاں توڑ دیڑیاں نے!" (میں نے ٹانگیں توڑ دینی ہیں) سر اٹھاتے ہوئے اس نے بیٹے کو گھورا تھا۔

"بے بے" اجیت ٹھنکا۔ "تو نے کل بھی مجھے نہیں جانے دیا۔ صبور شاہ دو دن بعد واپس شہر جانے والا ہے۔"

"بوت (بہت) اچھی گل (بات) اے۔ جان چھٹے گی ساڈی (ہماری)۔" بے زاری سے سر جھٹکتی وہ کرتے کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ "تیرا پیو کی کھٹ اے سوا پاڑنوں۔" (تمھارا باپ کیا کم ہے ہمیں بے عزت کروانے کو۔) ماں کی ڈانٹ پہ اجیت نے منہ بسورتے ہوئے سامنے رکھی ٹرے دھکیل دی۔

"جا۔ نہیں کھیا تا روٹی۔" مگر بلو نے سر اٹھانے کی زحمت نہیں کی تھی۔ اپنی دھمکی بے اثر جاتی دیکھ کے اجیت نئے سرے سے ٹھنکنے لگا تھا۔

"بے بے! تجھے کیا ہو گیا ہے۔ تو اب کیوں مجھے حویلی نہیں جانے دیتی؟ صبور شاہ روز مجھے بلاتا ہے۔" باپ کے ساتھ حویلی جاتے رہنے کی وجہ سے اس کی اور شاہ صاحب کے چھوٹے بیٹے صبور کی اچھی خاصی دوستی ہو گئی تھی۔ جس میں پھر رفتہ رفتہ اجیت کے باقی دوست بھی شامل ہو گئے تھے۔ اب سارے بچے مل کر کھیلا کرتے تھے۔

"اجیتے مجھے تنگ نہ کر۔" بلو نے ٹانکا اٹھاتے ہوئے اسے ڈپٹا۔

"بے بے میرے سارے دوست مجھے بلا رہے ہیں۔" وہ ماں کے قریب کھسک آیا۔ "اچھا آج جانے دے۔ فیر نئیں (پھر نہیں) جاؤں گا۔" وہ التجائیہ انداز میں بولا تو بلو نے تھک کے نظریں اٹھائیں اور اس کے معصوم چہرے پہ نگاہ پڑتے ہی اس کا دل پسیج گیا۔

"اچھا چلا جائیں۔ لیکن پہلے روٹی ختم کر۔"

"کر لی۔" وہ خوشی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"اجیت!" لیکن وہ ماں کی پکار ان سنی کیے باہر بھاگ گیا تھا۔

گھر سے نکل کے اس کا رخ حویلی کی طرف تھا جس کی باہر والی کچی سڑک پہ اس کے سارے دوست کرکٹ کا میدان سجائے اس کے منتظر

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

تھے۔اس کے آتے ہی کھیل زور وشور سے شروع ہوگیا تھا۔وہ اور صبور شاہ اپنی اپنی ٹیموں کے کپتان تھے۔

وہ بیٹ لیے وکٹ کے آگے کھڑا تھا۔جب صبور نے دوسری طرف سے بال کروائی تھی۔اجیت کی شاٹ پہ بال تیزی سے اڑی تھی اور اگلے ہی لمحے حویلی کے گیٹ سے باہر آتے سید بختیار حسین کے سفید سوٹ پہ اپنا نشان چھوڑ گئی تھی۔

"اوئے!" اس کی دھاڑ پہ سارے بچوں کا رنگ اُڑ گیا تھا۔جبکہ اجیت کی تو سانس ہی رک گئی تھی۔وہ سب بختیار شاہ کے غصے سے بہ خوبی واقف تھے۔بختیار نے کھا جانے والی نظروں سے سامنے دیکھا تھا۔اور اجیت کے ہاتھ میں بیٹ دیکھ کے اس کا غصہ دوچند ہوگیا تھا۔

اجیت بیٹ چھوڑ کے بھاگنے کو پر تولنے لگا تھا۔لیکن اس سے پہلے کہ وہ بختیار کی پہنچ سے دور ہوتا اس نے لپک کے اس کی گردن دبوچ لی تھی۔

"کافر کی اولاد تیری اتنی جرات!" اس کا ہاتھ اس کے سر پہ پڑا تو جہاں اجیت کی چیخ نکل گئی تھی وہیں صبور شاہ دوڑتا ہوا اپنے دوست کی مدد کو آیا تھا۔

"بھاجی، اجیت کو مت ماریں۔" اس نے بھائی کا بازو تھاما تو بختیار نے دانت پیستے ہوئے بے رحمی سے اجیت کو دور جھٹک دیا۔وہ زمین پہ گرتے ہی پھوٹ پھوٹ کے رو پڑا۔بختیار اسے کڑی نگاہوں سے گھورتا صبور شاہ کی طرف پلٹا تھا۔

"کتنی دفعہ منع کیا ہے کہ اس نجس کے ساتھ مت کھیلا کرو۔بات سمجھ میں نہیں آتی؟" سب کے سامنے بختیار کی ڈانٹ صبور کی آنکھوں میں آنسو بھر لائی تھی۔وہ ناراضی سے بڑے بھائی کو دیکھتا اندر کی طرف بھاگ گیا تو بختیار کا رخ دوبارہ روتے ہوئے اجیت کی طرف ہوگیا۔وہ غصے سے آگے بڑھا اور ایک جھٹکے سے اسے بازو سے پکڑ کے سیدھا کیا۔اتفاق سے اسی وقت سید نظر حسین شاہ اپنے ملازم کے ساتھ حویلی کے گیٹ سے باہر نکلے تھے۔

کرم دین سے بات کرتے ہوئے جوں ہی ان کی نظر سامنے کو اٹھی تھی ان کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے۔ان کا پڑھا لکھا شہری بیٹا گاؤں کے معصوم بچے کو بازو سے دبوچے کھڑا تھا۔

"اور تو پلید انسان! دوبارہ اگر تو حویلی میں آیا، تو میں نے تیری ٹانگیں۔۔۔۔" اس سے پہلے کہ بختیار اس کا کان مروڑتا ان کا ضبط جواب دے گیا تھا۔

"بختیار!" ان کی گرج دار پکار پہ جہاں سب بچوں نے پلٹ کر شاہ صاحب کی طرف دیکھا تھا وہیں سید بختیار حسین کی روح فنا ہوگئی تھی۔آن واحد میں اجیت کو چھوڑتا وہ ایک جھٹکے سے پلٹا تھا اور اپنے پیچھے سید نظر حسین شاہ کا انگارے کی طرح دہکتا چہرہ دیکھ کر اس کی اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی سانس نیچے رہ گئی تھی۔

حویلی کے ہال میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ گھر کے سب ہی مکین سہمی نگاہوں سے پیر سید نظر حسین شاہ کو تک رہے تھے جن کا غصہ اپنے عروج پہ تھا جو ہرگز کوئی عام بات نہ تھی کیونکہ متحمل سے شاہ صاحب کو غصہ شاذ و نادر ہی آیا کرتا تھا۔لیکن جب بھی آتا تھا جائز بات پہ اور بہت شدید آتا تھا۔اسی لیے کسی میں بھی اس وقت مداخلت کی ہمت نہ تھی۔یوں لگ رہا تھا جیسے وہاں شاہ صاحب اور بختیار حسین کے علاوہ تیسرا کوئی نہ تھا۔

"تمھاری جرات کیسے ہوئی اس معصوم پہ ہاتھ اٹھانے کی؟ اسے پلید کہہ کے پکارنے کی؟ تم خود کیا بہت پاک صاف، بہت معتبر ہستی ہو؟" ان کی غضب ناک نگاہیں بختیار شاہ کے چہرے پہ جمی تھیں جو کمرے کے وسط میں نظریں جھکائے کھڑا تھا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

"تمھارے انداز و اطوار تو پہلے ہی بہت مایوس کن تھے لیکن آج تو تم نے مجھ سے میری ہر امید ہی چھین لی ہے۔ بجائے میرا مان اور فخر بڑھانے کے تم نے تو مجھے میری ہی نظروں میں شرمندہ کر دیا ہے۔۔۔ میں کس منہ سے لوگوں کو نصیحت کروں گا انھیں اچھائی برائی میں فرق بتاؤں گا جب میری اپنی اولاد ہی اس فرق سے بے بہرہ ہوگی۔" وہ غصے سے بولے تو سدا کے اکھڑ مزاج بختیار کے لیے مزید خاموش رہنا ممکن نہ رہا۔

"میں نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی بابا صاحب! جس کی وجہ سے آپ کو شرمندگی اٹھانی پڑے۔" نظریں جھکائے وہ ڈھٹائی سے بولا تو سید نظر حسین شاہ اسے خشمگیں نگاہوں سے دیکھتے بیوی کی طرف پلٹے۔

"لو دیکھو نور بانو! اپنے بے جا لاڈ پیار کا نتیجہ۔ آج اسے کسی مظلوم پہ کیا گیا ظلم، کوئی بڑی بات ہی نہیں لگ رہی۔" وہ استہزائیہ انداز میں بولے تو سب گھر والوں کے سامنے شاہ صاحب کا یوں ٹوکنا بی بی نور بانو کی نگاہیں جھکا گیا۔ جبکہ ان کے طنز پہ بختیار نے جلبلا کے نظر اٹھائی تھی۔

"میں نے کوئی ظلم نہیں کیا بابا صاحب۔ اس نے میرے کپڑے خراب کیے تھے۔ میں نے صرف اسے ڈرانے کے لیے ہاتھ اونچا کیا تھا۔"

"بھا جی جھوٹ بول رہے ہیں بابا صاحب۔ انھوں نے اجیت کے سر پہ تھپڑ مارا تھا اور اسے زمین پہ دھکا دے کے گرایا بھی تھا۔ اور اسے کافر کی اولاد بھی کہا تھا۔" کم سن صبور کی اچانک مداخلت پہ بختیار کی سٹی گم ہوگئی۔

"بد بخت! تم میں خدا کا خوف ہے کہ نہیں؟" شاہ صاحب یک لخت بلند آواز میں دھاڑے تو بختیار سمیت سب ہی کانپ اٹھے۔

"خود کو سنبھالو نظر۔ کیا ہو گیا ہے تمھیں؟" شاہ بی بی تیزی سے آگے بڑھیں۔

"کیسے سنبھالوں آپا۔۔۔ شرم آ رہی ہے مجھے اسے اپنا بیٹا کہتے ہوئے۔" انھوں نے بختیار کی طرف غصے سے دیکھا۔ "ارے اس بچے پہ ہاتھ اٹھانے سے پہلے اتنا تو سوچ لیتے کہ اس کے کافر ماں باپ تمھاری تقدیم میں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ تم جہاں پاؤں رکھتے ہو وہ ہاتھ رکھتے ہیں۔ اس عزت پہ بجائے اپنے رب کا شکر گزار بندہ بننے کے تم تکبر پہ اتر آئے ہو! احساسِ برتری میں مبتلا ہو گئے ہو!" وہ چلتے ہوئے اس کے مقابل آ کھڑے ہوئے تو اس تمام عرصے میں پہلی بار بختیار کے ماتھے پہ پسینہ پھوٹ نکلا۔ تھوک نگلتے ہوئے اس نے سہمی ہوئی نظروں سے باپ کے تنے ہوئے چہرے کی طرف دیکھا۔

"کس بات کا زعم ہے تمھیں، ہاں؟ اس خاندان، اس نام، مقام کا؟ لیکن اس گھرانے میں پیدا ہونے میں تمھارا کیا کمال ہے؟ تمھاری اپنی کیا حیثیت ہے بختیار شاہ۔ کوئی ایک ذاتی کامیابی، ایک ذاتی خوبی بھی ہو تو بتاؤ؟" اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے انھوں نے سوال کیا تو وہ سر جھکانے پہ مجبور ہو گیا۔ اس کا جھکا سر ان کے لبوں پہ تلخ مسکراہٹ بکھیر گیا۔

"جن کا اپنا دامن اوپر والے کی خوشنودی سے خالی ہوتے ہے نا، وہ دوسروں کو تہی دامنی کا طعنہ دیتے اچھے نہیں لگتے۔۔۔ صاحب ایمان ہونے کے بعد ایک کافر اور ایک مسلمان کے درمیان صرف ان کے اعمال کا فرق ہوا کرتا ہے۔ اور افسوس کہ تمھارے پاس عمل نام کی کوئی چیز نہیں۔

قبر میں تمھیں نہ باپ کا نام بچانے آئے گا نہ دادا کا مقام۔ سو ان حوالوں پہ بھروسہ کرنے اور

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

اکڑنے کی نادانی کبھی مت کرنا۔ دوبارہ کسی کو اپنے خاندان کے زعم میں آ کر طعنہ دینے سے پہلے اپنے اعمال نامے پہ ضرور نظر ڈال لینا۔ اب دور ہو جاؤ میری نظروں سے!" وہ غصے سے بولے تو بختیار کسی کی طرف دیکھے بنا لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔

اس کے سامنے سے ہٹتے ہی پیر سید نظر حسین شاہ کو لگا جیسے ان پہ منوں بوجھ آ پڑا ہو۔ وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتے صوفے پہ آ کر گر سے گئے۔

"نظر!"

"مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔" شاہ بی بی کی پکار پہ وہ آہستگی سے بولے تو ناچار سب باہر کی طرف بڑھ گئے۔

ہال کے خالی ہوتے ہی شاہ صاحب نے تھکے تھکے سے انداز میں اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ وہ تو اپنے اللہ کے بڑے عاجز بندے رہے تھے پھر ان کی اولاد میں یہ غرور، یہ اکڑ کہاں سے آ گئی تھی؟ دکھ سے لب بھینچے انھوں نے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔

"اے میرے معبودِ برحق! میں تیرا بڑا گنہگار بندہ ہوں۔ مجھے معاف کر دے میرے مولا! یقیناً میں ہی اپنی اولاد کی صحیح راہ نمائی نہیں کر سکا۔ بے شک سب تعریفیں تیرے لیے ہیں۔ غرور صرف تیرا حق ہے۔ اور ہم تیرے عاجز بندے ہیں۔ پس تو میرے بچے کو بخش دے۔ اور اس کی ہدایت کا سامان فرما دے یارب!" اپنے اللہ کے حضور گڑگڑاتے ہوئے ان کا رواں رواں اپنے بختیار شاہ کی بھلائی کا خواہاں تھا۔

☆☆☆

حسب توقع شفق کی سہیلی سحر کے گھر ان سب کا پُرتپاک استقبال ہوا تھا۔ وہ بڑے پیمانے پہ ذاتی بزنس کرنے والی ایک معزز اور امیر سید فیملی تھی جن کا گھر بار دیکھ کے ان سب خواتین کو کافی اطمینان ہوا تھا۔ ان کے اس اطمینان پہ دلی خوشی کی مہر اس وقت لگی تھی جب ان کی ملاقات اونچے لمبے، زوہیب شاہ سے ہوئی تھی۔ خوش شکل اور خوش گفتار سے، زوہیب سے مل کر صدف کو حقیقتاً اپنی عزیز از جان دوست کی ہر تکلیف کا ازالہ ہوتا محسوس ہوا تھا۔ وہ خوش تھی، بے حد خوش۔

واپسی کا سارا راستہ، آنے والے وقت کی خوش رنگ تیاریوں پہ باتیں کرتے گزرا تھا۔

لیکن اپنے گھر کی دہلیز پار کرتے ہی جب انھیں بڑی حویلی والوں کی اور خاندان کی دیگر گاڑیاں کھڑی نظر آئی تھیں تو ان چاروں کی ساری خوشگواریت ان بلند و بالا دیواروں کے اس پار ہی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

جمعے کا دن تھا۔ گاؤں کی مسجد نمازیوں سے کھچا کھچ بھری تھی۔ منبر پہ بیٹھے شاہ صاحب کی اثر انگیز آواز سننے والوں پہ اپنا سحر طاری کر رہی تھی۔

"اللہ پاک سورہ آل عمران میں فرماتا ہے کہ۔۔۔ ''اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور تفرقے میں نہ پڑو۔۔۔'' یعنی اس کے بندوں کے درمیان فرق اور جدائی پیدا کرنا اللہ کے نزدیک ایک ناپسندیدہ عمل ہے۔ پھر چاہے وہ فرق عقیدے بنا کے پیدا کیا جائے یا لوگوں کو ذات پات میں بانٹ کر، اس عمل کی ممانعت کی گئی ہے۔" انھوں نے جماعت پہ ایک نظر ڈالی۔ کبیر سنگھ ہر جمعے کی طرح آج بھی نمازیوں سے ہٹ کے پیچھے دروازے کے پاس بیٹھا غور سے شاہ صاحب کا خطبہ سن رہا تھا۔

"حسب و نسب کا غرور مسلمانوں کا وصف نہیں بلکہ یہودیوں کا شیوہ رہا ہے۔ جو خود کو ہر قوم سے اونچا اور بخشا ہوا تصور کرتے آئے ہیں۔ لیکن افسوس کہ آج ہم مسلمانوں کا معاشرہ بھی ذات برادری اور عقیدوں کے تکبر میں بری طرح مبتلا ہو چکا ہے۔ ہمیں

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

یہودیوں کی طرح صرف اپنا عقیدہ درست اور اپنی برادری اونچی نظر آتی ہے باقی سب غلط اور خود سے کم تر محسوس ہوتے ہیں۔ جبکہ ان قبیلوں کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ یہ ہماری دنیاوی پہچان کی علامت ہیں، اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ اللہ کے نزدیک نہ میں اونچا ہوں اور نہ آپ کمتر، ہماری بخشش میں ان قبائل کا کوئی حصہ نہیں ہونے والا۔ ہماری بخشش صرف ہمارے اعمال کروائیں گے۔ ہمارا رتبہ، صرف ہمارا تقویٰ اور پرہیزگاری بلند کرے گی۔ جس کا عمل جتنا قرآن اور سنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہوگا اور جس کی نیت جتنی خالص اور پاک ہوگی، وہ اتنا ہی اللہ کے قریب ہوگا۔

اس لیے اگر اس کے دوست بننا چاہتے ہو، اس کے قریب آنا چاہتے ہو تو اپنے عمل کو ہر ملاوٹ سے پاک کر دو۔ دین کو اپناؤ تو مکمل طور پہ اپناؤ، معاشرے میں پلتی غلط باتوں کو صرف اس لیے صحیح مت کہو کہ وہ نسل در نسل تمھارے درمیان چلتی آ رہی ہیں۔ یاد رکھو غلط کو غلط کہنا گناہ نہیں بلکہ اس پہ خاموشی اختیار کیے رکھنا گناہ ہے۔۔۔ میری دعا ہے کہ اللہ پاک ہم سب کو ہدایت عطا فرمائے اور ہمارے دلوں کو ایک دوسرے کے حق میں نرم کرے تاکہ ہم سچ بات کو بنا کسی حجت کے قبول کر سکیں۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔" چہرے پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے شاہ صاحب نماز کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"آج میں نے کھانا بنوایا ہے آپ سب اپنا حصہ لے کر جایئے گا۔" گاؤں والوں سے مخاطب ہوتے ہوئے وہ کبیر سنگھ کی طرف پلٹے تھے۔

"کبیر! تم حویلی جاؤ اور دیگوں کو مسجد میں لانے کا انتظام کرواؤ۔" انھوں نے ہمیشہ کی طرح اس کا مان بڑھایا تو اس کا دل خوش ہو گیا۔

"جو حکم شاہ صاحب۔" وہ سرشار سا مسجد سے نکل کے حویلی کی طرف چلا آیا تھا۔

پھر دیگیں مسجد میں لانے سے لے کر نماز کے بعد تقسیم ـــــ تک وہ شاہ صاحب اور ان کے ملازمین کے ساتھ مگن رہا تھا، اس شدومد سے کہ اسے پتا بھی نہیں تھا اور مسجد کے کھلے گیٹ سے نظر آتے صحن میں اسے بھاگ دوڑ کرتا دیکھ کے، باہر سے گزرتے چند قدم اپنی جگہ پہ پل بھر کو ساکت رہ گئے تھے۔

"اجیتے! یہ دیکھ میں کیا لایا ہوں۔" وہ اپنے دھیان میں اپنے لاڈلے کو پکارتا گھر میں داخل ہوا لیکن آگے بڑھنے پہ اس کی نظر صحن میں بیٹھے خاندان والوں پہ پڑی تو وہ تھم سا گیا۔

"جا پتر کھا لے۔ تیرا پیو تیرے لیے مسجد سے خیرات لے کے آیا اے۔" ماما جی نے ایک کاٹ دار نظر اس کے چہرے پہ ڈالتے ہوئے اجیت کو پچکارا تو آنکھوں میں آنسو لیے بیٹھی بلو، غصے سے شوہر کو دیکھتی منہ موڑ گئی۔ اجیت نے سہمی ہوئی نظروں سے باپ کو دیکھا۔ وہ شروع سے ہی بہت سمجھ دار اور حساس بچہ تھا۔ اس وقت بھی، وہ سب کی آمد اور اپنے باپ سے ناراضی کی وجہ سے بہ خوبی واقف تھا، تب ہی مان سنگھ کے کہنے کے باوجود اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہوا تھا۔

کبیر خود کو سنبھالتا آگے بڑھا تھا۔

"سسریاکال ماما جی۔"

"سسریاکال کیوں پتر۔۔۔ سلام آکھ۔" (سسریاکال کیوں کہتے ہو بیٹا۔۔۔ سلام کہو۔) ان کی چوٹ پہ کبیر نے گڑبڑا کے نظریں چرائیں تو مان سنگھ کے لبوں پہ طنزیہ مسکراہٹ آ ٹھہری۔

"اج اک گل تے دس کبیرے۔۔۔" ان کی تمہید نے کبیر کو ان کی طرف دیکھنے پہ مجبور کر دیا۔ "یہ تو کس کو دھوکا دے رہا ہے۔ ہمیں یا خود کو؟ یا اسے جو اوپر بیٹھا ہے؟" وہ استہزائیہ انداز میں بولے تو سب کے درمیان ان کا اسے یوں کٹہرے میں کھڑا کرنا، کبیر کے اندر ناگواری کی لہر دوڑا گیا، مگر اس نے

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

خود کو کوئی بھی سخت بات کرنے سے روکا، صرف اس لیے کہ وہ اس کے بزرگ تھے۔

"میں ایسا کج نئیں کیتا ماما جی۔" (میں نے ایسا کچھ نہیں کیا ماما جی۔) وہ سپاٹ لہجے میں بولا تو اس کا جواب مان سنگھ کا خون کھولا گیا۔ وہ ایک جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"او' آدھا تیتر اور آدھا بٹیر بن کے رہ گیا ہے اور کہتا ہے کہ تو نے کج نئیں کیا؟ او لعنت ہے تیری شکل پہ!" تیوریاں چڑھائے وہ غصے سے گرجے تھے۔ ان کی بات کبیر کا چہرہ سرخ کر گئی تھی۔ "تو اگر میری مری بہن کا پتر (بیٹا) نہ ہوتا نا تو سوں (قسم) گرودی تجھے ان ہی مسلوں (مسلمانوں) کے ٹکڑے پہ وڈ (کاٹ) کے رکھ دیتا جیسے تو چاٹتا پھرتا ہے۔"

ان کی غضب ناکی نے وہاں سناٹا طاری کر دیا تھا۔

"مگر اب ہم میں سے کوئی یہ تماشا مزید برداشت کرنے کو تیار نہیں۔" انھوں نے قطعیت سے ہاتھ اٹھایا۔ "ہم تجھے اپنی قوم اور اپنے مذہب کو یوں ذلیل کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے! تو یا تو ہم میں سے رہے گا یا پھر نہیں۔ فیصلہ تیرا اپنا ہے۔ کیونکہ ہمیں اپنے درمیان دھوبی کا کتا نہیں چاہیے۔ سمجھ گیا!"

کبیر کے لب سختی سے ایک دوسرے میں پیوست ہو گئے۔ یہ باتیں اگر اس کے ماموں کے بجائے کسی اور نے کی ہوتیں تو وہ اب تک اس کا منہ توڑ چکا ہوتا۔

سب کے سامنے اپنے شوہر کی اس درجہ ذلت بلو کا دل چیر گئی تھی۔ وہ دوپٹے میں منہ دیے پھپھک کے رو پڑی تھی۔

"بس یا کج ہور؟" وہ بولا تو لہجہ تنا ہوا تھا۔ مان سنگھ نے ایک نظر اس کے سرخ چہرے کی طرف دیکھا تھا۔ اور دھیرے دھیرے چلتے ہوئے اس کے مقابل آ کھڑے ہوئے۔

"تھوڑی کو بوتی (بہت) جان پتر! اپنے پیو (باپ) کی اولاد ہے تاں تو دوبارہ ہمیں اپنی گل (بات) دہرانے کا موقع نہ دئیں۔" انھوں نے رک کر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ "ایسا نہ ہو کہ دو دو خداؤں کے پیچھے بھاگنے والے کو، مرنے کے بعد نہ اگ (آگ) ملے نہ مٹی!" سرد لہجے میں اپنی بات مکمل کر کے وہ آگے بڑھ گئے تو کبیر سنگھ کا وجود اپنی جگہ پہ پتھر کا ہو گیا۔

یہ وہ کیا کہہ گئے تھے؟

سائیں سائیں کرتے دماغ کے ساتھ اس نے سب کو ایک ایک کر کے ماما جی کے پیچھے باہر نکلتے دیکھا تھا۔ بلو کے رونے میں شدت آ گئی تھی۔

کبیر سنگھ کی ساکت پتلیوں میں جنبش ہوئی۔ اس کی نظریں اپنے بیٹے پہ آ ٹھہری تھیں جو سہما ہوا دیوار سے لگا کھڑا تھا۔

"وہ اپنی اولاد کے لیے اس کے باپ کی پہچان کا آخر کون سا حوالہ چھوڑ کر جانے والا تھا؟ سکھ؟ مسلمان؟ یا پھر لا مذہب؟؟"

☆☆☆

"کتنا منع کیا تھا میں نے کہ خاندان سے باہر رشتہ کرنے کی بات مت کریں۔ مگر آپ لوگوں نے میری ایک نہیں سنی۔ اب دیکھ لیا اپنی من مانی کا نتیجہ۔ سارا خاندان لعنت ملامت کر کے گیا ہے۔۔۔ آپ لوگوں کی وجہ سے آج مجھے ان لوگوں کی بھی باتیں سننا پڑیں جنھیں عام حالات میں مجھ سے بات کرتے ہوئے دو بار سوچنا پڑتا ہے۔" ہال میں چکراتے بختیار شاہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کیا کر بیٹھیں۔ رشتے داروں کی دو گھنٹے کی طویل عدالت ان دونوں بھائیوں کا پارہ آسمان کو چھونے لگا تھا۔ اور معصومہ شاہ مزے سے تماشا دیکھنے میں مگن تھیں۔

بہن کی اس اطلاع پہ کہ زرتاب کا رشتہ طے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ہونے لگا ہے، ہاشم غصے سے بپھر اٹھا تھا، مگر وہ سفید حویلی جا کے سب کے سامنے ہلکا نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے بہن سے کہہ دیا تھا کہ وہ کچھ بھی کر کے اس رشتے کو ختم کروائے۔

"ہاں تو میں نے بھی منہ توڑ جواب دیا ہے اعتراض کرنے والوں کو۔ خاندان سے باہر شادی کوئی گناہ نہیں بلکہ ایک بے جا پابندی ہے، جس کی نذر میں اپنی بچی کو نہیں کر سکتی۔" بی بی نور بانو نے بھی آج ہر لحاظ بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنی بیٹی کے لیے اٹھ کھڑے ہونے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ جانتی تھیں کہ اگر آج وہ سب کے دباؤ میں آ کر کمزور پڑ گئیں تو آنے والے وقت میں ان کی بیٹی کا ہر جائز حق، یہ لوگ یونہی غصب کر جائیں گے۔

"ہونہہ، اور میری بچیاں؟ ان کا کیا ہوگا؟" بختیار شاہ نے تلخی سے ماں کو دیکھا۔ "کیا آپ نہیں جانتیں کہ اگر آج ہم خاندان والوں کے خلاف گئے تو کل کو وہ بھی ہم سے کوئی نیا رشتہ نہیں جوڑیں گے۔"

"تمہیں اپنی اولاد کے مستقبل کی تو فکر ہے، مگر بہن کا کیا بنے گا، کبھی اس بارے میں بھی سوچا ہے؟" بی بی نور بانو کی آنکھوں میں دکھ آ ٹھہرا۔

"ہاں تو کیا برائی ہے ہاشم میں؟" بختیار شاہ جھنجلا کر بولے۔ "کیوں آپ اس کا رشتہ زرناب کے لیے قبول نہیں کرتیں؟" یہ سنتے ہی معصومہ کا دل باغ باغ ہو گیا۔ یہ ان کی شبانہ روز محنت ہی تو تھی جو بختیار شاہ کو آخر کار اپنے سالے میں ہر برائی نظر آنا بند ہو گئی تھی۔

"تمہیں ہاشم میں کوئی برائی نظر نہیں آتی؟" بی بی نور بانو نے استعجاب سے بیٹے کا چہرہ دیکھا تو وہ گڑبڑا کے نگاہیں چرا گئے۔

"ہاں ہیں اس کے چند ایک ایسے شوق جو۔۔۔"

"جو بدقسمتی سے اپنے باپ کی آنکھیں بند ہونے کے بعد تم دونوں بھائی بھی کھلم کھلا اپنا چکے ہو۔" بی بی نور بانو نے بنا کسی ہچکچاہٹ کے پہلی بار آئینہ بیٹوں کے سامنے رکھا تو بختیار شاہ کے لب سختی سے ایک دوسرے میں پیوست ہو گئے۔

"چلو جی آج سے آپ دونوں بھی بدمعاش ہو گئے کیونکہ میرے بھائی کو تو اس گھر میں اسی نام سے پکارا جاتا ہے۔" معصومہ نے طنزیہ انداز میں کہتے ہوئے شوہر اور دیور کو دیکھا تو بختیار شاہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"بہت اچھے! اگر ایسا ہے اماں جان تو میرا اب زرناب کے رشتے سے کوئی لینا دینا نہیں۔ وہ لڑکا اچھا نکلے یا برا، کم از کم مجھ جیسا خراب کردار کا آدمی اب اس کے بارے میں کچھ پتا کروانے والا نہیں۔ آپ جانیں اور آپ کا کام۔ ہاں جس دن تاریخ رکھیں گی مجھے بتا دیجیے گا۔ میں اپنی عزت کو آپ کی لاڈلی کو اس گھر سے رخصت ضرور کروں گا، مگر اس کے بعد میرا آپ کے داماد اور بیٹی سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔" قطعی لہجے میں اپنی بات مکمل کر کے وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتے باہر نکل گئے تو جہاں بی بی نور بانو کی آنکھیں بھر آئیں وہیں معصومہ شاہ شوہر کو میدان ساس کے حوالے کرتا دیکھ کر بوکھلا گئیں۔

"ارے بات تو سنیں، جا کہاں رہے ہیں؟" مگر بختیار شاہ کہاں رکنے والے تھے۔ انہیں جاتا دیکھ کے معصومہ نے بے اختیار اپنا سر تھام لیا۔

ہال میں یک لخت خاموشی چھا گئی۔ شاہ بی بی نے ایک نظر آنسو پیتی بی بی نور بانو پہ ڈالتے ہوئے اب تک تماشائی بنے بیٹھے صبور شاہ کی طرف دیکھا۔

"تمہیں بھی ماں کو کوئی الزام دینا ہے تو دے لو۔"

صبور شاہ نے خفگی بھری ایک نظر ان پہ ڈالی اور اٹھ کر زینہ طے کر گیا۔ بیٹوں کا یہ افسوس ناک رویہ بی بی نور بانو کا دل بری طرح دکھا گیا۔ وہ بے اختیار ہو کے رو پڑیں۔

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

"بس۔ بس نور بانو۔" شاہ بی بی نے انھیں خود سے لگالیا۔

میں سلمان سے کہوں گی وہ خود زوہیب کا پتا کروائے گا۔۔۔ اگر ایسا ہے تو پھر ایسا ہی سہی!" بھابھی کی پشت سہلاتے ہوئے ان کی شعلے برساتی نظریں معصومہ پہ جا ٹھہریں اور انھوں نے وہاں سے کھسک جانے میں ہی عافیت جانی تھی۔

☆☆☆

شاہ صاحب دربار میں موجود اپنے حجرے سے تہجد کی نماز پڑھ کے حویلی جانے کے ارادے سے باہر نکلے تو صحن میں پھیلی چاندنی میں درخت کے نیچے کسی کو بیٹھا دیکھ کے چونک گئے۔

"کون ہے؟" ایک قدم آگے بڑھ کر انھوں نے بلند آواز سے پوچھا تو دوسری طرف بت بنے بیٹھے وجود میں جنبش سی ہوئی۔

"میں ہوں شاہ صاحب، کبیر۔" دھیرے سے جواب دیتا وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تو پیر نظر حسین شاہ اسے اس وقت یہاں پا کے پریشان ہو گئے۔

"خیر تو ہے کبیر؟" برآمدے کی بتی جلا کے وہ اس کے پاس چلے آئے۔

"دوپہر سے شام اور شام سے رات ہو گئی ہے سرکار، مگر مینوں کوئی جواب ہی نہیں مل ریا۔" وہ عجیب کھوئے کھوئے سے انداز میں بولا۔

تو پیر نظر حسین شاہ سمجھ گئے کہ وہ کسی ذہنی خلفشار کا شکار ہے۔

"اچھا، چلو آؤ، ادھر بیٹھو۔" وہ اس کا بازو تھامے سیڑھیوں پہ آ بیٹھے۔ "اب بتاؤ کس سوال کا جواب ڈھونڈ رہے ہو؟" ان کے نرم لہجے پہ وہ کلائی میں پہنا کڑا گھمانے لگا۔

"ایہی کہ میں کی چاہناں آں؟ کی کر ریا آں؟" (یہی کہ میں کیا چاہتا ہوں؟ کیا کر رہا ہوں؟) اس نے افسردگی سے سر اٹھایا۔ "تینوں پتا اے سرکار، او لوگ میرے گھر میں آ کے مینوں دھوبی کا کتا کہہ گئے ہیں۔۔۔ کہہ لیں، مجھے پرواہ نہیں۔ لیکن کل کو میرا پتر مجھے بے دھرم کہہ کے میرے کولوں (مجھ سے) منہ موڑ لے، یہ مجھ سے برداشت نہیں ہوگا۔" اس کی آواز بے اختیار بھر آئی تھی۔

پیر نظر حسین شاہ نے اک گہری سانس لی۔

"مجھے معلوم تھا، ایک دن ضرور آئے گا۔ جب تم جاننا چاہو گے کہ تم کیا کر رہے ہو؟ کیا چاہتے ہو؟" ان کی بات پہ کبیر نے حیرت سے ان کا چہرہ دیکھا۔

"آپ کیسے جانتے تھے سرکار؟" اس کے سوال پہ شاہ صاحب لحظہ بھر کو مسکرا دیے۔

"اس لیے کہ ایسی ہر محبت کبیر جس کی کوئی منزل نہ ہو وہ انسان کو کبھی نہ کبھی خود سے یہ سوال پوچھنے پہ مجبور کر ہی دیتی ہے کہ وہ آخر کس سمت میں اور کیوں بھاگ رہا ہے؟ اور تمھاری مجھ سے عقیدت، اس جگہ سے لگاؤ، ایسی ہی ایک محبت ہے جس کی بظاہر کوئی تک نہیں۔"

"تے فیر میں کی کراں؟" اس نے پریشانی سے پوچھا۔ "آپ کو چھوڑ دوں؟ اس جگہ کو چھوڑ دوں؟"

"چھوڑ سکتے ہو تو چھوڑ دو کبیر۔ شاید اسی میں تمھاری بہتری ہے، ورنہ تمھارے لوگ تمھاری زندگی مشکل بنا دیں گے۔" وہ ٹھہرے ہوئے انداز میں بولے تو کبیر کو لگا جیسے اس کا دل ویران ہو چلا ہو۔

"نئیں۔ یہ مجھ سے نئیں ہوگا۔ میں آپ کو دیکھے بغیر نئیں رہ سکتا۔ میں آپ کو نئیں چھوڑ سکتا سرکار!" ان کا ہاتھ تھامے وہ کسی بچے کی طرح سسک اٹھا تھا۔ اس کی اس درجہ محبت شاہ صاحب کی پلکیں نم کر گئی تھی۔ بے اختیار ان کا ہاتھ اس کے شانے پہ آ ٹھہرا تھا۔

"لیکن یہ سچ ہے کبیر کہ تم اس طرح دو کشتیوں کے سوار بن کے نہیں رہ سکتے۔ یہ زندگی گزارنے کا

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ڈھنگ نہیں۔"

"اگر زندگی گزارنے کے لیے ایک ہی رستہ (راستہ) چاہیے تو میں آپ کا رستہ چنوں گا۔ میں اس راہ لگوں گا (اس راہ پہ چلوں گا) جو مجھے آپ جیسا اچھا انسان بنا دے۔" آنسوؤں کے درمیان وہ انھیں اتنے اونچے مقام پہ بٹھا گیا کہ پیر سید نظر حسین شاہ کے پاس الفاظ ختم ہو گئے۔

"کبیر!" جذبات کے باعث ان کی آواز لرز اٹھی تھی۔

"آپ۔آپ مجھے کلمہ پڑھا دیں۔" اس نے بے قراری سے ان کا چہرہ دیکھا۔تو شاہ صاحب پریشان ہو گئے۔

"کبیر، یہ بہت بڑا فیصلہ ہے۔" انھوں نے اس کا بازو تھاما۔

"اور میں یہ فیصلہ کر چکا ہوں۔ میں نے اپنی کشتی چُن لی ہے سرکار۔" آنسو صاف کرتے ہوئے وہ بنا کسی ہچکچاہٹ کے واشگاف لہجے میں بولا تو سید نظر حسین شاہ کو اس کے چہرے پہ چھائی چٹانوں کی سی مضبوطی نے اس کے اٹل ارادوں کا پتا دے ڈالا۔

دروازے پہ کھٹکے کی آواز پر صحن میں سوئی بلو ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی۔

"کہاں چلا گیا تھا تو؟" اسے سامنے پا کے بلو پریشانی سے بولی۔کبیر کے قدم اپنی جگہ پہ جم گئے تھے۔

"ہن بولدا کیوں نئیں؟" (اب بولتے کیوں نہیں۔) اس کا پارہ مزید چڑھا تھا۔لیکن دوسری جانب کبیر کو مسلسل خاموش پا کے وہ بے اختیار چونک اٹھی تھی۔

"کبیر!" وہ ہر بات بھلائے اٹھ کر اس کے قریب چلی آئی تو کبیر سنگھ کی نظریں اس کے چہرے پہ آٹھہریں۔

"تو۔تو ٹھیک تو ہے ناں کبیر؟" اس نے پریشانی سے اس کا بازو چھوا تو کبیر نے اپنے خشک پڑتے لبوں پہ زبان پھیری۔

"کبیر۔کبیر نئیں عبداللہ۔۔۔۔میں نے کلمہ پڑھ لیا ہے بلو نتے۔" وہ اٹکتے ہوئے بولا تو بلونت کور یوں اچھلی جیسے اسے کسی بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔

"نئیں۔اے نئیں ہو سکدا۔" (نہیں۔یہ نہیں ہو سکتا۔) وہ اسے وحشت سے دیکھتی الٹے قدموں پیچھے ہٹی تھی۔اس کی زرد پڑتی رنگت عبداللہ کو پریشان کر گئی تھی۔

"بلو نتے!" وہ گھبرا کر اس کی طرف بڑھا تھا۔مگر بلو ہونٹوں پہ ہاتھ رکھے بھاگتی ہوئی کمرے میں جا کے بند ہو گئی تھی۔

☆☆☆

کچے راستے پہ دھول اڑاتی وہ گاڑی تیزی سے آگے بڑھتی اپنی منزل کی جانب گامزن تھی۔اندر پھیلی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے ڈرائیور نے ونڈ اسکرین سے نظریں ہٹائی تھیں اور ایک نظر اپنے ساتھ والی سیٹ پہ ڈالی تھی۔جہاں اس کے صاحب کھڑکی سے بھاگتے منظر پہ نگاہیں جمائے کسی گہری سوچ میں گم تھے۔وہ پوچھے بنا نہ رہ سکا تھا۔

"آپ پہلے یہاں آئے ہیں کبھی؟"

"نہیں۔" دھیرے سے کہتا وہ رخ پھیر گیا تو اس نے بھی اپنا دھیان ڈرائیونگ پہ مرکوز کر دیا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد ان کی گاڑی تھانہ نور والاں کی حدود میں داخل ہو کر ایک جھٹکے سے رکی تو یہاں وہاں بکھرے عملے نے اپنے اپنے مشغلے ترک کرتے ہوئے، چونک کر اس نئے ماڈل کی سفید کار کو دیکھا جو ان کے لیے انجان تھی۔ لیکن سبز رنگ کی سرکاری نمبر پلیٹ پہ نگاہ پڑتے ہی ان سب کے توتے اڑ گئے۔

"میں نے جو باتیں سمجھائی ہیں ان کا خیال رکھنا

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

رفاقت!" دروازے کے ہینڈل پہ ہاتھ رکھے وہ ڈرائیور کی طرف پلٹا۔

"آپ بے فکر رہیں سرجی۔" اس کے جواب پہ وہ دھیرے سے مسکراتا باہر نکلا تو اس کا بارعب اور وجیہہ سراپا دیکھ کے سب ہی ٹھٹک گئے۔

"السلام علیکم جناب۔" ایک سپاہی تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔اس نے سلام کا جوب دیتے ہوئے دھوپ کا چشمہ اتارا۔نیلی آنکھیں ارد گرد کا جائزہ لیتی مقابل پہ آٹھہریں۔

"یہاں کا حوالدار اور ایس ایچ او کہاں ہیں؟" اس کے حکمیہ لہجے پہ سپاہی کی گھبراہٹ دوچند ہوگئی۔

"اندر ہیں جناب۔"

"بلاؤ انھیں۔" اس نے اگلا حکم صادر کیا تو اس کے تیور سپاہی کو پریشان کر گئے۔

"مگر آپ ہیں کون سرجی؟"

"سیف علی جنگ۔۔۔۔۔اس علاقے کا نیا اے ایس پی۔" اور سامنے کھڑے سپاہی کی رنگت لمحے کے ہزارویں حصے میں فق ہوگئی تھی۔

☆☆☆

کبیر سنگھ کے اسلام قبول کرنے کی خبر چاروں طرف جنگل کی آگ کی طرح پھیلی تھی۔سارے سکھ گھرانوں کے لیے یہ بہت بڑا دھچکا تھا۔لیکن چونکہ اس معاملے میں ان کا اپنا سکہ ہی کھوٹا تھا سو وہ کسی کو بھی الزام نہ دے سکے تھے۔البتہ بلونت کور کو عبداللہ کے گھر سے لے جانے کے لیے سب نے ایڑی چوٹی کا زور لگا لیا تھا مگر وہ اپنی اکلوتی اولاد کو چھوڑ کر جانے کے لیے کسی طور آمادہ نہ ہوئی تھی۔

اجیت کو عبداللہ نے ،در در کی ٹھوکروں کی نذر کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا،جس کے بعد بلو کا اس دہلیز کو پار کرنا جیسے ناممکن ہوگیا تھا۔سزا کے طور پہ ساری سکھ برادری نے عبداللہ کے ساتھ ساتھ بلونت کور سے بھی ہر تعلق ختم کر لیا تھا۔

بلو کو جیسے چپ لگ گئی تھی۔سارا سارا دن سر جھکائے وہ نجانے کن سوچوں اور کاموں میں مصروف رہتی تھی جو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتے تھے۔اور رات ہونے پہ وہ اسی خاموشی کی چادر اوڑھے ساتھ والے کمرے میں جا کے بند ہو جاتی تھی۔ملنا ملانا، ہنسنا بولنا اس نے ہر چیز ترک کر دی تھی۔ اس کی یہ حالت عبداللہ کے لیے حد تکلیف کا باعث تھی۔

قبول اسلام کے بعد جس دن عبداللہ نے اپنے بال کٹوائے تھے اور اپنی ڈاڑھی کو اسلامی خط دیا تھا اس دن بلونت کور پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی۔اس روز اس نے اپنے شوہر،اپنے کبیرے کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کھو دیا تھا۔وہ اب اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی دیکھنے کی روادار نہ رہی تھی۔

اس تناؤ بھرے ماحول نے اجیت کو بھی پریشان کر دیا تھا۔اپنے باپ کے مذہب بدلنے کے طعنوں نے اس کے اندر سوالوں کا ایک انبار لگا دیا تھا جسے عبداللہ وقتاً فوقتاً اس کی سمجھ کے مطابق کم کرنے کو کوشش کرتا رہتا تھا۔مگر دل کا بدلنا،کسی اور سمت کھنچنا' اس کیفیت کو وہ بھلا ایک بچے تک کیسے پہنچا سکتا تھا؟ یہ تو بس وقت ہی تھا جو اس کا نکتہ نظر اس کی اولاد پہ واضح کر کے اسے اپنے بیٹے کی نظر میں صحیح یا غلط ثابت کر سکتا تھا۔

"ابا۔۔۔تو روٹی کیوں نہیں کھا رہا؟" اجیت نے سوچوں میں ڈوبے عبداللہ کا بازو دہلایا۔

"کھا رہا ہوں پتر۔" بوجھل سانس لیتے ہوئے اس نے خالی نظروں سے اپنے پہلو کو دیکھا جو ویران پڑا تھا۔ بلو ان دونوں باپ بیٹے کے آگے رات کا کھانا رکھ کے خود کمرے میں چلی گئی تھی۔اجیت نے باپ کی آنکھوں میں پھیلی افسردگی کے رنگوں کو بہ خوبی محسوس کر لیا تھا۔

"ابا!" عبداللہ کی نظریں اپنے لاڈلے کے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کملائے ہوئے چہرے پہ آ ٹھہریں۔ "بے بے کب تک ہم سے ناراض رہے گی؟" اور اس کے دل میں جیسے اک ٹیس سی اٹھی تھی۔اس کا معصوم بچہ دنوں میں ہی کتنا بڑا' کتنا حساس ہو گیا تھا۔

"چل آ' چل کر تیری ماں کو مناتے ہیں۔" اچانک اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے اس نے بیٹے کا ہاتھ تھاما تو وہ بے طرح خوش ہو گیا۔

باپ بیٹا چلتے ہوئے برآمدے میں بنے کمرے تک پہنچے تو اجیت نے رک کر باپ کی طرف دیکھا۔

"تو اور (ادھر) ہی رک ابا۔پہلے میں جاتا ہوں۔" اور عبداللہ بیٹے کی اس درجہ ہوشیاری پہ مسکرا دیا۔

"چنگا،جا فیر۔" (ٹھیک ہے جاؤ پھر۔) اجیت دروازہ کھول کے اندر چلا گیا۔عبداللہ اک گہری سانس لیتا باہر ٹہلنے لگا۔دل میں اپنی بلو کو منانے کے ڈھیروں جملے ترتیب دیتا وہ ابھی پلٹا ہی تھا کہ روہانسا سا اجیت' گھبرایا ہوا باہر آیا۔

"ابا! ابا! بے بے کو پتا نہیں کیا ہو گیا ہے۔وہ اکھیاں وی نہیں کھول رہی۔" اور عبداللہ اسے ہٹاتا سرپٹ کمرے کی جانب بھاگا تھا۔

"بلو نے!" چارپائی پہ چت پڑے وجود پہ جھکتے ہوئے اس نے پریشانی سے اس کے گال تھپتھپائے تھے۔لیکن بے سود۔"اجیتے،پانڑی (پانی) لے کے آ۔" حواس باختہ سا کہتا وہ تیزی سے چارپائی پہ بیٹھا تھا۔اور تب ہی اس کا ہاتھ بلو کے ہاتھ سے جا ٹکرایا تھا جو اگلے ہی لمحے بے جان سا چارپائی سے نیچے جھولنے لگا تھا۔

"بلو!" وحشت سے اسے پکارتے ہوئے اس نے بلونت کور کے ساکت وجود کو دونوں شانوں سے تھام کر جھنجھوڑ ڈالا تھا مگر۔۔۔

باپ کے رونے کی آواز پہ پانی کا گلاس اجیت

کے ننھے ہاتھوں سے پھسل کر زمین پہ گیا تھا۔وہ بھاگتا ہوا کمرے میں آیا تھا،جہاں اپنے ابا کو سینے سے لگائے،زور زور سے روتا دیکھ کے اس کا چھوٹا سا دل کانپ اٹھا تھا۔

گھر میں پیدا ہوئے نئے تناؤ نے زرناب کو بے حد پریشان کر دیا تھا۔صدف اس کی ذہنی حالت کو دیکھتے ہوئے شاہ بی بی سے اجازت لے کر اسے حویلی سے باہر لے آئی تھی۔کئی ایکڑ پر پھیلے باغات ان کی ملکیت تھے۔یہاں وہ بغیر کسی جھجک کے آرام سے گھوم پھر سکتی تھیں۔ملازمہ کو ساتھ لیے،چائے کا سامان ہمراہ اٹھائے صدف نے اس چھوٹی سی آؤٹنگ کو باقاعدہ پکنک کا رنگ دے دیا تھا۔

کھلی ہوا،بہتے پانی اور اس کے تٹ کھٹ سے بھتیجوں کی شرارتوں نے جلد ہی زرناب کا دھیان بٹا دیا تھا۔اسے پھر سے مسکراتا دیکھ کے صدف نے سکھ کا سانس لیا تھا ورنہ کل رات سے رو رو کر زرناب کی حالت غیر ہو چکی تھی۔

"میں ذرا چاچا نور الہیٰ کے گھر والوں سے حال احوال پوچھنے جا رہی ہوں،تم ساتھ چلو گی؟" باغات کے پرانے ملازم کا نام لیتے ہوئے زرناب نے صدف کی طرف دیکھا۔

"نہ بابا۔میں ان شیطانوں کو اکیلے چھوڑنے کا رسک نہیں لے سکتی۔" عمر کو بہ مشکل تمام قابو کرتے ہوئے اس نے اس کی گیلی شرٹ اتاری۔

"ٹھیک ہے میں پھر ابھی آتی ہوں۔" کھڑے ہوتے ہوئے اس نے اپنے کپڑے جھاڑے۔

"فضلی،بی بی کے ساتھ جاؤ۔" صدف نے چائے پیتی فضیلت سے کہا تو زرناب نے ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا۔

"تم چائے پیو،میں خود ہی چلی جاتی ہوں۔"

"خیال سے جانا۔" صدف کی "مامتا" بھری پکار نے آگے بڑھتی زرناب کو مسکرانے پہ مجبور کر دیا۔

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

صد شکر تھا کہ اس کی زندگی میں ابھی حقیقی محبت کی چاشنی میں ڈوبے کچھ رشتے موجود تھے ورنہ جو روپ اسے قسمت چند نام نہاد اپنوں کا دکھا چکی تھی اس کے بعد تو اگر وہ اپنی ذات پر سے بھی اعتبار کھو بیٹھتی تو کوئی حیرت کی بات نہ ہوتی۔ یاسیت سے سوچتی وہ اپنے دھیان میں چلی جا رہی تھی جب اچانک درختوں کے درمیان سے نکل کر کوئی اس کی راہ میں آیا تھا۔ زرناب کے منہ سے چیخ نکلتے نکلتے بچی تھی۔

"آہ! کتنے دنوں بعد تمھیں دیکھ رہا ہوں میں۔" ہاشم کی عامیانہ نظروں اور الفاظ نے زرناب کا چہرہ سرخ کر دیا۔ وہ سختی سے لب بھینچے تیزی سے پلٹی تھی کہ ہاشم نے ایک ہی جست میں اسے کلائی سے پکڑتے ہوئے قریب لگے درخت کی طرف دھکیل دیا تھا۔ زرناب کا کندھا بہت زور سے تنے سے ٹکرایا تھا۔ وہ بے اختیار کراہ اٹھی تھی۔

"تمھارے سامنے تمھارا باپ نہیں، ہاشم رجب حسین شاہ کھڑا ہے۔ یہ نخرے کسی اور کو دکھانا۔ سمجھیں!" غصے سے اسے دیکھتا وہ غرا کر بولا۔ زرناب نے سرعت سے خود کو سنبھالا۔

"اور تمھارے سامنے بھی کسی مزارعے کی بیٹی نہیں بلکہ پیر سید نظر حسین شاہ کی عزت کھڑی ہے اس لیے اپنی حد میں رہو!" اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ غصے سے بولی تو ہاشم کے لبوں پہ استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میری حد ابھی تم لوگوں نے دیکھی کہاں ہے۔" اس کی مسکراہٹ نفرت میں ڈوبنے لگی۔ "قسم خدا کی! جس دن کسی اور کی ڈولی میں بیٹھی ناں، میں تمھیں اور تمھارا ہاتھ تھامنے والے کو سفید حویلی کی دہلیز پہ ہی ختم کر دوں گا!" اس نے اس زور سے مٹھیاں بھینچیں کہ ہاتھوں کی رگیں ابھر آئیں۔

"تم مجھے خوف زدہ کرنے آئے ہو؟" زرناب کی پیشانی پہ موجود بل گہرے ہو گئے۔

"نہیں۔ یہ باور کروانے آیا ہوں کہ تم صرف ہاشم شاہ کی ہو۔"

"ہونہہ! میں اور تمھاری؟" زرناب طنزیہ انداز میں مسکرائی۔ "جو شخص سالوں پہلے میرے قابل نہیں تھا، میں آج اس کی دوسری بیوی بنوں گی؟ جاؤ ہاشم شاہ! جا کے اپنا منہ دھوؤ!" اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس شخص کی ہر خوش فہمی کے پرخچے اڑا دے۔ ہاشم کے لب سختی سے ایک دوسرے میں پیوست ہو گئے۔

"بہت۔ بہت بڑی بات کر دی ہے تم نے زرناب نظر حسین!" لمحے کے توقف کے بعد وہ بولا۔ "اب تو اگر تمھیں اٹھا کر بھی اپنے قدموں میں گرانا پڑا تو گراؤں گا۔"

اس کی بات پہ زرناب نے دانت پہ دانت جمائے اسے گھورا۔ اگلے ہی پل وہ اپنا سارا خوف پسِ پشت ڈالتی اس کے مقابل آ کھڑی ہوئی۔

"اور مجھے اگر خود کو ختم کر کے بھی تمھاری جیت کو ہار میں بدلنا پڑا تو بدلوں گی!"

"ٹھیک ہے پھر۔ دیکھتے ہیں کون کس کو دھول چٹاتا ہے۔" اس کی آنکھوں میں دیکھتے وہ اچانک اس کی طرف جھکا تو زرناب بجلی کی سی تیزی کے ساتھ پیچھے ہٹی۔ ہاشم خباثت سے ہنس پڑا۔

"کب تک؟ کب تک میری جان؟" اسے دیکھتا وہ کمینگی سے گنگنایا۔ زرناب کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھتی واپسی کے لیے پلٹی۔ ہاشم نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔

"آج کے آج جا کر اس رشتے کو ختم کرواؤ۔ ورنہ وہ حال کروں گا اس شہزادے کا کہ گھر والے صورت تک پہچان نہیں پائیں گے۔" یہ آواز بلند بولتا وہ زرناب کو لب بھینچنے پہ مجبور کر گیا تھا۔ مگر اس نے پیچھے پلٹ کر دیکھنے کی غلطی نہیں کی تھی۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

زرناب کو بنا کوئی ردعمل دکھائے' آگے بڑھتا دیکھ کے ہاشم شاہ کی آنکھوں سے انگارے برسنے لگے تھے۔

"تمھاری یہ بے نیازی' نہ تم سے چھین لی زرناب نظر حسین شاہ تو ہاشم نام نہیں میرا!" اس کی پشت پہ نظریں جمائے وہ جیسے ایک ان دیکھی آگ میں جلنے لگا تھا۔

☆☆☆

"تاریخ گواہ ہے، دینِ اسلام قبول کرنے والوں کو اللہ پاک نے ہر دور میں آزمایا ہے۔۔۔تمھاری پہلی آزمائش تمھارے اپنوں کا تمھیں چھوڑنا تھا۔تمھاری دوسری آزمائش تمھاری محبت کرنے والی بیوی کی جدائی ہے۔یہ سوچنا کہ بلونت کور کی موت کے ذمہ دار تم ہو' بالکل غلط ہے۔سب کی موت کا ایک وقت مقرر ہے۔تمھاری بیوی نے اسی دن اور اسی گھڑی اس دنیا سے جانا تھا،پھر چاہے تم کبیر سنگھ رہتے یا عبداللہ بن جاتے۔تمھارا اور اس کا اتنا ہی ساتھ لکھا تھا۔" شاہ صاحب نے اپنے برابر سر جھکائے بیٹھے عبداللہ کا شانہ تھپتھپایا۔

بلو کی موت کو آج چوتھا دن تھا۔اور عبداللہ کا غم کسی طور کم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔وہ بلو کی اس اچانک موت اور اپنے گھر کی بربادی کا ذمہ دار خود کو ٹھہرا رہا تھا۔اور کیوں نہ ٹھہراتا؟ بلونت کور کے رشتے داروں اور ساری سکھ برادری میں ایسا کون تھا جس نے اسے لعن طعن نہ کی تھی۔اس کے نقصان کو واہے گرو کی مار نہ گردانا تھا۔وہ سب سچے ہوئے تھے اور اس کا منہ کالا ہوا تھا۔وہ خود کو مجرم نہ گردانتا تو اور کیا کرتا؟

گاؤں کے ہر فرد نے یہ تماشا دیکھا تھا۔شاہ صاحب بھی انجان نہ تھے۔وہ بس اسی گھڑی کے منتظر تھے، جب عبداللہ ذہنی اور جذباتی طور پہ اس قابل ہو جاتا کہ ان کے الفاظ کو سمجھ سکتا۔اور آج ان کے نزدیک وہ وقت آ گیا تھا جب ہی تو وہ خود چل کر اس کے گھر تک آئے تھے

اور اب بہت محبت سے اسے ساتھ لیے بیٹھے تھے۔

"تمھارے دل میں شاید یہ خیال بھی آتا ہو کہ تم غلط کشتی میں سوار ہو گئے ہو۔اور یہ کہ شاید تم پہلے صحیح تھے۔لیکن جب تم قرآنِ پاک کا ترجمہ پڑھو گے تو یہ جانو گے عبداللہ کہ اللہ تعالیٰ نے صاف لفظوں میں سارے مومنوں کو بتا دیا ہے کہ وہ ان کا امتحان لے گا،اور یہ تمھارا امتحان ہے۔وہ دیکھنا چاہتا ہے کہ آیا عبداللہ، جو اس سے محبت کا دعویدار ہے وہ اس نقصان سے پریشان ہو کر، دنیا کی کڑوی باتوں سے گھبرا کر کہیں اسے چھوڑ تو نہیں دے گا؟" وہ نرم لہجے میں بولے تو عبداللہ نے سر اٹھا کر ان کا مشفق چہرہ دیکھا۔

"میں اسے نئیں چھوڑنا چاہتا سرکار۔لیکن یہ وی (بھی) سچ ہے کہ میں سوچی پے گیا آں۔" (سوچ میں پڑ گیا ہوں) وہ بولا تو اس کی آواز اندیشوں کے مارے بھر آئی۔ "میں۔میں کیا کروں جی؟" اس نے گھبرا کے ان کا ہاتھ تھاما۔

"صبر کرو۔اور یہ یاد رکھو کہ تم صرف اپنے اللہ کے بندے ہو،یعنی تمھاری جان ،مال ،اولاد سب تمھارے رب کی عطا کردہ ہیں،وہی تمھارا مالک ہے۔اور مالکوں کو تو کبھی بھی اپنی چیز واپس لینے کا اختیار ہوتا ہے ناں عبداللہ۔" وہ دھیرے سے مسکرائے تو بغور ان کی بات سنتے عبداللہ کا سر اثبات میں ہل گیا۔

"شاباش۔تم ایک سچے مسلمان ہو،اس لیے اب تم اپنے اس نقصان کا اور غم نہیں کرو گے۔۔۔کل سے میں تمھیں ان شاءاللہ قرآنِ پاک کی تعلیم دوں گا۔پھر تمھیں پتا چلے گا کہ تم کتنے صحیح راستے پہ

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ہو۔" اور عبداللہ کے چہرے پہ پھیلے اضطراب میں کچھ کمی سی ہوئی۔

اور پھر پورے نورے والاں نے دیکھا تھا کہ کس طرح ایک غیر تعلیم یافتہ نومسلم کو، پیر سید نظر حسین شاہ نے اپنی تربیت سے ایمانِ کامل رکھنے والا مسلمان بنا دیا تھا۔اس کارِ خیر میں سفید حویلی کی تینوں خواتین نے ، ننھے اجیت کی ذمہ داری اٹھا کر' شاہ صاحب کی بھرپور مدد کی تھی۔

شاہ صاحب کے کہنے پہ عبداللہ اپنے بیٹے کو لے کر حویلی آ گیا تھا، جہاں ان کی رہائش کا بندوبست دیگر ملازمین کے ساتھ کر دیا گیا تھا۔

دربار اور مسجد کا سارا انتظام شاہ صاحب نے عبداللہ کو سونپ دیا تھا۔پورے گاؤں میں اس کی عزت و مرتبے میں کئی گنا اضافہ ہو گیا تھا۔اس کا بیٹا حویلی کے اپنے بچوں کی طرح گھر کے اندر باہر بھاگتا پھرتا تھا۔بختیار شاہ سمیت کسی کی مجال نہ تھی کہ وہ اجیت کو سخت نظر سے دیکھ بھی سکتا۔اس کی تعلیم و تربیت پہ شاہ صاحب خصوصی توجہ دیتے تھے۔گاؤں کے اسکول کے علاوہ انھوں نے گھر پہ اس کے لیے انگریزی تعلیم کا علیحدہ سے بندوبست کروایا تھا۔وہ اسے آنے والے وقت میں اپنا دستِ راست بنانے کی خواہش رکھتے تھے۔ان کی یہ محبت عبداللہ کو ہر آن ان کا احسان مند کیے دیتی تھی۔

دھیرے دھیرے شاہ صاحب کی میٹھی شخصیت اجیت پہ بھی اثر انداز ہونے لگی تھی۔وہ باپ کو ان کے ساتھ نماز پڑھتے دیکھتا، دینی باتیں کرتے سنتا تو نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا دل ان باتوں کی طرف مائل ہونے لگتا۔

پلک جھپکتے میں دو سال کا عرصہ گزرا تھا۔شاہ بی بی کے مشورے کے مطابق سید نظر حسین شاہ، بختیار شاہ کو زمین داری کی طرف لے آئے تھے،اور اس بار انھیں بختیار شاہ نے مایوس نہیں کیا تھا۔بیٹے کو احسن طریقے سے اپنی ذمہ داریاں نبھاتا دیکھ کر شاہ صاحب نے اس کا گھر بسانے میں تاخیر نہیں کی تھی۔یوں جب زرناب محض دس برس کی تھی تو اٹھارہ سالہ معصومہ بیاہ کر سفید حویلی چلی آئی تھی۔اس دوران عبداللہ کی خواہش پہ، بارہ سالہ اجیت کو شاہ صاحب نے ،اس کی ایماء پر کلمہ پڑھا دیا تھا۔وہ دن عبداللہ کی زندگی کا خوبصورت ترین دن تھا۔اس روز اللہ نے اس کے بیٹے کو بھی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نئی پہچان عطا کر کے دین و دنیا کی بھلائی عطا کر دی تھی۔

☆☆☆

"نیا اے ایس پی؟" صوفے پہ براجمان بختیار شاہ ایک جھٹکے سے سیدھے ہوئے تھے۔"وہ کب آیا؟" انھوں نے مقابل بیٹھے ایس ایچ او کو دیکھا۔

ان کی لاعلمی ایس ایچ او کے چھکے چھڑا گئی۔وہ تو سمجھ رہا تھا کہ شاہ جی ہر بات کی طرح اس ضروری خبر سے بھی آگاہ ہوں گے لیکن انھیں انجان پا کے اسے اپنی متوقع شامت صاف دکھائی دینے لگی تھی۔

" آج صبح سرکار۔" انھیں دیکھتے ہوئے اس نے تھوک نگلا۔

"اور تو مجھے اب بتا رہا ہے جب وہ سر پہ مسلط ہو چکا ہے۔" تیوریاں چڑھائے وہ بہ آواز بلند دھاڑے تو ایس ایچ او نظریں جھکا گیا۔اس خبر نے صبور شاہ کو اس روز پارٹی میں ہونے والی گفتگو یاد دلا دی۔

"اوہو۔۔۔" اس نے بے اختیار اپنی پیشانی مسلی تو بختیار شاہ نے پلٹ کر بھائی کی طرف دیکھا۔

"اصل میں بھاجی مجھے اس بارے میں تھوڑی بہت سن گن پارٹی والے دن ہی ہاشم سے پتا چل گئی تھی۔اور میں آپ سے اسے ڈسکس بھی کرنے والا تھا لیکن پھر وہ رشتے والی بات کو لے کر ایسی الجھن پڑی کہ یہ بات میرے ذہن سے ہی نکل گیا۔" وہ ان کی استفہامیہ نظروں کے جواب میں بولا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

"یہ تمھارا نہیں، ان حرام خوروں کا کام تھا جنھیں میں بٹھا کر کھلا رہا ہوں۔" اس کی بات پہ انھوں نے غصے سے ایس ایچ او کو گھورا۔

"قسم لے لیں سرکار، ہمیں تو خود کانوں کان خبر نہیں ہوئی۔ بالکل ہی اچانک نازل ہوا ہے۔" وہ اپنی پوزیشن واضح کرنے کو جلدی سے بولا۔

"او بوتا بک نہ!" (او زیادہ بکواس نہ کرو) انھوں نے بدمزگی سے سر جھٹکا۔ "یہ جو اتنے مہینوں سے خبریں گرم تھیں، کسی افسر کے آنے کی، تب کیوں نہ کان دھرے تو نے؟ سو رہا تھا کیا؟"

"ایک عرصہ ہو گیا سرکار! یہاں کوئی وڈا افسر آیا ہی نہیں۔ اب مجھے کیا پتا کہ اس بار۔۔۔" وہ منمنا کے چپ ہو گیا تو بختیار شاہ نے اک گہری سانس لی۔

سچ ہی تو کہہ رہا تھا، خود انھوں نے بھی تو ان خبروں کو غیر اہم جان کے اپنی ساری توجہ سیاسی منظر نامے اور جوڑ توڑ پہ مرکوز کر دی تھی۔ غفلت تو ان سے بھی ہوئی تھی۔

"کون ہے اور کس قماش کا ہے؟" وہ بولے تو آواز میں پہلا سا غصہ نہ تھا۔ ایس ایچ او نے دل میں شکر ادا کیا۔

"لہور (لاہور) شہر کا ہے جی۔ کسی پروفیسر کا بیٹا ہے۔ دو سال پہلے مقابلے کا امتحان پاس کیا ہے۔ سنا ہے بڑی پٹھی مت (الٹے دماغ) والا بندہ ہے۔" اس نے آج کے آج حاصل کی گئی تفصیل بڑے شاہ جی کے گوش گزار کی۔

"ہوں۔۔۔" مونچھوں کو تاؤ دیتے انھوں نے پرسوچ انداز میں ہنکارا ابھرا۔ "نام کیا ہے؟"

"سیف علی جنگ۔" ایس ایچ او نے جواب دیا۔

"بال بچے دار ہے؟"

"نہ جی۔" بختیار شاہ نے سر ہلاتے ہوئے صوفے کی پشت سے کمر ٹکائی۔

"صبور!" چند لمحوں کی سوچ بچار کے بعد انھوں نے بھائی کی طرف دیکھا۔

"جی بھا جی۔"

"کل جا کے ذرا ملاقات تو کرو ناں اس پٹھی مت والے سے۔" ان کے استہزائیہ انداز پہ صبور شاہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ "اور ہاتھ ذرا ہولا رکھنا۔ سی ایس پی آفیسر ہے۔ اس کے اختیارات کی حد ایس پی کے اختیارات کو چھوتی ہے۔" انھوں نے اسے متنبہ کیا۔

"آپ بے فکر رہیں۔" صبور شاہ نے ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔ "کل دیکھتا ہوں میں، کتنے پانی میں ہیں موصوف۔" اور ایس ایچ او جمیل کو اپنی پریشانی آدھی ہوتی محسوس ہوئی تھی۔ اب شاہ جی جانتے اور ان کا کام، وہ تو "سوکھا" (مطمئن) ہو گیا تھا۔

اگلے دن جس وقت صبور شاہ نے تھانہ نور والاں کی حدود میں قدم رکھا، وہ بے اختیار ٹھٹک گیا۔ ایس ایچ او سے لے کر سپاہی تک مستعدی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنی اپنی ڈیوٹی پہ حاضر تھے۔

وہ سیدھا اس افسرِ شاہی کے کمرے میں چلا آیا جو کسی فائل پہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔

دستک کی آواز پہ اپنے دھیان میں بیٹھے سیف علی جنگ نے نظریں اٹھائی تھیں اور دروازے میں کھڑی ہستی کو دیکھ کے اس کی نگاہیں آنے والے پہ جم کر رہ گئی تھیں۔ صبور شاہ کروفر سے چلتا میز کے دوسری جانب آ کھڑا ہوا تھا۔

"مجھے سید صبور نظر حسین شاہ کہتے ہیں۔" اس نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو سیف علی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"اور میں سیف علی جنگ۔" ہاتھ ملاتے ہوئے اس نے بھاری لہجے میں اپنا تعارف کروایا تو غیر ارادی طور پہ صبور شاہ کی نظریں اس کا جائزہ لینے پہ مجبور ہو گئیں۔

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

اونچا لمبا قد، مضبوط جسامت اور سرخ و سفید رنگت۔ جس پہ سیاہ مونچھیں اور بھری بھری سی فیشنی ڈاڑھی بے حد جچ رہی تھی۔ بلاشبہ وہ ایک بھرپور اور چھا جانے والی شخصیت کا مالک تھا۔

"تشریف رکھیں۔" کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے اپنی نشست سنبھالی۔ صبور شاہ قصداً پھیل کر اس کے مقابل بیٹھ گیا۔

"تو آپ یہاں اے ایس پی تعینات ہوئے ہیں۔" اس کے چہرے پہ نظریں جمائے صبور شاہ نے گفتگو کا آغاز کیا۔

"جی۔" وہ بنا کسی تاثر کے بولا۔

"کہاں سے تعلق ہے آپ کا؟"

"جب آپ جانتے ہیں صبور صاحب تو کیوں یہ فارمیلٹی نبھا رہے ہیں۔" کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے سیف استہزائیہ انداز میں مسکرایا تو صبور شاہ بے اختیار لب بھینچ گیا۔ دونوں کی آنکھیں ایک دوسرے سے بندھ سی گئیں اور تب ہی بالکل اچانک' صبور کو لگا جیسے اس نے آنکھوں کے اس تاثر کو کہیں دیکھا ہے۔ لیکن کہاں؟ اس نے یادداشت پہ زور دیا، مگر نیلی آنکھوں والا کوئی بھی شخص اسے یاد آ کے نہیں دیا۔ اپنے اندر سر اٹھاتے اس عجیب سے احساس کو جھٹکتے ہوئے وہ آگے کو جھک آیا۔

"پھر تو تمہیں بھی پتا ہوگا سیف علی جنگ کہ یہ علاقہ کس کا ہے؟" اس کے انداز پر تو سیف کی نیلی آنکھوں میں سرد مہری سی پھیل گئی۔

"جانتا ہوں۔ اور یہ بھی جانتا ہوں کہ یہاں کیا کچھ ہو رہا ہے۔"

"اچھی بات ہے۔" صبور پرسکون سا مسکرایا۔ "اب مزید جان لو کہ اس علاقے اور یہاں کے لوگوں کے مالک ہیں ہم۔ تم نے یہاں رہنا ہے تو ضرور رہو۔ لیکن یہاں راج کرنے کے خواب کبھی مت دیکھنا۔"

"میں خوابوں پہ نہیں عمل پہ یقین رکھتا ہوں سید صبور شاہ!" اس کے چہرے پہ نظریں گاڑے وہ اس کے نام پہ زور دیتے ہوئے بولا تو مقابل کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔

"یعنی دوسرے لفظوں میں تم باغی ہو۔"

"نہیں' سیدھے لفظوں میں' اپنی مرضی کا مالک ہوں۔ کسی سے حکم لینا میری سرشت میں شامل نہیں۔" مضبوط لہجے میں کہتا ہوا' وہ دونوں بازو میز پہ ٹکائے آگے کو جھک آیا تو صبور شاہ چند ثانیے اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ٹھیک ہے پھر، تم اپنی مرضی چلاؤ۔۔۔۔ ہم اپنی طاقت آزمائیں گے۔ لیکن اگر تمہارا ارادہ حل کر چلنے کا ارادہ ہے تو ہماری طرف سے دوستی کا دروازہ کھلا ہے، چلے آنا۔"

"آفر کا شکریہ۔" بے نیازی سے جواب دیتا وہ سامنے رکھی فائل کی طرف متوجہ ہو گیا تو اس کا انداز صبور شاہ کو سر تا پا سلگا گیا۔ شعلے برساتی نظروں سے اس کے جھکے سر کو دیکھتا وہ لب بھینچے ایک جھٹکے سے پلٹ کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے باہر نکلتے ہی سیف علی جنگ نے ہاتھ مار کر سامنے کھلی فائل بند کر دی۔

"تم لوگوں کے راج کے دن ختم ہوئے صبور شاہ۔ اب دیکھنا' میں کون کون سے کھاتے کھولتا ہوں!" غیر مرئی نقطے پہ نگاہیں جمائے اس نے اس زور سے ہاتھ میں پکڑا قلم دبایا کہ وہ اس کی انگلیوں کے درمیان چیخ گیا۔

☆☆☆

"مصطفیٰ!"

اپنے نام کی پکار پہ حویلی کے گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہوئے نوجوان نے لان کی طرف دیکھا تھا اور شاہ بی بی کو وہاں کرسی پہ براجمان دیکھ کے وہ ان کی جانب چلا آیا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

"السلام علیکم شاہ بی بی۔" وہ مؤدب سا ان کے پاس آ کھڑا ہوا۔

"وعلیکم السلام۔۔۔کیسی طبیعت ہے اب عبداللہ کی؟" انھوں نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا جو اپنے کھڑے کھڑے نقوش اور کھلتی ہوئی رنگت کے ساتھ دل موہ لینے والی کشش رکھتا تھا۔اس کا یہ رنگ وروپ بلو کی مرہونِ منت تھا۔وہ گھنے بالوں والی ایک خوبصورت سکھنی تھی،جس کا رنگ چاندی کی طرح چمکتا تھا۔مصطفیٰ کے بال بھی ماں کی طرح گھنے اور آنکھیں سیاہ کالی تھیں۔

بچپن اور جوانی کی سرحد پہ کھڑا،وہ اب اٹھارہ سال کا ہو چکا تھا۔اس کی بھیگتی مسیں، کچھ کچھ گہری ہونے لگی تھیں۔قد میں بھی ٹھیک ٹھاک اضافہ ہوا تھا لیکن جسم فی الحال صرف لمبائی پہ ہی اکتفا کیے ہوئے تھا،چوڑائی کا دور دور تک نام ونشان نہ تھا۔

"بہتر ہیں۔" اس کی نشست و برخاست اور گفتگو میں حویلی کی تربیت کے باعث زمین وآسمان کا فرق آ چکا تھا۔

"اللہ کا شکر ہے۔" شاہ بی بی مطمئن ہوئی تھیں۔ان گزرے سالوں میں عبداللہ کو دمے کا مرض ہو گیا تھا جس کے باعث اس کی طبیعت اکثر نرم گرم سی رہتی تھی۔

"ایسا ہے کہ آج مجھے اور بچیوں کو شہر لے جانا،انھوں نے شادی کے لیے کچھ خریداری کرنی ہے۔" انھوں نے خاندان میں ہونے والی ایک شادی کا حوالہ دیا تو مصطفیٰ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"جی بہتر۔" اس نے جب سے ڈرائیونگ سیکھی تھی یہ ذمہ داری بھی اس پہ آ گئی تھی،کیونکہ شاہ صاحب اور گھر کی خواتین کے لیے اس میں اور صبور شاہ میں کوئی فرق نہ تھا۔یہ الگ بات تھی کہ اس میں اور شہری رنگ ڈھنگ میں جوان ہوتے صبور شاہ میں وقت گزرنے کے ساتھ مالک وملازم والا ایک فاصلہ خود بہ خود آ گیا تھا۔جس میں بہت بڑا ہاتھ بختیار شاہ کا بھی تھا،جوان گزرے ماہ وسال میں غرور اور طاقت کی چلتی پھرتی تصویر بن چکے تھے۔

معصومہ سے شادی کے بعد بڑی حویلی کے سید رجب حسین شاہ اور ان کے تینوں بیٹوں کے رنگ ڈھنگ نے تندخو اور اکھڑ مزاج بختیار شاہ پہ خوب اثر دکھایا تھا۔وہ دنوں میں ہی جاہ وحشمت کے غرور میں ڈوبے ایک روایتی جاگیردار بنتے چلے گئے تھے جس کا اثر صبور شاہ کے کچے ذہن پہ بھی خوب ہوا تھا۔اس کے لیے بھاجی کا اسلحے اور شکار کا شوق،ان کا لوگوں پہ رعب ودبدبہ،گاڑیاں،باڈی گارڈز یہ سب اپنے بابا صاحب کی سادہ طرزِ زندگی کے برعکس بے حد کشش کا باعث تھا۔جن سے مرعوب ہوتے ہوتے وہ خود بھی اسی انداز واطوار میں رنگتا چلا گیا تھا۔اس کی سوچ کیا بدلی کہ بچپن کا دوست مصطفیٰ، بھی بہت خاموشی سے اس کے ملازمین کی صف میں شامل ہو گیا۔

" کتنے بجے تک نکلیں گی؟" اس نے شاہ بی بی کی طرف دیکھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ جواب دیتیں برآمدے کا دروازہ کھول کر سولہ سالہ زرتاب دھپ دھپ کرتی پھپھی کی طرف چلی آئی تھی۔

سرخ اور نارنجی رنگ کے چنری کے سوٹ میں اس کی گوری رنگت دمک رہی تھی۔شانے پہ پڑی بے ترتیب سی چٹیا اس کی کھلنڈری طبیعت کی غماز تھی۔جبکہ ماتھے کے بل اس کا موڈ خراب ہونے کا پتا دے رہے تھے۔نظریں چراتے چراتے بھی مصطفیٰ کا دل بری طرح ڈول گیا تھا۔زرتاب شاہ کے آس پاس رہتے ہوئے وہ کب اسے چاہنے لگا تھا اُسے پتا بھی نہیں چلا تھا۔

"شاہ بی بی!" اس کی خفگی بھری پکار پہ کوثر شاہ نے بھتیجی کی طرف دیکھا تھا۔"اماں جان مجھے نیا سوٹ نہیں لینے دے رہیں۔کہہ رہی ہیں الماری

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

بھری ہوئی ہے ان ہی میں سے کوئی پہنو۔" منہ بسورتے ہوئے اس نے ماں کی شکایت کی۔اس کا منہ لٹکانا ان کے لبوں پہ مسکراہٹ بکھیر گیا۔

"میٹرک کے پرچے دینے والی ہو،مگر اب بھی بچوں کی طرح بات بات پہ منہ لٹکا لیتی ہو۔" ان کی نظروں میں اس کے لیے محبت کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

"تو کیا میٹرک کے پرچے دینے والوں کا دل نہیں دکھتا؟" پھپھی کی اس نرالی منطق پہ اس نے ناراضی سے انھیں دیکھا تو بے اختیار شاہ بی بی ہنس پڑیں جبکہ مصطفیٰ نے اپنی مسکراہٹ چھپانے کو چہرہ جھکا لیا۔زرناب نے غصے سے دونوں کو دیکھا۔

"آپ دونوں ہنس کیوں رہے ہیں؟"

"تیری عقلمندی پہ ہنس رہے ہیں میری جان۔" شاہ بی بی ہنستے ہوئے بولیں تو زرناب کی چھوٹی سی ناک پہ دھرا غصہ دو چند ہو گیا۔

"میں بس شادی پہ ہی نہیں جا رہی۔" وہ خفا خفا سی پلٹی۔

"تمھاری مرضی۔ویسے میں ایک گھنٹے تک مصطفیٰ کے ساتھ شہر کے لیے نکلنے والی ہوں۔" مصطفیٰ کو دیکھتے ہوئے شاہ بی بی شرارت سے مسکرائیں تو وہ بھی کھل کر مسکرا دیا۔ان کی بات نے زرناب کو مصطفیٰ کے ساتھ حساب برابر کرنے کا اچھا موقع دیا۔

"اس چلغوزے کے ساتھ؟" معصومیت سے آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے اس نے مصطفیٰ کی طرف اشارہ کیا تو اس اچانک حملے پہ چلغوزے کی مسکراہٹ اڑنچھو ہو گئی۔

"زرناب۔" شاہ بی بی کے آنکھیں نکالنے پہ وہ کھلکھلا کے ہنسی پڑی۔

"آپ خود دیکھیں بی بی، کیسے چلغوزے کی طرح بالکل سفید اور لمبا سا ہے۔" وہ قل قل کرتی ہنسی کے درمیان مصطفیٰ کو شوخی سے دیکھتے ہوئے بولی تو نہ چاہتے ہوئے بھی شاہ بی بی کی ہنسی چھوٹ گئی۔ان دونوں کو ہنستا دیکھ کر وہ خود بھی جھینپا جھینپا سا ہنس پڑا تھا۔

لان سے آتی ہنسی کی آواز پہ، اپنے کمرے میں ٹہل ٹہل کر بچی کو سلاتی، معصومہ شاہ نے کھڑکی سے باہر جھانکا اور وہاں کا منظر دیکھ کر ان کا منہ کڑوا ہو گیا تھا۔

"میرے خیال میں اب اس لڑکے، مصطفیٰ کا حویلی میں یوں منہ اٹھائے گھومنا بند ہو جانا چاہیے۔" وہ پلٹ کر شوہر کی طرف آتے ہوئے بولیں جو بیڈ پہ نیم دراز سگریٹ پینے میں مشغول تھے۔

"کیوں، کیا ہوا ہے؟"

"کیا مطلب کیا ہوا ہے؟ گھر میں تین تین جوان لڑکیاں نظر نہیں آتیں آپ کو؟" وہ بیڈ کے مقابل آ کھڑی ہوئیں۔

"کیا کریں، بابا صاحب کا پھیلایا ہوا کھڑاگ ہے۔" انھوں نے ناپسندیدگی سے سر جھٹکا۔

"نہ تو آپ کی کوئی حیثیت نہیں؟" ماتھے پہ بل ڈالے انھوں نے بختیار شاہ کی طرف دیکھا۔"بند کریں اس کا یہ اندر باہر پھرنا۔" غصے سے بولتے ہوئے انھوں نے پاس پڑے کاٹ میں گڑیا کو ڈالا۔

گڑیا ان کی پہلی اولاد تھی جو بہت دعاؤں کے بعد اب کہیں جا کے شادی کے چھٹے سال میں ہوئی تھی۔اس دوران انھوں نے بختیار شاہ کو اپنے قابو میں رکھنے کے لیے ماں باپ کے کان میں اپنے چھوٹے بھائی، ہاشم اور زرناب کے رشتے کی بات ڈال دی تھی تا کہ اکلوتی بیٹی کو وٹے سٹے میں دینے کے بعد سفید حویلی والے ان پہ کبھی سوکن لانے کا سوچ بھی نہ سکیں۔کیونکہ خاندانی بیوی کو چھوڑنے کا رواج تو ان میں تھا نہیں البتہ دوسری تیسری شادی عام تھی۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ہاشم شاہ بھی بہن کے اس فیصلے سے خاصا خوش اور مطمئن دکھائی دیتا تھا۔ زرناب سے رشتہ جوڑنے میں اس کے لیے فائدہ ہی فائدہ تھا۔ ایک تو وہ خوبصورت بہت تھی، دوسرا اس سے شادی کے بعد وہ پیر سید نظر حسین شاہ کا اکلوتا داماد بن جاتا جس کی شان اور مرتبے کے سامنے ایک زمانہ سر جھکاتا تھا، اور تیسرا زرناب سے جڑی وہ ساری زمین و جائیداد تھی جو شادی کے بعد اس کی ہو جاتی۔ پھر بھلا اسے اس رشتے پر کیونکر اعتراض ہو سکتا تھا؟

"بلکہ میری مانیں تو زرناب اور ہاشم کا رشتہ طے کرنے والی بات کریں۔ ہاشم کی پڑھائی بھی ختم ہو چکی ہے۔ ابا جی نے اپنی زندگی میں چاچا جی سے اس خواہش کا اظہار کیا تھا اور آج انھیں اس دنیا سے رخصت ہوئے بھی سال ہونے والا ہے۔ مگر چاچا جی نے اس موضوع پہ دوبارہ کوئی بات نہیں کی۔ اب بے جی چاہ رہی ہیں کہ ان سے آ کر ایک بار پھر یہ بات کریں۔" ان کے قریب بیٹھتے ہوئے انھوں نے اپنی ماں کا حوالہ دیا تو وہ خاموش ہو گئے۔

"مجھے نہیں لگتا کہ بابا صاحب اس رشتے کے لیے مانیں گے۔"

"کیوں؟ کیا کمی ہے میرے بھائی میں؟" انھوں نے تنک کر شوہر کو دیکھا۔ "یا پھر زرناب میں کوئی سرخاب کے پر لگے ہیں؟"

"ارے بابا میرے کہنے کا مطلب تھا کہ وہ ابھی چھوٹی ہے۔"

"اب ایسی بھی کوئی چھوٹی نہیں۔" وہ جل کر گویا ہوئیں۔ "لیکن پھر بھی اگر یہ وجہ ہے تو فی الحال صرف نکاح کر دیں۔" بختیار شاہ بے اختیار اک گہری سانس لے کر رہ گئے۔

"تائی جان سے کہو کہ ابھی کچھ عرصہ رک جائیں۔ زرناب اپنے میٹرک کے پرچوں سے فارغ ہو جائے، پھر اس موضوع پہ بات کریں گے۔" انھوں نے سگریٹ ایش ٹرے میں مسلی۔

"کوئی ضرورت نہیں اس کی پڑھائی کو زیادہ اہمیت دینے کی، چاچا جی نے کیا کم سر چڑھا رکھا ہے جو اب آپ بھی ان کے نقشِ قدم پہ چلنے لگے؟" معصومہ نے تیوریاں چڑھاتے ہوئے انھیں دیکھا تو وہ لب بھینچے ایک بار پھر خاموشی اختیار کرنے پہ مجبور ہو گئے۔

☆☆☆

"صدف مجھے بہت گھبراہٹ ہو رہی ہے۔" زرناب نے مقابل کھڑی صدف کو دیکھا جو جلدی جلدی اس کا دوپٹا ٹھیک کر رہی تھی۔ آج حسبِ روایت زوہیب شاہ اپنی فیملی کے ساتھ دعوت پر سفید حویلی آیا ہوا تھا۔ اور اس وقت نیچے زرناب کا انتظار ہو رہا تھا۔

مہمانوں کی آمد سے پہلے صدف کی امی، بی بی حوراں نے شاہ صاحب کی عزت کا واسطہ دے کر بختیار اور صبور شاہ کو مہمانوں سے ملنے کے لیے بڑی مشکل سے راضی کیا تھا، جس پہ معصومہ بیگم دل ہی دل میں خاصی چیں بہ جبیں ہوئی تھیں۔ لیکن شوہر کے خاموشی اختیار کرنے پہ انھوں نے بھی کچھ کہنے سے احتراز ہی کیا تھا۔

"جب اپنے زوہیب صاحب سے ملو گی ناں تو ساری گھبراہٹ اڑنچھو ہو جائے گی تمھاری۔" اس کی طرف دیکھتی وہ شرارت سے مسکرائی تو زرناب بدک کر پیچھے ہٹی۔

"میں نہیں ملنے والی اس سے۔" اس کے چہرے پہ ہوائیاں اڑنے لگیں تو صدف قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔

"ارے بابا مذاق کر رہی ہوں۔ بھلا بھا جی اور صبور کی موجودگی میں ہم تمھاری زوہیب کے ساتھ ملاقات کروا سکتے ہیں؟" اس نے آگے بڑھ کے اس کے دوپٹے پہ پن لگائی تو زرناب نے سکھ کا سانس

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

لیا۔

"بھرجائی کہاں ہیں؟" اس نے معصومہ کی بابت دریافت کیا۔

"جانا کہاں ہے، نیچے سج کے بیٹھی ہیں مہمانوں کے ساتھ۔ آخر رپورٹ نہیں دینی اپنے کمینے گھر والوں کو۔" صدف نے بدمزگی سے کہتے ہوئے زرناب کو دیکھا۔ "قسم سے، تم نے گھر والوں کو، ہاشم کی راستہ روکنے والی حرکت نہ بتا کر بہت بڑی غلطی کی ہے۔"

"وہ ایسی گری ہوئی حرکتیں بہت بار کر چکا ہے۔" زرناب تلخی سے مسکرائی۔

"تمہاری یہی خاموشی اسے مزید شہہ دیتی ہے۔" صدف کی نگاہوں میں خفگی در آئی۔

"اور بتا کر کیا ملے گا؟" زرناب نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا تو لہجے میں ٹوٹے کانچ سی چبھن تھی۔ "میرے سر پہ میرے والد کا سایہ نہیں رہا صدف، اور میرے بھائیوں کی نظروں میں میرا کردار بہت پہلے مشکوک ٹھہرایا جا چکا ہے۔۔ میں اگر سچ بھی بولوں گی ناں تو اس شخص کو اسے جھوٹ بنانے میں لمحہ نہیں لگے گا اور وہ خود مجھ پہ کوئی تہمت بھی دھر دے گا ناں تو ان لوگوں کو اسے سچ ماننے میں کوئی قباحت محسوس نہیں ہوگی، صرف اس لیے کہ میرے محرم میرا سائبان نہیں بن سکے اور یہی میرا المیہ ہے!" اس کی محرومی آنسو بن کر اس کی آواز میں اتر آئی تو صدف کو اپنی غلطی کا احساس شدت سے ہوا۔ اس نے بے اختیار زرناب کو خود سے لگا لیا۔

"مجھے معاف کر دو۔۔۔۔ پتا نہیں کیوں میں سب کچھ جانتے ہوئے بھی یہ بات بھول جاتی ہوں کہ ہمارے اعلا تعلیم یافتہ اور نہایت سمجھدار مردوں کی ساری روشن خیالی اور ساری سمجھداری صرف اپنی ذات تک محدود ہے۔" اس کا بوجھل لہجہ آخر میں تلخ ہو گیا تو زرناب نے اک گہری سانس لیتے ہوئے خود کو سنبھالا۔

"ایسے مت کہو، تمہاری محبت اور خلوص پہ مجھے کبھی بھی شک نہیں رہا۔" دھیرے سے کہتے ہوئے اس نے اپنے آنسو صاف کیے تو صدف نے محبت سے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

"تو بس پھر فوراً سے ہاں کر دو۔ سچ میں بہت ہینڈسم اور ڈیسینٹ بندہ چنا ہے میں نے تمہارے لیے۔" اسے واپس اپنی جون میں لوٹتا دیکھ کر زرناب دھیرے سے مسکرا دی۔

"تم کبھی ہار نہیں مانو گی ناں؟"

"ہار مانیں ہمارے دشمن، جو نیچے بیٹھے جل رہے ہیں۔" وہ ہنستے ہوئے اسے لیے دروازے کی طرف بڑھی تو زرناب بے بسی سے سر ہلاتی اس کے ساتھ چل پڑی۔

صدف کے ہمراہ نیچے آنے پہ زوہیب کی فیملی اس سے بہت محبت اور اپنائیت سے ملی۔ زوہیب چونکہ مردان خانے میں تھا اس لیے چاہ کر بھی زرناب کو دیکھ نہ سکا تھا۔ البتہ چلتے چلتے اس کی بہن اور بھابھی نے صدف اور شفق کے ساتھ مل کر زرناب کی ایک جھلک اسے دکھا دی تھی۔ ان کا یہ چاہت بھرا رویہ ہنسی مذاق معصومہ کے دل پہ چھریاں سی چلا رہا تھا اس پہ مستزاد ان کا پڑھا لکھا اور شہری رکھ رکھاؤ والا انداز، معصومہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ان سب کو اٹھا کر کہیں غائب کر دیں۔

صبور کو بھی مہذب سا زوہیب خاصا پسند آیا تھا۔ بختیار شاہ البتہ مہمانوں کے جاتے ہی بنا کچھ کہے وہاں سے اٹھ گئے تھے۔ ان کی اجنبیت نے ماں کے دل کو ٹھیس سی لگائی تھی جسے محسوس کرتے ہوئے صبور نے انھیں تسلی دی تھی کہ وہ خود زوہیب کے معاملے میں ضروری معلومات کروائے گا۔ اس کے انداز میں در آنے والی یہ لچک کس کی مرہونِ

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

منت تھی، سب جانتے تھے۔ جب ہی اس کے جاتے ہی اماں جان نے صدف کو خود سے لپٹا لیا تھا۔

"نجانے تو میری کس نیکی کا صلہ ہے صدف! اللہ پاک تجھے اپنے بچوں کی ڈھیروں خوشیاں دکھائے۔۔۔ تیرا سہاگ سدا سلامت رہے میری جان۔" اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھامے انھوں نے بے اختیار اس کی پیشانی چوم لی تھی اور معصومہ شاہ کے اندر باہر جیسے آگ سی لگ گئی تھی۔

☆☆☆

اگلی صبح شاہ صاحب کو عبداللہ اور اپنے خاص ملازم کرم دین کے ساتھ شہر کے لیے نکلتا دیکھ کر بختیار شاہ اور معصومہ دونوں ہی چونک گئے تھے۔

"خیر تو ہے بابا صاحب! یہ اچانک آپ کا پروگرام کیسے بن گیا؟" بختیار شاہ نے ان کی طرف دیکھا۔ روانگی سے قبل وہ سب ہی ان کی لینڈ کروزر کے پاس کھڑے تھے۔ شاہ بی بی کا چہرہ بے حد اترا ہوا تھا۔ معصومہ نے بغور پھپھی کا جائزہ لیا۔

"اچانک تو نہیں، کافی دن سے ایک کام نپٹانے کا سوچ رہا تھا۔" وہ اپنے مخصوص ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولے تو بختیار شاہ چونکے۔

"ایسا کون سا کام تھا جو بابا صاحب ان سے کہنے کے بجائے خود کرنے کھڑے ہوئے تھے؟" دل ہی دل میں سوچتے ہوئے انھوں نے بظاہر عام سے لہجے میں دریافت کیا۔

"کیسا کام؟"

"بتاؤں گا۔" وہ نرمی سے ان کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے گاڑی میں سوار ہو گئے تو بختیار شاہ کی الجھن بھری نظریں تب تک گاڑی پہ جمی رہیں جب تک وہ گیٹ سے باہر نہ نکل گئی۔

"یہ چاچا جی اکیلے اکیلے کس کام کو نپٹانا چاہتے ہیں؟" معصومہ شوہر کے قریب آتے ہوئے آہستگی سے بولیں تو وہ بے زاری سے "پتا نہیں" کہتے ہوئے مردان خانے کی طرف بڑھ گئے۔

گاڑی حویلی کا پھاٹک نما گیٹ پار کر کے جوں ہی روڈ پہ آئی پیر سید نظر حسین شاہ نے اک بوجھل سانس لیتے ہوئے اپنی پشت سیٹ سے ٹکا دی۔

"کتنے افسوس کی بات ہے کہ آج میری اولاد ہی میرے لیے قابل بھروسہ نہیں رہی۔" ان کے لہجے کا دکھ ساتھ بیٹھے عبداللہ کو بھی افسردہ کر گیا۔ "میں نے اپنے بختیار کے لیے ہدایت کی بڑی دعائیں کی تھیں عبداللہ، مگر شاید رب کو میرے بیٹوں کے ذریعے میری آزمائش مقصود ہے جب ہی تو صبور بھی اسی کے رنگ میں رنگنے لگا ہے۔" وہ مایوسی سے بولے تو عبداللہ نے احترام سے ان کے گھٹنے کو چھوا۔

"تسی پریشان نہ ہو سرکار۔ اللہ تاڈھیاں دعاواں ضرور قبول کرے گا۔" اس کا دلاسہ ان کی آنکھوں میں اداسی بکھیر گیا۔

"نہیں عبداللہ۔ اللہ ہدایت بھی صرف انھیں دیتا ہے جو خود ہدایت کے طلب گار ہوتے ہیں۔ اور بدقسمتی سے میرے دونوں بیٹے دنیا کے طلب گار نکلے ہیں۔ سو انھیں دنیا ہی ملے گی۔۔۔ یہ نا چراغ تلے اندھیرے والی بات؟" وہ پھیکا سا مسکرائے تو عبداللہ ملول سا خاموش ہو گیا۔

"کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ مصطفیٰ جیسا ایک سلجھا ہوا اور فرمانبردار بچہ میرا بھی ہوتا تو مجھے اس گدی کا مستقبل اتنی مشکل میں نظر نہیں آتا۔۔۔ تم سچ میں اللہ کو بہت پیارے ہو عبداللہ، اس نے نہ صرف تمھیں آج کے اس برائیوں بھرے دور میں اپنی اور اپنے دین کی پہچان کروائی بلکہ تمھیں مصطفیٰ جیسی نیک اولاد بھی عطا کی۔ تم ایک خوش نصیب انسان ہو۔" ان کی بات پہ عبداللہ مسکرا دیا۔

"میرے مقدر اچ اے خوش نصیبی تھاڈی وجہ

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

توں لکھی گئی اے سرکار۔ فیر سوچ لو کہ تھاڈا کی مقام اے۔" اس نے بے پناہ محبت سے ان کا ہاتھ چھوا تو پیر نظر حسین شاہ کو اس کی یہ محبت مزید دل گرفتہ کر گئی۔

"تم سب کی یہی محبتیں تو مجھے تمھارا مقروض کیے دیتی ہیں۔"

"میں نئیں سمجھیا سرکار۔" عبداللہ نے الجھ کر انھیں دیکھا۔

"میرے پاس موجود یہ گدی دراصل تم سب کا بھروسہ ہے جو تم لوگوں کو میری ذات پر ہے۔ یہ میرے آباؤ اجداد کی امانت ہے جو مجھے اپنے سے بھی بڑھ کر نیک اور پرہیزگار بندے کو سونپنی ہے۔ مگر افسوس کہ میرے پاس میری اگلی نسل میں سے ایسا ایک بھی معتبر نام نہیں جس کے حوالے میں اس مقام کو کر کے اپنے رب کے حضور سرخرو ہو سکوں۔" بوجھل لہجے میں کہتے ہوئے وہ لحظہ بھر کو خاموش ہوئے تو عبداللہ کو لگا جیسے وہ کوئی بہت انہونی بات سننے والا ہے۔

وہ سانس روکے شاہ صاحب کو دیکھے گیا جو پل بھر کو کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے شاید خود بھی اپنا حوصلہ مجتمع کر رہے تھے۔

"میں نے اس پیری مریدی کے سلسلے کو یہیں ختم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔" یہ سن کر عبداللہ کے ساتھ ساتھ گاڑی چلاتے کرم دین کو بھی شدید قسم کا جھٹکا لگا تھا۔

"اے کی کہہ رہے او سرکار؟"

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ دنیا داروں کے ہاتھوں میں، دینداری کا یہ منصب انھیں مزید مغرور اور سرکش بنا دے گا۔ اور میں اپنے رب کی عطا کی گئی اس عزت کا غلط استعمال ہوتا نہیں دیکھ سکتا۔۔۔ میں آج اسی لیے شہر جا رہا ہوں کہ وکیل سے مل کے اپنے اس فیصلے کو قانونی وصیت کی شکل دے سکوں تاکہ اگر کل کو مجھے کچھ ہو جائے تو میری اپنی اولاد بھی اس گدی کے معاملے میں من مانی نہ کر سکے۔" وہ خود کو سنبھالتے ہوئے گویا ہوئے تو عبداللہ جیسے تڑپ اٹھا۔

"اللہ نہ کرے سرکار۔ رب آپ کا سایہ ہم پہ قائم رکھے۔" اور پیر سید نظر حسین شاہ اک بھاری سانس لے کر رہ گئے۔

تنِ تنہا اتنا بڑا فیصلہ کرنا ان کے لیے کتنا مشکل امر تھا' یہ وہی جانتے تھے۔ نسل در نسل چلنے والے اس بے حد شان اور مرتبے والے منصب سے نہ صرف ان کے گھرانے کی بلکہ خود ان کی عزت بھی جُڑی تھی، اس کا ختم ہونا خود ان کے لیے بھی باعثِ شرمندگی تھا، مگر وہ بے حد مجبور تھے۔

گھر بھر میں انھوں نے صرف شاہ بی بی کو اپنے اس فیصلے سے آگاہ کیا تھا اور نتائج کی پرواہ کیے بنا شہر چلے آئے تھے۔

تقریباً دو گھنٹوں کی مسافت کے بعد وہ اپنے بنگلے پہ پہنچے تو وکیل پہلے سے ان کا منتظر تھا۔ ان کے فیصلے کو وصیت کی صورت تیار کروا کے وہ اپنے ساتھ لایا تھا۔ بند کمرے میں اس سے ایک تفصیلی ملاقات کے بعد شاہ صاحب نے کاغذات پہ دستخط کیے تھے اور اس باب کو ہمیشہ کے لیے بند کر کے وکیل کو سونپ دیا تھا۔

"عبداللہ۔" وکیل کے جانے کے بعد انہوں نے عبداللہ کو آواز دی۔

"جی سرکار۔"

"گاڑی نکلواؤ۔" اور وہ اثبات میں سر ہلاتا باہر نکل گیا۔ چند لمحوں بعد شاہ صاحب آ کر گاڑی میں بیٹھے تو کرم دین ان کے حکم کا منتظر تھا۔

"گاڑی چلاتے رہو کرم دین، میرا دل بہت بے چین ہے۔" انھوں نے سر سیٹ پہ ڈال دیا۔

بے مقصد سڑکوں پہ گاڑی دوڑاتے انھیں کافی دیر ہو چلی تھی۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ایسے میں ان کی گاڑی ایک سگنل پہ آ کر رکی تو فضا میں زور و شور سے بجتے اونچے اونچے میوزک پہ پیر سید نظر حسین شاہ کی نگاہیں بے اختیار ذرا فاصلے پہ کھڑی کار سے جا ٹکرائیں۔ جس میں سوار نوجوان لڑکے اور لڑکیاں ارد گرد سے بے نیاز میوزک پہ سر دھنتے ہوئے ایک دوسرے میں مگن تھے۔ ان کی نگاہوں میں ناگواری اتر آئی۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ رخ پھیرتے انھیں پچھلی سیٹ پہ بیٹھے دو لڑکوں میں سے ایک پہ اپنے بھتیجے ہاشم شاہ کا گمان ہوا۔

"کرم دین گاڑی آگے کرو ذرا۔" ان کے حکم پہ کرم دین نے گاڑی تھوڑا آگے بڑھائی تو شاہ صاحب کا گمان یقین میں بدل گیا۔ لیکن ہاشم شاہ اپنی بغل میں بیٹھی لڑکی کے ساتھ مصروف تھا کہ اسے چچا کی موجودگی کا احساس بھی نہیں ہوا۔

سید نظر حسین شاہ کی آنکھوں سے غصے میں چنگاریاں سی نکلنے لگیں۔ محض بائیس سال کی عمر میں یہ لڑکا شہر میں جو گل کھلا چکا تھا اس کا انھیں بہ خوبی علم تھا اسی لیے ایک سال قبل جب ان کے بھائی نے ہاشم کے لیے ان کی زرناب کا ہاتھ مانگا تھا تو وہ خاموشی اختیار کر گئے تھے۔ مگر آج اس کے یہ رنگ ڈھنگ اپنی آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد تو ان کا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ اس لڑکے کی شکل بھی دیکھیں۔

"کرم دین، اس شور سے گاڑی آگے نکالو۔" ان کے تنے ہوئے لہجے پہ کرم دین گھبرا گیا۔ تب ہی خوش قسمتی سے سگنل کھل گیا تھا۔ کرم دین نے سکھ کا سانس لیتے ہوئے ایکسیلیٹر پہ دباؤ بڑھا دیا تھا۔

☆☆☆

سیف علی جنگ کو نور والاں آئے آج چوتھا دن تھا۔ صبور شاہ سے تھانے میں ہونے والی ملاقات کے بعد سفید حویلی والوں نے دوبارہ اس سے رابطہ نہیں کیا تھا جو اس کے لیے زیادہ چوکس رہنے کا سگنل تھا۔ کیونکہ جتنی معلومات وہ ان کے بارے میں رکھتا تھا اس کے مطابق وہ اسے اتنی آسانی سے اپنی راجدھانی میں مداخلت کی اجازت نہیں دینے والے تھے۔ البتہ بڑی حویلی والے حاذق شاہ اپنے چند بندوں کے ساتھ اس سے ملنے آئے تھے۔ بظاہر تو انھوں نے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی لیکن سیف جانتا تھا کہ طاقت کے معاملے وہ سب ہی ایک تھے اسی لیے وہ ان میں سے کسی پر بھی بھروسہ کرنے کی غلطی نہیں کر سکتا تھا۔

"السلام علیکم بابا!" وہ اپنے معمول کے مطابق صبح تیار ہو رہا تھا تو کمرے میں اس کا موبائل بج اٹھا۔ اسکرین پہ "بابا" جگمگاتا دیکھ کر اس نے فوراً کال ریسیو کی تھی۔

"وعلیکم السلام۔ کیسے ہو میرے شیر؟" دوسری طرف سے عثمان علی جنگ کی بشاش آواز آئی تو وہ بے اختیار مسکرا دیا۔

"بالکل ٹھیک۔ آپ سنائیں؟"

"میں تو ٹھیک ہوں لیکن تمھاری ماں اداس ہے۔"

"جانتا ہوں۔" اس کی مسکراہٹ پھیکی پڑ گئی۔ "آپ انھیں سمجھاتے رہا کریں۔"

"جس ماں کا دل اپنی اولاد کا غم سہہ چکا ہو اسے سمجھانا اتنا آسان نہیں ہوتا۔" وہ دھیرے سے بولے تو سیف ملول سا خاموش ہو گیا۔

"ان لوگوں نے دوبارہ رابطہ تو نہیں کیا؟" لمحے کے توقف کے بعد عثمان صاحب نے پوچھا۔

"نہیں۔" وہ قدم اٹھاتا کھڑکی میں آ کھڑا ہوا۔ نور والاں کی حدود سے ذرا باہر یہ خوبصورت بنگلہ اور مقامی ملازمین اسے گورنمنٹ کی جانب سے دیے گئے تھے۔

"اس کی کوئی خیر خبر؟" انھوں نے مبہم سا سوال کیا تو سیف کے اندر جیسے اک ہوک سی اٹھی۔

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

"نہیں۔"

"اللہ تمھاری مدد کرے۔اپنا بہت خیال رکھنا بیٹا۔" محبت سے کہتے ہوئے انھوں نے فون بند کر دیا تو سیف علی ان کی دعاؤں کے حصار کو محسوس کرتا اک گہری سانس لے کر رہ گیا۔

تیار ہو کر وہ ناشتے کی میز پر آیا تو معمول کے برعکس یونیفارم کے بجائے سفید شلوار قمیص میں تھا۔اسے کرسی سنبھالتا دیکھ کر ملازمہ مستعدی سے اس کے آگے ناشتہ لگانے لگی۔

سیف نے ایک توصیفی نگاہ اپنے سامنے سلیقے سے لگائی گئی میز پہ ڈالی اور ہاتھ بڑھا کر آملیٹ کی پلیٹ اٹھالی۔

"شمیم!"

"جی صاحب جی۔" ملازمہ نے چائے انڈیلتے ہوئے سر اٹھایا۔

"تم نے یہاں سے پہلے کہیں اور بھی کام کیا ہے کیا؟" سیف نے آملیٹ کا ٹکڑا کاٹا۔مزیدار مہک نے اس کی بھوک بڑھادی تھی۔

"جی سفید حویلی میں ہوتی تھی میں۔" اور سیف کا ہاتھ اپنی جگہ پہ پل بھر کو ساکت ہو گیا۔

"ا۔اچھا۔" شمیم نے چائے کا کپ بنا کر اس کے سامنے رکھتے ہوئے دزدیدہ نظروں سے اسے دیکھا جو اچانک ہی خاموش ہو گیا تھا۔

"ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا ہے صاحب جی۔" اسے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا دیکھ کر وہ دھیرے سے بولی تو سیف نے اک گہری سانس لیتے ہوئے چائے کا کپ اٹھا لیا۔

"کتنا عرصہ کام کیا ہے تم نے وہاں؟" اس نے ملازمہ کی طرف دیکھا۔

"ہماری تو ساری عمر ہی حویلی میں آتے جاتے گزری ہے جی۔یہ تو امجد کی سرکاری ملازمت کی وجہ سے مجھے اس کے ساتھ یہاں آنا پڑا ہے۔" اس نے اپنے شوہر کا نام لیا تو سیف نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کپ نیچے رکھ دیا۔

"کون کون ہوتا ہے حویلی میں؟"

"وڈے شاہ صاحب کا تو کافی سال پہلے انتقال ہو چکا ہے۔اب ان کے بیٹے، پوترے پوتریاں (پوتے پوتیاں) اور بیبیاں ہی ہوتی ہیں۔" وہ روانی سے بولی۔سیف محض ہنکارا بھر کر رہ گیا۔کمرے میں ایک پل کو خاموشی چھا گئی۔

"شاہ صاحب کے سارے بچے شادی شدہ ہیں؟" چند لمحوں کے توقف کے بعد اس نے اگلا سوال کیا تو شمیم نے قدرے ٹھٹک کر اس کی طرف دیکھا۔اس کا انداز سیف کو مسکرانے پہ مجبور کر گیا۔

"فکر مت کرو' یوں ہی پوچھ رہا ہوں۔" اور شمیم بے چاری اپنی چوری پکڑی جانے پہ شرمندہ ہو گئی۔

"جی جی دونوں بیٹے شادی شدہ ہیں بس ایک بیٹی رہ گئی ہیں۔" وہ خفت زدہ سی جلدی سے بولی تو سیف لب دبائے نظریں جھکا گیا۔

"یہ سب چیزیں اٹھالو۔میں صرف چائے لوں گا۔" دھیرے سے کہتے ہوئے اس نے کپ اٹھا لیا تو شمیم خاموشی سے میز سمیٹنے لگی حالانکہ تھوڑی دیر پہلے اس نے صاحب جی کو آملیٹ کی پلیٹ اٹھاتے دیکھا تھا مگر وہ کیا کہہ سکتی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ اپنا والٹ، موبائل اور سن گلاسز لیے باہر پورچ میں آیا تو ڈرائیور اس کا منتظر تھا۔

"میں آج خود ڈرائیو کروں گا رفاقت۔" اس کی بات پہ ڈرائیور نے چابی اس کے حوالے کر دی تھی۔سیف نے گاڑی اسٹارٹ کی تھی اور اگلے ہی لمحے کھلے گیٹ سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

اس نے نیند میں بے چینی سے پہلو بدلا تھا۔مگر اندر پھیلتا عجیب سا احساس بڑھنے لگا تھا، یہاں تک

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کہ وہ سینے پہ ہاتھ رکھے ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی تھی۔
وہ اس گھبراہٹ سے نجات حاصل کرنے کے لیے بستر سے باہر نکل آئی تھی۔ کھڑکی سے پردے ہٹاتے ہوئے اس نے گہرے گہرے سانس لیے تھے۔ چند لمحوں بعد گھبراہٹ میں کچھ کمی ہوئی تو وہ وہیں کھڑی ہو کے خود کو پرسکون کرنے لگی۔ اس کی بے چین نگاہیں اردگرد سے ہوتی نیچے لان کے وسط میں رکھی کرسیوں پہ پڑیں تو جیسے ٹھہر سی گئیں۔ اس کے پیارے بابا صاحب کا پرنور چہرہ اس کی نظروں کے سامنے آن ٹھہرا، جو روز صبح یہاں بیٹھ کے اخبار پڑھا کرتے تھے۔
وہ بڑی سی چادر میں اپنا وجود چھپائے نیچے چلی آئی جہاں ہال میں شاہ بی بی کے ساتھ اماں جان بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔
"السلام علیکم۔"
"وعلیکم السلام۔" دونوں خواتین نے بیک وقت زرناب کی طرف دیکھا اور اسے چادر میں لپٹا دیکھ کے دونوں ہی چونک گئیں۔
"خیر تو ہے بیٹا' یہ چادر کیوں اوڑھ رکھی ہے؟" بی بی نور بانو کی آنکھوں میں پریشانی در آئی۔
"اماں جان! میں قبرستان جانا چاہتی ہوں۔" وہ دھیرے سے بولتی ان کے قریب آ بیٹھی تو شاہ بی بی نے متفکر انداز میں اس کا چہرہ دیکھا۔
" کیا ہوا میری جان! طبیعت تو ٹھیک ہے؟" ان کے پیار سے پوچھنے پہ اس کا دل بھر آیا۔
" پتا نہیں کیوں لیکن میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی تو اس کا رونا دونوں کو پریشان کر گیا۔ شاہ بی بی نے بے اختیار اس کی پشت سہلاتے ہوئے بھاوج کی طرف دیکھا جن کا اپنا چہرہ یک لخت اتر گیا تھا۔
"اچھا' میں ابھی کرم دین سے کہتی ہوں۔ تم پریشان مت ہو۔" ان کے اٹھنے پہ زرناب نے اپنی آنکھیں صاف کیں۔
" آپ چلیں گی؟" اس نے ماں کی طرف دیکھا۔
" نہیں۔ تم تنہائی میں جی بھر کے اپنے بابا صاحب سے باتیں کر لینا۔" انھوں نے پیار سے اس کا چہرہ چھوا۔
وہ جانتی تھیں کہ زرناب آج کل کتنی الجھی ہوئی تھی۔ ان کی بات پہ وہ اک گہری سانس لیتی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور پھر فضلی کو آواز دیتی باہر نکل آئی تھی جہاں شاہ بی بی کے حکم پہ کرم دین چاچا اس کے لیے گاڑی نکلوا رہے تھے۔ وہ بے تابی سے چلتی گاڑی میں جا بیٹھی تھی۔

☆☆☆

سرمئی بادلوں نے دیکھتے ہی دیکھتے پورے آسمان کو ڈھک لیا تھا۔ گھنگھور گھٹائیں زور و شور سے نور والا پہ برسنے کو تیار تھیں۔
"رب خیر کرے۔ شاہ جی سفر پہ گئے ہوئے ہیں۔" موسم کے بدلتے تیور بی بی نور بانو کو پریشان کر گئے تھے۔
وقت زرناب اور صدف داخلی دروازہ کھول کے تیزی سے باہر آئی تھیں۔
"اماں جان، مصطفیٰ سے کہہ کے ہمیں پچھلے باغ میں جھولا ڈلوا دیں۔" زرناب کی فرمائش پہ بی بی نور بانو نے اسے یوں دیکھا جیسے اس کا دماغ چل گیا ہو۔
"مت تو نہیں ماری گئی؟ میں اس موسم میں اس غریب کو کہاں باندر (بندر) بنا کے درخت پہ چڑھا دوں۔" انھوں بیٹی کو گھر کا تو زرناب کی چنچل ہنسی بے اختیار کھنک اٹھی۔
"وہ بنا بنایا "باندر" ہے اماں جان، چاہے درخت پہ چڑھے یا نہ چڑھے۔" اس نے ہنستے ہوئے صدف کو دیکھا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

بی بی نور بانو نے بہ مشکل تمام اپنی مسکراہٹ کا گلا گھونٹتے ہوئے آنکھیں نکالیں۔

"کس طرح زبان چلنے لگی ہے۔" مگر وہ ان کے گھورنے کی پرواہ کیے بنا برآمدے کی سیڑھیاں پھلانگ گئی۔

"میں خود اس سے کہتی ہوں۔"

"خبردار زرناب!" انھوں نے بے اختیار اسے روکا مگر وہ ہنستی ہوئی یہ جا وہ جا۔ اور پھر اگلے پندرہ منٹ میں مصطفیٰ موٹا سا رسا ہاتھ میں لیے زرناب بی بی کے حکم پہ، ہوا کے دوش پر جھولتے آم کے درخت پہ چڑھا' اپنی ہڈیوں کی خیر کی دعا مانگ رہا تھا۔

"اُس والی شاخ پہ ڈالو رسی۔ وہ زیادہ اونچی ہے۔" اسے ایک قریبی شاخ پہ رسی اچھالتے دیکھ کر زرناب نے ناقدانہ نظروں سے درخت کا جائزہ لیا تو مصطفیٰ نے رک کر اسے گھورا۔

"میں نہیں اتنی اوپر چڑھنے والا۔ اتنی تیز ہوا ہے یہاں۔"

"جان کتنی پیاری ہے تمھیں چلغوزے۔" زرناب کی آنکھوں میں شرارت اتر آئی۔

"کیوں آپ کو نہیں ہے کیا؟" وہ تپ کر بولا تو اس کے جلے بھنے انداز پہ زرناب ہنستی چلی گئی۔

ڈولتے پھولوں کے پس منظر میں اس کی ہنسی کا جلترنگ مصطفیٰ عبداللہ کو ایک لمحے کے لیے مبہوت کر گیا۔ وہ ایک ٹک اسے دیکھے چلا گیا۔ اس کا آنچل اور زلفیں ہوا کے دوش پر اڑتی اسے کسی اپسرا کا روپ دے رہی تھیں۔ اسی لمحے بادل زور سے گرجے تھے اور کن من برستی بوندیں تیز ہوگئی تھیں۔ زرناب نے گھبرا کے اسے پکارا تھا۔

"مصطفیٰ! نیچے آجاؤ۔"

"اور آپ کا جھولا؟" اس نے پلٹ کر نیچے دیکھا تھا۔

"چھوڑو اسے۔" اس کی بات پہ مصطفیٰ نے ہاتھ میں پکڑی رسی نیچے چھوڑ دی تھی اور احتیاط سے واپس اترنے لگا تھا۔ مگر بارش اتنی تیز ہوگئی تھی کہ اس کے لیے اپنے قدم جمانا حقیقتاً مشکل ہو گیا تھا۔ زرناب بھیگنے کی پرواہ کیے بنا پریشانی سے منہ اٹھائے اسے دیکھ رہی تھی۔ اپنی غلطی کا احساس اسے بہت شدت سے ہوا تھا۔

"آرام سے۔" اسے چند فٹ کے فاصلے پہ آتا دیکھ کے زرناب نے سکون کا سانس لیا تھا۔"

"میرا ہاتھ پکڑ لو۔" وہ سرعت سے آگے بڑھی تھی۔ اس کا یہ عمل قطعی غیر ارادی تھا مصطفیٰ نے بھی بے دھیانی میں اس کا بڑھا ہوا ہاتھ تھاما تھا اور چھلانگ لگا دی تھی۔ گیلی گھاس پہ اس کا پاؤں صحیح سے نہ پڑا اور وہ گرتے گرتے بچا۔ زرناب نے گھبرا کر دونوں ہاتھوں سے اس کا بازو تھاما۔

"تم ٹھیک تو ہو؟" اس نے مصطفیٰ کی طرف جھکتے ہوئے پوچھا۔

تب ہی معصومہ، راہداری کا دروازہ کھول کے اپنے دھیان میں پچھلے برآمدے میں آئی تھیں لیکن جونہی ان کی نظر سامنے کو اٹھی' وہ اپنی جگہ پہ ساکت رہ گئی تھیں۔

"کیا ہو رہا ہے یہ؟" وہ اتنی زور سے چلائیں تو دونوں اس اچانک افتاد پہ بری طرح حواس باختہ ہوگئے۔

"کچھ نہیں بھرجائی۔ میں جھولا ڈلوا رہی تھی۔" سرعت سے مصطفیٰ کا بازو چھوڑ کے وہ پیچھے ہٹی تو معصومہ اسے شعلے برساتی نگاہوں سے گھورتی دندناتی ہوئی ان کے سر پہ آ پہنچیں۔

"اس کی کا بازو پکڑ کے تم جھولا ڈلوا رہی تھی یا جھول رہی تھیں؟" وہ طنزیہ لہجے میں بولیں تو زرناب مارے شرمندگی کے زمین میں گڑ گئی۔

"بھرجائی، یہ آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں؟" اس کا چہرہ احساسِ توہین سے جل اٹھا تھا۔ جبکہ مصطفیٰ کی کاٹو تو بدن میں لہو نہیں والی کیفیت

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ہو گئی تھی۔

"بی بی صاحبہ! آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ میرا پاؤں۔۔۔"

"چپ کر اوئے!" معصومہ نے حقارت سے اس کی بات کاٹ ڈالی۔ "میں تجھ جیسے بدذاتوں کی نیت اچھی طرح جانتی ہوں۔ موقع پرست کہیں کے۔ دفع ہو یہاں سے!"

زرناب شاہ کی آنکھوں سے آنسو قطروں کی صورت بہہ نکلے تھے۔ مصطفیٰ کا خون اس کی کنپٹیوں میں ٹھوکریں مارنے لگا تھا۔ اس درجہ ذلیل کرتا انداز اور ایسے گھٹیا الزام پہ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس عورت کا منہ توڑ دے۔ ایک کھولتی نظر معصومہ شاہ پہ ڈالتے ہوئے اس نے زرناب کی آنسوؤں بھری آنکھوں کی طرف دیکھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا تھا۔

اس کے جاتے ہی معصومہ کی توپوں کا رخ پوری طرح زرناب کی طرف ہو گیا تھا۔ جو بے آواز رو رہی تھی۔

"بڑا رونا آ رہا ہے اپنے اس سگے کے لیے؟" ان کے استہزائیہ انداز پہ اس کے لیے مزید وہاں کھڑے رہنا ممکن نہ رہا تھا۔ وہ ایک جھٹکے سے پلٹی تھی اور آگے بڑھی تھی لیکن اگلے ہی پل اس کی کلائی معصومہ کے ہاتھ میں آ گئی تھی۔

"اپنی جوانی سنبھالو بی بی، ورنہ تمہارے کرتوت تمہارے باپ بھائیوں تک پہنچانے میں مجھے زیادہ دیر نہیں لگے گی!" کاٹ دار لہجے میں اپنی بات مکمل کرتی وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر اندر کی جانب بڑھ گئی تھیں اور زرناب چند لمحوں کی بے یقینی کے بعد دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کے رو پڑی تھی۔

☆☆☆

سیف علی جنگ کی گاڑی دھول اڑاتی قبرستان کے سامنے آ رکی تو وہاں کا چوکیدار ایک انجان چہرے کو دیکھ کے اس کے قریب چلا آیا، لیکن جب اسے معلوم ہوا کہ وہ ان کے علاقے کا نیا اے ایس پی ہے تو وہ بڑی خوش اخلاقی سے بولا۔

"بسم اللہ جی۔۔۔ بڑی خوشی ہوئی سرکار تھاڈے نال مل کے۔" (آپ سے مل کے بہت خوشی ہوئی سرکار) اس نے نیازمندانہ انداز میں اس کا ہاتھ تھاما۔ سیف نے مسکراتے ہوئے اس کا شانہ تھپتھپایا۔

"یہ گاڑی کس کی ہے؟" وہ آگے بڑھا تو نظر درخت کے نیچے کھڑی پراڈو سے جا ٹکرائی۔

"سفید حویلی دی سرکار۔۔۔ بی بی صاحب ہوراں آئے نے۔" (حویلی کی سرکار۔۔۔ بی بی صاحبہ آئی ہوئی ہیں) اس کے جواب پہ سیف لحظے بھر کو ٹھٹکا اور پھر اثبات میں سر ہلاتا اندر کی جانب چلنے لگا۔ ناچار گامے چوکیدار کو بھی اس کے ساتھ چلنا پڑا۔

"صاحب جی تسی ایتھے (قبرستان) کس طرح تشریف لیائے او۔ میرا مطلب اے کوئی عزیز رشتے دار۔۔۔" (صاحب جی آپ یہاں کیسے تشریف لائے ہیں۔ میرا مطلب ہے کوئی عزیز رشتے دار۔۔۔) وہ جھجک کے چپ ہوا تو سیف نے اک گہری سانس لی۔

"نہیں۔ میں یہاں شاہ صاحب کے مزار پہ فاتحہ کے لیے آیا ہوں۔"

"اوا چھا اچھا۔ یعنی تسی وی اوناں دے عقیدت منداں چوں او۔" (یعنی آپ بھی ان کے عقیدت مندوں میں سے ہیں) وہ خوش ہوا۔

"لیکن تانوں تھوڑا انتظار کرنا پئے گا۔ اندر بی بی صاحب نے۔" وہ اسے لیے پیپل کے گھنے پیڑ تلے لے آیا، جہاں چارپائی بچھی تھی۔ "تسی تشریف رکھو۔ میں تھاڈے واسطے لسی لے کے آنا آں۔" سیف کے منع کرنے کے باوجود وہ بصد

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

اصرار اپنے گھر کی طرف بڑھ گیا تو اس نے دور نظر آتے گنبد کی طرف دیکھا۔یقیناً یہی شاہ صاحب کا مزار تھا۔اس نے رک کر چند لمحوں تک چوکیدار کا انتظار کیا مگر جب وہ نہیں آیا تو وہ خود ہی اس طرف چل پڑا۔

اردگرد اسے کوئی بھی نظر نہیں آیا۔" شاید حویلی والے چلے گئے ہوں۔" یہی سوچتے ہوئے وہ آگے بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ مزار کا محراب دار دروازہ اس کے سامنے آموجود ہوا۔دلگرفتی سے اس آخری آرام گاہ پہ نظر ڈالتے ہوئے اس نے اپنے پاؤں پشاوری چپل کی قید سے آزاد کیے اور سفید ماربل کے فرش پہ قدم اٹھاتا آگے بڑھنے لگا۔لیکن مزار کے دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی وہ ٹھٹھک کر رک گیا۔ہال کے وسط میں نیچے زمین پہ کالی چادر میں لپٹا ایک نسوانی وجود ،اپنی پیشانی ھٹنوں پہ ٹکائے ،اردگرد سے بے نیاز بیٹھا تھا۔

" کون ہیں آپ؟اور اندر کیسے آئے ہیں؟"اسے دیکھ کر ایک طرف بیٹھی فضلی سُرعت سے اٹھی تھی۔اس کی آواز سے زرناب بھی جیسے خود میں لوٹ آئی تھی۔ایک جھٹکے سے سر اٹھاتے ہوئے اس نے دروازے کی سمت دیکھا اور سیف علی جنگ پلکیں جھپکنا بھول گیا تھا۔

" باہر جائیں!دیکھ نہیں رہے بی بی صاحبہ بیٹھی ہیں۔" فضلی تیوریاں چڑھائے اس کی جانب بڑھی تھی۔اسے ایک ٹک اپنی جانب تکتا دیکھ کر زرناب نے ناگواری سے رخ موڑلیا تھا۔

"میں آپ سے بات کررہی ہوں!" فضلی اس کے سامنے آکھڑی ہوئی لیکن سیف تو جیسے کسی خواب کی سی کیفیت میں تھا۔"میں ابھی مردوں کو بلواتی ہوں۔شاید آپ کو پتا نہیں کہ یہ بختیار شاہ کی بہن ہیں۔"

"چھوڑدو فضلی!"زرناب کی آواز پہ فضیلت نے تیزی سے اس کی طرف دیکھا جو دروازے کی جانب پشت کیے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔اپنا چہرہ نقاب کی اوٹ میں کرتے ہوئے وہ پلٹی اور سیف کی طرف ایک نگاہ غلط ڈالے بنا مضبوط قدموں سے چلتی ہوئی دروازے کی جانب آئی۔سیف علی جنگ کو اپنی دھڑکنوں میں ارتعاش سا برپا ہوتا محسوس ہوا تھا۔

"راستے سے ہٹیں۔"اس سے قدرے فاصلے پہ رکتے ہوئے اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔سیف کی نظریں اس کی جھکی پلکوں پہ ٹھہری گئیں۔

"میں نے کہا' راستے سے ہٹیں!"غصے سے اپنی بات دہراتے ہوئے زرناب نے ایک پل کو اپنی شعلے برساتی آنکھیں اس کی نیلی آنکھوں میں ڈال دیں تو سیف علی کے لیے اپنی خوش بختی پہ یقین کرنا مشکل ہو گیا۔خود کو سنبھالتا ہوا وہ ایک طرف کو ہوا تو زرناب لب بھینچے ،ہوا کے جھونکے کی طرح اس کے پاس سے گزر کر باہر نکل گئی۔اور پیچھے وہ سحر زدہ سا کھڑا اسے دیکھتا رہا۔یہاں تک کہ زرناب چلتی ہوئی اس کی نظروں سے غائب ہوگئی۔

☆☆☆

معصومہ کی تذلیل نے اس کے اندر جو آگ بھڑکائی تھی،اس کی تپش سے اس کا چہرہ انگارے کی طرح دہک رہا تھا۔

اپنا غبار اردگرد کی چیزوں پہ نکال لینے کے بعد جب دماغ تھوڑا ٹھنڈا ہوا تو اسے زرناب کا خیال آیا۔کتنے برے طریقے سے رو رہی تھی وہ،اور کتنی گری ہوئی بات معصومہ نے ان دونوں کے حوالے سے کی تھی۔وہ تو زرناب شاہ کے سامنے نگاہ اٹھانے کے قابل نہیں رہا تھا۔زرناب سے اس کی محبت ایک ایسی اٹل حقیقت تھی جسے مصطفی نے کبھی جھٹلانے کی کوشش نہیں کی تھی مگر جسے پانے کا خواب اس نے اس ناسمجھی کی عمر میں بھی نہیں دیکھا تھا۔

زرناب شاہ کی عزت وہ خود پہ فرض سمجھتا تھا،وہ

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

اس ہستی کی بیٹی تھی جنھوں نے اسے دین و دنیا کی بھلائی سے آشنا کروایا تھا۔ جو اس کے صرف محسن ہی نہیں بلکہ اس کے روحانی باپ بھی تھے۔ پھر بھلا وہ ان کی عزت کی طرف نگاہ اٹھانے کی گستاخی کیسے کر سکتا تھا؟ وہ اپنے اور زرناب کے مقام کو بہ خوبی سمجھتا تھا اسی لیے آج معصومہ کے رکیک الزام نے اسے اپنی ہی نظروں میں گرادیا تھا۔ وہ اس حد تک شرمندگی محسوس کر رہا تھا کہ اس کی آنکھیں مارے بے بسی کے بھر آئی تھیں۔

ادھر زرناب بھی اپنے کمرے میں بیٹھی زار و زار رو رہی تھی۔ صدف اور شفق اس سے پوچھ پوچھ کر تھک گئی تھیں۔ اور بالآخر جا کے شاہ بی بی کو بلا لائی تھیں جو اسے یوں آنسو بہاتا دیکھ کر پریشان ہو گئی تھیں۔

"زری، کیا ہوا بیٹا؟" اس کا چہرہ اونچا کرتے ہوئے انھوں نے پیار سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا تو وہ ان کے سینے سے جا لگی۔

"بس۔ بس میرا بچہ۔" وہ اسے خود میں سمیٹے سہلانے لگیں۔ "کوئی بات ہوئی ہے کیا؟" انھوں نے صدف اور شفق کی طرف دیکھا۔

"پتا نہیں بی بی، یہ تو مصطفیٰ سے پیچھے جھولا ڈلوا رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اندر آئی تو رو رہی تھی۔" صدف کی بات پہ شاہ بی بی نے اسے زبردستی خود سے الگ کیا۔

"مصطفیٰ سے لڑائی ہوئی ہے کیا؟" انھوں نے اس کی ٹھوڑی اوپر کی تو پل بھر کی ہچکچاہٹ کے بعد زرناب کا سر اثبات میں ہل گیا۔

وہ معصومہ کی آخری دھمکی سے اتنا خوف زدہ ہو گئی تھی کہ اسے لگ رہا تھا کہ اگر اس نے معصومہ کی شکایت کسی سے کی تو وہ بدلے میں یہ جھوٹا قصہ سب کو سنا دے گی جس کے بعد کا تو محض تصور ہی اس کے لیے سوہانِ روح تھا۔

"حد ہوتی ہے۔" شاہ بی بی نے مسکراتے ہوئے اس کے آنسو صاف کیے۔ صدف اور شفق نے بھی اطمینان کا سانس لیا۔

"چلو اب چل کر کھانا کھائیں۔۔۔ پاگل نہ ہو تو۔" انھوں نے زبردستی اسے اٹھایا تو وہ پھپھی کے ساتھ چلتی نیچے چلی آئی جہاں ہال میں دسترخوان پہ معمول کے مطابق دوپہر کے اس وقت صرف گھر کی خواتین ہی تھیں۔ معصومہ کو خاموشی سے کھانا کھاتا دیکھ کر زرناب نے بے اختیار سکون کا سانس لیا تھا۔

اس روز شاہ صاحب کی شہر سے واپسی رات گئے ہوئی تھی۔ اگلی صبح وہ بے حد ملول سے تھے۔ گھر میں ایک صرف شاہ بی بی تھیں جو اپنے بھائی کی کیفیت سے واقف تھیں۔ اپنی جدی پشتی گدی کو آگے نہ بڑھانے کا فیصلہ، کتنا بڑا اور تکلیف دہ تھا' یہ کوثر شاہ سے بہتر بھلا کون جان سکتا تھا، جن کی آنکھ پیروں کے گھرانے میں کھلی تھی اور جنھوں نے ایک زمانے کو

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

اپنے باپ دادا کی عزت کرتے دیکھا تھا۔مگر پیر نظر حسین شاہ بھی اپنی جگہ پہ بالکل درست تھے۔اس نام مقام کی حرمت پہ انگلیاں اٹھوانے سے بہتر تھا کہ وہ اس سلسلے کو باعزت طریقے سے ختم کر دیتے تاکہ ان کے گھرانے کے عقیدت مند جب بھی ان کے بزرگوں کا نام لیں تو کم از کم اسی ادب اور محبت سے لیں جیسا کہ وہ ہمیشہ سے لیتے آئے تھے۔

ابھی بھی وہ دونوں بہن بھائی اسی موضوع پر بات کررہے تھے۔جب ملازمہ نے آکر بڑی حویلی والوں کی آمد کا بتایا۔خود کو سنبھالتے شاہ صاحب حجرے سے نکل کر ہال میں آئے تو آگے پھلوں اور مٹھائیوں کے ٹوکروں سے لدی اپنی بھابی، بھتیجوں اوران کی بہوؤں کو دیکھ کر وہ ایک لمحے کے لیے حیران رہ گئے۔ایسی ہی حیرت بی بی نور بانو، بی بی حوراں اور صبور شاہ کے چہروں پر بھی تھی، جو آج صبح ہی شہر سے آیا تھا۔ایک صرف معصومہ اور بختیار شاہ تھے جن کے کی آنکھوں میں ایسا کوئی حیرت بھرا تاثر نہ تھا۔

"خیر تو ہے بھرجائی، یہ آپ اتنی چیزیں کیوں لے کر آئی ہیں؟" سلام دعا کے بعد پیر نظر حسین شاہ نے نشست سنبھالی تو اپنے ساتھ ساتھ باقی سب کے دل کی بات بھی پوچھ ڈالی۔بی بی نرجس کے لبوں پہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تم سے اپنی گھر کی خوشی لینے آئی ہوں میرے ویر۔زرناب کو میرے ہاشم کی دلہن بنا کے میرے آنگن میں روشنی کر دو نظر۔تم جانتے ہو! یہ صرف میری ہی نہیں تمھارے مرحوم بھائی کی بھی خواہش تھی۔" رسان سے کہتے ہوئے انھوں نے شاہ صاحب کی طرف دیکھا تو ایک لمحے کے لیے ہر طرف خاموشی چھا گئی۔

بی بی نور بانو نے اُڑی رنگت کے ساتھ شاہ بی بی کو دیکھا جو خود بھی لب بھینچے بڑی بھابی کو تک رہی تھیں۔اپنی معصوم سی زرناب کے لیے، بڑی حویلی کا تنگ اور سازشوں سے بھرا ماحول ان میں سے کسی کو بھی پسند نہ تھا۔اوپر سے معصومہ جیسی تیز طرار کے ساتھ وٹے سٹے کے رشتے میں بندھنا،ایک ایسا عذاب تھا جس میں وہ کسی قیمت پہ زرناب کو جھونکنا نہیں چاہتی تھیں۔

"معافی چاہتا ہوں بھرجائی مگر میں آپ کی یہ خواہش پوری نہیں کرسکتا۔" چند لمحوں کے توقف کے بعد پیر نظر حسین شاہ کی ٹھہری ہوئی آواز ہال میں ابھری تو تمام حاضرینِ محفل پہ گویا سکتہ طاری ہوگیا۔

"کیوں نہیں کر سکتے؟ آخر کس چیز کی کمی ہے میرے ہاشم میں؟ کیا وہ پڑھا لکھا نہیں،صاحب جائیداد نہیں یا تمھارا خون نہیں؟"

بی بی نرجس نے بڑی مشکل سے اپنی ناگواری پہ قابو پایا تھا۔

"وہ صاحب کردار نہیں۔" شاہ صاحب سرد لہجے میں بولے تو سب چپ کے چپ رہ گئے۔

"میں آج تک صرف اس لیے خاموش تھا کہ باتیں صرف سننے اور سنانے کی حد تک محدود تھیں۔لیکن کل جس طرح میں نے اس لڑکے کو بے حجابانہ لڑکیوں کے ساتھ سڑکوں پر آوارہ گردی کرتے دیکھا ہے،میرے لیے اس بات کا اندازہ لگانا مشکل نہیں رہا کہ ہاشم کے رنگ ڈھنگ کیا ہیں۔"

"ہاں تو اس میں کون سی غلط بات ہے۔"

بی نرجس سٹپٹا کر سنبھلیں۔"جب شہری یونیورسٹیوں میں لڑکیوں کے ساتھ پڑھیں گے تو نال (ایک ساتھ) اٹھنا بیٹھنا تو ہوگا ہی۔"

"اور اس کی شراب نوشی کے بارے میں کیا کہیں گی بھرجائی؟" انھوں نے سپاٹ نظروں سے بی بی کی طرف دیکھا تو وہ ساکت رہ گئیں۔پیر نظر حسین شاہ یقیناً اتنے بے خبر نہیں تھے جتنا کہ وہ انھیں سمجھنے کی غلطی کر بیٹھی تھیں۔

"یہ ہمارے ہاشم پہ الزام ہے جا جا

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

جی۔" معصومہ جلبلا کر بولیں تو شاہ صاحب کی بارُعب نظریں بہو کے چہرے پر جا ٹھہریں، جونجانے کیوں ان کی نگاہوں کی تاب نہ لاتے ہوئے نظریں چرا گئی تھیں۔ ان کے ہاتھوں کے پلے بچے ان کے سامنے جھوٹ بول رہے تھے' یہ مقام افسوس نہیں تو اور کیا تھا۔

"چلو الزام ہی سہی۔ لیکن میں زرناب کے لیے ہاشم کا رشتہ قبول نہیں کر سکتا۔" انھوں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں گفتگو تمام کی۔

"تے فیر دھی کتھے ویاہیں گا نظر؟" (تو پھر بیٹی کہاں بیاہو گے نظر؟) بی بی نرجس نے استہزائیہ انداز میں شاہ صاحب کی طرف دیکھا۔ "اگر میرا ہاشم برا ہے تو پھر تو خاندان کے سارے لڑکوں میں کوئی نہ کوئی خرابی ہے۔ تم کیا بیٹی کے لیے خاندان سے باہر رشتہ ڈھونڈو گے؟" انھوں نے کاٹ دار لہجے میں سوال کیا۔

"کیوں نہیں۔ اگر غیر خاندان سے کسی دین دار اور سلجھے ہوئے لڑکے کا رشتہ آئے گا تو میں اسے ضرور قبول کروں گا۔" وہ بنا کسی پس و پیش کے بولے تو سب کے منہ کھل گئے۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں بابا صاحب؟" بختیار شاہ نے ناگواری سے باپ کی جانب دیکھا۔

"وہی جو ترجیح دین ہے۔ یہ ذات برادری اور خاندان میرے لیے کوئی معنی نہیں رکھتے۔ میرے لیے اہم ہیں تو شرافت اور نجابت۔ پھر چاہے وہ اپنوں میں ملے یا غیروں میں!" انھوں نے بیٹے کی طرف دیکھا تو معصومہ کی آنکھوں سے شعلے سے نکلنے لگے۔

"بس تو پھر غیروں میں شادی کی تیاری کریں چاچا جی کیونکہ آپ کا نیک داماد تو اسی حویلی میں ہی ہے۔" ہونٹوں پہ کاٹ دار مسکراہٹ لیے، وہ سلگتے لہجے میں بولیں تو ایک پل کے لیے سب کو سانپ سونگھ گیا۔

"کیا بک رہی ہو!" بختیار شاہ نے بیوی کو آنکھیں دکھائیں۔

"بک نہیں رہی، آپ لوگوں کی آنکھوں پر پڑا پردہ اٹھا رہی ہوں۔ دوسروں کے کردار پہ بات کرنا تو بہت آسان ہے، اب ذرا اپنے گریبان میں بھی جھانک لیں۔"

"اس فضول گوئی کا مقصد؟" شاہ صاحب کی سرد آواز اچانک گونجی تو بی بی نرجس نے پریشان ہو کر بیٹی کو دیکھا جو نجانے کیا اول فول بولے جا رہی تھی۔

"یہی کہ جن کے اپنے سکے کھوٹے ہوں انھیں دوسروں پر بات نہیں کرنی چاہیے۔ آپ نے جس بیٹی کے لیے شرافت کا بہت اونچا معیار قائم کر رکھا ہے وہ تو نجانے کب سے آپ کی ناک کے نیچے اس حویلی کے لیے ایک "دیندار" اور "پرہیزگار" داماد ڈھونڈے بیٹھی ہے!" معصومہ نے زہریلے انداز میں "دیندار" اور "پرہیزگار" پہ زور دیا تو پیر نظر حسین شاہ کو لگا جیسے زمین ان کے قدموں تلے سے کھسک گئی ہو۔ الفاظ تھے یا کوئی بم۔ سفید حویلی والوں کو آسمان اپنے سر پہ گرتا محسوس ہوا تھا۔

"میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا خبیث عورت!" بختیار شاہ کی دھاڑ نے در و دیوار کو لرزا کے رکھ دیا تھا۔ وہ بجلی کی سی تیزی سے اٹھے اور معصومہ پہ پل پڑے۔

(باقی آئندہ شمارے میں)

سرورق کی شخصیت

ماڈل ---------- حمیرا مغل

میک اپ --- روز بیوٹی پارلر

فوٹو گرافی ---- موسیٰ رضا

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com
URDUSOFTBOOKS.COM

عفت سحر طاہر

تیز برستی بارش اور سماعتوں میں کسی کے تیز چبھتے جملے، یہ خواب اس کی زندگی کا سب سے ڈراؤنا خواب تھا جو اسے یہ یاد دلاتا تھا کہ اس نے کسی سے ان سب کی بربادی کا وعدہ کیا تھا۔

آفندی ہاؤس میں اصول پسند آغا جان اپنے دو بیٹوں مبین آفندی اور سہیل آفندی ان کی بیویوں اور بیٹیوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ انہیں اپنا پوتا نہ ہونے کا بہت دکھ ہے پوتیاں ان کی اس بات سے بہت چڑتی ہیں۔

وقار آفندی کو ایک گاؤں والی زرنگار سے محبت ہو جاتی ہے۔ وقار آفندی زرنگار کو نکاح کی آفر دیتا ہے تو وہ غائب ہو جاتی ہے۔

URDUSOFTBOOKS.COM

طلال اور مہر ماہ یونیورسٹی میں ایک ساتھ پڑھتے ہیں اور ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ طلال کے گھر والے مہر ماہ کا رشتہ لے کر آتے ہیں جو قبول کر لیا جاتا ہے۔

مبین آفندی، آغا جان سے بات کرتے ہیں کہ فاران آفندی کو معاف کر دیا جائے اور اسے اس کے بیٹے اور بیوی کے ساتھ آفندی ہاؤس بلا لیا جائے۔ فاران آفندی کو چھوٹے بھائی وقار آفندی کی حمایت اور آغا خان کی مخالفت کی وجہ سے گھر بدر کر دیا گیا تھا۔ پوتے کی خاطر آغا جان مان جاتے ہیں۔ تائی جان، مبین آفندی کی بیوی اس بات پر بہت ناراض ہوتی ہیں۔ فاران آفندی پاکستان جانے کا فیصلہ کر لیتے ہیں، ان کی بیوی ثمرہ اور بیٹا موحد بہت ناراض ہوتے ہیں۔

وقار آفندی آخر کار زرنگاہ کو تلاش کر لیتا ہے۔ اور اسے یقین دلاتا ہے کہ وہ اسے باعزت طریقے سے اپنے نکاح میں لینا چاہتا ہے اور اپنے خاندان میں متعارف کرائے گا۔

موبائل کی بیٹری ڈاؤن ہو جانے کی وجہ سے مہر ماہ کا رابطہ نمیر سے ٹوٹ جاتا ہے اور وہ وقار آفندی اور زرنگار آفندی کی محبت اور آفندیز کی بے حسی کے بارے میں سوچتی رہ جاتی ہے۔

وہ موحد کے آفس میں رابطہ کر کے اس سے ملنے کا کہتی ہے وہ گھر آ کر بات کرنے کا کہتا ہے۔ وہ اس کے آفس پہنچ کر اس کے سامنے نمیر کی داستان سن کر اس سے ہمدردی محسوس کرنے کا کہتی ہے۔ موحد کہتا ہے کہ اس کی پوری کہانی سن کر فیصلہ کرنا کہ وہ کس چیز کا حق دار ہے۔ سزا یا معافی۔

ملاحہ نئے ڈرائیور کو دیکھ کر پریشان ہو جاتی ہے۔ اور کبیر کے لیے اس کے دل میں شکایت پیدا ہو جاتی ہے۔ کبیر اسے کالج سے واپسی پر لینے آتا ہے اور اپنے گھر لے جا کر اسے اپنی ماں بہنوں سے ملوتا ہے۔ نمیر فون پر مہر ماہ کو اپنی ادھوری کہانی سناتا ہے۔ آغا جان مہر ماہ سے بات کرتے ہیں۔ اور نمیر سے نکاح قائم رکھنے پر اسے سخت سست سناتے ہیں۔ وہ نمیر کی حمایت کرتی ہے تو وہ اس سے ناراض ہو جاتے ہیں۔ مہر ماہ فون پر نمیر سے کہتی ہے کہ وہ اس سے ملنا چاہتی ہے۔ وہ ہامی بھر لیتا ہے۔ ملاحہ، موحد سے مدد مانگتی ہے۔ وہ اس کے لیے کوئی رشتہ لاتا ہے۔ ملاحہ ناراض ہو جاتی ہے۔

مہر ماہ، نمیر آفندی سے ملنے کبیر کے ساتھ جاتی ہے اور اسے باہر انتظار کرنے کا کہہ کر ریسٹورنٹ کے اندر چلی جاتی ہے پہلے سے بک کی ہوئی ٹیبل پر اس کا انتظار کرتی ہے۔ کہ اچانک ایک آواز پر چونک جاتی ہے۔

زرنگار کی کہانی جان کر مہر ماہ آفندی ہاؤس والوں کی بے حسی اور تکبر پر دنگ رہ جاتی ہے۔ وہ موحد کو بلا کر اس سے بات کرتی ہے۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com
URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

موحد ملاحہ کے لیے رشتہ لانے کی بات کرتا ہے۔ تو ملاحہ بہت افسردہ ہوتی ہے۔ وہ کبیر کو چاہتی ہے۔ موحد اسے بتاتا ہے کہ کبیر گھر چھوڑ گیا ہے اور اس نے آفس سے اپنی پراپرٹی کے کاغذات بھی چرا لیے ہیں۔

نمیر آفندی مہر ناہ کو راستے میں ملتا ہے۔ وہ اسے جھڑک کر آگے بڑھ جاتی ہے۔

موحد ملاحہ کے لیے جو رشتہ لاتا ہے۔ ان کی شان و شوکت دیکھ کر سائرہ چچی کے سینے پر سانپ لوٹنے لگتے ہیں۔ جبکہ ملاحہ شدید پریشان ہے۔

بائیسویں قسط

نجانے کتنے ٹکڑوں میں بٹا ہوں
میں اپنے ہاتھ سے خود گر پڑا ہوں

مقابل ہے مرے سارا زمانہ
میں اپنے ساتھ بس تنہا کھڑا ہوں

مٹانے کو مجھے سب مر رہے ہیں
سو یوں ثابت ہوا، سب سے بڑا ہوں

نہ کوئی ساتھ تھا، نہ ساتھ ہے اب
اکیلا ہوں ، اکیلا ہی ڈٹا ہوں

کوئی بتلائے کیا بس میں غلط ہوں
یا بس حق بات پر اک میں اڑا ہوں

بنے گی کیا مری پھر ظلمتوں سے
دیا تھا، بن کے سورج میں جلا ہوں

قیامت کیا ہے مجھ کو نہ بتا یہ
میں ایسے ہی حادثوں میں پلا ہوں

(اتباف ابرک)

URDUSOFTBOOKS.COM

URDUSOFTBOOKS.COM

URDUSOFTBOOKS.COM

آفندی ہاؤس پر غیض و غضب کی فضا طاری تھی۔ معزز مہمانوں کو چائے سے تواضع کرنے کے بعد ان کے ساز و سامان سمیت واپس کر دیا گیا اور تائی جان نے کوئی خیال کیے بنا مہمان خواتین کے نکلتے ہی ثمرہ چچی کو آڑے ہاتھوں لیا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

''یہ کیا تھا ثمرہ...... کس بات کا بدلہ لیا ہے موحد نے ہم سے...... میری بیٹی کے لیے یہ اعلا رشتہ لایا ہے وہ؟'' ان کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ ثمرہ نے اطمینان سے انہیں دیکھا۔

" جس گھر میں بیری ہو، وہاں پتھر آیا ہی کرتے ہیں بھابی! اور یہ پتھر کسی مخصوص قسم کے نہیں ہوتے۔ ہر طرح کا پتھر شامل ہوتا ہے ان میں "

''پر یہ بھی تو دیکھو ثمرہ! کہ ہمارے ہی گھر کے ڈرائیور کا رشتہ ہماری بچی کے لیے لایا ہے وہ'' سائرہ چچی کے پیٹ میں ہنسی کے مارے بل پڑ رہے تھے مگر بظاہر بہت دردمندی سے کہا۔

" تو ڈرائیور کیا انسان نہیں ہوتے اور کبیر کون سا آپ لوگوں کا زر خرید تھا؟" ثمرہ نے انہیں نگاہ غلط انداز سے دیکھا۔

''جس شان سے کبیر کی بہنیں ملاحہ کا ہاتھ مانگنے آئی تھیں ویسے تو ہماری کسی بھی بچی کی قسمت نہیں کھلی۔ صاف لگ رہا ہے کہ کبیر الحمدللہ بہت اچھے حالوں میں ہے۔''

''تمہارا بیٹا جو مل چکا ہے اس کے ساتھ۔ حالات تو اچھے ہونے ہی تھے۔ کروڑوں کی جائیداد کے کاغذات، باسی روٹیاں سمجھ کر اس کے ہاتھ میں پکڑا دیے۔ اس کی ہمت تو بڑھنا ہی تھی نا تمہاری کوئی بیٹی ہوتی تو میں دیکھتی کیسے ان جوڑے چماروں کے رشتے اکٹھے کرتیں تم'' تائی جان کا چہرہ خطرناک حد تک لال ہو رہا تھا۔ ان کی نظروں کے سامنے سے تو ملاحہ کا چہرہ ہی نہ ہٹتا تھا۔

''ہماری ہونے والی بھابی تو اس قابل ہیں کہ یہ سب چیزیں ان پر وار دی جائیں'' ملاحہ جو مہر ماہ کے ساتھ آتے ہوئے بس مرنے والی کیفیت میں تھی یہ آواز سن کر بے تحاشا چونکی۔ اور نگاہ اٹھا کر لڑکے کی بہن کو دیکھا تو اعصاب کو شدید قسم کا جھٹکا لگا۔

''ہماری بہت سی زمینیں ہیں آنٹی۔ بہت بڑا آبائی گھر ہے۔ اور ابھی پچھلے ماہ یہاں شہر میں نیا گھر لیا ہے......'' وہ مسکرا کر کہہ رہی تھی۔ ملاحہ کا ذہن لمحہ بھر کو خالی ہو گیا۔

(بھائی اپنی بہنوں کے لیے اچھے فیصلے ہی کیا کرتے ہیں) اسے موحد کی بات یاد آئی تو اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

''باقی باتیں چائے کے بعد...... آئیں آپ لوگ'' ثمرہ نے باتوں کا سلسلہ روک دیا — چائے کے ساتھ دیگر ریفریشمنٹ سے پوری میز بھری ہوئی تھی۔

اور ملاحہ...... اس کا تو دل چاہتا تھا کہ پتنگ بن کر ہوا میں اڑنا شروع کر دے۔ اور پھر چائے کے دوران اس نے کبیر کی بہنوں کو آگے بڑھ بڑھ کر بہت محبت سے ایک ایک چیز پلیٹ میں ڈال کر دی اور بصد اصرار کھلائی' اس نے جہاں تائی جان کو حیران کیا وہیں ان کا دل مطمئن بھی ہوا کہ ملاحہ رشتے والیوں کی چکا چوند سے متاثر ہو گئی تھی۔ اب ان کے تو فرشتوں کو بھی آنے والی قیامت کے بارے میں علم نہیں تھا کہ گزشتہ تین دنوں سے ملاحہ بی بی کے زرد پڑتے گال یکا یک دہک کیسے اٹھے۔ مہر ماہ خود ملاحہ کو دیکھ کر حیران بھی ہوئی اور خوش بھی کہ ذرا دیر کے لیے ہی سہی مگر کم از کم وہ افسردگی کے لبادے سے تو نکلی۔

''نام کیا ہے آپ کے بھائی کا...... کیا کام کرتا ہے؟'' تائی جان نے خوش دلی سے بالآخر وہ سوال پوچھ ہی لیا جسے آنے والیاں ابھی تک جان بوجھ کر شاید پیچھے رکھے ہوئے تھیں۔ لمحہ بھر کو ڈائننگ روم میں خاموشی پھیل گئی۔ مہر ماہ نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

''آپ اسے ہم سے بھی زیادہ اچھی طرح جانتی ہیں آنٹی! کبیر خان نام ہے ہمارے بھائی کا۔ اور اللہ

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

نے اتنا نواز رکھا ہے کہ فی الحال تو کچھ بھی کرنے کی ضرورت نہیں انہیں' وہ مسکراتے ہوئے پُر اعتماد لہجے میں بولی۔

لو جی۔۔۔ایک چھت تو کیا پورا آفندی ہاؤس تائی جان۔مہر ماہ اور سائرہ چچی پر گویا آن گرا۔مہر ماہ نے بے یقینی سے ملاحہ کی طرف دیکھا تو اسے تمتماتے چہرے کے ساتھ مسکراہٹ دباتے دیکھ کر گہرا سانس بھر کر رہ گئی (تو ملاحہ کے دل کی خوشی کا نام کبیر خان تھا۔۔) اور یہ بات موحد کو پتا تھی....؟

" کبیر...وہ جو ڈرائیور تھا ہمارا؟" تائی جان کا چہرہ تاریک پڑا مگر وہ خود کو بدقت اس جھٹکے سے سنبھال کر بولیں تو لہجہ آپوں آپ تضحیک آمیز ہو گیا۔ مگر کبیر کی بہنوں کے چہرے پھیکے نہیں پڑے۔

''جی آنٹی! لیکن اب الحمد للہ اسے کسی ایسی نوکری کی ضرورت نہیں رہی'' وہ مسکرا کر اعتماد سے بولی۔ لیکن دلوں کے تنگ لوگوں کے دماغ اور سوچ بھی اتنی ہی تنگ ہوا کرتی ہے۔ تائی جان نے انہیں سخت سست سنائیں اور ان پر اپنی جاہ و حشمت اور خاندانی حسب و نسب کے ساتھ ساتھ کبیر اور اس کے خاندان کی بدحالی کو ــــــ اچھی طرح واضح کیا۔

''شرم آنی چاہیے تم لوگوں کو۔ محض ایڑیاں اٹھا لینے سے ہاتھ بڑھا کر چاند کو نہیں چھو لیا جاتا۔ اس کے لیے قد کا ہونا ضروری ہے''

مہمانوں کو ان کے تحائف سمیت واپسی کا راستہ دکھا کر اب تائی جان فی الحال ثمرہ چچی کی گوشمالی کر رہی تھیں۔اس کے بعد آغا جان یقیناً موحد کی کھال کھینچنے والے تھے۔جو گھر سے تب ہی سے غائب تھا جب مہمان بس آنے ہی والے تھے۔اور اس کی وجہ اب سب کی سمجھ میں آ گئی تھی۔

''امی! اب اپنا وعدہ پورا کریں۔آپ کا کہا ہوا پرپوزل منظور کر رہی ہوں میں۔" ملاحہ نے ہمت کر کے کہا تو تائی جان کا دل چاہا، اس کے منہ پر تھپڑ دے ماریں۔

''بکواس بند کرو ملاحہ! اس موحد کے بچے کی کھال تو آغا جان اتاریں گے۔ مجھے تو یہی سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اس نے ڈرامہ کیا کھیلا ہے ہمارے ساتھ۔اور یہ کبیر......اس قدر خبیث اور بددیانت نکلے گا میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔غضب خدا کا۔گھر کی عزت پر نظر رکھی ہوئی تھی اس نے۔اور اس کا ہاتھ نہ جانے دولت کے کس کنویں میں پڑ گیا ہے۔ہونہہ......ہمیں متاثر کرنے کی کوشش کر رہا ہے'' وہ تلملا تلملا کر بے حال ہو رہی تھیں۔کبھی موحد پر غصہ آتا تو کبھی کبیر پر۔

''پہلے وہ غریب تھا تو اس کے ڈرائیور ہونے پر اعتراض تھا آپ کو۔اب اگر ہماری حیثیت کا بن کر اس نے رشتہ مانگا ہے تب بھی آپ کو اعتراض ہو رہا ہے'' ملاحہ کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

''مجھے کیا پتا تھا وہ ذلیل انسان ایک کمی کا رشتہ لے آئے گا ہمارے لیے۔اور تم بھی ملاحہ...... کچھ تو دیکھ کر گر گرتیں'' انہوں نے غم و غصے سے کہا تھا۔

''لیکن آپ نے کہا تھا کہ......''

''بکواس کی تھی میں نے۔ ہر حال میں انکار ہی کرنا تھا میں نے۔سنا تم نے'' وہ چلا اٹھیں۔

''لیکن یہ رشتہ تو موحد بھائی کے توسط سے آیا ہے امی! میری تو اس میں کوئی انوالومنٹ نہیں''۔

''منہ بند رکھو اپنا۔ایک بار اسے ہمارے ہاتھ تو لگ جانے دو پھر حشر دیکھنا اس ذلیل انسان کا۔ساری عمر ہمارے ٹکڑوں پر پلا' اب چار کا غذات ہاتھ میں کیا آ گئے زمینوں کے' ہمارے ہی گھر کا داماد بننے کے خواب دیکھنے لگا ہے وہ نامراد" وہ حقارت سے بولیں۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

''اس کا کوئی قصور نہیں۔ یہ خواب اسے میں نے دکھایا ہے امی!'' وہ ایک دم سے بولی تو صدیقہ بیگم کا جلال عود کر آیا۔ ان کے تھپڑ نے ملاحہ کو ہلا دیا۔ مہرماہ تیز لہجے میں بولتی اندر داخل ہوئی۔

''بس کر دیں اب یہ ظلم کی داستانیں لکھنا امی! ماضی سے نہیں تو حال ہی سے نصیحت پکڑ لیں آپ لوگ۔'' اس نے ملاحہ کا سر شانے سے لگا کر تلخی سے کہا۔ تو وہ سرد مہری سے گویا ہوئیں۔

''تم تو اپنی زبان بند ہی رکھو مہرو! ایک بے غیرت تو زبردستی ہمارے خاندان میں داخل ہو گیا تھا۔ دوسرے کو اپنی مرضی سے شامل کر لیں، اتنا دماغ خراب نہیں ہوا ابھی ہمارا۔ لے جاؤ اسے بھی یہاں سے، میرا تو تم دونوں کی شکل دیکھنے کو دل نہیں چاہ رہا' ماں باپ کا نام رول کر رکھ دیا ہے تم دونوں نے۔''

''پتا نہیں ہم کب اس حقیقت کو سمجھیں گے کہ ہمارے اعلا حسب و نسب ہونے میں ہمارا ایسا کوئی کمال نہیں ہوتا کہ ہم باقی سب کو تقویٰ کے بجائے محض اس کے اسٹیٹس کی بنیاد پر پرکھنا شروع کر دیں۔''

مہرماہ متاسفانہ نظروں سے ماں کو دیکھ کر سرد لہجے میں کہتی ملاحہ کو ثمرہ کے پورشن میں لے گئی۔ تائی جان دکھتا سر لیے بستر پر گر سی گئیں۔

☆☆☆

موحد گھر آیا تو مہرماہ اسی کا انتظار کر رہی تھی۔ پورچ میں وہ گاڑی سے نیچے اترا تو ساتھ ہی مہرماہ اس کا بازو تھام کر اسے تقریباً گھسیٹتے ہوئے لان کی پچھلی طرف لے گئی۔

''کیا ہو گیا، کون سی قیامت آ گئی ہے؟'' وہ حیران تھا۔

''قیامت ہی سمجھو۔ تم نے جو کام کیا ہے یہ آغا جان اس کے نتیجے میں تمہیں گولی بھی مار سکتے ہیں۔'' مہرماہ نے تلخی سے کہا۔

''ایسا کیا کر دیا ہے میں نے؟'' موحد نے شانے جھٹکے۔

''تم جانتے تھے کہ یہ رشتہ کبیر کا ہے؟'' مہرماہ نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا تو موحد نے نرمی سے کہا۔

''اب میں رشتہ لایا ہوں تو ظاہر سی بات ہے جانتا ہی ہوں گا نا۔''

''پھر بھی تمہیں کیسے پتا چلا۔ ملاحہ خود تو بتا نہیں سکتی۔ کبیر ہی ہو گا تمہارا ساتھی'' مہرماہ نے طنز کیا۔

''اس پر الزام مت لگاؤ اس کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں۔ ہاں پروپوزل ضرور دیا ہے اس نے میرے کہنے پر۔''

''اب تم یہ سوچ لو کہ آغا جان کے سامنے کیا کہنا ہے جا کر۔ وہ تو تمہاری کھال کھینچنے کو تیار بیٹھے ہیں۔'' مہرماہ نے عجلت سے کہا۔

''وہ تو خیر میں جانتا ہی تھا لیکن تمہاری اتنی ہمدردی کا سبب پوچھ سکتا ہوں؟'' اس نے گہری نظروں سے مہرماہ کو دیکھا تو وہ بدکی۔

''شٹ اپ! خبردار جو میرے ساتھ کوئی فضول بات کرنے کی کوشش کی یا اپنے دماغ کو کسی غلط سوچ میں ڈالا، میں صرف انسانی ہمدردی کی وجہ سے تمہیں ہوشیار کر رہی ہوں کہ آغا جان کے پاس جاؤ تو ذہنی تیاری کر کے جانا۔'' وہ فورا رکھائی سے بولی۔

''تم کیا سوچتی ہو اس معاملے میں۔ کیا میں نے کچھ غلط کیا ہے؟'' موحد نے مہرماہ سے پوچھا تو وہ تھکے ہوئے انداز میں مسکرا دی۔

''اب اگر ملاحہ اس رشتے پر دل و جان سے راضی ہے تو میں کیا اعتراض کر سکتی ہوں۔ بہرحال کبیر اچھا

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

انسان ہے، خاندانی بھی ہے، میرے خیال میں تو آغا جان کو کوئی خاص اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔'' موحد بے اختیار مسکرادیا۔

''چلو، یہ بھی اچھی بات ہے۔ کبیر کی سپورٹ میں کافی لوگ ہو جائیں گے۔ اس طرح آغا جان کو منانے میں بھی آسانی ہوگی۔''

''کسی غلط فہمی میں مت رہنا۔ تم آغا جان کو نہیں جانتے۔'' مہر ماہ نے اسے ٹوک دیا، وہ جواب اندر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ لمحہ بھر کو رک کر مڑ کر مہر ماہ کی طرف دیکھا اور تلخی سے بولا۔

''مجھ سے زیادہ اچھی طرح انہیں کون جان سکتا ہے۔ اس ہمدردی کا شکریہ۔'' مہر ماہ خاموش رہ گئی، موحد

دروازہ دھکیلتا اندر داخل ہو گیا تو وہ جیسے حواس میں لوٹی۔ خود کو کوسا۔ صبح سے خود کو سمجھا رہی تھی کہ موحد سے ہمدردی نہیں کرنی۔ لیکن بار بار خیال آتا کہ آغا جان سے اتنا بڑا پنگا اس نے ملاجہ کی خاطر لیا ہے، اپنے کسی فائدے کے لیے نہیں، تو بے اختیار ہی اسے ہوشیار کرنے کے ارادے سے روک بیٹھی۔ خود سے الجھتے ہوئے وہ اندر کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

آغا جان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ موحد کو اسی وقت سنگسار کر دیں۔

''تمہارا دماغ خراب لگ رہا ہے ان دنوں مجھے۔ جس وقت تم نے کبیر کو جائیداد کے کاغذات واپس کیے تھے، مجھے اسی وقت پاور آف اٹارنی کینسل کروا دینی چاہیے تھی۔'' وہ بے حد ناراضی سے بولے۔

''تو اب یہ شوق پورا کر لیں۔ ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا۔'' موحد نے اثر لیے بغیر کہا تو آغا جان کے تاثرات میں ناگواری اترنے لگی اور لہجے میں پتھریلا پن آ گیا۔

''کبیر کے پاس اتنا پیسہ کہاں سے آیا؟''

''فکر مت کریں حلال کی کمائی ہے اس کی ساری۔'' وہ مسکرایا۔

''مجھے بے وقوف مت بناؤ موحد! اتنا تو کوئی بے وقوف بھی سمجھ سکتا ہے کہ فقط جائیداد کے کاغذات ہاتھ میں آنے کی بنا پر وہ اتنا امیر نہیں ہو سکتا کہ لاکھوں لٹانا شروع کر دے۔'' وہ پھنکارے۔

''اس کی بہادر آباد والی زمین کیش پر خرید لی ہے میں نے۔'' وہ سینے پر بازو لپیٹتا اس قدر آرام سے بولا کہ وہ سناٹے میں آگئے۔ پھر سرسراتے لہجے میں کہا۔

"وہ......وہ تو پہلے ہی ہماری تھی...... کتنے میں خریدی؟"

''ہماری نہیں اسی کی تھی۔ ہاں البتہ قبضہ آپ کا تھا اور چونکہ آپ کو وہ زمین بہت پیاری تھی۔ اس لیے میں نے وہاں اُگی فصل کی قیمت سمیت وہ زمین آپ کے لیے خرید لی ہے۔'' موحد نے تصحیح کرتے ہوئے نرمی سے بتایا تو وہ بھڑک اٹھے۔

''ایسے کیسے کیش ادا کر دیا تم نے...... زمین کے کاغذات واس کا انتقال۔۔۔ وقت لگتا ہے اس پر۔ کینسل کرو سب کچھ اور پیسہ واپس لو اس مردود شخص سے۔''

''میں نے مارکیٹ کی ڈیمانڈ کے مطابق اس زمین کی سوا کروڑ کی قیمت ادا کی ہے آغا جان! کاغذی کارروائی کا کیا ہے وہ آرام سے ہوتی رہے گی۔ اب کبیر ہمارے لیے کوئی انجان شخص تھوڑی ہے۔ ہم سے رشتہ جوڑنے کی خاطر اس نے شہر میں گھر لیا ہے گاڑی لی ہے۔ اب بے چارہ کہاں سے واپس کرے گا سارا روپیہ۔ اور ویسے بھی میں اپنے قول سے پھرنے والا نہیں ہوں، سو یہ ڈیل کینسل نہیں ہو سکتی۔'' وہ مسکرا رہا

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

تھا۔ آغا جان کو اتنی سردی میں بھی سوا کروڑ کا سن کر پسینہ آنے لگا۔ وہ دل تھام کر اپنی کرسی پر گر سے گئے۔

''بے وقوف۔۔۔۔۔" وہ اتنی زور سے گرجے کہ ان کے حلق میں خراش سی آ گئی وہ کھانسنے لگے۔ موحد نے ہمدردی سے آگے بڑھ کر ہاتھ سے ان کی پشت مسلی تو انہوں نے موحد کا ہاتھ جھٹک دیا۔

''ایک چیز جو پہلے ہی ہمارے قبضے میں تھی اسے رقم دے کر۔ بلکہ کروڑوں روپیہ دے کر خریدنا بے وقوفی ہے اول درجہ کی'' وہ غصے سے بولے موحد نے ان کی بات کاٹ کر کہا۔

''یتیم کا مال اسے ایمان داری سے لوٹا دینا اول درجہ کی نیکی ہے آغا جان! بہت غلامی کاٹی ہے ان باپ بیٹے نے آپ کی۔ اب بس ختم ہوا وہ دور۔ اب تو بلا جھجک کبیر کی شادی کا سوچیں آپ بھی'' موحد کا انداز پر سکون تھا۔ مگر اس کی آنکھیں...... آغا جان تھرا گئے۔ سہیل ٹھیک کہتا ہے، اس کی آنکھوں کی آنچ دیتی سرد سی کیفیت...... وہ آج دکھائی دی تھی انہیں۔ اور اوپر سے اس کے الفاظ...... ان کی روح پر جیسے کسی نے کوڑا رسید کیا ہو۔

''بکواس مت کرو۔ اتنے اعلا خاندان میں موری کی اینٹ لگا کر زمانے کی جوتیاں کھائیں ہم؟''

''ہاہ...... اعلا خاندان......'' موحد ان کے سامنے کھڑا ہوا اور تمسخرانہ بولا۔

''کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں آپ کے خاندان میں آغا جان! آپ میں کبیر۔ ہم سب انسان ہی تو ہیں ایک جیسے۔ ایک سا خون۔ ہمارے دین میں رنگ و نسل اور خاندان کے بجائے صرف متقی اور پرہیز گار انسان کی برتری ثابت ہے۔''

''ایک غلطی وقار نے کی تھی جس کا خمیازہ آج تک ہم بھگت رہے ہیں۔ اب تم چاہتے ہو کہ دوسری غلطی ہم کرلیں۔ اس ڈرائیور کو اپنے خاندان میں شامل کر کے۔ آخ تھو۔ کچھ تو ہماری اور اپنی جاہ و حشمت کا خیال کیا ہوتا۔'' وہ اس درجہ حقارت سے بولے کہ موحد بامشکل ضبط کر پایا۔

''اس چیز کا کیا خیال کروں آغا جان! جس میں آپ کا یا میرا کوئی کمال ہی نہیں۔ یہ ساری عزت و آسائشات تو اللہ کی دین ہیں۔ ان پر کیا اترانا اور مان کرنا اور رہی بات غلطی کی تو اس وقت بھی غلطی آپ کی تھی اور آج بھی آپ ہی غلط ہیں آغا جان!'' بے حدتخی سے کہا تو وہ مارے غصے کے لرزنے لگے۔

''دفع ہو جاؤ یہاں سے اور اس پاور آف اٹارنی کو کل سے کینسل سمجھو، میں صبح بات کرتا ہوں وکیل سے۔ آفس جانے کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے تمہیں۔'' ان کا انداز قطعی تھا۔ چند لمحے انہیں دیکھنے کے بعد وہ تاسف بھرے لہجے میں بولا۔

''توبہ کا در کھلا ہو تو انسان کو دیر نہیں کرنی چاہیے آغا جان! ورنہ بعض اوقات واقعی بہت دیر ہو جایا کرتی ہے۔''

''گیٹ آؤٹ'' وہ زور سے گرجے تو وہ شانے جھٹکتا اسٹڈی سے نکل گیا۔ آغا جان نے اسی وقت سہیل اور مبین آفندی کو طلب کیا۔

''کل سارا سلسلہ اپنے ہاتھ میں لو تم دونوں اور موحد کو گھسنے نہیں دینا آفس میں۔ اس نالائق کو میں کچھ زیادہ غلط ہی سمجھ بیٹھا تھا۔ یہ تو ہمدردی اور ترس میں ہی سب کچھ گنوا دے گا'' وہ قطعیت سے کہتے دونوں بھائیوں کے دل کے پھول کھلا گئے۔

انہوں نے مؤدبانہ سر ہلاتے ہوئے ایک دوسرے کو مسکراتی نظروں سے دیکھا تھا۔ خس کم جہاں پاک۔ موحد نامی کانٹا جیسے ان کی راہ میں آیا تھا ویسے ہی خود بخود ہٹ بھی گیا تھا۔ جبکہ آغا جان کا تو کلیجہ مسلسل

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کسی نے مٹھی میں جکڑا ہوا تھا۔ موحد سے انہوں نے وقار آفندی اور فاران کے حصے کی محبت بھی محسوس کی تھی۔ وہ ملا تو یوں لگا جیسے دونوں بیٹوں کو سود کی شکل واپس پا لیا ہو۔ وہ فاران کا بیٹا تھا اور اس میں شکلاً وقار کی جھلک تھی۔ تو اب اس کا پلٹنا انہیں کیوں تکلیف نہ دیتا......؟

☆☆☆

کبیر کی کال دیکھ کر ملاحہ کا دل ترنگ میں دھڑکا۔ اس نے فوراً موبائل کان سے لگایا۔

"السلام علیکم۔۔۔کیسی ہیں؟" کبیر کا لہجہ مسکراتا ہوا سا تھا۔ ملاحہ کے ہونٹوں پر بھی ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔

URDUSOFTBOOKS.COM

آہستہ آواز میں اس کے سلام کا جواب دیا۔ تو وہ ہنسا اور شرارت سے پوچھا۔

''پھر کیا سوچا ہے آپ نے میرے پرپوزل کے بارے میں یور ہائی نیس......؟'' ملاحہ کی مسکراہٹ گم ہو گئی۔

''گھر میں ایک طوفان کھڑا ہو گیا ہے کبیر! اللہ جانے آغا جان اب موحد بھائی کا کیا حشر کریں گے۔''

''میں خود آغا جان کی خدمت میں حاضر ہوں گا'' یہ تو موحد سر نے منع کر دیا تھا فی الوقت مجھے۔ وہ گھر والوں کو ذہنی طور پر تیار کرنا چاہتے تھے۔''

''کوئی بھی راضی نہیں کبیر! امی نے تو ہنگامہ ہی مچا دیا ہے۔'' ملاحہ آزردہ ہو کر بولی۔ ''اب کیا ہوگا؟''

''اب کیا ہوگا' کا اب کیا سوچنا۔'' وہ ہلکے سے ہنسا۔

''پھر بھی کبیر! میں گھر والوں سے بغاوت نہیں کرنا چاہتی۔ باعزت طریقے سے رخصت ہونا چاہتی ہوں اس گھر سے۔ ایسے کہ سب تمہیں اتنی ہی عزت دیں جتنی کہ موحد بھائی کو دیتے ہیں۔''

''ہوں۔۔۔'' وہ جیسے کسی سوچ سے چونکا پھر آزردگی سے بولا۔

"عزت اور ذلت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے ملاحہ! موحد تو محض میرا ساتھ دینے پر ہی لپیٹ میں آ گیا ہے۔ آفندیز بہت کم کسی پر مہربان ہوتے ہیں۔'' اتنے سنجیدہ ماحول میں بھی اس کی بات سن کر ملاحہ کے دل میں گدگدی سی ہوئی۔

''تم تو پھر بہت خوش قسمت ہوئے خان!''

کبیر کا موڈ بھی ایک دم سے بدلا۔ بھرپور قہقہہ اس کے لبوں سے آزاد ہوا تھا۔ ملاحہ جھینپ گئی۔

''میں دوسرے معنوں میں کہہ رہی تھی۔ موحد بھائی کی سپورٹ حاصل ہے تمہیں۔''

''وہ تو ہے ہی مگر ملاحہ آفندی کی نظر کرم اس سپورٹ پر بھاری ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں بولتا ملاحہ کی دھڑکنیں منتشر کر گیا۔

''وہ......تم نے اتنے پیسے خرچ کر دیے۔ بس کپڑے اور پھول ہی کافی تھے میرے لیے۔'' اس نے فوراً بات بدلی۔

''وہ ہمارے گھرانے کی روایت ہے ملاحہ! دنیا دکھاوا نہیں تھا اور روایت نہ بھی ہوتی تو ملاحہ آفندی پر یہ سب نثار''

URDUSOFTBOOKS.COM

ملاحہ کی آنکھ کا کونا بھیگنے لگا۔

یہ شخص نہ ملتا تو ملاحہ آفندی کے دل کا بہت بڑا نقصان ہونے جا ناتھا۔

''خوش ہو......؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔ ملاحہ نے چھنگلی سے آنکھ کا کونا صاف کیا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

URDUSOFTBOOKS.COM

Celebrating 5 Years of Success

The Smart School
Tomorrow is our Destiny
A Project of The City School

THE SMART SCHOOL

ADMISSION OPEN

- **Holistic development**
- **Project based learning**
- **Investigative processes, technology, interactive resources**
- **Early Years Education through fun and play**
- **Exam focused Student Resource Material for Matric**
- **Child Educational Insurance**

Head Office:
31- Gurumangat Road, Industrial Area, Gulberg III, Lahore
U.A.N: +92 42 111 444 123
Phone:+92 42 35773069-77
E-mail: info@thesmartschools.edu.pk

Southern Region:
The Smart Tower Plot-C-10/2, Off Sharah-e-Faisal, Lines Area, Sector 8, Opp Gora Qabristan, Karachi
Phone:+92 21 32780125-8
E-mail: rm-sr@thesmartschools.edu.pk

Northern Region:
House 875 Block-F Satellite Town, Near Holy Family Hospital, Rawalpindi
Phone:+92 308 8886011-7
E-mail: gm-sr@thesmartschools.edu.pk

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

''بہت۔۔مگر خوف زدہ بھی کبیر! نہ جانے کیا فیصلہ ہو۔''
''اللہ بہتر ہی کرے گاان شاء اللہ۔ فکر مت کرنا ملاحہ! میں نے یہ پروپوزل تمہاری زندگی کو مشکل بنانے کے لیے نہیں بلکہ اس میں خوشیاں بھرنے کے لیے بھیجا ہے تو باقی کی فکریں کبیر خان کے لیے رہنے دو۔ تم صرف اچھے اچھے خواب دیکھو۔'' وہ مسکراتے ہوئے پُراعتماد لہجے میں کہہ رہا تھا۔ ملاحہ کا دل ٹھہرنے لگا۔
''تم ہو کہاں اس وقت۔۔۔؟''
''گھر میں ہی ہوں۔ اب جاب تو تمہاری مہربانی سے ختم ہو گئی۔''
''فکر مت کرو۔ ساری زندگی ڈرائیور ہی بنا کر رکھوں گی۔'' ملاحہ نے اسے چھیڑا تو وہ مسکراتے لہجے میں برجستہ بولا۔
''عموماً اچھے شوہر ہی اپنی بیوی کے شوفر ہوا کرتے ہیں، آپ کے لیے یہ بھی منظور ہے۔'' ملاحہ کے کانوں کی لو تک سرخ پڑ گئی اس کی عجوب سی خاموشی پر وہ ہلکے سے ہنس دیا۔ اگلے دو چار روز میں دونوں بھائیوں نے سارے انتظامات اپنے ہاتھ میں لے لیے۔ مبین آفندی کمپیوٹر آپریٹر کے سر پر کھڑے اکاؤنٹس چیک کر رہے تھے۔ آغا جان کے وکیل نے موحد کے نام کی گئی پاور آف اٹارنی کینسل کروادی تھی۔
''اتنی بڑی بڑی رقوم.....'' مبین آفندی اکاؤنٹس کی پوزیشن دیکھ کر ششدر تھے۔
''یہ سب وقتاً فوقتاً موحد صاحب نکلواتے رہے ہیں سر!'' اکاؤنٹس مینیجر نے دبے لفظوں میں کہا۔ مگر ان کی نظر مانیٹر اسکرین پر تھی۔
''یہ سوا کروڑ تو زمین کی خریداری کے لیے نکلوایا گیا ہے.....لیکن یہ جو پچھلے چھ ماہ کے دوران بڑی رقوم نکلوائی گئی ہیں ان کا مطلب مجھے نہیں آرہا سہیل..... ہر ماہ تو مال کی پے منٹ نہیں کی جاتی وصولی اور ادائیگی کا سرکل تو پورا سال چلتا رہتا ہے۔'' وہ متفکر سے کہہ رہے تھے۔
''جی ہاں۔۔۔اور پچھلے ماہ قریشی والوں نے مال کی جو ڈاؤن پے منٹ کی تھی، اس کا دس لاکھ بھی نظر نہیں آرہا'' ان کا حلق تک کڑوا ہو رہا تھا۔ ان سب کی پوری زندگی کی محنت کی کمائی آغا جان کے اندھے اعتماد کی وجہ سے ڈوب گئی تھی۔
''موحد کا کوئی سیکنڈ اکاؤنٹ ہو گا ضرور۔ اتنا پیسہ وہ خرچ کہاں کرے گا۔'' وہ تیقن سے بولے، مبین صاحب نے سوالیہ نظروں سے مینیجر کی طرف دیکھا تو وہ گڑبڑا کر نظریں جھکا گیا۔
''تم بتاؤ وسیم! اس بارے میں کوئی انفارمیشن۔؟''
''ڈونٹ نو سر! ہاں یہ بات بہت عجیب ہے، موحد صاحب کی کہ بینک سے کیش نکلوانے خود جاتے ہیں اور اپنا اے ٹی ایم کارڈ یا دستخط شدہ چیک وغیرہ آج تک انہوں نے کسی ورکر کے حوالے نہیں کیا۔ جبکہ اکاؤنٹس کے شعبہ میں باس کا کارڈ لامحالہ استعمال کرنا پڑ ہی جاتا ہے اکثر۔ جیسے آپ لوگوں کا۔" وہ سوچ کر بولا تو سہیل آفندی نے چونک کر بھائی کی طرف دیکھا۔ وہ بھی گہری سوچ میں گم تھے۔ ابھی وہ مکمل معاملات تو نہیں سمجھے تھے لیکن جو نظر آرہا تھا۔ وہ پریشان کن تھا۔
''یہ سب باتیں آغا جان کو فوری بتانی پڑیں گی تاکہ وہ موحد سے سارا حساب طلب کریں۔''
''موحد صاحب آفس میں ہیں سر! آپ چاہیں تو ابھی ان سے پوچھ لیں۔'' مینیجر نے مؤدبانہ کہا تو وہ پورے کا پورا اس کی طرف گھوم گئے۔
''وہ آفس آرہا ہے؟'' ان کے انداز میں اس قدر بے یقینی تھی کہ مینیجر گڑبڑا گیا۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

"جی سر! انہوں نے کوئی چھٹی نہیں کی ابھی تک۔"

"الو کا پٹھا...... اس کو تو میں پوچھتا ہوں ابھی جا کر۔" اول جملہ زیر لب بول کر وہ اونچی آواز میں کہتے دروازے کی طرف بڑھے۔ پچھلے تین چار روز میں وہ "تحقیقات" میں ایسے مگن تھے کہ سوچا ہی نہیں کہ موحد کی آفس میں موجودگی یا غیر موجودگی کا پتا کرتے۔ سہیل آفندی مینیجر اور کمپیوٹر آپریٹر کے ساتھ مل کر باقی کا ڈیٹا چیک کرنے لگے۔

مبین آفندی طیش میں بھرے موحد کے آفس میں پہنچے تو یہ پہلی بار تھا کہ وہ دستک دیے بنا دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہو گئے۔ موحد نے لیپ ٹاپ کی اسکرین پر سے چونک کر نظر ہٹائی اور انہیں دیکھا۔ جن کے چہرے پر غم و غصہ کی کیفیت صاف ظاہر تھی۔ میز کے اس پار کھڑے وہ پسلیوں پر ہاتھ جمائے کڑے انداز میں اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ دوبارہ اسکرین کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے اونچے مگر سرد لہجے میں بولا۔

"کسی کے روم میں ناک کر کے جانا آپ کی دینی اور گھریلو تربیت کو ظاہر کرتا ہے بائی داوے۔" مبین آفندی بری طرح تپے۔ انہوں نے جھک کر اس کی میز پر دونوں ہاتھ جمائے اور تلخی بھرے انداز میں بولے۔

"اور تم۔۔۔ تم نے تو بہت اچھی طرح اپنی تربیت شو کی ہے۔"

"کوئی کام تھا آپ کو...... میں کچھ بزی ہوں اس وقت۔" وہ رکھائی سے دوٹوک بولا تو وہ تلملا اٹھے۔

"تم شاید بھول گئے ہو کہ آغا جان تمہیں فارغ کر چکے ہیں۔ پوچھ سکتا ہوں کہ تم کس سلسلے میں بزی ہو؟" تلخی سے پوچھا تو لیپ ٹاپ بند کرتے ہوئے اس نے آرام سے کرسی سے ٹیک لگائی اور انگشت شہادت سے سامنے دیوار پر لگی وقار آفندی اور فاران آفندی کی تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اطمینان سے بولا۔

"اپنے باپ کے آفس میں بیٹھا ہوں کوئی مجھ سے یہ سوال پوچھنے کا حق نہیں رکھتا۔"

"کہاں خرچ کیا ہے تم نے اکاؤنٹس کا پیسہ؟" وہ اس سے جیت نہیں سکتے تھے سو سیدھے سبھاؤ پوچھا تو وہ بھنویں اُچکا کر جیسے حیران ہوا۔

"آپ اس بارے میں مجھ سے کچھ انویسٹی گیشن نہیں کر سکتے کیونکہ تب پاور آف اٹارنی میرے پاس تھی۔ میں اپنے فیصلوں میں آزاد تھا تایا جان۔!" وہ پرسکون انداز میں انہیں دیکھ رہا تھا لبوں پر پھیلی ہلکی سی مسکراہٹ مبین آفندی کا دل جلا رہی تھی۔ وہ میز چھوڑ کر گہری سانس بھرتے سیدھے ہوئے اور اسے دھمکایا۔

"اب تو آغا جان تم سے اچھی طرح پوچھیں گے کہ تم نے ان کے بزنس اکاؤنٹس کہاں جھاڑے ہیں۔"

"او کے۔۔۔ اور کچھ؟" وہ یوں کرسی جھلا رہا تھا۔ جیسے وہ دنیا کا مطمئن ترین انسان ہو اور بات کرنے کا انداز ایسا کہ مبین صاحب کو ہتک محسوس ہوئی۔

"اس بھول میں مت رہنا موحد آفندی! کہ آغا جان تمہاری اس دھوکا دہی کے بعد بھی تمہارے اکلوتا پوتا ہونے کے لاڈ اٹھائیں گے۔ بلکہ ہو سکتا ہے، تمہیں جیل کی ہوا کھانی پڑے۔" وہ دانت کچکچا کر بولے۔

"ہوں...... انفارم کرنے کا شکریہ۔ دروازہ آہستہ بند کر کے جائیے گا" وہ نرمی سے بولا تو دل ہی دل میں اسے ناقابل اشاعت گالیوں سے نوازتے اور کھا جانے والی نظروں دیکھتے آفس سے نکلے تو دروازہ زور سے مارا۔

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

"آہ۔۔۔ دونوں باپ بیٹی ماشاء اللہ ایک جیسے ہیں۔" موحد بڑبڑا کر رہ گیا۔ کچھ دیر پہلے کی فکری کے برعکس اس کی پیشانی پر سوچ کی لکیریں پھیلی ہوئی تھیں۔ آغا جان کی ٹیبل تک ساری تفصیل پہنچی تو وہ دنگ رہ گئے۔

"اتنا پیسہ وہ کیسے نکلوا سکتا ہے...... اور سب کچھ اسی کا تو تھا اسے ایسی بے ایمانی کرنے کی کیا ضرورت تھی مبین!"

"کیونکہ وہ جانتا ہے آغا جان! ہمارے ذاتی اکاؤنٹس الگ سہی لیکن بزنس اور بزنس کے اکاؤنٹس پر ہمارا بھی حق ہے تب ہی تو پاور آف اٹارنی ہاتھ آتے ہی اس نے آہستہ آہستہ اکاؤنٹس خالی کرنے شروع کردیئے بار بار تو موقع نہ ملتا اسے ایسا ہاتھ مارنے کا۔" سہیل تلخی سے بولے۔

"اگر ایسا ہی ہے تو میں اسے معاف نہیں کروں گا سہیل! اس نے پیار ہی دیکھا ہے ابھی میرا۔" ان کی آنکھوں میں سرخی اترنے لگی۔

"آپ اسے بلائیں ابھی۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔" مبین آفندی تو ویسے بھی موحد سے جلے بیٹھے تھے۔

"ابھی نہیں مبین!" وہ تھکے ہوئے انداز میں انہیں ٹوک گئے۔ "ابھی اس دل کو ذرا سنبھل لینے دو۔ مجھے تو یقین ہی نہیں آرہا کہ موحد ایسی حرکتیں کرسکتا ہے۔۔ اور یہ بھی سمجھ میں نہیں آرہا کہ وہ ایسا کیوں کر رہا ہے۔"

"وہ ہمارا کبھی بنا ہی نہیں آغا جان! مجھے پورا یقین ہے کہ وہ کسی منصوبے کے تحت آیا ہے یہاں۔ اس نے ماضی کی تلخیوں کو نکالا ہی نہیں اپنے اندر سے۔ اسی لیے ہمیں نقصان پہنچا رہا ہے۔" سہیل تند لہجے میں بولے تو آغا جان نے ہاتھ اٹھا کر انہیں مزید کچھ کہنے سے رُک جانے کا اشارہ کیا۔

"بس اسی نرمی کا فائدہ تو وہ اٹھا رہا ہے تمام عمر آغا جان کے دل سے پوتے کی خواہش نہ گئی تو اب اسے سزا دیں بھی تو کیسے۔" ان کے کمرے سے نکل کر سہیل آفندی برہمی سے بڑے بھائی سے مخاطب تھے۔ وہ آغا جان کی نرمی دیکھ کر غم و غصے کے حصار میں تھے۔

"لیکن ہم اسے کبھی معاف نہیں کریں گے۔" مبین صاحب کی تلخی بڑھتی جارہی تھی۔

☆☆☆

"تم اپنا سامان اٹھاؤ اور اپنے کمرے میں واپس آؤ مہرو!" تائی جان نے مہر ماہ کو رات کے کھانے کے بعد بطور خاص ثمرہ چچی کے سامنے حکم دیا، موحد خدا جانے کہاں تھا شاید وہ شعوری طور پر آغا جان کے سامنے آنے سے کترا رہا تھا۔ یا شاید اسے کسی کی بھی پروا نہیں رہی تھی۔ آغا جان کے اٹھتے ہی مہر ماہ کو آرڈر ہوا تو اس کے پلیٹیں اکٹھی کرتے ہوئے ہاتھ ٹھٹکے۔ ثمرہ نے چونک کر صدیقہ بیگم کی شکل دیکھی۔ جہاں تنے ہوئے تاثرات تھے۔

"وہ کیوں؟" وہ لحہ بھر چونکنے کے بعد اب دوبارہ کھانے کے برتن اکٹھے کرتے ہوئے رکھائی سے بولی۔

"جب ایک نکاح کو تم مانتی ہی نہیں تو کیوں اور کس رشتے سے تم وہاں پر رہ رہی ہو؟" وہ تلخی سے گویا ہوئیں۔ مہر ماہ نے ملاحہ کو برتن اٹھانے کا اشارہ کیا اور خود کہنیاں میز کی سطح پر ٹکا کر تائی جان کی طرف متوجہ ہوئی۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

"بہت دیر سے آپ کو یاد آیا۔ خیر اس نکاح کو میں اس لیے نہیں مانتی ہوں امی! کیونکہ کسی بھی طرح سہی مگر میں نمیر کے نکاح میں ہوں۔ اور میں موحد کے ساتھ نہیں بلکہ نمیر کی ماں کے پاس رہ رہی ہوں تو میرا نہیں خیال کہ کسی کو اس پر اعتراض ہونا چاہیئے۔" سب کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ پھر دفعتاً تائی جان حواس میں آکر غرائیں۔

"بکواس مت کرو مہرو! یہ آغا جان کا حکم ہے۔ سمجھیں تم خبردار کوئی اول فول بکی ہو تو۔"

"امی! یہ نکاح خواہ کسی بھی حالت میں ہوا ہو مگر جب تک یہ قائم ہے۔ اس کی پاسداری مجھ پر فرض ہے۔ زرنگار آنٹی کی ذمہ داری ہے مجھ پر، جب تک وہ یہاں اس گھر میں ہیں، اگر میں انہیں اپنے ساتھ لا سکتی ہوں تو کہیے میں آج ہی آجاتی ہوں۔"

تائی جان کی آنکھیں پھٹی رہ گئیں۔ ان کی لاڈلی اور باغی ترین اولاد کیا فلسفہ بگھار رہی تھی۔ ثمرہ کی آنکھیں نم ہو گئیں بعض لوگوں کے ساتھ زمانہ بہت برا سلوک کرتا ہے مگر وہ اپنی اچھی روش نہیں چھوڑتے۔

"تم۔۔۔ تمہاری جرأت کیسے ہوئی اس قدر فضول بات کرنے کی۔۔۔ اب تم اس ننگِ انسانیت کے ساتھ زندگی گزارو گی وہ۔۔۔ جس نے تمہاری زندگی برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔"

"آباد بھی کسی نے نہیں کی امی! اگر اس نے دھوکے سے زبردستی نکاح کیا تھا تو آپ لوگوں نے نکاح پر نکاح کر کے اس سے بھی بڑا گناہ کر دیا۔ میرے بارے میں تو کبھی کسی نے نہیں سوچا۔" وہ تلخی سے بولی تو ان کا دماغ گھوم گیا۔

"تو تم۔۔۔ تم اب اس کے ساتھ رخصت ہونے کا سوچ رہی ہو؟ کاٹ کر دریا میں پھینک دیں گے تمہیں مہرو! مگر یہ بات کبھی سوچنا بھی مت۔"

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے 4 خوبصورت ناول

میرے خواب لوٹادو

نگہت عبداللہ
قیمت -/400 روپے

کسی راستے کی تلاش میں
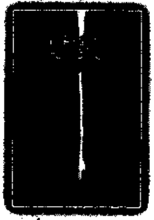
میمونہ خورشید علی
قیمت -/350 روپے

اُجالوں کی بستی

فاخرہ جبیں
قیمت -/400 روپے

ایک میں اور ایک تم

تنزیلہ ریاض
قیمت -/350 روپے

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37، اردو بازار، کراچی
فون نمبر: 32735021

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

''میں نے ایسا کچھ نہیں سوچا لیکن میں زرنگار آنٹی کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتی۔ جب تک وہ انہیں یہاں سے لے نہیں جاتا۔ اور آپ بے فکر رہیں۔ طلاق دے دے گا وہ مجھے اگر اس کو اس کے باپ کی جائیداد دے دی جائے۔'' وہ تحمل سے ان کی بات برداشت کرتے ہوئے بولی۔ تائی جان کا بس نہیں چل رہا تھا۔ ادھر ہی سینہ پیٹ ڈالتیں اپنا۔

''جائیداد......؟ کون سا باپ؟ کیسی جائیداد؟ اللہ جانے کس کا خون ہے اس کی رگوں میں۔ ایسے ہی کوئی منہ اٹھا کر......''

''بااااس۔۔۔ امی بس۔'' مہرو خود پر قابو کھو کر زور سے بولی اور پاس پڑے گلاسوں کو ہاتھ مارا تو چاروں گلاس اڑتے ہوئے زمین پر گرتے ہی کرچیوں میں تبدیل ہو گئے۔ تائی جان نے ششدر نگاہوں سے پہلے گلاسوں کی کرچیوں اور پھر مہر ماہ کے غصے سے تپتے چہرے کو دیکھا۔

''وہ وقار چچا کا بیٹا ہے اور ان کا خون کوئی مانے یا نہ مانے لیکن میں مانتی ہوں اس حقیقت کو۔''

''ہاں۔۔۔ تم تو وہاں تھیں نا ڈیلیوری کے وقت۔'' سائرہ چچی نے تمسخر اڑایا۔

''آپ بھی نہیں تھیں چچی جان!'' اس نے تیز لہجے میں ان کی بات کاٹ کر کہا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

''پاک باز عورتوں پر تہمت لگانا کبیرہ گناہ ہے۔ اور اس کی سخت وعید ہے یہ بات یاد رکھیے آپ لوگ۔''

''تمہاری یہ ساری بکواس میں آغا جان کو بتاتی ہوں جا کر، وہی تمہیں سیدھا کریں گے'' تائی جان بے بس ہو کر اتنا ہی کہہ پائیں۔ مہر ماہ ان کی بات نظر انداز کرتی اٹھ کر چلی گئی۔ ملاحہ فرش صاف کر کے سیدھی اس کے کمرے میں آئی تو بے یقینی سے پوچھا

''آپی! کیا واقعی تم واپس نہیں آؤ گی؟''

وہ گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے بستر پر بیٹھی تھی۔ آزردہ سی ہو کر اس نے ٹھوڑی گھٹنے پر رکھ لی اور آنکھیں موند کر تھکے ہوئے انداز میں بولی۔ ''پتا نہیں ملاحہ! مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے ان حالات میں میں کہیں کھو گئی۔ مجھے نہیں پتا کہ میں اپنا آپ کہاں سے واپس لاؤں۔''

''ایسی باتیں مت کرو آپی! موحد بھائی بہت اچھے ہیں۔ تم نمیر سے طلاق لے لو اور دوبارہ موحد بھائی سے شادی کر لو۔'' ملاحہ نے جذباتی ہو کر کہا تو مہر ماہ نے اسے ناگواری سے دیکھا۔

''موحد میں کون سے ہیرے جڑے ہیں جو میں ایک کنویں سے نکل کر دوسری کھائی میں چھلانگ لگا دوں''۔

''ایسے تو نہ کہو آپی! موحد بھائی نے تمہارے ساتھ آج تک کچھ برا نہیں کیا بلکہ ہمارے لیے تو وہ اچھا ہی سوچتے ہیں۔''

''یہ تو تم امی اور ابو سے پوچھو ذرا کہ اب وہ موحد کے بارے میں کیا سوچتے ہیں، ساری جائیداد پر قبضہ کر لیا ہے اس نے۔ اب تو آغا جان کا پوتے والا شوق بھی پورا ہو گیا ہے بہت غصے میں ہیں وہ......'' مہر ماہ نے تیکھے انداز میں کہا۔ ملاحہ کی بات اور موحد کی اس طرح حمایت کرنا اسے پسند نہیں آیا تھا۔

''یہ اچھی بات ہے۔ اپنی مرضی سے سب کچھ دیا تو ٹھیک اور اگر کچھ فیصلے انہوں نے اپنی مرضی سے کر لیے تو اس پر سب چراغ پا ہو رہے ہیں۔ ویسے بھی تو آغا جان موحد بھائی کو ساری جائیداد کا وارث بنانے پر تلے ہوئے تھے تو اس میں ایسی کیا عجیب بات ہو گئی اگر کچھ انہوں نے اپنی مرضی سے خرچ کر لیا تو......''

''مجھے نہیں پتا جا کر یہ سب باتیں اپنے لاڈلے بھائی سے پوچھو میں کون سا اس کی لیگل ایڈوائزر ہوں

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

اور وہ کون سا ہر کام میرے مشورے سے کرتا ہے۔'' مہر ماہ نے اکتا کر کہا۔
''لیکن وہ اچھے ہیں۔ آپی آغا جان پھر کسی ایسے ویسے کو اٹھا کر لے آئیں گے تمہارے لیے''۔ ملاحہ نے اپنی بات پر زور دے کر کہا۔
''ہاں اور تمہارا خیال ہے کہ میں تمہاری لاڈلے بھائی کو ہی جھاڑ پونچھ کر ٹھیک ٹھاک کرلوں۔'' مہر ماہ نے تحمل سے کہا تو ملاحہ جھینپ گئی۔
''امی نے کبیر کے بارے میں کیا کہا ہے؟'' مہر ماہ نے بات بدل دی تو وہ اداس ہونے لگی
''مجھے نہیں پتا تھا کہ موحد بھائی کبیر کا پروپوزل لا رہے ہیں مگر یہ ضرور پتا تھا کہ جب بھی میری پسند کا رشتہ آیا اور امی کو پتا چلا کہ یہ پروپوزل کبیر کا ہے تو وہ بھی نہیں مانیں گی۔''
''اب یہ تو موحد کا دردِ سر ہے جو یہ پروپوزل لایا تھا یا پھر کبیر سے کہو کہ وہ آکر آغا جان سے بات کرے یا ابو سے'' مہر ماہ نے سنجیدگی سے کہا تو ملاحہ نے جھرجھری لی۔
''تمہارا کیا خیال ہے آپی! یہ لوگ اسے زندہ یہاں سے واپس جانے دیں گے۔'' ملاحہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ تو وہ اکتا کر بولی۔
"سالوں بیت گئے مگر آفندی ہاوس کے رہنے والوں کے دلوں پر لگی مہریں نہ اُتریں' اتنے سخت دل ہیں ان لوگوں کے' پتا نہیں کس طرح نرم ہوں گے۔''
دونوں کے درمیان خاموشی کی دیوار تن گئی تھی۔

* * *

تزئین اور طلال کے تعلقات پہلے سے بہتر چل رہے تھے اسی لیے گھر میں امن اور سکون کا دور دورہ تھا۔ اب تزئین گھر کے کاموں میں بھی مارے باندھے حصہ لے ہی لیا کرتی تھی جبکہ طلال کے ساتھ طنزیہ گفتگو کرنا بھی کم کردی تھی۔ جس کی وجہ سے گھر کا ماحول پرسکون تھا۔ ابھی سائرہ واٹس اپ پر ویڈیو کال کے ذریعے اسے گھر کی تمام رپورٹ دے رہی تھیں۔
''میری تو سمجھ میں نہیں آتا اس مہر ماہ کی قسمت کتنی بلند ہے۔ پہلے طلال کو اپنی اداؤں میں پھنسائے رکھا، وہ تو شکر ہے درمیان میں نمیرا آگیا اور مہر ماہ کو واڑا کر لے گیا''
تزئین لیٹ کر آرام سے کہہ رہی تھی، طلال ابھی تک گھر نہیں آیا تھا سو وہ آزادی سے بات چیت کر رہی تھی۔
''خاک اچھی قسمت ہے اس کی۔ عین شادی کے دنوں میں وہ خبیث آدمی اسے اغوا کر کے لے گیا اور نکاح بھی پڑھوا لیا مہر ماہ کے ساتھ۔ طلال تو اس کی زندگی سے نکلا ہی تھا جو زمانے بھر میں تھو تھو ہوئی وہ الگ۔ وہ تو آغا جان نے اس بدنامی پر پردہ ڈالنے کے لیے مہر ماہ کا نکاح موحد سے کروا دیا ورنہ طلال تو شاید ساری عمر مہر ماہ کے انتظار میں بیٹھا رہتا۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ جو کچھ ہوتا ہے، وہ بہتری کے لیے ہی ہوتا ہے اور موحد کون سا گیا گزرا ہے' اس مہر ماہ کے تو ویسے ہی مزاج نہیں ملتے۔ وہ تو اس نکاح کو مانتی ہی نہیں خوب تماشا لگایا ہوا ہے دونوں بہنوں نے گھر میں''۔
''وہ تو اللہ کا شکر ہے کہ میں نے طلال کو یہی بتایا ہے کہ مہر ماہ نے موحد کی خاطر اسے ٹھکرایا ہے ورنہ تو وہ ابھی تک رانجھا بنا پھرتا رہتا، مہرو کے پیچھے۔" تزئین کڑوے لہجے میں بولی تو دروازے کی چوکھٹ پر کب سے ساکت کھڑا طلال زرد چہرہ لیے الٹے قدموں واپس لوٹ گیا۔ سائرہ چچی اب بیٹی کو گھر کے موجودہ حالات بتا رہی تھیں۔ جن میں کبیر کی بدلتی حالت اور ملاحہ کے لیے آنے والا اس کا پروپوزل تھا۔ وہ حیران

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ہو کر سن رہی تھی۔

☆☆☆

''تم ٹیرس پر آ سکتی ہو مہر!'' مہر ماہ نے اس کی کال اٹینڈ کی تو وہ مدھم لہجے میں بولا۔ مہر ماہ کو جھٹکا لگا۔

''تم اس وقت چھت پر ہو۔۔۔؟''

''ہاں۔۔تم سے بات کرنی ہے۔''

''شٹ اپ۔ آغا جان کو پتا چلا تو گولی مار دیں گے ہم دونوں کو۔ تمہاری تو خیر ہی ہے لیکن مجھے کم از کم بے گناہ مرنے کا کوئی شوق نہیں۔'' اس نے کمبل کو مزید اپنے گرد لپیٹا۔

''گولی سے تو نہیں لیکن سردی سے ٹھٹھر کر ضرور گزر جاؤں گا میں۔'' اب کی بار وہ گویا کپکپا کر بولا۔

''تمہیں ضرورت کیا ہے۔۔۔ یوں جان پر کھیلنے کی۔ نفرت ہے مجھے تم سے اور تم مجھے گھر کی چھت پر آدھی رات کو ملنے کے لیے بلا رہے ہو۔'' ناراضی سے کہتے ہوئے وہ کمبل ہٹا کر اٹھی۔ پاؤں چپلوں میں پھنسائے اور شال لپیٹ لی۔

''تم ہو کس غلط فہمی میں موحد! دھوکے سے ہماری ساری پراپرٹی ہڑپ کر گئے ہو اور پھر بھی سوچ رہے ہو کہ میں ابھی بھی تمہاری بات سنوں گی؟''

موبائل کان سے لگائے خفگی سے کہتی وہ ایک نظر سوئی ہوئی زرنگار پر ڈال کر کمرے سے باہر نکل آئی تو آدھی سیڑھیوں تک آتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ گرم بستر میں سے نکل کر محض ایک شال لپیٹ کر چلے آنا ایک بہت بڑی بے وقوفی تھی وہ بھی موحد جیسے دھوکے باز بندے کی خاطر' پھر سوچا۔

لیکن اس نے ملاحہ کے لیے بہت اچھا فیصلہ کیا ہے تو ذرا سی بات سن لینے میں کیا حرج ہے' کھا تو نہیں جائے گا۔ وہ ٹیرس پر کھڑا جنگلے سے نیچے اندھیرے لان میں جانے کیا تلاش کر رہا تھا۔ مہر ماہ موبائل آف کر کے اس کی طرف بڑھی۔ چند دن پہلے بارش کھل کر برسی تو اب مطلع صاف تھا اور چاند کی سرد راتوں کی اداس سی روشنی ہر سو بکھری ہوئی تھی۔ اس کے قدموں کی آہٹ پر وہ اس کی طرف پلٹا۔

''سوری......اتنی سردی میں تمہیں زحمت دی۔'' وہ معذرت خواہانہ انداز میں بولا تو مہر ماہ نے اسے گھور کر دیکھا۔

''اب یہ زحمت کر ہی لی ہے تو برائے مہربانی اپنے ڈرامے بند کرو اور وہ بات کرو جس کے لیے مجھے اتنی سردی میں ٹیرس پر انوائٹ کیا ہے۔'' جنگلے سے ٹیک لگائے کھڑا وہ چند لمحے خاموش رہا۔

''تائی جان نے تم سے گھر واپس آنے کو کہا تھا۔؟'' اس نے پوچھا تو مہر ماہ کو کوئی حیرت نہ ہوئی یقیناً اسے ثمرہ کی زبانی ساری بات پتا چل چکی تھی۔

''ہاں......اور میں نے انہیں کیا جواب دیا۔ وہ بھی یقیناً تمہیں پتا چل گیا ہوگا؟'' مہر ماہ نے تیکھے لہجے میں کہا۔

''تو کیا میں یہ سمجھوں کہ تم نے نمیر کو مظلوم سمجھ لیا ہے؟'' موحد نے محتاط لفظوں میں پوچھا۔

''تم کیا سمجھتے ہو، کیا وہ شخص قابل معافی ہے؟'' مہر ماہ نے تلخی سے پوچھا تو وہ لمحہ بھر کو چپ رہ گیا۔

''مجھے اس ساری داستان میں صرف زرنگار آنٹی کا کردار قابل ہمدردی لگا ہے صرف وہی ہیں جنہوں نے جبر کو صبر سے برداشت کیا۔ نمیر نے تو اپنا بدلہ لے لیا۔ وہ بھی ایک بے قصور ہے' تو اب وہ اور اس گھر کے مکین ایک ہی صف میں آ گئے ہیں۔ وہ کہاں سے مظلوم رہ گیا۔'' مہر ماہ نے تلخی سے کہا تو کافی دیر کے بعد وہ

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

مدھم لہجے میں بولا۔
"اور موحد....؟" مہرماہ نے تیز نظروں سے اُسے دیکھا۔
"میرے لیے تو موحد اور نمیر ایک ہی تصویر کے دو رخ بن گئے۔ اس نے اپنے حالات کا بدلہ مجھ سے لیا اور تم نے دوست بن کر دھوکا دیا تو بتاؤ۔ کیا موحد اور نمیر دونوں کے پلڑے برابر نہیں ہیں۔؟" وہ جنگلے سے ٹیک لگائے کھڑا خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ شال کو مضبوطی سے اپنے گرد لپیٹے وہ اسے ٹھنڈ سے کپکپاتی ہوئی محسوس ہورہی تھی۔
"تم نے کوئی سویٹر نہیں پہنا؟"
"تم یہ مت سمجھنا کہ میں محض تمہارے ایک بلاوے پر دوڑی چلی آئی ہوں۔ مجھے بھی تم سے ایک بات کرنی ہے۔" اس کی تشویش کو نظر انداز کرتے ہوئے مہرماہ نے جتانے والے انداز میں کہا۔ لیکن موحد کا ذہن ابھی تک اسی بات میں اٹکا ہوا تھا۔
"سوری لیکن مجھے پتا ہے کہ اب کسی کو بھی میرا تم سے بات کرنا گوارا نہیں ہوگا اس لیے سوچا کہ یہیں پر بات کرلوں، مجھے نہیں پتا تھا کہ تم سویٹر پہنے بغیر آجاؤ گی۔" وہ معذرت خواہانہ انداز میں بولا۔ خود وہ فل سویٹر کے اوپر لیدر جیکٹ پہنے ہوئے تھا۔
"تم نے آغا جان کا سارا روپیہ کہاں غائب کیا ہے؟" مہرماہ نے اب کی بار وہ سوال پوچھا جس کی وجہ سے وہ اتنی سردی میں موحد کے بلانے پر چلی آئی تھی۔
"یہ تمہارا معاملہ نہیں ہے مہرماہ۔" موحد نے اسے ٹوکا۔
"یہ ہم سب کا معاملہ ہے، میں گھر والوں سے الگ نہیں ہوں۔" مہرو نے جتایا۔
"میں نے وہ روپیہ اپنی مرضی سے استعمال کیا ہے۔ تب میرے پاس پاور آف اٹارنی تھی مجھ پر اسے خرچ کرنے پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ اس لیے اس بارے میں مجھ سے کوئی سوال نہیں کرسکتا۔" وہ رکھائی سے بولا تو مہرماہ نے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا اور طنز سے بولی۔
"بہت افسوس ہورہا ہے مجھے تم پر موحد! ثمرہ چچی ہمیشہ کہا کرتی ہیں کہ موحد کے سینے میں نمیر کا دل نہیں ہے تو تم نے یہ سرد مہری کہاں سے سیکھی، تم تو ثمرہ چچی کے موحد ہونا؟" موحد ساکت کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ مہرماہ نے اپنے دونوں بازوؤں کو اپنے گرد لپیٹ کر سردی کی شدت کو جیسے کم کرنے کی کوشش کی۔ موحد نے بنا کچھ کہے اپنی لیدر جیکٹ اتار کر اس کے شانوں پر ڈال دی۔ مہرماہ اس کی حرکت پر دنگ رہ گئی۔ اس نے وہ جیکٹ اتارنے کی کوشش کی۔
"مجھ پر یہ مہربانیاں مت کرو موحد! میں تو اب خاردار رستوں پر چلنے کی عادی ہوگئی ہوں" موحد نے اس کے ہاتھ پیچھے کرکے جیکٹ ٹھیک سے اس کے شانوں پر جمادی اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔
"وہ ساری رقم میں نے نمیر آفندی کے اکاؤنٹ میں جمع کروادی ہے۔" مہرماہ بے یقینی سے اپنی جگہ جم سی گئی۔
"اب بتاؤ کیا کرنا چاہیے مجھے؟"
"کچھ نہیں۔ اب تو جو کرنا ہے وہ میں ہی کروں گی۔ نمیر کو دولت چاہیے تھی۔ جائیداد میں حصہ چاہیے تھا وہ تم نے اسے دے دیا۔ بہت شکر یہ اب وہ یقیناً مجھے طلاق دے دے گا۔" وہ لفظوں کو چبا کر کڑوے لہجے میں بولی تو موحد نے بے اختیار اسے شانوں سے تھام لیا۔
"اور میں...؟ میرا کیا؟" مہرماہ نے بڑے حوصلے سے اس کی آنکھوں میں دیکھا اور قطعی انداز میں بولی۔

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

''تم موحد آفندی!..... تم تو اس پوری داستان میں کہیں تھے ہی نہیں۔ تمہارا کیا ذکر۔''
''سنو......!''
وہ ذرا سا جھک کر اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔
ناراض ہو ہم سے؟
مگر ہم وہ ہیں
جن کو تو منانا بھی نہیں آتا
کسی نے آج تک ہم سے محبت جو نہیں کی ہے
محبت کس طرح ہوتی
ہمارے شہر کے اطراف میں تو سخت پہرہ تھا
خزاؤں کا
اور اس کی فصلیں زرد بیلوں سے لدی تھیں......اور ان میں نہ کوئی خوشبو
نہ کوئی پھول تم جیسا۔
کہ مہک اٹھتے ہمارے دل و جاں......
جس کی قربت سے
ہم اس شہر پریشاں کی ویراں گلیوں میں۔۔۔ کسی سوکھے ہوئے زرد پتے کی طرح تھے۔
کہ جب ظالم ہوا
ہم پہ اپنے قدم رکھتی تھی
تو اس کے پاؤں کے نیچے ہمارا دم نکل جاتا۔
مگر پت جھڑ کا موسم
سنا ہے ٹل چکا اب تو۔
مگر جو ہار ہونا تھی
سو وہ تو ہو چکی ہم کو
سنو!

URDUSOFTBOOKS.COM

ہارے ہوئے لوگوں سے تو روٹھا نہیں کرتے۔۔۔
وہ دم سادھے اس مدھم اور ٹھہرے ہوئے لہجے کو سنتی رہی۔ سانس ساکن تھی اور وہ خود دم بخود۔
''یہ کیا نیا کھیل کھیلنا شروع کر دیا ہے تم نے میرے ساتھ؟'' ذہن (اور دل بھی؟) اس کے لفظوں میں الجھا الجھا جا رہا تھا مگر وہ لہجے میں ناگواری بھر کر بولی۔
''کھیل کھیلا تھا، مانتا ہوں...... مگر اعتراف کر رہا ہوں کہ ہار گیا ہوں تم سے۔'' وہ اس قدر تیقن سے بولا کہ مہر ماہ کو مزید کچھ سننا دوبھر ہو گیا، اس کے ہاتھوں کو شانوں پر سے جھٹکتے ہوئے وہ تیزی سے سیڑھیوں کی طرف پلٹ گئی، موحد وہیں کھڑا اسے خود سے دور جاتے دیکھتا رہا، اور وہ دل میں اس دوری کی کسک کو محسوس کر رہا تھا۔

☆☆☆

یہ اگلے روز کی بات تھی۔ مہر ماہ پر رات کی بے خوابی کی وجہ سے سخت سستی طاری تھی موحد کی باتوں نے اسے ذہنی طور پر ڈسٹرب کر دیا تھا یہی وجہ تھی کہ ذہن سے سب کچھ جھٹک کر سونے میں کتنی ہی رات جاگتے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ہوئے نکل گئی تھی۔ کسی اجنبی نمبر کی کال آئی تو تولیے سے چہرہ پونچھتی مہر ماہ نے پہلے تو نظر انداز ہی کیا مگر جب مسلسل گھنٹی بجتی رہی تو اس نے کال اٹینڈ کر ہی لی۔

"ہیلو۔۔۔"

"مہر ماہ۔۔۔" دوسری طرف سے مردانہ لہجہ ابھرا تو وہ گڑبڑائی۔

"جی ہاں۔۔۔ لیکن آپ کون ہیں؟"

"میں طلال بول رہا ہوں مہر...... مہر کا طلال" وہ جذباتی ہو کر بولا تو مہر ماہ کو لگا جیسے کسی نے اس کے سر پر پہاڑ توڑ دیا ہو۔

"میں جان گیا ہوں کہ تم اپنی مرضی سے نہیں بلکہ مجبوراً مجھ سے جدا ہوئی تھیں مہر! اب بھی دیر نہیں ہوئی ہے مہر ماہ! میں تمہارا تھا اور تمہارا ہی ہوں، میں تم سے ملنا چاہتا ہوں مہر!" مہر ماہ کا ذہن سُن۔ کیفیت میں تھا۔ جبکہ دوسری طرف سے مسلسل وہ اسے پکار رہا تھا۔

☆☆☆

سہیل، آفندی نے چند پیپرز آغا جان کے آگے رکھے۔ تو وہ چونکے۔

"یہ کیا ہے؟" عینک ٹھیک سے جما کر انہوں نے کاغذات اٹھا کر نظروں کے سامنے کیا۔

"یہ ثبوت ہے اس دغابازی کا جو آپ کے لاڈلے پوتے نے آپ کے ساتھ کی ہے آغا جان! اس نے سارا روپیہ آپ کے اکاؤنٹ سے نکلوا کر وقار کے بیٹے نمیر کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کروا دیا ہے"۔

وہ بھنچے ہوئے لہجے میں بولے تو آغا جان دنگ رہ گئے...... درد کی ایک شدید لہر ان کے بائیں پہلو سے اٹھی اور سینے کو ایسا جکڑا کہ ان سے سانس لینا دوبھر ہو گیا۔ سہیل آفندی جو یہ قیامت خیز انکشاف کرتے ہوئے بھول گئے تھے کہ آغا جان دل کے مریض ہیں اور شاید اب کی بار جو دل کا دورہ انہیں پڑتا، وہ ان کی زندگی کا آخری دورہ ہوتا۔ آکسیجن کی کمی کی وجہ سے ان کا سیاہ پڑتا چہرہ دیکھ کر بے اختیار بھاگ کر اسٹڈی کا دروازہ کھول کر سب کو آوازیں دینے لگے۔

جگہ دل لگانے کی دنیا نہیں ہے!!!
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

☆☆

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

URDUSOFTBOOKS.COM

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول

شائع ہوگئے ہیں

☆ تتلیاں، پھول اور خوشبو — راحت جبیں — قیمت: 250 روپے
☆ بھول بھلیاں تیری گلیاں — فائزہ افتخار — قیمت: 600 روپے
☆ محبت بیاں نہیں — لبنیٰ جدون — قیمت: 250 روپے

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37، اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com
URDUSOFTBOOKS.COM
URDUSOFTBOOKS.COM

قرۃ العین رائے

بہار آئی

"میں شرط لگا سکتا ہوں کہ آپ یہ جاب نہیں کر سکتیں۔" کاؤچ پر بیٹھتے ہوئے اس نے بلند آواز میں کہتے ہوئے اسے بتایا تھا۔

"کیوں؟" جوتے کا بکل بند کرتے ہوئے تیزی سے پوچھا گیا۔

"کیوں کہ آپ کا نان سیریس ایٹی ٹیوڈ دیکھ کر انہوں نے آپ کو جاب دینی ہی نہیں اور اگر ان کی قسمت پھوٹی اُن کے ستارے گردش میں ہوئے اُن کے سر پر نحوست کے بادل منڈلا رہے ہوئے اور انہوں نے آپ کو اپنی بدقسمتی کی بنا پر یہ نوکری دے دی تو آپ تین دن سے زیادہ یہ جاب کر ہی نہیں سکیں گی۔" ڈرامائی انداز میں جواب دیا گیا۔

ساتھ ساتھ وہ اپنی بہن کی پھرتی سے تیاری کا بھی جائزہ لے رہا تھا اور جس طرح پورے کمرے کو میدان جنگ بنائے ہڑبونگ مچائے وہ تیار ہو رہی تھی۔ اسے اپنی شرط جیتنے کے آثار بالکل واضح نظر آ رہے تھے۔

"کیوں؟" اب کی بار بھی مختصر جواب موصول ہوا' لیکن اسے بتایا گیا تھا۔

"کیوں کیا بھئی! آپ کا غیر مستقل مزاج رویہ' وہ لوگ بے حد سنجیدہ اور ڈسپلن والے لوگ مانگتے ہیں اور آپ ٹھہریں پارہ صفت شخصیت۔ آپ نے تو بینڈ بجا دینی ہے ان کے نظم و ضبط کی' میری مانیں' چھوڑیں یہ نوکری ووکری کا جھنجھٹ' کوئی اچھی سی کارٹون مووی دیکھتے ہیں۔ آپ کے بغیر میں اکیلا مما کی ڈانٹ کھاؤں گا' دونوں بہن بھائی مل کر کھاتے ہیں تو درد بٹ جاتا ہے۔" اصل مدعا بیان کیا گیا تھا۔

"اچھا اب بک بک بند کرو اور مجھے چھوڑ کر آؤ۔" آخری بار اپنی تیاری کا طائرانہ جائزہ لیتے ہوئے اس نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟ یہ پاس ہی تو ہے' اب کیا میں روزانہ آپ کو لادنے' اتارنے کی ڈیوٹی بھی سرانجام دوں گا۔ نو وے۔" حیرت اور پریشانی سی نفی میں سر ہلاتے ہوئے جھٹ جواب دیا گیا۔

"بدتمیز! پتا ہے مجھے پاس ہی ہے' لیکن آج پہلا دن ہے۔ انٹرویو ہونا ہے۔ ذرا آج چھوڑ آؤ۔ پرامس پھر میں خود ہی آیا جایا کروں گی۔" پرس کو کندھے پر ڈالتی اور اپنے ڈاکومنٹس کی فائل سنبھالتی وہ جلدی سے بولی اور کمرے سے نکلتی چلی گئی' وہ بھی پیچھے ہی تھا۔

"اوکے مما اور بابا! اللہ حافظ۔ میں جا رہی ہوں۔" کھانے کی میز پر اعجاز صاحب کو چائے کا کپ تھماتے ہوئے مما کو دیکھ کر دور سے ہی جملہ اچھالا گیا تھا۔

"اور واپس بھی آ رہی ہوں۔" مانی سے جھٹ جواب ملا جو بائیک کی چابی جھلاتے اس کے پیچھے تھا۔

"منحوس! کہنے کو چھوٹا بھائی ہے' لیکن بڑا ہی جمالو ہے۔" دونوں نوک جھونک کرتے گیٹ سے باہر نکلے اور مسز اعجاز جو اس کے جملے پر اسے ٹوکنے لگی تھیں بس مسکرا کر رہ گئیں اور اعجاز صاحب نے بھی ان کا ساتھ دیا تھا۔

✲ ✲ ✲

پیون کو دروازے پر نہ پا کر اور سامنے پرنسپل کے نام کی تختی دیکھ کر اس نے جوش سے بلکہ زور سے دروازہ کھولا۔

اور اندر سے دروازہ کھولنے والے شخص کو اتنی زور

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

سے جا کر لگا کہ بے چارا کراہ کر ماتھا پکڑتا چند قدم پیچھے ہٹا اور وہ جھٹ سے اندر۔

"مے آئی کم ان سر؟" کمرے میں کھڑے ہو کر سوبر بنتے ہوئے پوچھا گیا۔

"آپ آل ریڈی اندر آچکی ہیں۔" گھوری میں مزید اضافہ کرتے ہوئے کہا گیا۔ وہ ابھی تک ماتھے پر ہاتھ رکھے ہوئے تھا۔

"توبہ ہے اتنے لمبے چوڑے انسان کا فائدہ' پورا ایفل ٹاور بنا کھڑا ہے' اپنا آپ بونا لگ رہا ہے حالانکہ پانچ فٹ پانچ انچ قد ہے میرا۔" دل میں مد مقابل شخصیت کا جائزہ لیتے ہوئے سوچا گیا۔

"اوہ سوری! مجھے پرنسپل صاحب سے ملنا ہے۔ آپ کے اسکول کی جانب سے فی میل ٹیچر کی ضرورت کا اشتہار پڑھ کر آئی ہوں۔" لٹھ مار انداز میں سوری کرتے ہوئے اس نے پرنسپل کی تلاش میں ادھر ادھر نظریں دوڑاتے انگریزی زبان میں اپنی انٹری کی وجہ بیان کی تھی۔

"جی میں ہی پرنسپل ہوں۔" سامنے کرسی پر بیٹھتے ہوئے اس نے بھی انگریزی زبان میں ہی جواب دیا۔

اور ایفل ٹاور کو کرسی پر بیٹھتا دیکھ کر وہ تھوڑا سا گڑبڑائی تھی اس کے تصور میں تو کوئی سڑی' کھڑوس سی عمر رسیدہ خاتون یا کھڑوس سا موٹا عمر رسیدہ سر کے بال اڑائے اور موٹا سا چشمہ لگائے پرنسپل تھا اور سامنے والی شخصیت کھڑوس ضرور تھی مگر باقی کے تصور پر پوری نہیں اترتی تھی۔

☆ ☆ ☆

"لگتا ہے اشد ضرورت تھی انہیں ٹیچر کی ہمارے شامت 'آپ کو یہ جاب دے دی گئی' ہائے بے چارے۔" مانی نے لاؤنج میں صوفے پر دھپ سے بیٹھتے ہوئے کہا اور مشعل بس اسے گھور کر رہ گئی۔

"بکو مت! سارا وقت وہ ایفل ٹاور اپنے اسکول کے نظم و ضبط کی گردان کرتا رہا اور پتا ہے مما! اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ میں نے ایم ایس سی فزکس کی ڈگری حاصل کی ہے۔ بقول اس کے حلیے اور شخصیت سے میں محض بی ایس آنرز لگ رہی ہوں اور ٹیچر سے زیادہ اسٹوڈنٹ نظر آتی ہوں۔ میں سوچ رہی ہوں زیرو نمبر کے گلاسز لگا کر جاؤں' شاید ٹیچر لگوں اور اماں جان مجھے شاپنگ بھی تو کرنی ہے کپڑوں کی' آخر مجھے جاب مل گئی ہے۔" لاؤنج میں مما تک فرمائشیں پہنچائی گئیں۔

"خدا کا خوف کرو مشعل! اتنے سارے کپڑے' جوتے تو ہیں تمہارے پاس اور اب تو تم نے اسکول بھی جانا ہے' اب تمہارے پاس کپڑوں کی ڈیزائننگ اور سینے کا وقت نہیں بچے گا اور ویسے بھی تم فارغ تھیں تو میں نے اجازت دے دی ٹیچنگ کی۔ اس دوران تمہارا کوئی اچھا رشتہ آیا تو بس ختم یہ جاب اور تم اپنے گھر۔" انہوں نے حسب معمول گھورتے ہوئے پھر سے اپنی بات دہرائی۔

"اور کرائیں آپی کو فارغ وقت میں شارٹ کورسز کبھی کوکنگ کے' کبھی سینے پرونے کے' کبھی پینٹنگ

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کہ اب آپ انہیں گھر یہ سب سکھانے کے لیے بٹھا بھی نہیں سکتیں محترمہ ویسے ہی بڑی سگھڑ ہیں اور اگر ان کا کمرہ دیکھیں تو بے چارہ رو رہا ہوتا ہے کیوں دیا مجھے اس۔۔۔" اگلے لفظ کو حلق کے اندر اتارا اور بات ادھوری چھوڑی کہ مشعل کے ہاتھ کشن منتقل ہو چکا تھا۔

"تم بس ہزار روپے نکالو۔ مجھے جاب مل گئی ہے ایمان احمد صاحب۔" مشعل نے مانی کا پورا نام لیتے ہوئے کہا۔

"ایک ہفتہ بھی آپ یہ جاب کر گئیں اور آپ کی حرکتوں کو آپ کے کھڑوس باس نے برداشت کر لیا تو پھر لینا آپ۔" مانی نے فوراً جواب اور عافیہ بیگم نے کچن کا رخ کیا۔ شام کے کھانے کا انتظام کرنا تھا' اعجاز صاحب آنے ہی والے تھے۔ ان دونوں بہن بھائیوں کی نوک جھونک اب کشن لڑائی میں تبدیل ہونے والی تھی' وہ جانتی تھیں کہ کچھ دیر بعد آکر مشعل خود ہی ان کی ہیلپ کرنی شروع کردے گی۔

وہ جتنی لاپروا' ہنس مکھ' شرارتی اور چلبلی تھی اتنی ہی حساس' سمجھ دار اور سلیقہ مند بھی تھی۔ وہ اس کی متضاد شخصیت پر کبھی حیران ہوتیں اور کبھی پریشان نہ جانے اس کا شوہر اور سسرال اسے سمجھ پائے گا یا نہیں۔

"یا اللہ یہ یوں ہی ہنستی مسکراتی خوش و خرم زندگی گزارے اور جلد ہی اس کا بہت اچھا رشتہ آجائے۔ آمین۔" دل سے دعا کرتی وہ کچن کے کاموں میں مشغول ہو چکی تھیں۔

✡ ✡ ✡

"اف! قسم کھا رکھی ہے اس بندی نے میرے اسکول کے ڈسپلن کا بیڑہ غرق کرنے کی۔" عاصم سے بات کرتے اپنے آفس کے ونڈو گلاس سے باہر کے پلے گراؤنڈ کا منظر دیکھ کر وہ کراہتے ہوئے بولا تھا۔ اس کی بات پر عاصم نے بھی مڑ کر باہر دیکھا تھا جہاں ایک نازک سی لڑکی' سفید لیس والی قدرے لمبی گول گھیرے والی شرٹ پر چنا ہوا دوپٹہ گردن میں ڈالے بالوں کی فرنچ ناٹ بنائے نرسری کے بچوں کو جھولوں پر جھلا رہی تھی بلکہ ایک چھوٹا سا بچہ اس نے گود میں بھی اٹھا لیا تھا۔

عاصم' اس کا جائزہ لینے تک۔ پیون کو اسے بلوانے کے لیے بھیج چکا تھا۔ عاصم کے لبوں پر خفیف سی مسکراہٹ رینگ گئی تھی' جب پیون کے پیغام پر کندھے اچکاتی وہ آفس کی جانب بڑھی تھی۔

"یس سر؟" دروازہ کھلا دیکھ کر اندر آنے کی اجازت مانگے بغیر اس نے پوچھا تھا اور ابرار اس کے انداز پر دانت کچکچا کر رہ گیا۔

✡ ✡ ✡

"مس مشعل جہاں تک میری معلومات ہیں یہ پیریڈ نرسری کلاس کا میڈیا پیریڈ ہے نہ کہ گیم پیریڈ تو پھر وہ باہر بندروں کی طرح کیوں جھولے جھولتے پھر رہے ہیں۔" ایک ایک لفظ کو چباتے ہوئے پوچھا گیا۔

"توبہ ہے! اس ایفل ٹاور سے ہر وقت دھواں ہی نکلتا رہتا ہے۔" منہ میں بڑبڑائی تھی۔

"سر میڈیا پیریڈ ہی ہے لیکن جب لائٹ نہیں ہوگی اور جنریٹر کا اس روم کے ساتھ کنکشن نہیں اور نرسری کلاس میڈیا روم میں کارٹون نہ لگنے کی صورت میں بھاں بھاں رونا شروع ہوگئی تھی لہٰذا میں نے انہیں گیم پیریڈ کا بہلاوا دے دیا۔" یہ ساری گفتگو انگریزی زبان میں کی جارہی تھی اور عاصم کو نہ جانے کیوں لطف آرہا تھا۔

"او کے میں اس سلسلے میں جلد ہی میٹنگ کرتا ہوں لیکن آپ فی الحال انہیں میڈیا روم لے کر جائیں۔" سنجیدگی میں اب بھی کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔

"سر اس کی ضرورت نہیں' ان کا پیریڈ آف ہوگیا ہے اور میں ان کو ان کی کلاس میں لے کر جارہی ہوں۔" چہرے پر بکھری لٹوں میں سے ایک لٹ کو کان کے پیچھے اڑستے وہ واپس مڑ گئی تھی اور عاصم کو اپنی ہنسی روکنا مشکل ہوگئی تھی۔

"تمہارے بڑے دانت نکل رہے ہیں' میرا بس چلے

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

تو میں اسے ابھی فارغ کردوں اس جاب سے۔" باقی کا غصہ عاصم پر نکالنے کی ناکام کوشش کرتی ہوئے کہا گیا۔

"یار ابرار! ہانپ کیوں ہو رہے ہو؟ اگر اتنا ہی ناک میں دم کر رکھا ہے تو کردو فارغ۔ آخر اس اسکول کے مالک ہو' سیاہ سفید کرسکتے ہو۔" عاصم نے کندھے اچکا کے مشورہ دیا۔

"نہیں یار! اٹس ازویری ٹیلنٹڈ اینڈ ہارڈ ورکر۔ پندرہ دن میں اس نے کسی بھی قسم کی شکایت کا موقع نہیں دیا اور پھر ہمیں سینئر گرلز سیکشن کے لیے ایک سائنس ٹیچر کی اشد اور فوری ضرورت تھی' لاسٹ ٹرم بالکل اینڈ پر ہے سر انجم اپنی بیماری کی وجہ سے جاب چھوڑ گئے اور اس نے آتے ہی نائن اور ایٹ کلاس کو اتنا اچھا پڑھانا شروع کیا کہ ان کے ٹیسٹ میں نمایاں فرق نظر آرہا ہے۔ میں حیران ہوں اس کی پرسنالٹی کے برعکس بچے اس کے ساتھ اٹیچڈ بھی ہیں اور کلاس پیریڈ میں بالکل خاموشی اور جب جاکر سوالات کیے ٹاپک کے متعلق تو سب کو جواب آتے تھے۔ تم تو جانتے ہو کہ مجھے ایسے ٹیچرز کی اشد ضرورت ہے' اسکول کی بہترین ریپوٹیشن بنانے کے لیے۔

پاپا نے اس سے پہلے جس پرنسپل کو یہ اسکول سنبھالنے کے لیے دیا تھا اس نے سب کچھ بگاڑ کر ہی رکھ دیا' اس لیے اب اسے سنوارنے اور ترقی کی راہ پر لے جانے کا بیڑہ میں نے اٹھایا ہے' پاپا کو اس کی بہت ٹینشن تھی۔"

عاصم جو کافی عرصے سے ملک سے باہر رہا تھا اب اچانک واپس آکر اس سے ملنے چلا آیا تھا اصل صورت حال سے ابرار واقف کر ہی رہا تھا کہ نرسری کلاس کا ایشو نکل آیا پھر سے اپنی ادھوری باتوں کا سلسلہ کلام جوڑتے ہوئے ابرار نے جواب دیا اور بدلے میں عاصم کے شریر جواب پر بس وہ پیپر ویٹ اسے مارتا مارتا رہ گیا۔

"اوکے یار اب میں چلتا ہوں۔" کچھ دیر بعد ہی عاصم نے جانے کا قصد کرتے ہوئے کہا۔

"رک نا۔" ابرار نے فوراً کہا۔

"نہیں بتایا ہے ناکہ رشتے داروں سے ملنے اسلام آباد جانا ہے۔ لاہور سے اسلام آباد کا فاصلہ کافی ہے۔ گھر پر تو آج کل ملتا نہیں بقول آنٹی کے بس آج کل اسکول ہی اوڑھنا بچھونا بنا ہوا ہے تمہارا اس لیے تم سے ملنے یہیں آگیا' ویسے میری بات پر غور کرنا۔" عاصم نے اس سے ہاتھ ملاتے آخری بات شریر لہجے میں کہی جس پر ابرار بس اسے گھور کر رہ گیا۔

☆ ☆ ☆

مما کی بات نے اسے شاک کردیا تھا اور پھر وہ فوراً نتیجے پر پہنچ گئی تھی' ان کے نیم رضامند رویے کو نظر انداز کرتے ہوئے سختی سے نفی میں جواب دیا تھا۔ مما نے پھر بھی اسے سوچنے کا وقت دیا تھا لیکن اسے کچھ سوچنا ہی نہیں تھا وہ اس کی چال کو بہت اچھی طرح سمجھ گئی تھی للہٰذا اگلے روز بھی اس نے وہی جواب دیا جو ایک دن پیشتر دیا تھا' چونکہ ویک اینڈ تھا اور وہ ہفتہ صفائی منا رہی تھی للہٰذا پورے گھر کو الٹ پلٹ کیے صفائی کا کام زور و شور سے جاری ہوچکا تھا۔ عافیہ بیگم نے بھی اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

شاک تو ابرار کو بھی لگا تھا رات مما نے جو بات اسے بتائی تھی وہ اس سے بے حد پریشان ہوگیا تھا لیکن اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ ضرور اس مسئلے کو حل کرکے چھوڑے گا بس اگلے روز کا اب اسے بے چینی سے انتظار تھا۔

☆ ☆ ☆

اور پھر اگلے روز کی اطلاع نے اسے اور زیادہ شاک کردیا تھا' ٹیچرز کے ساتھ میٹنگ' نئی کلاسز کا سلیبس' نئی بکس' نیا یونیفارم وہ ان سب باتوں کو ایک پل میں یکسر فراموش کر گیا تھا۔

ذہن بے حد الجھا ہوا تھا' زندگی ایک دم بلینک ہوگئی تھی' بے چینی اور پریشانی اتنی بڑھی

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

کہ بے اختیار اس نے کسی کے لینڈ لائن کا نمبر تیزی سے اپنے سیل نمبر سے ملایا تھا اور پھر تیزی سے کاغذ پر چند سطریں گھسیٹ کر کاغذ کو مٹھی میں جکڑے وہ آفس سے نکلتا چلا گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

واپسی پر وہ لانگ ڈرائیو پر چلا گیا تھا جس کی اسے اشد ضرورت محسوس ہو رہی تھی' ڈرائیونگ کے دوران گزشتہ دنوں کی باتیں فلیش بیک کی طرح ہم سفر تھیں۔ کبھی لبوں پر مسکان' کبھی الجھن' کبھی بے حد پریشانی اور کبھی کچھ کھو جانے کا ڈر' ان سب کیفیات سے وہ بیک وقت گزر رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"ابرار بیٹا ہم لوگ' میں اور تمہارے پاپا چاہ رہے ہیں کہ تمہارا رشتہ عافیہ سے کر دیا جائے جس طرح کے تم سنجیدہ مزاج' ڈسپلنڈ ہو' ویسی ہی وہ سوبر' خاموش طبع اور تمہاری ہی طرح ذہین لڑکی ہے۔ ہمارے خیال میں تم دونوں پرفیکٹ کپل ثابت ہو گے۔ اگر لائف پارٹنر ہم مزاج ہو تو زندگی بہت آسان ہو جاتی ہے اور پھر وہ تمہارے پاپا کے بے حد اچھے دوست کی بیٹی ہے۔ ہم اس فیملی سے بہت اچھی طرح واقف ہیں' تم لوگ بھی ایک دوسرے سے کئی بار فنکشنز وغیرہ پر مل چکے ہو اور اب تم نے اسکول کی دوسری برانچ سنبھال لی ہے۔ اپنی لائف میں سیٹل ہو' وہ تمہارے ساتھ ان سب میٹرز کو شیئر کر سکتی ہے' سنبھال سکتی ہے۔ اس لیے ہم بہت جلد یہ رشتہ کر دینا چاہتے ہیں۔ ہمارے دل میں اپنے اکلوتے بیٹے کی شادی کے بے حد ارمان ہیں اور اب ہم انہیں جلد از جلد پورا کرنا چاہتے ہیں۔"

مسز گلزار نے ابرار کے بیڈ روم میں بیڈ پر لیٹے ابرار کے پاس بیٹھ کر اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کافی تفصیل سے بتایا جو ان دونوں میاں بیوی نے سوچا تھا۔

لیکن ابرار کے رد عمل اور اس کی بات نے چند لمحے کے لیے انہیں ساکت کر ڈالا تھا اور پھر وہ اس کے اصرار پر گلزار صاحب سے ہر بات معاملے پہ بات کر کے تیسرے روز ہی مشعل کے گھر جا پہنچی تھیں۔ پتا انہیں مشعل کی فائل سے ملا تھا جو انہوں نے ابرار کے علم میں لائے بغیر اسکول کی کوآرڈینیٹر مسز عارفہ سے منگوائی تھی۔

☼ ☼ ☼

"کلاس تھری! یہ پیریڈ میرا فکسچر پیریڈ ہے اور آپ کا اردو کا ہے' میں چونکہ سینئر سیکشن کی سائنس ٹیچر ہوں لہٰذا اردو پڑھانا تو آسان ہے مگر چونکہ یہ آپ کا اردو خوش خطی کا پیریڈ ہے تو مجھے آپ لوگ پڑھائیں گے۔ کہ اردو کے الفاظ یا حرف کس طرح لکھے جاتے ہیں۔" راؤنڈ پر نکلے ابرار کے قدم کلاس تھری کے باہر ذرا فاصلے پر غصے سے تھم گئے تھے۔

اس سے بڑھ کر ایک ٹیچر کی نالائقی کیا ہو گی کہ وہ چھوٹے بچوں کے سامنے اپنی خامی کا تذکرہ یوں فخریہ بیان کر رہی ہو' آج اسے ڈانٹ کھانے سے کوئی نہیں بچا سکتا تھا یقیناً" کوآرڈینیٹر مسز عارفہ اور مشعل کی انسلٹ ابرار کے آفس میں ہونے والی تھی۔ آخر مسز عارفہ نے مشعل کا پیریڈ لگایا ہی کیوں اگر وہ اس مضمون کے متعلق کچھ نہیں جانتی۔

"جی تو حرف "س" کے کتنے شوشے ہوتے ہیں؟ کیا میں نے وائٹ بورڈ پر ٹھیک لکھے ہیں یا کوئی مجھے کریکٹ بتائے (درست) گا۔" اندر سے آتی آواز پر وہ متوجہ ہوا تھا اور پھر چند سیکنڈ میں وہ جان گیا تھا کہ یہ مشعل کا بچوں کو پڑھانے کا طریقہ ہے' جو کافی دلچسپ تھا۔

ٹیچر کو سمجھانے کے چکر میں پوری کلاس پوری توجہ اور شوق سے خوشخطی کے پیریڈ کو اٹینڈ کر رہی تھی اور ہاتھ کھڑے کر کے ٹیچر کو بتا رہی تھی کہ وہ کون سا حرف درست لکھ رہی ہیں اور کون سا غلط۔

"لیجیے مسز عارفہ! آج آپ کی تھری کلاس نے اردو خوشخطی کا پیریڈ شوق سے اٹینڈ کیا ہے اور سب بچوں

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

نے نوٹ بکس پر بھی اچھی اور صاف لکھائی ـــــ کی کوشش کی ہے یہ وہی کلاس ہے ناجو اردو لکھائی میں کافی خراب جا رہی ہے مسز مریم کو میں بتادوں گی کہ ان شیطانوں کو کس طرح سے قابو کرتے ہوئے اس سبجیکٹ میں ان کی دلچسپی بڑھائی جاسکتی ہے۔" کلاس سے باہر نکلتے ہی مسز عارفہ کے ساتھ ابرار کی مخالف سمت میں چلتی ہوئی وہ بولی تھی‘ وہ دونوں ہی ابرار کی موجودگی سے بے خبر تھیں۔

اس روز وہ اس لاپرواہ سی لڑکی کی ذہانت کا تھوڑا سا قائل ہوا تھا اور اس کی پرفارمنس پر ہر طرف سے اطمینان بخش جواب پاکر وہ اس کی بچکانہ حرکتوں کو نظر انداز کرنے پر مجبور تھا‘ یہ وہ جان چکا تھا۔

ایک اور یاد فرنٹ سیٹ پر آ بیٹھی تھی۔ جب اس روز ہلکی پھوار میں بچوں کے ساتھ بھیگتی بھاگتی ہنستی کھلکھلاتی اس کے لبوں کو بھی مسکان سے آشنا کرگئی تھی۔ اسی کی طرح شفاف مسکان اور اب وہی اس کے لبوں سے مسکان کو چھین رہی تھی‘ ایسا دکھ دیا تھا اسے کہ گیلی لکڑی کی مانند سلگ رہا تھا۔

ڈرائیونگ کرنا بھی دوبھر ہوگیا تھا اس کے لیے۔

"توبہ ہے مشعل‘ چلتی پھرتی میوزک ہو یار تم تو۔" وہ اس کی چوڑیوں اور پازیب کی کھنکھناہٹ سے خاموشی سے لیپ ٹاپ پر ضروری کام کرتے ہوئے بولا تھا۔ یہ آوازیں اس کی توجہ کو مرکوز نہیں رہنے دے رہی تھیں۔

جواب میں اس کی ہنسی کی جلترنگ بجی تھی۔ "لو اس کی کمی تھی۔" خواہ مخواہ الجھا۔

"لو یہ بیٹھی ہوں میں مجسمہ بن کر نہ ہلوں گی‘ نہ میوزک بجے گا اور نہ ہی بولوں گی۔" منہ پھلا کر وہ ناشتے کی میز پر اس کے مقابل کرسی پر آن بیٹھی تھی۔

"یار ایک کپ اور کافی بنادو تم کافی بے حد مزیدار بناتی ہو۔ بس تھوڑا سا کام رہ گیا ہے پھر سنڈے فری ہے۔" لیپ ٹاپ پر تیزی سے کام کرتے ہوئے وہ مصروف سے انداز میں بولا تھا اور پھر بالکل خاموشی سے چونکا تھا اس کی تلاش میں اِدھر اُدھر دیکھا تو وہ بالکل سامنے پھولے منہ کے ساتھ بیٹھی نظر آئی۔

اس کے انداز پر وہ بے اختیار ہنسا اور پھر ہنستا ہی چلا گیا۔

"سوری یار تمہارے۔ یہ سب ہی انسٹرومنٹ مجھے پسند ہیں پلیز میوزک بجاتی میرا مطلب مدھر میوزک بجاتی ایک کپ کافی بنادو۔ اس کے بدلے میں ڈنر میں تمہیں آج تمہارے فیورٹ ریسٹورنٹ میں کراؤں گا۔" ہنسی پر قابو پاتے وہ خوش مزاجی سے بولا تھا۔

اور ناشتے کی میز پر اخبار پڑھتیں مسز گلزار بے ساختہ ان دونوں کی باتوں اور حرکتوں پر مسکرائی تھیں۔ واقعی مشعل کے سنگ زندگی بتانے کا فیصلہ ان کے بیٹے کا بہترین فیصلہ تھا ورنہ ابرار اور یوں ہنسے‘ ناممکن‘ وہ بے حد سنجیدہ مزاج بلکہ خشک مزاج تھا۔

اس روز اسکول آکر ابرار کو پتا چلا کہ مشعل اسکول چھوڑ رہی ہے‘ اس کی ٹیبل پر مشعل کا استعفیٰ پڑا تھا۔ دل پہلے ہی رات سے پریشان تھا جب مما نے بتایا کہ مشعل کے گھر سے جواب نفی میں آیا ہے اور پھر اس نے مشعل کے گھر کا نمبر ملا کر مسز اعجاز سے بات کرکے اسی وقت ان کے گھر آنے کی اجازت طلب کی تھی اور جواب مثبت پاکر وہ فوراً" ان سے ایڈریس پوچھ کر ان کے گھر روانہ ہوگیا تھا۔ حالانکہ وہ چاہتا تو مشعل کی پرسنل فائل سے بھی ایڈریس لے سکتا تھا لیکن ان باتوں کا اسے دھیان ہی کب تھا۔

ڈرائنگ روم چھوٹا لیکن بے حد نفیس اور خوب صورتی سے سجا ہوا تھا۔ جب وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔ تو مسز اعجاز چند لمحے ابرار سے رسمی گفتگو کرنے کے بعد چائے بنانے کا کہہ کر اٹھ آئی تھیں۔ انہیں ابرار بہت اچھا لگا تھا اور وہ چاہتی تھیں کہ ان دونوں کے درمیان جو بھی غلط فہمی ہے وہ بات چیت کے ذریعے دور ہوجائے۔ انہیں اپنی بیٹی پر خود سے بھی

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

زیادہ اعتماد تھا۔

"میں اس رشتے سے انکار کی وجہ جان سکتا ہوں؟ آخر آپ نے مجھے ریجیکٹ کیا ہے تو اتنا حق تو رکھتا ہوں کہ مسترد ہونے کی وجہ جان سکوں۔" چند لمحے کی خاموشی کے بعد اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"میں آپ کو شروع سے پسند نہیں ہوں۔ میری ہر بات آپ کو بچکانہ لگتی ہے۔ کسی نہ کسی بات پر روز میری حاضری لگ جاتی ہے۔ کبھی یہ ڈسپلن خراب کیا۔ کبھی وہ ڈسپلن توڑا تو پھر رشتہ بھجوانے کو میں کیا سمجھوں۔ یہ آپ کی چال ہے اس طرح آپ مجھ پر اپنا رعب قائم کر ڈالیں میں آپ کے سامنے کچھ نہیں بول پاؤں اور وہ جو آپ کے دل میں باس ہونے کے ناتے میری انسلٹ کی خواہش بیدار رہتی ہے وہ یہ رشتہ ہونے کے بعد پوری ہوگی۔ میں آپ کی ساری چال سمجھ گئی ہوں اس لیے انکار کردیا۔" مشعل نے گردن اکڑاتے ہوئے جواب دیا اور آخری الفاظ مقابل کی جانب دیکھتے ہوئے کہے لیکن اس کے تاثرات دیکھ کر وہ دل میں سہم گئی تھی۔

"ہوں۔ ہوں۔ میرے پاپا اکلوتے تھے۔ رشتے داروں نے ہمیشہ ان کے ساتھ منافقانہ رویہ اپنا کر اپنا الو سیدھا کرنے کی کوشش رکھی۔ اتفاق سے میں اکلوتا بیٹا ہوں ان کا پاپا کو ہمیشہ گھر میں اس تکلیف اور دکھ کے ساتھ دیکھا کہ میں اکیلا ہوں اور کوئی خالص رشتہ نہیں ہے۔ پاپا کو اپنے اکیلے پن کا ایک طرح سے دکھ ہی نہیں تھا بلکہ وہ اس سوچ سے احساس کمتری کا شکار ہوگئے تھے۔ مما کو بھی ان کے بہن بھائیوں سے زیادہ ملنے جلنے نہیں دیتے تھے کہ لوگ فریبی ہوتے ہیں۔ ہمارے گھر کا ماحول بے حد خاموش، سنجیدہ اور ایک طرح کی اداسی لیے ہوئے تھا۔ میں بھی اس ماحول میں ڈھل کر سنجیدہ مزاج ہوتا چلا گیا اور پھر ایک روز جیسے بہار آئی یعنی تم میری زندگی میں آئیں، تمہاری ان بے ساختہ سی بچکانہ حرکتوں پر میرا دل مسکرانے لگا۔ اسکول کو لے کر میں کافی سیریس اور ٹینشن میں تھا لیکن پھر مجھے سب ہی معاملات سمجھنے حل کرنے اچھے اور آسان لگنے لگے۔ تمہاری قابلیت کا میں چند دن میں ہی قائل ہوگیا تھا اور پھر تمہاری اس شوخ چنچل شخصیت نے مجھ پر ایسا اثر کرنا شروع کیا کہ جب مما نے مجھ سے شادی کے متعلق بات کی تو فوراً" تمہارا تصور ذہن میں آیا اور میں نے انہیں اپنی مرضی بتادی۔

بس یہی احساسات تھے جو میں نے آپ تک پہنچا دیے۔ اب اگر آپ کو لگے کہ میں کسی سازش اور چال کے بغیر سچائی کے ساتھ آپ کے ساتھ اپنی سنجیدہ سی زندگی کو قوس قزح کے رنگوں سے بھرنا چاہتا ہوں تو جب اس بار میری مما آئیں تو جواب مثبت دے دیجیے گا اور میری دعا ہے کہ آپ کو میرے سچے جذبات پر یقین آجائے۔" گلا صاف کرتے ہوئے وہ چند لمحے بعد بولا تھا درمیان میں آپ سے تم اور تم سے آپ کا سفر اس نے بہت تیزی سے طے کیا تھا اور پھر گاڑی کی چین ٹیبل سے اٹھا کر خدا حافظ کہتا ہوا اس کے گھر سے نکلتا چلا گیا تھا۔ اس کی سچائی والدین کو رشتہ بھجوانے سے واضح تھی۔

کوئی وجہ نہیں تھی جو اس رشتے سے انکار کیا جاتا۔ اعجاز صاحب اچھی طرح سے ان کی چھان پھٹک کروا چکے تھے۔ مسز گلزار دوبارہ ان کے گھر آچکی تھیں۔ تیسری بار وہ گلزار صاحب کے ساتھ آئی تھیں۔ دونوں میاں بیوی مشعل اور اس کے والدین کو نفیس اور سلجھی طبیعت کے مالک لگے تھے مشعل ابرار کے اس عمل سے دل سے قائل ہوئی تھی کہ اس نے اس رشتے کو بنانے کے لیے صاف اور سیدھا راستہ چنا تھا۔ اپنے والدین کو اس کے گھر بھیجا تھا۔

مانی کو بھی ابرار پسند آیا تھا روز وہ مشعل کا سر کھاتا تھا کہ ہاں کرو اور میری بیوی کے لیے میدان صاف کرو۔ مشعل کی رضامندی پاکر دونوں گھرانوں میں شادی کی تیاریاں زور و شور سے شروع ہوگئی تھیں۔

★★★

"بہار آئی۔
تو جیسے یک بار لوٹ آئے ہیں پھر عدم سے
وہ خواب سارے، شباب سارے....."

نظم گنگناتی وہ ابرار کے لیے کافی بنانے کچن کی جانب بڑھ گئی ساتھ ہی اس کے کانوں کے پاس شرارت سے چوڑیاں بجاتی ہوئی گئی تھی۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com
URDUSOFTBOOKS.COM

خواتین ڈائجسٹ

مارچ 2018ء
کے شمارے کی ایک جھلک

URDUSOFTBOOKS.COM
URDUSOFTBOOKS.COM

- "اقرار کا موسم" ایمل رضا کا مکمل ناول،
- "دیکھ تمنائے روشنی" مصباح علی سید کا مکمل ناول،
- "وحشتِ جنوں" آمنہ ریاض کا ناول،
- "حالم" نمرہ احمد کا ناول،
- فاخرہ رابعہ، واعظہ زیدی، قرۃ العین سکندر، عندلیب زہرا، ایمن فیاض، اور شبینہ گل کے افسانے،
- میمونہ صدف اور فوزیہ فرخ کے ناولٹ،
- آپ کی پسندیدہ مصنفہ "نبیلہ ابر راجہ" سے ملاقات،
- ٹی وی فنکار "علی مرتضیٰ" سے باتیں،
- کرن کرن روشنی احادیث نبوی ﷺ کا سلسلہ،
- ہمارے نام اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں،

خواتین ڈائجسٹ کا مارچ 2018 کا شمارہ آج ہی خریدلیں۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com
URDUSOFTBOOKS.COM

یہ اچھا، وہ بُرا ہوتا ہے
اِن باتوں سے کیا ہوتا ہے

رات گئے بھی آ سکتے تھے
دروازہ تو کھلا ہوتا ہے

جب دیکھو اس دروازے پر
کوئی نہ کوئی کھڑا ہوتا ہے

تم تو خوش ہوتے ہو مل کے
سارا شہر خفا ہوتا ہے

صاف نظر آ جاتا ہے وہ
جس نے پیار کیا ہوتا ہے

چُپ رہتا ہوں شعورؔ کے منہ پر
گو افسوس بڑا ہوتا ہے

انور شعور

غم کے مارے جو مسکرائے ہیں
آنسوؤں کو پسینے آئے ہیں

کیا بلا ہے خوشی، خدا جانے
ہم تو بس نام سنتے آئے ہیں

مہربانی، اخلاص، ہمدردی
ہم نے کیا کیا فریب کھائے ہیں

تیرے جانے کے بعد مدت تک
روئے ہیں ہم نہ مسکرائے ہیں

ہائے رے اُن کی یاد کا عالم
میں یہ سمجھا کہ خود وہ آئے ہیں

فاصلے اور بڑھ گئے ہیں خمارؔ
جب کبھی وہ قریب آئے ہیں

خمار بارہ بنکوی

URDUSOFTBOOKS.COM
URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

دیکھنے میں جو آنکھیں میلی لگتی ہیں
تیز اُجالے ان کے اندر ہوتے ہیں
ان کے من میں کئی سمندر ہوتے ہیں
روشنیوں کے دریا جن میں گرتے ہیں

دیکھنے میں جو آنکھیں بھیگی بھیگی ہیں
ان کی تہہ میں کئی طوفان ہوتے ہیں

ان کے پیچھے خشک بیاباں ہوتے ہیں
جن میں دن بھر ریت کے بادل اُڑتے ہیں
ٹوٹے دل کب جُڑتے ہیں

دیکھنے میں جو آنکھیں سہمی سہمی ہیں
ان کے اندر خواب اُمڈتے رہتے ہیں
بچھڑ بچھڑ کے گہرے دریا بہتے ہیں
جن کے کناروں پر خواہش دُکھ چُنتی ہے
یوں کب قسمت بنتی ہے

محمود شام

کبھی تعجیل ہوتی ہے، کبھی تاخیر ہوتی ہے
مرتب کس طرح انسان کی تقدیر ہوتی ہے

کسی سائل کی صورت کو کبھی دیکھو تو واضح ہو
کہ خاموشی میں کتنی دُکھ بھری تقریر ہوتی ہے

زمانہ خوبصورت اُلجھنوں کا ایک چکر ہے
جدھر بچ کر نکلتا ہوں، وہیں زنجیر ہوتی ہے

زیادہ عشق کا اظہار بھی خطرے کا سگنل ہے
مری بات ان کو یوں لگتی ہے جیسے تیر ہوتی ہے

یہ ڈر ہے کہ کیمرے کی آنکھ خود اندھی نہ ہو جائے
عدم اس جسم میں کچھ اور ہی تنویر ہوتی ہے

عبدالحمید عدم

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

اوکاڑہ

اس ماہ کی مسکراہٹیں

مذاق

لڑکی نے بے دلی سے بوائے فرینڈ سے کہا۔
"آج سے ہماری دوستی ختم ہے، ہم ایک دوسرے کو دیے گئے سارے گفٹ واپس کردیتے ہیں۔"

لڑکے نے خوش دلی سے کہا۔ "ٹھیک ہے...... ایزی لوڈ سے اسٹارٹ کرتے ہیں۔"
لڑکی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اوہو...... کیا اب میں اپنے جانو سے مذاق بھی نہیں کرسکتی؟"

سزا

میاں بیوی میں جھگڑا ہوا تو بیوی نے اپنی ماں کو فون کرکے کہا۔ "میں انہیں سزا دینا چاہتی ہوں لہٰذا میں آپ کے گھر آرہی ہوں۔"
ماں نے فوراً اپنی بیٹی کو منع کیا۔
"نہیں بیٹا! ایسا نہ کرو، اس طرح اسے اپنے کیے کی سزا نہیں ملے گی۔ تم وہیں ٹھہرو، میں اور تمہارے بہن بھائی تمہارے پاس رہنے کے لیے آرہے ہیں۔"

اعتبار

ایک صاحب بہت دیر سے بک اسٹال پر مبارک باد کا کارڈ تلاش کررہے تھے تاکہ شادی کی سالگرہ پر بیوی کو دے سکیں۔ ان کی تلاش جب کافی طول پکڑ گئی تو سیلز مین ان کے قریب آیا اور بولا۔
"مسٹر! میں آپ کی کچھ مدد کرسکتا ہوں؟"
"ہاں...... مجھے کوئی ایسا کارڈ دو، جس کے مضمون پر میری بیوی اعتبار کرسکے۔"

لیڈیز فرسٹ

ایک لڑکا اور لڑکی پیار میں کامیاب نہیں ہوسکے تو انہوں نے خودکشی کرنے کا سوچا۔ وہ دونوں ایک بلند عمارت کی چھت پر پہنچے۔ پہلے لڑکے نے چھلانگ لگائی، لڑکی نے مارے خوف کے آنکھیں بند کرلیں اور واپس لوٹنے لگی۔ لڑکے نے اسے دیکھ کر ہوا میں پیراشوٹ کھولا اور بولا۔
"مجھے پتا تھا، تم نہیں کودو گی، اس لیے میں نے پیراشوٹ ساتھ میں رکھ لیا تھا۔"
بس اس دن کے بعد سے لوگوں نے ہر معاملے میں کہنا شروع کردیا۔
"لیڈیز فرسٹ۔"

آپریشن

ڈاکٹر نے مریض سے کہا۔ "کل تمہیں اپنے دل کا آپریشن کروانا پڑے گا۔"
"لیکن جناب! میں یہ آپریشن ہرگز نہیں کروا سکتا۔" مریض نے کہا۔
ڈاکٹر نے حیرت سے پوچھا۔ "آخر کیوں؟"
"اس لیے میں اپنا بیمار دل کل ہی کسی کو تحفے میں دے چکا ہوں۔" مریض نے جواب دیا۔

تسلی

ایک جہاز اڑتے ہوئے فضا میں ہچکولے کھانے لگا جس پر مسافروں نے چیخنا چلانا شروع کردیا اور ہر طرف بھگدڑ مچ گئی۔ اسی دوران اسپیکر پر جہاز کے کپتان کی آواز سنائی دی۔
خواتین وحضرات گھبرانے کی ضرورت نہیں، یہ ایک بہترین امپورٹڈ جہاز ہے۔ غیر ملکی ماہرین روزانہ اس کی دیکھ بھال کرتے ہیں لہٰذا آپ بے فکر اور مطمئن ہوکر سفر کریں۔ آپ کھڑکی سے باہر دیکھیں، نہایت خوب صورت نظارہ ہے۔ شام

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ہونے کو ہے، سورج کا سرخ گولا سمندر میں غروب ہو رہا ہے۔ لوگ رنگ برنگ کی کشتیوں میں سفر کر رہے ہیں، آپ ایک لال رنگ کی کشتی دیکھ رہے ہوں گے...... میں اسی کشتی سے بول رہا ہوں۔

سزا

میاں، بیوی نے شادی کی پہلی سالگرہ پر ضیافت کا اہتمام کیا تھا۔ بیوی نے بڑے چاؤ سے اپنے ہاتھ سے کھانے تیار کیے تھے۔ مہمان جمع تھے، خوش گپیوں اور مشروبات وغیرہ کا دور چل رہا تھا، ایک دوسرے کو لطیفے سنائے جا رہے تھے، قہقہے گونج رہے تھے۔

شوہر نے بیوی سے دریافت کیا۔

''کیا خیال ہے بیگم! مہمانوں کو کچھ دیر اور لطف اندوز ہونے دیا جائے یا کھانا لگوا دیا جائے۔''

جرح

شوہر: ''تم میرے ساتھ واک پر چلوگی؟''

بیوی: ''تمہارا مطلب ہے کہ میں موٹی ہو گئی ہوں؟''

شوہر: ''او کے، نہیں نہیں! پسند نہیں تو مت چلو۔''

بیوی: تمہارا مطلب ہے کہ میں ست ہوں؟''

شوہر: ''غصہ کیوں کر رہی ہو؟''

بیوی: ''تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ میں ہمیشہ جھگڑا کرتی ہوں؟''

شوہر: ''میں نے ایسا تو نہیں کہا۔''

بیوی: ''تمہارا مطلب ہے، میں جھوٹ بول رہی ہوں؟''

شوہر: ''او کے بابا! مت جاؤ، میں اکیلا ہی چلا جاتا ہوں۔''

بیوی: ''مجھے یہ تو بتاؤ کہ تم اکیلے ہی کیوں جانا چاہتے ہو؟''

شوہر: ''اُف۔'' (اس نے اپنے سر کے بال اپنی مٹھی میں جکڑ لیے)۔

سوا سیر

ایک ٹی وی چینل کا رپورٹر ایک کسان کا انٹرویو لے رہا تھا۔

صحافی: ''آپ اپنے بکرے کو کیا کھلاتے ہیں؟''

کسان: ''سیاہ یا سفید کو؟''

صحافی: سفید کو۔''

کسان: ''گھاس۔''

صحافی: ''اور سیاہ کو؟''

کسان: ''اسے بھی گھاس......''

صحافی: ''آپ ان بکروں کو باندھتے کہاں ہیں؟''

کسان: ''سیاہ یا سفید کو؟''

صحافی: ''سفید کو۔''

کسان: ''باہر کے کمرے میں۔''

صحافی: ''اور سیاہ کو؟''

کسان: ''اسے بھی باہر کے کمرے میں۔''

صحافی: ''اور انہیں نہلاتے کہاں ہو؟''

کسان: ''سیاہ کو یا سفید کو؟''

صحافی: ''سیاہ کو۔''

کسان: ''جی پانی کے نلکے کے نیچے۔''

صحافی: ''اور سفید کو؟''

کسان: ''جی اسے بھی پانی کے نلکے کے نیچے۔''

اب تو صحافی کا غصہ ساتویں آسمان پر پہنچ گیا۔ وہ بولا۔

''احمق آدمی! جب دونوں کے ساتھ سب کچھ ایک جیسا کرتا ہے تو مجھ سے بار بار کیوں پوچھتا ہے؟''

کسان: ''اب پتا چلا...... جب تم ایک ہی نیوز کے چند جملوں کو سارا دن گھما پھرا کے دکھاتے ہو، اس وقت ہماری بھی یہی حالت ہوتی ہے۔''

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

خالدہ جیلانی

کھیل سمجھے کوئی میرے دل کا معاملہ

شگفتہ تبسم ——— کراچی

کتاب آرزو کے گم شدہ باب سے کیے ہیں
ترے تکیے کے نیچے بھی ہمارے خواب دکھے ہیں

ریحانہ چوہدری ——— مدد کے

انتظار میں جس کے زندگی بتائی تھی
راہ اس نے آمد کی مدتوں دکھائی تھی
آج ہو گیا رخصت اک چراغ سا چہرہ
جس نے عمر بھر سب کو روشنی دکھائی تھی

شبنم حنیف ——— لاہور

کس طرح چھوڑ دوں تمہیں جاناں
تم میری زندگی کی عادت ہو
داستاں ختم ہونے والی ہے
تم میری آخری محبت ہو

لیلیٰ رب نواز ——— وڈمیوالی بھکر

وقت رہتا نہیں کہیں ٹک کر
اس کی عادت بھی آدمی سی ہے

بشریٰ جاوید قریشی ——— پدھراڑ

ہم سے پوچھو مزاج بارش کا
ہم جو کچے مکان والے ہیں

حافظہ اقراء جاوید ——— پدھراڑ

تو اپنی شیشہ گری کا ہنر نہ کر ضائع
میں آئینہ ہوں مجھے ٹوٹنے کی عادت ہے

زاہدہ ڈوگر ——— گوجرانوالہ

ان کو مزاج پرسی کی فرصت نہیں ہے گر
ہم کو بھی کوئے یار کی عادت نہیں رہی
تنہائیاں ہوئی ہیں مری جب سے غم گسار
مجھ کو تمہارے پیار کی عادت نہیں رہی

نوال افضل گمن ——— گجرات

وہ عادت ہے تو عادت سے کنارہ ہو بھی سکتا ہے
مگر اس ساری کوشش میں خسارہ ہو بھی سکتا ہے
ہمیں حیرت سے مت دیکھو، اب ایسا کیا کیا ہم نے
زمینی عشق ہے صاحب دوبارہ ہو بھی سکتا ہے

ثمرہ، اقراء ——— کراچی

بہلا نہ پائے دل، سو شکایت بھی چھوڑ دی
خود سے بھی اب فرار کی عادت نہیں رہی
کیا عشق کیا جنوں یہ ہم سے نہ پوچھیے
اس راہ خار دار کی عادت نہیں رہی

نخبہ اکرم ——— گاؤں گوئیکی

اپنے حصے کی چال تم چل بیٹھے
ہمارے منتظر رہنا، کہانی ختم کرنی ہے

رابعہ بصری ——— کراچی

ہم شہر جاں میں آخری نغمہ سنا چکے
سمجھو کہ اب تمہارا تماشا ختم شد

سیدہ نوبا سجاد ——— کھرڑ پکا

شکست کھائے ذرا بھی تو پانی پانی ہو
میں چاہتا ہوں کہ دشمن بھی خاندانی ہو

شازیہ سعید ——— شاہ نکڈر

اندھیرے سے لڑائی کا، یہی احسن طریقہ ہے
تمہاری دسترس میں جو دیا ہو، وہ جلا دینا

فریحہ شبیر ——— شاہ نکڈر

جن جن کو تھا یہ عشق کا آزار مر گئے
اکثر ہمارے ساتھ کے بیمار مر گئے

اقراء عزیز ——— تھکاوٹ حدیا خان جلبانی

عکس عکس، گماں گماں، خیال سارے مسترد
تو نہیں تو کچھ نہیں، سارے سہارے مسترد

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

آسیہ جاوید ـــــــــ علی پور چٹھہ

کیا کرے میری مسیحائی بھی کرنے والا
زخم یہ مجھے لگتا نہیں بھرنے والا
شام ہونے کو ہے اور آنکھ میں مہتاب نہیں
اس گھر میں نہیں کوئی روشنی کرنے والا

نادیہ اشرف ـــــــــ رلتے ونڈ

ہم نے تمہارے بعد نہ رکھی کسی سے آس
اک تجربہ بہت تھا بڑے کام آ گیا

فوزیہ شریٹ ـــــــــ گجرات

راز دل نہ سنانا کسی کو ساغر
دنیا میں ہم راز بدل جاتے ہیں
کسی سے بچھڑنے سے کوئی مر تو نہیں جاتا
ہاں مگر جینے کے انداز بدل جاتے ہیں

زینب ـــــــــ کراچی

کبھی سائباں نہ تھا بہم، کبھی کہکشاں تھی قدم قدم
کبھی بے مکاں کبھی لامکاں میری آدھی عمر گزر گئی
اسے پا لیا اسے کھو دیا کبھی ہنس دیا کبھی رو دیا
بڑی مختصر ہے یہ داستاں مری آدھی عمر گزر گئی

عائشہ مرزا ـــــــــ فیصل آباد

سنا ہے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے
وہ بچوں کو سکھا رہی تھی محبت ایسے کہتے ہیں

اقرا عزیز ـــــــــ دریا خان جبلانی

اس نے جب پلکوں کو جنبش دی عدم
رائیگاں گفتگو کے سب فن گئے

تسلیم اختر ـــــــــ اسلام آباد

وہ جنگل کے پھولوں پہ مرتا ہے کیوں
اس کو اچھے لگتے ہیں ویرانے کیوں
محسن جب کبھی چوٹ نئی کھا لیتا ہوں
دل کو یاد آ جاتے ہیں یار پرانے کیوں

شفاعت بتول ـــــــــ جام پور

اُداس مت ہو کہ موسم بدل رہا ہے یہاں
وہ دیکھو شاخ سے پتا نکل رہا ہے یہاں
نہ وہ انجمن آرائیاں ہیں اور نہ چراغ
بس ایک دل ہے سو مدت سے جل رہا ہے یہاں

نین تارا ـــــــــ جام پور

میں عمر بھر نہیں رویا، مگر ہنسا بھی نہیں
یہ دل کسی کا نہیں تھا مگر کسی کا رہا

بلقیس ریاض ـــــــــ سرگودھا

ہنستے ہوئے چہروں سے ہے بازار کی زینت
رونے کی یہاں ویسے بھی فرصت نہیں ملتی
کچھ لوگ یوں ہی شہر میں ہم سے بھی خفا ہیں
ہر ایک سے اپنی بھی طبیعت نہیں ملتی

شمائل انور ـــــــــ سدوطال

چار دن کی یہ رفاقت جو رفاقت بھی نہیں
عمر بھر کے لیے آزار ہوئی جاتی ہے

یاسمین کنول ـــــــــ پسرور

اک تمنا یہ لے کے پھرتے ہیں
ڈھونڈتے ہیں جسے وہ ملتا نہیں
یہ دکھائے گی اور کیا ہم کو
بھید قسمت کا ہم پہ کھلتا نہیں

افشاں مرزا ـــــــــ فیصل آباد

خوشی سے ہم نے سہیں بے وفائیاں کیا کیا
ذرا سے لطف سے آنکھیں بھر آئیاں کیا کیا
نہ اب رقیب نہ ناصح نہ غم گسار کوئی
تم آشنا تھے تو تھیں آشنائیاں کیا کیا

مدثرہ سلیم ـــــــــ نوشہرہ جیلیرا

ایک دل ہے کہ بسایا نہیں جاتا ہم سے
لوگ صحراؤں کو گلزار بنا دیتے ہیں

صدف عمران ـــــــــ کے ڈی اے سوسائٹی

کیا کہوں، دل پہ قیامت سی گزر جاتی ہے
اتفاقاً جو کسی آنکھ میں آنسو چمکے
کتنی غزلوں کو ترے نام سے منسوب کیا
میری خواہش تھی بھرے شہر میں اک تو چمکے

www.urdusoftbooks.com
URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

شگفتہ جاہ

[illegible]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جہینہ قبیلے کی ایک شاخ حرقہ کی طرف (لڑائی کے لیے) بھیجا۔ چنانچہ صبح صبح ہم ان کے پانی کے چشموں پر حملہ آور ہو گئے (لڑائی کے دوران) میری اور انصاری کی مڈبھیڑ ان کے ایک آدمی کے ساتھ ہوئی جب ہم نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا تو اس نے (کلمہ) پڑھا۔ لا الٰہ الا اللہ جس پر (میرے ساتھی) انصاری نے تو اپنا ہاتھ روک لیا لیکن میں نے اپنا نیزہ مارا۔ حتیٰ کہ اسے قتل کر دیا۔ جب ہم مدینہ واپس آئے تو یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا۔

"اے اسامہ! کیا تم نے اسے لا الٰہ الا اللہ کہنے کے بعد بھی قتل کر دیا؟"

میں نے عرض کیا "اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اس نے تو صرف جان بچانے کے لیے ایسا کیا تھا۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (پھر) فرمایا۔

"کیا تم نے اسے لا الٰہ الا اللہ کہنے کے بعد بھی قتل کر دیا؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہی فقرہ بار بار دہراتے رہے۔ یہاں تک کہ میں نے آرزو کی کہ میں آج سے پہلے مسلمان نہ ہوا ہوتا۔"

(یعنی اب مسلمان ہوتا تاکہ میرے ہاتھوں ایک نو مسلم کا قتل تو نہ ہوتا)

(بخاری و مسلم)

فوائد و مسائل:۔

ظاہری حالات پر اسلام کے احکام کا فیصلہ ہوگا۔ اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اس طرح انتقامی کارروائیوں سے روک دیا گیا ہے ورنہ کوئی بھی شخص اپنے دشمن کو قتل کر کے دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس نے اسلام کا جھوٹا دعویٰ کیا ہے۔ جیسا کہ آج کل اکثر توہین رسالت کا جھوٹا الزام لگا دیا جاتا ہے چنانچہ باطنی کیفیت کی کھوج لگانے کو بہرے

سے غیر ضروری قرار دے دیا گیا اور صرف ظاہر پر معاملہ کرنے کی تاکید کی گئی۔

مہمان،

ایک دن امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟"

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

"اس لیے رو رہا ہوں کہ سات دن سے کوئی مہمان گھر نہیں آیا ہے۔"

ریاکاری،

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اپنا سر نیچے کیے ہوئے ہے یعنی یہ ظاہر کر رہا تھا کہ میں پارسا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا۔

"اے گردن کج کرنے والے، گردن سیدھی کر۔ تواضع اور خاکساری کا تعلق دل سے ہے گردن سے نہیں۔"

برائی کا ساتھ دینا،

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ میں تمہاری قوم سے ایک لاکھ آدمیوں کو ہلاک کر دوں گا۔ جس میں اسی ہزار نیک افراد ہوں اور بیس ہزار گنہگار۔"

حضرت یوشع علیہ السلام نے عرض کیا۔" یہ

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

نیک لوگ کیوں ہلاک ہوں گے؟"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"اس لیے کہ انہوں نے ان شر پسندوں اور خطا کاروں کو اپنا دشمن نہیں سمجھا اور ان کے ساتھ کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے اور دوسرے معاملات کرنے میں کوئی احتراز (دور رہنا) نہیں کیا۔

توکل،

مولانا محمد علی جوہر جیل میں نظر بند تھے۔ ان کی اہلیہ جیل خانہ میں ان سے ملاقات کے لیے گئیں۔ انہوں نے اپنے شوہر مولانا محمد علی جوہر سے کہا۔

"تم ہماری فکر نہ کرنا۔ اللہ ہی پہلے بھی رازق تھا اور اب بھی وہی رازق ہے۔ تم صرف ایک واسطہ تھے اور اللہ بلا واسطہ بھی دے سکتا ہے اور دوسرا واسطہ بھی پیدا کر سکتا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے کہا۔

"رہا تمہارا کام، اس کو اگر اجازت ہو تو میں کرتی ہوں۔"

چنانچہ انہوں نے "کام" شروع کیا اور دو سال کے عرصے میں پینتالیس لاکھ روپے کا چندہ خلافت تحریک کے لیے جمع کر لیا۔

اسلام کی سچائی،

یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ ساری دنیا میں یورپ کی عیسائی قوموں کا غلبہ تھا۔

قاہرہ کے ایک عیسائی پادری سے ایک شخص نے پوچھا۔

"آپ کتنے دنوں سے عیسائیت کی تبلیغ کے لیے کام کر رہے ہیں؟"

"پچاس سال سے۔" پادری نے جواب دیا۔

"اتنے دنوں میں کتنے مسلمانوں نے عیسائیت کو اختیار کیا؟" اس کا اگلا سوال تھا۔

"تقریباً ڈیڑھ سو۔" پادری نے کہا۔ پھر فوراً ہی بولا۔ "لیکن یہ کوئی قابل اطمینان بات نہیں ہے؟"

"کیا مطلب؟" اس شخص نے سوال کیا۔

پادری نے کہا "وہ پیسے کے لیے عیسائی تو ہو جاتے ہیں لیکن پھر موت کے وقت توبہ کر لیتے ہیں۔"

یہ بھی اسلام کا ایک معجزہ ہے کہ بہت کم مسلمان اسلام لانے کے بعد عیسائیت یا کوئی اور مذہب اختیار کرتے ہیں جبکہ اسلام مسلسل پھیل رہا ہے۔

باتیں اشفاق احمد کی،

" اللہ کے دیے ہوئے میں سے دیا کرو، تم نے کون سا اپنے پلے سے دینا ہوتا ہے۔

" جب آنکھوں سے سجدے بہنے لگتے ہیں تو قبولیت کے سمندر میں ضرور ہلچل مچتی ہے۔

" جب انسان اندر سے مرجاتا ہے تو وہ حد سے زیادہ خوش اخلاق ہو جاتا ہے۔

" دنیا میں کبھی کسی اچھے انسان کو تلاش مت کرنا بلکہ خود اچھے بن جانا اس سے کسی اور کی تلاش ختم ہو جائے گی۔

" فاتحہ لوگوں کے مرنے پر نہیں بلکہ احساس کے مرنے پر پڑھنی چاہیے کیونکہ لوگ مرجائیں تو صبر آجاتا ہے، احساس مرجائے تو معاشرہ مرجاتا ہے۔

" انسان کے اوپر کئی طرح کا بوجھ ہوتا ہے۔ ہمارے اوپر سب سے بڑا بوجھ تکبر کا ہوتا ہے اور ہم یہ جانے بغیر کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون بڑا ہے اور کون چھوٹا، فیصلے خود ہی کرتے رہتے ہیں۔

" ہم اللہ کے لاڈلے ضرور ہیں مگر اتنے بھی نہیں جتنا ہم خود کو سمجھتے ہیں۔

سعدیہ وحید سعدی۔ اسلام آباد

کم غذا،

ایک شخص نے ایک دیہاتی آدمی کو دیکھا ساٹھ سال سے زیادہ عمر ہونے کے باوجود وہ خوب تندرست اور سرگرم دکھائی دیتا تھا۔

"آپ کی صحت کا راز کیا ہے؟" اس نے پوچھا

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

تو دیہاتی نے جواب دیا۔
• میرے سامنے جب بھی یہ سوال ہوتا ہے کہ کھاؤں یا نہ کھاؤں تو میں ہمیشہ "نہ کھاؤں" کو ترجیح دیتا ہوں۔"
سقراط کا کہنا ہے۔
• اس وقت تک نہ کھاؤ جب تک تم بھوک سے بے تاب نہ ہو جاؤ۔"

وضاحتیں،

صرف غلط ہونے پر وضاحتیں نہیں دی جاتیں۔ کئی بار ہم وضاحتیں اس لیے دیتے ہیں کہ سامنے والا ہمیں عزیز ہوتا ہے۔

مدیحہ نورین مہک۔ برگیات

خیر خواہ پرندہ

ابو نعیم نے "حلیہ" میں حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ایک دفعہ میں امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور وہاں حضرت کعبؓ احبار بھی موجود تھے۔ کعبؓ نے حضرت عمرؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

• اے امیر المومنین! کیا میں آپ کو ایک نہایت عجیب قصہ نہ سناؤں، جو میں نے انبیاء کے حالات کی کتاب میں پڑھا ہے۔ وہ قصہ یہ ہے کہ ایک بار حضرت سلیمان بن داؤد کے پاس ایک الو (ہامہ) آیا اور آکر کہا۔

"السلام علیک یا نبی اللہ!"

آپ نے جواب دیا: "وعلیک السلام یا ہامۃ"

پھر حضرت سلیمانؑ نے اس سے پوچھا: "اچھا مجھے بتا کہ تو دانے کیوں نہیں کھاتا؟"

اس نے جواب دیا۔

• حضرت آدمؑ کو اس وجہ سے جنت سے نکالا گیا۔

پوچھا: "اچھا تو پانی کیوں نہیں پیتا؟"

الو نے کہا: "اس میں قوم نوحؑ ڈوب کر ہلاک ہوئی تھی۔ اس لیے میں پانی نہیں پیتا۔"

حضرت سلیمانؑ نے پوچھا: "تو نے آبادی کو کیوں خیر باد کہہ دیا اور ویرانے میں رہنا تو نے کیوں پسند کیا؟"

اس نے کہا: "ویرانہ رب تعالیٰ کی میراث ہے، میں رب تعالیٰ کی میراث میں رہتا ہوں، جیسا کہ قرآن کریم میں بھی ہے۔"

حضرت سلیمانؑ نے پوچھا: "جب تو کسی ویرانے میں بیٹھتا ہے تو کیا بولتا ہے؟"

اس نے کہا: "میں یہ کہتا ہوں، وہ لوگ کہاں ہوئے جو اس جگہ مزے سے رہتے تھے۔"

حضرت سلیمانؑ نے پوچھا: "جب تو آبادی سے گزرتا ہے تو کیا کہتا ہے؟"

الو نے کہا: "اس وقت میں یہ کہتا ہوں: ہلاکت ہو بنی آدم پر ان کو نیند کیسے آجاتی ہے۔ حالانکہ مصائب کے طوفان ان کے سامنے ہیں۔"

حضرت سلیمانؑ نے کہا: "تو دن میں کیوں نہیں نکلتا؟"

• انسانوں کے ایک دوسرے پر ظلم کرنے کی وجہ سے میں دن میں نہیں نکلتا۔"

حضرت سلیمانؑ نے کہا: "اچھا مجھے بتا کہ تو برابر بولتا رہتا ہے۔ اس میں تیرا کیا پیغام ہے؟"

الو نے کہا: "میرا پیغام یہ ہوتا ہے، اے غافل لوگو! زادِ راہ اور اپنے سفر آخرت کے لیے تیار ہو جاؤ۔ نور پیدا کرنے والی ذات پاک ہے۔"

اس وقت حضرت سلیمانؑ نے فرمایا: "پرندوں میں الو سے زیادہ انسانوں کا خیر خواہ اور ہمدرد کوئی نہیں ہے۔ اور جاہلوں کے دلوں میں الو سے زیادہ کوئی پرندہ برا نہیں ہے۔

(حیاۃ الحیوان، جلد دوم)

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com
URDUSOFTBOOKS.COM
URDUSOFTBOOKS.COM

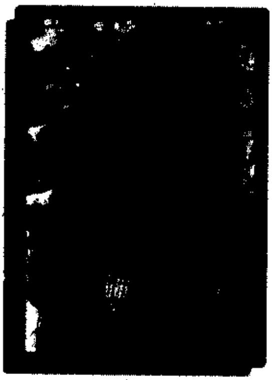

رضیہ جمیل

جواب عرض

خط بھجوانے کے لیے پتا
ماہنامہ شعاع - 37 - اردو بازار، کراچی۔
Email: shuaa@khawateendigest.com

آپ کے خط اور ان کے جوابات لیے حاضر ہیں۔

آپ کی عافیت، سلامتی اور دائمی خوشیوں کے لیے دعائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ خوش و خرم اور اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آمین

اب آتے ہیں آپ کے خطوط کی طرف۔ پہلا خط نوشہرہ جلمیرا سے مدثرہ سلیم کا ہے۔ لکھتی ہیں۔

فروری کی شروعات بہت اچھی رہی ایک تو یہ کہ ہمارے گھر مستورات کی جماعت ٹھہری' جس سے بہت کچھ سیکھنے کو ملا' دوسرا میں نماز کی پابندی کرنے لگی ہوں۔

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں سچ آپ بہت نیکی کا کام کر رہے ہیں' اس سے بہت کچھ سیکھنے کو ملتا ہے دین کے بارے میں "خواب شیشے کا" میری فیورٹ اسٹوری ہے اور ہر ماہ میرا پسندیدہ کردار "شہرزاد" پھر وہی بات صائمہ جی! آخر یہ ہم زاد ہے کون؟ اب بتا بھی دیں "سنہری دھوپ" بہت سلو جا رہی ہے فرزانہ کھرل آپ کا نام ہی کافی ہے سب سے پہلے آپ کا ناول پڑھا کیا زبردست تھا اشعب کا کردار مجھے بہت پسند آیا "محبت تمہارے نام" ویل ڈن سدرۃ المنتہیٰ۔

"آؤ لالہ اگاتے ہیں" ام ایمان قاضی کی اچھی کاوش تھی۔ افسانوں میں "چانن روٹھ گیا" دو آنسو آنکھ سے نکل کر دوپٹے میں جذب ہو گئے جانے کیوں؟ باقی افسانے زبردست تھے سارے کے سارے ہی' فوزیہ فرخ کا "عمروں کے سلسلوں" پسند آیا۔ کوثر خالد جی اس دفعہ کیوں غائب ہیں ناظمہ زیدی' فوزیہ ثمر بٹ آئی لائیک یو وہ ہماری نسبت زہرہ تو بھول ہی گئی ہیں۔ یہ ساری پرانی رائیٹرز کہاں کھو گئی ہیں۔ ثمرہ بخاری کیا جوادی شبلی سے ہم اب بھی نہیں مل سکتے' فائزہ افتخار "داسی ڈھولن یار دی" کی طرح نیا ناول کب لائیں گی سمیرا حمید پلیز "یارم" کا دوسرا حصہ "کارل" کب آئے گا۔

ج: پیاری مدثرہ! بہت خوشی کی بات ہے کہ آپ نماز کی پابند ہو گئی ہیں' اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

سمیرا حمید "یارم" کا دوسرا حصہ تو نہیں لیکن بہت جلد آپ کے لیے ایک نیا ناول لکھیں گی۔

ثمرہ احمد نے لکھا ہے

کیا اب کراچی میں اصل امن و امان ہے آپریشن کے بعد؟ ایک درخواست کے ساتھ حاضر ہوں اپنی گم شدہ مصنفات کی واپسی کے ساتھ۔ فرحت اشتیاق نے کافی عرصے سے اپنی آمد بند کر دی اور پھر میمونہ خورشید نے تو اتنا لمبا وقفہ دے رکھا ہے کہ......؟ تین عدد جبین سسٹرز نے نہ ہواؤں نہ بارشوں نہ خواہشوں نہ موسموں کی کوئی رم جھم پڑتی پھواروں جیسی تحریر بھیجی اور عالیہ بخاری کی تحریروں میں ٹھہراؤ آ گیا۔ بشریٰ احمد، آمنہ ریاض، ساجدہ حبیب، عمیرہ احمد کدھر ہیں یہ سارے ہیرے جواہرات ان سب کو برآمد کیا جائے۔ کوشش، کوشش اور پھر کوشش کیا یہی زندگی نہیں ہے تو پھر کیجیے۔ میں نے عرصہ ڈیڑھ سال سے بچوں کو پڑھانا شروع کر دیا۔ زندگی کا تاریک اندھیرا کچھ روشنی میں آیا پھر سوچنے سمجھنے کی صلاحیت لوٹنے لگی۔ اللہ کرے دماغ صحیح رہے جو ایک دشمن نما سہیلی نے مفلوج کر دیا تھا اپنی بے حسی کی ظالم حرکات و اعمال سے۔ یہاں سے یاد آیا کہ۔

اس ماہ جب تجھ سے ناتا جوڑا تھا میں پٹھانی بہن

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

نے اتنا اچھا اپنے خیالات کا اور زندگی کا رنگ لکھا بات روز ازل کی طرح صاف عیاں ہے کہ جیسے نیکی، بدی ہیں ویسے ہی اچھے برے لوگ، ظالم، مظلوم ہیں کہ کسی کے ساتھ زندگی میں ظلم ہوتا ہے اور زندگی اندھیروں میں بھٹکائی جاتی ہے۔

ج: پیاری ثمرہ! یہ حقیقت ہے کہ لوگ ظالم ہوتے ہیں، اپنے مذموم مقاصد کے لیے دوسروں کی زندگی سے کھیل جاتے ہیں۔ آپ کی دوست نے آپ کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ آپ کی ہنستی کھیلتی زندگی کو مسائل اور مصائب میں پھنسا دیا۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ اچھے لوگوں کو ہی آزمائش میں ڈالتا ہے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ آپ نے مشکلات اور مسائل کا سامنا ہمت اور بہادری سے کیا اور اب بچوں کو تعلیم دے رہی ہیں جو بلاشبہ ایک عظیم کام ہے۔ جو کچھ آپ کے ساتھ ہوا اسے اپنی طاقت بنالیں۔ اس کا مقابلہ کریں۔ اللہ تعالیٰ کوشش کرنے والوں کو کامیابی دیتا ہے۔ وقت کی سب سے اچھی بات یہ ہے کہ یہ گزر جاتا ہے یہ وقت بھی گزر جائے گا۔

پرانی مصنفین ٹی وی پر مصروف ہیں۔ ہم آپ کا پیغام ان تک پہنچا رہے ہیں۔ ویسے فاخرہ جبیں نے کافی عرصہ بعد لکھا ہے۔ جو خواتین کے فروری کے شمارے میں شائع ہوا ہے۔ آمنہ ریاض بھی خواتین میں ناول لکھ رہی ہیں۔

فائزہ بھٹی نے پتوکی سے لکھا ہے

سرورق بہترین رہا۔ رنگ برنگے دھاگوں والے جھمکے تو زیادہ ہی پہنے جانے لگے ہیں۔ "پہلی شعاع" ۔"حمد و نعت" کے بعد احادیث کی جانب رخ موڑا (جزاک اللہ)

سب سے پہلے "خواب شیشے کا" نمیرہ آفندی بھی پردہ اٹھانے کو تیار نہیں، چلو بھئی تمہاری مرضی، مگر دیکھ لینا یہ نہ ہو کہ ہم لوگ اکتا کر رخ ہی موڑ جائیں۔

"شہرزاد" لوٹیا بیگم ہم تو ختم، درود سب کروا بیٹھے، آپ پھر بھی واپس آگئیں۔ ویسے ایک بات کا تو یقین ہے یہ پہاڑ کھودنے سے ہادی ہی نکلے گا...... "شہرزاد" اب کی بار پکڑ کر ہی دکھانا...... درشہوار جتنی تم پسند تھیں اتنی ہی حرکتیں عجیب کر رہی ہو۔ ایسا نہ ہو ہم تم سے قطع تعلق کرلیں۔

فرزانہ کھرل جس کے لیے بندہ کہہ سکتا ہے نام ہی کافی ہے۔ لڑکیاں اس سال محبت کے لیے نہیں روئیں گی۔ فرزانہ کتنا اچھا سبق دیا ہے۔ میں کہتی ہوں محبت کے لیے ہی نہیں کسی معاملے میں بھی مردوں کے سامنے نہیں روئیں گی۔

فرزانہ! ایک بات ہے۔ اقدار کی پاس داری کوئی تم سے سیکھے۔ "محبت تمہارے نام" سدرۃ المنتہیٰ نے بھی بہت اچھا لکھا۔ دھیمے سروں میں بہتی ایک اچھی کہانی۔ بہرام اور کلثوم کی کہانی جان دار تھی۔ "سنہری دھوپ" اس دفعہ کوئی مزہ نہیں آیا۔ پچھلی قسط میں احسن اچھا لگا تھا۔ نویں قسط بھی مگر کوئی خاص مزہ نہ دے پائی...... ہمیں "دل کے رستے دشوار" جیسا کچھ چاہیے سلویٰ جی۔

"گل فروش" نارمل رہی، اگر یہی کہانی میں نے یا میری جیسی کسی اور قاری نے لکھ کر بھیجی ہوتی تو اس پر بڑا بڑا ریجیکٹ لکھا ہوتا تھا۔ بعض کہانیاں یا افسانے ایسے ہوتے ہیں کہ بے ساختہ دل دہائی دیتا ہے۔ اس سے اچھا لکھتے ہیں ہم یا پھر لکھ سکتے ہیں صرف قلم پکڑنے کی دیر ہے۔

میں اگر آپ لوگوں کے ناموں سے مخاطب کرتی ہوں۔ تو برا مت مانیے گا۔ مجھے ناموں سے پکارنا زیادہ اچھا لگتا ہے۔ میرے ابو کہتے ہیں، فضول بیٹھنے سے یا پھر کسی کے گھر جا کر بدگوئیاں کرنے سے بہتر ہے انسان اپنے گھر میں بیٹھ کر کوئی کتاب پڑھ لے۔ اس دفعہ سمیرا حمید غائب کیوں ہیں۔ آپ نبیلہ عزیز کو پکڑ کر ان سے ایک مکمل ناول تو لکھوا دیں۔

اور ایک بات۔ اس بات کی بھی وضاحت کردیں کہ قدرت اللہ شہاب کی کتنی بیویاں تھیں؟ میری اور بھائی کی بحث چھڑی ہے۔ وہ کہتے ہیں تم نے قدرت اللہ شہاب کا "شہاب نامہ" پڑھ رکھا ہے ان کی کتنی بیویاں تھیں؟ میں کہتی ہوں ایک عفت اور ایک ان کا بیٹا ثاقب۔ وہ پُرزور تردید کرتے ہوئے کہتے ہیں نہیں۔ ان کی دو سے زیادہ شادیاں ہوئی ہیں۔ ایک شادی تو انہوں نے اُپلے تھاپتی لڑکی کو دیکھ کر اس سے کی تھی۔ وہ کسی کتاب کا حوالہ دیتے ہیں۔

ج: پیاری فائزہ! سب سے پہلے تو معذرت کہ ہم آپ کے پچھلے خطوط شامل نہ کرسکے۔ بڑی وجہ تو تاخیر سے موصول ہونا ہے لیکن کبھی کبھی صفحات کی مجبوری بھی آڑے آتی ہے۔ اور ہم چاہتے ہوئے بھی بہت سے خطوط شامل نہیں کرپاتے۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

قدرت اللہ شہاب نے ایک ہی شادی کی تھی اور ان کی بیوی کا نام عفت تھا۔ عفت کی وفات کے بعد وہ تصوف کی طرف مائل ہو گئے تھے جہاں تک دوستیوں کا تعلق ہے تو ممتاز مفتی صاحب نے ان کا ذکر تو کیا ہے لیکن دوسری شادی کا ذکر نہیں کیا۔ جس کتاب کے بارے میں آپ نے دریافت کیا ہے۔ اس کے بارے میں ہمیں علم نہیں۔ عموماً مشہور لوگوں کے بارے میں لوگ اس قسم کی باتیں لکھ دیتے ہیں جن کا کوئی ثبوت نہیں ہوتا۔

ناموں سے پکارنا اچھی بات ہے۔ قربت اور دوستی کا احساس ہوتا ہے۔ لیکن جن سے آپ کے رشتے ہوں وہاں رشتوں کا احترام ملحوظ رکھنا چاہیے۔

آپ کے ابو نے بہت اچھی بات کہی ہے۔ اچھی کتابوں کے مطالعہ سے انسان کی شخصیت نکھرتی ہے، اسے دوسرے لوگوں کے احساسات و جذبات کو سمجھنے کا شعور حاصل ہوتا ہے اور انسان بہت سی معاشرتی خرابیوں سے بھی محفوظ رہتا ہے۔

کہانیوں کا انتخاب کرتے ہوئے ہم مصنف کا نام نہیں دیکھتے صرف اس کی تحریر دیکھتے ہیں۔ ''گل فروش'' آپ کو پسند نہیں آئی۔ آئندہ خیال رکھیں گے کہ مزید بہتر تحریروں کا انتخاب کریں۔

آپ اچھا لکھ سکتی ہیں تو پھر دیر کس بات کی ہے دل کی دہائی پر توجہ دیں اور قلم تھام لیں۔ یہ یقین رکھیں کہ اچھی تحریر ہوگی تو ضرور شائع ہوگی۔ بس تھوڑا اپنی رائٹنگ پر توجہ دیں۔ ہمیں پڑھنے میں بہت دشواری ہوتی ہے۔ سمیرا حمید جلد مکمل ناول کے ساتھ شامل ہوں گی۔

جھنگ سے روبینہ امجد شریک محفل ہیں، لکھا ہے

نعت پڑھ کر پیارے نبی کی باتیں پڑھیں جو ہمارے علم میں اضافہ تربیت میں معاون ثابت ہوتی ہیں۔ دوڑ لگا دی۔ سنہری دھوپ کی بہت اچھا جا رہا ہے مزہ آ رہا تھا کہ ختم بھی ہو گیا باقی آئندہ۔

عفت سحر طاہر نمیرا آفندی کے سامنے مہرماہ کے آنے کے بعد بھی ہم سے چھپا رہی باکمال ہیں نا ہماری عفت صاحبہ، نائس۔

''جب تجھ سے ناتا جوڑا'' پڑھا پھر اس کے بعد شگفتہ یاسمین اور میاں سے ملاقات کروائی آپ نے جو کہ شان دار رہی۔ نیلم منیر سے ملاقات بھی بہت اچھی رہی، تھینکس، شہزاد میں شہزاد کے علاوہ درشہوار بھی ہمیں بہت پیاری تھی۔ اب تو دل سے اتر گئی ہے درشہوار عمروں کے سلسلوں میں حقیقت سے قریب تر لگی۔

اس مقام پر تو آنسو چھلک چھلک پڑے ماریہ نہ جا کر بھی حج کی سعادت حاصل کر گئی ماشاءاللہ۔ اچھی نیت کا پھل۔ جب میں اپنے گھر کی مالکن بنی کل مختار بنی تو میں اپنے سسرال والوں کو بہت محبت سے بلاتی ہوں۔ ان کا خیال رکھتی ہوں اور ایسا مجھے سکھایا ہے شعاع خواتین نے۔ فیصلہ بہت پیاری اسٹوری۔ چانن روٹھ گیا نے اداس کر دیا۔ ''محبت تمہارے نام'' بہت دلچسپ اسٹوری لکھی ہے ''خواب شیشے کا'' میں مہرماہ کی زندگی خوشیوں سے بھر دیں۔ پلیز سنہری خواہش دل جیسے کٹ کٹ گیا مگر اس میں اس بیٹے اس بھائی نے مرہم ہی تو لگا دیا جس نے اپنے اتنے سے گھر میں سب بھائیوں کو بھابیوں سمیت جگہ دی۔ انسانیت ابھی تو زندہ ہے۔ آؤ لالہ اگاتے ہیں شروع میں انجوائے کرتی رہی۔ مگر آخر میں تو سمجھ میں نہیں آ رہا کیا کہوں کیا لکھوں۔

''محبت جنوری جیسی'' فرزانہ کھرل بہت خوب صورت ناول۔ میں تمام رائیٹرز سے کہوں گی اپریل، مئی، جون، جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر پہ بھی کوئی اسٹوری محبت بھری لکھیں تا کہ مئی، جون کی تپش بھی محبت کا سا سکون بخشے۔

ج: پیاری روبینہ! آپ کی بیٹی کی ٹیچر کا جو مسئلہ ہے۔ اس کے بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے۔ جب وہ ٹیچر رو رہی ہیں تو آپ ان ٹیچر کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیں۔ اور ان کے خلاف کچھ نہ کریں کیونکہ اگر آپ نے کوئی کارروائی کی اور ان کی نوکری چلی گئی تو آپ زندگی بھر ضمیر کی خلش میں مبتلا رہیں گی۔

بچی کو اب اس اسکول میں بھیجنا بھی مناسب نہیں ہے کیونکہ وہ ڈر گئی ہے اگر کسی اور اسکول میں داخل نہیں کرانا چاہتیں تو بہتر یہ ہے کہ آپ اس کو خود پڑھائیں۔ اسکول زیادہ نہ بھیجیں۔ امتحان کے بعد وہ اگلی کلاس میں چلی جائے گی تو آپ کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔

ٹیچر نے جو داخلہ دوسرے اسکول میں کرانے کی پیش کش کی ہے اسے غلط معنوں میں نہ لیں دراصل وہ بھی اس سارے قصہ سے جان چھڑانا چاہتی ہیں۔

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

اقراء جٹ نے منچن آباد سے شرکت کی ہے۔ لکھتی ہیں
فروری کا سرورق الفاظ نہیں بیاں کے لیے، شعاع کا ٹائٹل تو ہر دفعہ ہی بہت زبردست ہوتا ہے۔ کسی پارک یا کھیتوں وغیرہ میں بھی ایک زبردست سا ٹائٹل دے دیں، کمال لگے گا (ذاتی رائے) "پہلی شعاع" دل جمعی سے پڑھی۔ ایک ایک بات من میں اتر گئی "حمد و نعت" سبحان اللہ، سبحان اللہ، قلب و روح اسیر ہو گئے۔ "پیارے نبی کی پیاری باتیں" بہت ہی زبردست سلسلہ ہے۔
"جب تجھ سے ناتا جوڑا" آسیہ ملازم حسین بہت اچھا لگا انٹرویو، ڈھیر ساری دعائیں آپ کے لیے (مجھے بھی بلوچ بہت پسند ہیں) بندھن میں شگفتہ یاسمین ہمراہ ڈاکٹر شاہد ماشاءاللہ اچھا کپل "دستک" نیلم منیر اور خالد بٹ سے ملاقات اچھی رہی۔ "خواب شیشے کا" بہت عمدہ جا رہا ہے "شہزاد" جان ہے ہماری یہ ناول "سنہری دھوپ" زبردست سے جا رہا ہے۔ "محبت جنوری جیسی" فرزانہ کھرل بہت اچھا لکھتی ہیں آپ مگر بھول بھلیاں میں پہلے گم ہونا پڑتا ہے پھر منزل ملتی ہے۔
"محبت تمہارے نام" سدرۃ المنتہیٰ ویلڈن جی!
"عمروں کے سلسلوں" فوزیہ فرخ نائس تحریر "آؤ لالہ اگاتے" ام ایمان قاضی ہر بار کی طرح نہایت عمدہ!
افسانے (سنہری خواہش) سعدیہ عمر جی موضوع بہت اچھا تھا۔ گل فروش قرۃ العین کمال کر دیا۔ فیصلہ نور الصباح بہت اعلا بہت اعلا "چانن روٹھ گیا" عظمیٰ اختیار زبردست۔
"خط آپ کے" سب کے اچھے لگے۔ "موسم کے پکوان" اسپائسی "تاریخ کے جھروکوں" بہت اعلیٰ سلسلہ ہے۔ مختلف بادشاہوں کے دور بتائیں باری باری۔ آنی رضیہ جمیل! آپ کے جواب ہمیں بہت پسند ہیں...... شائلہ بھابی، پھوپھو، آپی نسرین، سکینہ میڈم اور بھائی عمر سب کو سلام اور باقی تمام کزنز، فرینڈز جو پڑھ رہے ہیں ان کے ساتھ اللہ حافظ۔

ج: پیاری اقراء! ہمیں افسوس ہے آپ کا خط شامل نہ ہو سکا۔ سبب کیا بتائیں کبھی ڈاک میں تاخیر وجہ بنتی ہے تو کبھی صفحات کی مجبوری آڑے آجاتی ہے۔
ٹائٹل کے سلسلے میں آپ کی تجویز اچھی ہے لیکن کراچی میں تو کھیت کیا اب سبزہ بھی خال خال ہی نظر آتا ہے۔ آپ کے تمام عزیز و اقارب کو سلام پہنچا رہے ہیں۔ لیکن ایک بات بتانا چاہتے ہیں کہ یہ سلسلہ سلام دعا کے لیے نہیں ہے۔ شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

کوثر خالد نے فیصل آباد سے شرکت کی ہے لکھتی ہیں
دسمبر ہماری نئی کتاب "نہر تسنیم" جھولی میں ڈال گیا۔ اور جنوری بیٹی کا مقدر جگا گیا۔ 19 اپریل کو وہ "سرتاج ولا" ہوگی ان شاءاللہ اور شمع یاسر کہلائے گی۔ جو گھر کے سامنے ہے چار گھر چھوڑ کر۔ رشتہ میں نے کیسے جوڑا۔ دعا میری مرضی خدا کی۔ مگر خوفناک حالت صرف بیٹے نے کی۔ افسانہ بن سکتا ہے مگر لکھے کون؟ چلیے تبصرہ کی طرف۔
سرورق روشن سا پہلی شعاع صرف اور صرف ہر لمحے ہر پل اللہ کا ذکر اور بدیوں کا خاتمہ اک ماں ہی کر سکتی ہے۔ بجا فرمایا۔ اچھی ماں ...... اچھی اولاد ...... دادی معذور۔ گھر چھوڑ کر اکیلی اگر گھنٹوں کہیں چلی جاؤں۔ دروازے کھلے رکھ کے تو الحمدللہ میرا اللہ حفاظت کرتا ہے۔ ذکر کی بدولت حمد و نعت دونوں زبردست و اعلا۔
"نبی کی باتیں" سر آنکھوں پر اور دل میں رحمت بن کر چھا گئیں۔ "بندھن" شگفتہ تھا۔ "دستک" نیلم نام بہت پسند ہے۔ ناول شیشہ و شہزاد۔ دونوں میں ظالم و جابر کردار دکھائے گئے ہیں۔ الٰہی بچانا "گل فروش" اچھی لگی۔ محبت ہو تو ایسی ہو۔ یاد آیا غربت کے دنوں میں خالد کو سرمئی موٹا سوئیٹر لنڈے سے لا کر دیا تھا۔ انہیں اچھا لگا۔ تو حالات اچھے ہونے پر پھر پانچ سو کا نیا سرمئی سوئیٹر بھی لا دیا۔ وہ بتاتے۔ دوست کہتے ہیں۔ یار تیری بیوی یا بھابھی کی پسند بہت اعلا ہے۔ اسی طرح شکر قندی توے پر پکانے کی تعریف بھی دوستوں سے آئی۔ "چانن روٹھ گیا" قلم تو اچھا ہے مگر ایسی محبت؟ خدا سب کو ذلیل ہونے سے بچائے۔ محبت صرف خدا سے اور اس کے تمام بہترین بندوں سے ہو تو سمجھو بیڑا پار۔ ہماری منگنی چھٹی میں۔ دیدار میٹرک میں۔ ملاقات ماموں کی شادی پر خالد سے ہوئی۔ اتنے حسین کہ نظر اٹھتی مگر چوری تنہائی میں بھی بات تو کیا دیکھنا بھی گوارا نہ تھا۔ جب ساس نے کہا کہ کوثر عینک اتار نہیں سکتی شادی کے بعد خط لکھا۔ اگر آپ لوگوں کو عینک نہیں پسند تو رشتہ توڑ دو۔ جواب آیا "کچھ نہیں کہتے۔" بعد میں ہماری حق گوئیاں انہیں "جن" لگیں۔ اور پیر سے 72 ڈنڈے پڑوائے گئے۔ میری ماں اور خالد کے

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

سامنے۔ ہم روتے تو کسی کو ترس آتا۔ کلمہ کا ورد زبان پر تھا۔ درد کہیں نہ تھا۔ آج وہ ''پیپر'' یاد داشت کھوئے۔ گردے فیل۔

''تاریخ کے جھروکے'' نوری نوری۔ ''خوب صورت بنیے''۔ صائمہ! تم نے وہ وقت کیسے گزارا ہوگا؟ ہمیں یہ راز بچپن سے پتا ہے۔ جناب والا مسئلہ کوئی بھی ہو۔ صدقہ اور ذکر اللہ ہر پل تو پھر۔

ج: پیاری کوثر! آپ ہماری اس محفل کی رونق ہیں۔ آپ کی عدم موجودگی کو ہم اور ہمارے قارئین بھی بہت محسوس کرتے ہیں۔ کئی قارئین نے خطوں میں آپ کے بارے میں استفسار کیا۔

پیاری شمع کا رشتہ طے ہونے پر مبارک باد۔ ہماری دعا ہے کہ بخیر و خوبی ان کی شادی انجام پائے اور انہیں ڈھیر ساری خوشیاں نصیب ہوں۔ آمین

اقراء عزیز جلبانی نے گاؤں دریا خان سے شرکت کی ہے، لکھتی ہیں

آپ کو خط لکھنے کا سوچ ہی رہی تھی کہ اس کونگی سردی نے اپنا کام دکھایا۔ فلو اور نزلہ زکام نے ایسا جکڑا کہ پورا کر دیا میں نے بھی گلاب جامن' جلیبیاں کھا کے زکام کو بھگایا۔

میں دعائیں دیتی ہوں شعاع اور خواتین کو ان کی پوری ٹیم کو خاص کر عمیرہ احمد، سمیرا حمید، نمرہ احمد، عنیزہ سید کو جن کی لازوال تحریروں نے ہمیں بھٹکنے یا مایوس ہونے نہیں دیا۔ نمرہ نے کہا تھا۔ ''لوگوں کی مخالفت کو اگنور کرنا ایک آرٹ ہے۔'' یقین کریں ہم اس آرٹ سے مالا مال ہیں سائرہ رضا نے کہا ''ہم کون ہوتے ہیں۔ کسی کے ایمان پر فتویٰ لگانے والے۔'' یقین جانیے ہم اپنی آنکھوں سے منافقت سازشیں دیکھتے لیکن پھر بھی چپ چاپ رہتے ہم اداس مایوس ہوتے تو ہمیں عمیرہ احمد یاد آتی ہیں۔ ''پتا نہیں ہم کتنے مومن، کتنے کافر ہیں لیکن جو بھی ہیں اللہ ہمارے دلوں سے بے خبر نہیں۔'' جہاں ہر طرف نگیٹو ماحول نگیٹو باتیں دیکھتے فوراً نمرہ کی بات یاد آتی۔

''مثبت سوچیں اتنا کہ آپ سے مثبت شعاعیں پھوٹنے لگیں۔ کوئی امید کوئی آس نہ ہونے کے باوجود ہم مثبت پوائنٹ ڈھونڈ نکالتے۔ مختصر یہ کہ ہم سکس اسٹار گروپ نے جو بھی سیکھا ہے آپ ہی (شعاع، خواتین) سے سیکھا ہے۔ اگر ہم مضبوط ہیں تو آپ کی وجہ سے کیونکہ ہمیں لڑنا حالات سے آتا ہے۔ سب سے پہلے ''شہرزاد'' پڑھی یہ درشہوار تو ھرو پھرو چری ہوگئی ہے چھوری حرکتیں کر رہی ہے۔ ''سنہری دھوپ'' اب بور کر رہا ہے انعم اور دعا کے وہی روایتی جھگڑے شروع۔

فرزانہ کھرل۔ مجال ہے جو ان کے کسی بھی ناول میں موجود رشتہ داریاں میری سمجھ میں آئی ہوں۔ فرزانہ کھرل کے ہیرو، ہیروئن ایک دوسرے سے اتنے سرد لہجے میں بات کیوں کرتے ہیں۔ اوپر سے فلسفی زبان میں بولیں گے جو سر سے گزر جائے بعد میں دماغ میں بیٹھے۔ ویسے لکھتی بہت اچھا ہے۔

سدرۃ المنتہیٰ بڑے عرصے بعد جھلک دکھائی' بہت اچھا تھا ناول' یہ سدرۃ المنتہیٰ کنیز نبوی کی کزن ہیں؟ افسانے سارے ہی اچھے تھے خاص کر مجھے گل فروش بہت پسند آیا۔ خالدہ جیلانی سے فرمائش ہے بلکہ ریکویسٹ ہے کہ جو دینا فضل آملیٹ بناتی تھی سفیدی میں لیموں زردی میں شہد اگر ایسے انڈے بنانا آتے ہیں تو پلیز ہمیں ترکیب بتائیں اور ایک گزارش آپ سے ہے پلیز کہیں سے بنت سحر' عمیرہ احمد' کنیز نبوی کو ڈھونڈ لائیں۔ اور انیقہ انا چکوال، نسبت زہرا آپ دونوں بھی کہاں گم ہو۔

ج: واہ بھئی اقرا! آپ کا زکام بھگانے کا نسخہ تو بڑا مزے دار ہے۔ یہ نسخہ تو ہم بھی ضرور آزمائیں گے۔ انڈے کی زردی میں شہد، سفیدی میں لیموں والی ترکیب تو سمیرا حمید ہی بتا سکتی ہیں۔ فرزانہ کھرل کی رشتہ داریوں سے ہماری بہت سی قارئین ناخوش ہیں۔ ہم نے ان سے کہا ہے کہ وہ ہیرو، ہیروئین پر زیادہ توجہ دیں اور دور پرے کے رشتے داروں کو دور ہی رکھیں۔ سدرۃ المنتہیٰ کنیز نبوی کی کزن بھی ہیں اور نند کا رشتہ بھی ہے۔ سدرہ کے بھائی سے کنیز نبوی کی شادی ہوئی ہے۔

عائشہ جہانگیر ڈھوک صابری کلر سیداں سے شریک محفل ہیں

اس ماہ ماڈل اچھی تھی میں نے نائنتھ کلاس سے شعاع پڑھنا شروع کیا اب میں تھرڈ ایئر میں ہوں۔ ہم نے شعاع کیسے پڑھا، یہ الگ کہانی ہے بہت ڈانٹ پڑی۔ حتیٰ کہ مار بھی پڑی مگر ہم نے شعاع نہ چھوڑا۔

عفت سحر طاہر کا ناول ''خواب شیشے کا'' ٹاپ پر جا رہا ہے۔ ''شہرزاد'' بھی اچھا جا رہا ہے۔ پلیز صائمہ آپی

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ہم زاد کو سامنے لے آئیں۔ باقی ناول افسانے اچھے تھے۔ پلیز نبیلہ عزیز سے کوئی ناول لکھوایئے۔

ج: پیاری عائشہ! آپ کو شعاع کی محفل میں خوش آمدید کہتے ہیں شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ نبیلہ عزیز تک آپ کا پیغام پہنچا رہے ہیں۔

لیلیٰ رب نواز نے ددھوالی بھکر سے شرکت کی ہے، لکھتی ہیں

عفت سحر طاہر کا خواب شیشے کا میں موحد سے زیادہ نمیر آفندی مجھے پسند آیا ہے۔ ''سنہری دھوپ'' میں سلویٰ سیف اللہ بٹ نے کمال کر دیا۔ باقی سب کہانیاں بھی مزے کی تھیں کیا میں شعاع میں لکھ سکتی ہوں۔

ج: لیلیٰ! شعاع کی محفل میں خوش آمدید۔ شعاع آپ کا پرچہ ہے۔ پوچھنے کی ضرورت نہیں، صلاحیت ہے تو ضرور لکھیں۔

فرحانہ مہناز نے گوجرہ سے شرکت کی ہے لکھتی ہیں

''خواب شیشے کا'' ہائے عفت جی اگر یہی کہانی ڈرامائی شکل میں ہوتی تو نمیر سامنے تھا لیکن۔ ناتا جوڑا تو اس دفعہ بیسٹ تھا پڑھ کر اپنا بچپن اور منگنی کا پریڈ یاد آ گیا۔ کیونکہ ہم بھی جوائنٹ فیملی میں تھے اور ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں رخصتی تھی۔

آپی شہزاد میں درشہوار اپنے محبت کے لیے خود سے پہل کر رہی ہے تو چھچھوری کا لقب مل گیا۔ اور اگر کوئی لوکا پہل کرے تو وہی لڑکی معصوم اور پاکیزہ ہوتی ہے اور پلیز ہماری قاری بہنیں مذہب کو بیچ میں نہ لایا کریں کیونکہ مذہب میں تو ہم زاد کی گفتگو بھی جائز نہیں ہے۔

سنہری دھوپ میں ایک اچھی دوست کو سوتن میں بدل کر کہانی کچھ عجیب سی کر دی ہے۔ مزہ نہیں آ تا پڑھ کر، ام ایمان قاضی نے رونگٹے کھڑے کر دینے والے قتل کروائے اور اچھا ہوا نیلی صاحبہ کو معافی کا موقع بھی نہ دیا ـ ''خس کم جہاں پاک'' فوزیہ فرخ نے بہت اچھی بہو دکھائی جو حج کے برابر ثواب کما لیتی ہے۔

افسانوں میں سنہری خواہش نمبر لے گیا۔ سعدیہ عمیر جی پتا نہیں کیوں سنہری منزل کی تقسیم پر مجھے بہت رونا آیا۔ آنکھیں دکھنے لگیں تو نیچے آ کر سرمہ لگایا تو آنکھوں کی جلن کم ہوئی۔

ج: فرحانہ! اللہ تعالیٰ نے عورت میں شرم، حیا، ضبط اور صبر و برداشت کا جذبہ زیادہ رکھا ہے۔ اسے اپنی عزت نفس بہت عزیز ہوتی ہے۔ وہ محبت میں مٹ جاتی ہے لیکن اظہار میں پہل نہیں کرتی۔ درشہوار نے حیا کے ساتھ ساتھ اپنی عزت نفس کو بھی بالائے طاق رکھ دیا ہے۔ اسی لیے وہ قارئین کو بری لگ رہی ہے۔

سعدیہ عمیر کا افسانہ بہت حساس موضوع پر تھا۔ انہوں نے انتہائی تلخ حقیقت بہت اچھے طریقے سے بیان کی۔ اسی لیے حساس دلوں نے اسے اتنی شدت سے محسوس کیا۔

سلیمہ مینگل نے اوستا محمد بلوچستان سے لکھا ہے

ماڈل کی خوش شکل سی تصویر نے حیران کر دیا۔ سلیقے سے کیا ہوا میک اپ بہت اچھا لگا۔ سب سے پہلے، پہلی شعاع کو پڑھا۔ ویل ڈن۔ شہزاد کی اس بار کی قسط مزے کی رہی ''خواب شیشے کا'' عفت سحر طاہر جس طریقے سے لے کر جا رہی ہیں۔ بہت مزا آ رہا ہے۔ ''سنہری دھوپ'' دعا کی آزمائشوں کو ختم کر دیں ''محبت جنوری جیسی'' فرزانہ کھرل کی کمال کی تحریر تھی۔ فوزیہ فرخ کو داد دی۔ ام ایمان قاضی تسی گریٹ ہو جی۔ افسانے ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ دستک ـــــ میں شاہین رشید سے درخواست ہے کہ وہ کرکٹرز کے انٹرویو لیں۔

ج: سلیمہ مینگل! آپ کا خط دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی کیونکہ آپ کا تعلق ایسے صوبے سے ہے جہاں سے ہمیں بہت کم خط ملتے ہیں۔ شعاع کی پسندیدگی کے لیے ممنون ہیں۔

نجمہ نذیر ڈی جی خان سے شریک محفل ہیں، لکھا ہے

شعاع میں کئی بار خط لکھا مگر شامل نہیں ہوا اس بار سنہری دھوپ نے خط لکھنے پر مجبور کیا بہت اچھا جا رہا ہے صائمہ اکرم کا ''شہزاد'' زبردست اسٹوری ہوتی جا رہی ہے۔

ج: پیاری نجمہ! خط لکھنے کا شکریہ۔

صدف رفیق نے پنج سے لکھا ہے

سرورق ماڈل نے توجہ اپنی جانب مبذول کروانے کی کوشش کی مگر میں نے اسے نظر انداز کر کے ''خط آپ کے'' میں چھلانگ لگائی۔ سرورق سے لے کر ''خوب صورت بنیے'' تک تمام رسالہ ہی لاجواب اور زبردست تھا۔ سمیرا حمید اور ایمل رضا کی کمی شدت سے محسوس ہوئی۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

دوستوں کے لیے نام سرپرائز تھا۔ وہ ناراض ہیں کہ ہمارا تذکرہ کیوں نہیں۔ سن لو! تاجو (تازیہ شاہین) ہمو (ہما صفدر) ڈھیر سارا مس یو اور میرے اسکول کے تمام اسٹاف کو سلام۔

ج: بہت شکریہ صدف!

شفیقہ تبسم جھنگ سے شریک محفل ہیں

اسلام علیکم! اس ماہ کا شعاع زبردست تھا۔ شائل، دیا اور سحر انور (سدوال) نے پوچھا تھا کہ کیا شاعری کرنا اسلام میں پسندیدہ عمل ہے؟ یا ناپسندیدہ؟ میں قرآن وحدیث کی روشنی میں ان بہنوں کو مطلع کرنا چاہتی ہوں کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ شعر میں اچھی بات بھی ہوتی ہے اور بری بھی اس میں سے اچھی بات لے لو اور بری چھوڑ دو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے اشعار کو پسند فرماتے جن میں توحید اور

رشد وہدایت کی باتیں ہوتی تھیں۔

قرآن میں سورۃ الشعرا کی روشنی میں ایسی شاعری کی مذمت ہے جو مبالغہ آرائی، جھوٹے اور بے ہودہ خیالات کی عکاسی ہو۔

آنحضرت نے کفار کی ہجویہ شاعری کا جواب دینے کی اجازت دی ہے لیکن مومن کو مومن کی ہجو کہنے کی اجازت نہیں۔

"شاعری اپنی ذات میں تو اچھی، بری نہیں البتہ اس کا نفس مضمون اسے اچھا یا برا بنا دیتا ہے۔" میری بہن اسماء تبسم کا شکریہ جس کی رہنمائی نے قلم اٹھانے کی ہمت دلائی۔

خط کافی طویل ہو گیا ہے لیکن مسئلہ ایسا ہے کہ میں لکھنے پہ خود کو مجبور پاتی ہوں۔ آپ بہتر جانتی ہیں کیسے شائع کرنا ہے۔

ج: بہت شکریہ شفیقہ! آپ نے بہت عمدگی سے وضاحت کی۔

پسرور سے یاسمین کنول نے لکھا ہے

"پہلی شعاع" کا اداریہ بہت زبردست رہا۔ حالات و واقعات کے تناظر میں بہت اچھا لکھا۔ واقعی تربیت کی ضرورت لڑکیوں سے زیادہ اب لڑکوں کو ہے۔

"محبت جنوری جیسی" زبردست ناول ہے واہ واہ شگفتہ یاسمین کا بندھن ڈاکٹر شاہد کے ساتھ بڑا پیارا لگا۔ "جب تجھ سے ناتا جوڑا" بھی پسند آیا۔ خوش قسمت ہے ابھی ایم فل اور پی ایچ ڈی کے خواب دیکھ رہی ہے اللہ تعالیٰ اس کے خوابوں کی تعبیر دکھائے۔ (آمین ثم آمین)

ج: پیاری یاسمین! بہت شکریہ لیکن صرف شعاع کے سلسلوں پر ہی تبصرہ......؟

رقیہ سیف نے وہاڑی چوک ملتان سے شرکت کی ہے لکھتی ہیں

سب کہانیاں لاجواب ہوتی ہیں۔ میری فیورٹ قسط وار کہانی "شہرزاد" ہے۔ اور عفت سحر آپ پلیز اپنے ناول کا جلدی اینڈ کریں۔ خط لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ فرزانہ کھرل صاحبہ سے گزارش ہے کہ ذرا آسان فہم انداز میں ناول لکھا کریں۔ اتنا الجھا الجھا سا ناول مجھے تو ذرا بھی مزہ نہیں آتا ان کے ناول پڑھ کر۔ سلمٰی سیف بٹ کا ناول بھی میرا پسندیدہ ہے ماشاء اللہ...... اللہ کرے زور قلم اور زیادہ اور آخر میں آپ سے ایک سوال کہ کیا میں آپ کو یاد ہوں؟ دل تو چاہتا ہے ہر ماہ شامل ہوں لیکن چھوٹے چھوٹے دو بچوں کے ساتھ ہزار کام۔ ختم ہونے میں ہی نہیں آتے۔

ج: پیاری رقیہ! اللہ تعالیٰ آپ کے ماموں کی مغفرت کرے۔ آمین! آپ ہمیں یاد ہیں۔ ہماری قارئین ہمیں اتنی محبت سے خط لکھتی ہیں۔ ہم انہیں کیسے بھول سکتے ہیں۔ فرزانہ کھرل تک آپ کا پیغام پہنچا رہے ہیں۔

سونیا یاسمین نے ٹامیوالی سے لکھا ہے

میں بہت شرارتی اور نٹ کھٹ سی بے ضرر لڑکی ہوں ہاہاہا۔ سب بہنوں کی باریاں لگی ہوئی ہیں اور ترتیب بنائی ہوئی ہے کہ کس کو کس نمبر پہ ملے گا جب میری باری آئی تو میں ٹائٹل پر بنی ماڈل عروج کو سراہ کر آگے چلی گئی اور پھر "سنہری دھوپ" پڑھا مگر یہ تو بہت عام سا نکلا کچھ خاص نہیں لگا۔ پھر میں نے صائمہ اکرم کی "شہرزاد" سے ملاقات کی جس نے بہت متاثر کیا مگر "درشہوار" اور ارسل کا رویہ اچھا نہیں لگا۔ "شہرزاد" اور "ہم زاد" کی لکا چھپی اور کب تک چلے گی۔ سامنے بھی آ جائیں اب۔ عفت سحر کا "خواب شیشے کا" بہت زبردست لگا۔ "عمروں کے سلسلوں میں" فوزیہ فرخ کا ناولٹ بہت اچھا لگا۔ تمام افسانے بس ٹھیک تھے۔ "محبت جنوری جیسی" فرزانہ کھرل کا مکمل ناول۔ مصباح کو بہت اچھا لگا باقی کہانیاں بھی اچھی تھیں۔ "تاریخ کے جھروکے" تو میرا موسٹ فیورٹ

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ہے بہت بہت اچھا لگا۔ ''موسم کے پکوان'' میں ہائے کھوپرے کی برفی۔ کیا چیز بتائی ہے۔ واہ میری پیاری پیاری سہیلیوں کی تو قسمت چمک اٹھی کہ اب وہ بہت جلد برفی سے انصاف کرنے والی ہیں (ہاہاہا) پیارے نبی کی پیاری باتیں بہت اچھی لگیں۔ ''جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے'' پڑھ کے بہت مزا آیا۔ ''خط آپ کے'' میں مسرت الطاف، عنبر حسین اور فوزیہ ثمر بٹ گروپ کا خط اچھا لگا۔

ج: پیاری سونیا! اپنی دوستوں کو برفی کھلائیں اور جب وہ خوش ہو کر آپ کو دعائیں دیں تو اس میں خالدہ کا حصہ بھی رکھیں کیونکہ برفی میں تو حصہ ملنا مشکل ہے۔ شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

افراح آصف نے ڈنگہ محلہ مغل پورہ سے شرکت کی ہے۔ لکھتی ہیں

ماڈل گرل اچھی لگی خاص طور پر اس کا ہیئر اسٹائل ...... ہاں ایک بات پوچھنی تھی کہ نمرہ احمد شعاع کے لیے کیوں نہیں لکھتی ہیں؟ سب سے پہلے ''سنہری دھوپ'' پڑھا۔ باقی سب تو ٹھیک ہے مگر عمیر لوگوں اور الیاس احمد کی فیملی کا ذکر ہر دفعہ ایک طرح کا ہی ہوتا ہے۔ پلیز سلوئی آپی اب یہ اسٹوری ختم بھی کر دیں نا اب بور ہو گئی ہے۔ پھر ''شہرزاد'' پڑھی۔ مجھے شروع میں ''در شہوار'' بہت اچھی لگتی تھی مگر اب تو اف اللہ...... شاہ میر مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔ میر فیملی میں صرف ایک وہ ہی ''بندے کا پتر'' ہے۔ ''محبت جنوری جیسی'' اف خدایا! فرزانہ کھرل کی کہانی پڑھنے سے پہلے تو پورا شجرہ نسب بنانا پڑتا ہے۔ ہم رسالے ریلیکس ہونے کے لیے پڑھتے ہیں مگر ان کی کہانی پڑھنے کے بعد تو سر میں بھی درد شروع ہو جاتا ہے۔ پوری کہانی کے بعد بھی مجھے مشعل کے ماں باپ کی سمجھ نہ آئی کہ وہ کون تھے؟ اور احمد انوار کا اس سے کیا رشتہ تھا اف خدایا...... ''عمروں کے سلسلوں میں'' دلچسپ کہانی تھی۔ امی پاپا کی لڑائیوں سے بہت ہنسی آئی۔ ''آ و لالہ اگاتے ہیں'' کوئی عورت اس حد تک گر سکتی ہے یقین نہیں آیا۔ ''گل فروش'' سب سے اچھا افسانہ تھا پڑھ کر مزہ آ گیا۔ ''سنہری خواہش'' تلخ حقیقت تھی۔ ''فیصلہ'' ٹھیک ہی تھی۔ ''خواب شیشے کا'' پڑھ کر حیرت ہوئی کہ نمیرا آفندی موحد نہیں...... اس دفعہ آسیہ ملازم حسین کا ناتا اچھا تھا۔ کافی عرصے بعد مزہ آیا ورنہ تو پھر ناتا ایک جیسا ہی ہوتا تھا۔ ''بندھن'' میں شگفتہ یاسمین سے مل کر مزہ آیا۔

ج: افراح! فرزانہ کھرل کی کہانیوں میں رشتے تھوڑے الجھے ہوئے ہوتے ہیں لیکن ان کے الفاظ بہت خوب صورت ہوتے ہیں۔ تھوڑی توجہ سے پڑھیں تو کہانی پڑھنے میں لطف آتا ہے۔

مشعل کا کسی سے بھی کوئی رشتہ نہیں تھا۔ احمد انوار کی شادی نسبت سے ہوئی تھی لیکن ایک کمزور لمحہ کی زد میں آ کر جب انہوں نے فیروزہ بیگم سے شادی کر لی تو نسبت نے ان سے طلاق لے کر دوسری شادی کر لی۔ مشعل کے والدین نسبت کے پڑوسی تھے وہ مشعل کو بسنت کے پاس چھوڑ کر گئے تو ایک حادثے میں مارے گئے۔ نسبت نے مشعل کو گود لے لیا۔ کچھ عرصہ بعد نسبت دنیا سے رخصت ہو گئی لیکن مرنے سے پہلے اس نے مشعل کا رشتہ اپنے بیٹے اشعب سے طے کر دیا تھا احمد انوار مشعل سے اس لیے محبت کرتے تھے کہ نسبت مشعل کو بہت چاہتی تھی انوار احمد کو نسبت کے ساتھ زیادتی کا احساس تھا، اور ان کے دل میں احساس جرم تھا وہ اس کی تلافی میں مشعل کو چاہتے تھے۔

اب رشتے سمجھنے کے بعد آپ ناول دوبارہ پڑھیں۔ آپ کو لطف آئے گا۔ نمرہ احمد کا ناول فی الحال تو خواتین ڈائجسٹ میں چل رہا ہے۔ اس کے ختم ہونے کے بعد ہی شعاع کے لیے لکھ سکتی ہیں۔

آپ کی عمر صرف تیرہ سال ہے۔ بہت سی باتیں آپ سمجھ نہیں سکتی ہیں۔ کوثر خالد پر آپ کی تنقید ہمیں اچھی نہیں لگی۔ آپ ہماری بچیوں کی طرح ہیں اس لیے سمجھا رہے ہیں۔ برا نہ مانیے گا۔

صبا شریف نے چک نمبر L-14-16 ضلع ساہیوال سے شرکت کی ہے، لکھتی ہیں

ہمارا 16 چک ضلع ساہیوال کا بہت بڑا چک ہے۔ اس میں لڑکوں کا مڈل اور لڑکیوں کا ہائی اسکول ہے۔ دو پرائیویٹ اسکول اور ایک گورنمنٹ ہسپتال ہے۔ اب حال ہی میں 16 چک کے فرنٹ پر المصطفیٰ ٹرسٹ کے نام سے ہاسپٹل بنا ہے۔ جہاں مفت علاج کیا جاتا ہے۔ جس سے ارد گرد علاقوں کے رہنے والے لوگ بھی مستفید ہوتے ہیں۔ ہمارے 16 چک کے بالکل وسط میں ایک

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

انتہائی خوب صورت، وسیع و عریض بلند و بالا مسجد اہل حدیث پوری شان سے ایستادہ ہے۔ جسے دیکھتے ہی دل خوشی سے بھر جاتا ہے۔ ہماری مسجد دیکھنے ضرور آئیں۔ لڑکوں اور لڑکیوں کے مدارس ہیں۔ اب کچھ بات ہو جائے شعاع کی ٹائٹل پر ماڈل کی جگہ قدرتی مناظر ہونے چاہئیں۔ اچھی تجویز ہے۔ آپ ہر ماہ کسی ایک ڈاکٹر کا انٹرویو کریں، بیماریوں کے متعلق سوال کریں۔ پیارے نبی کی پیاری باتیں بہت اچھا سلسلہ ہے۔ آپ اس میں نماز کے طریقے کے متعلق بھی احادیث دیں۔ صائمہ اکرم چوہدری ہماری فیورٹ رائٹر ہیں۔ سب سے پہلے شہزاد پڑھتے ہیں۔ سمیرا عثمان گل کہاں غائب ہیں؟ مریم عزیز سے کچھ لکھوائیں اور نبیلہ عزیز ہم آپ کے منتظر ہیں پلیز۔

ج: پیاری صبا! شعاع کی محفل میں خوش آمدید آپ کے چک کا احوال جان کر بہت خوشی ہوئی آپ کے چک میں زندگی کی بنیادی سہولیات مہیا ہیں۔ تعلیم اور مفت علاج کی سہولت بھی ہے۔ شہروں میں تو اسکول، کالج یونیورسٹی ہونا عام بات ہے لیکن گاؤں میں یہ سہولت مہیا ہونے سے بہت سے لوگوں کی صلاحیتوں کو سامنے آنے کا موقع ملے گا۔

انٹرویو کے لیے آپ کی فرمائش شاہین رشید تک پہنچا رہے ہیں۔ شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

حافظہ اقراء جاوید اور بشریٰ جاوید بشی پدھراڑ ضلع خوشاب سے شریک محفل ہیں

پہلے میں اپنے گاؤں کا چھوٹا سا تعارف کروا دوں۔ ہمارا گاؤں پدھراڑ بہت بہت خوب صورت ہے۔ اللہ کے کرم سے یہاں ہر قسم کی سہولیات موجود ہیں اور سب سے اچھی بات یہاں یہ لڑکیاں، لڑکوں سے زیادہ تعلیم حاصل کر رہی ہیں اور ہم دونوں سسٹرز نے بھی آئی سی ایس کے بعد ابھی بی اے میں ایڈمیشن لیا ہے۔

ہم پورے ڈائجسٹ پہ تبصرہ نہیں کر سکتے وجہ آپ کو معلوم ہے لیکن جس ناول نے آج ہمیں تبصرہ کرنے پہ اکسایا ہے وہ ہے ''شہزاد'' صائمہ جی! دل کرتا ہے ہم آپ کے ہاتھ چوم لیں۔

اتنے باذوق قارئین کا ''شہزاد'' پہ بدذوق سا تبصرہ پڑھ کے بے ساختہ میرا سر دیوار میں دے مارنے کو جی چاہتا ہے۔ میرے کزن ظہیر عالم جو میرے ''ان'' کے بڑے بھائی ہونے کا شرف بھی رکھتے ہیں۔ وہ میری اس جنونی محبت سے جو مجھے شعاع، خواتین اور کرن سے ہے سخت چڑتے ہیں۔ کہتے ہیں اگر تم ان کے بجائے اپنی اسٹڈی پہ توجہ دیتیں تو تمہارے مارکس ''دبشی'' سے زیادہ آ جاتے' میں کہتی ہوں کہ آپ مستقبل کی رائٹر سے بات کر رہے ہیں سوتمیز کے ساتھ بات کیجیے۔ ہم دونوں کی بنتی بھی بہت ہے آخر کو وہ میرے بڑے بھائی ہیں۔

اب آپ مجھے یہ بتا دیں کہ کیا میں رائٹر بن سکتی ہوں۔ مائی سویٹ سسٹر بشی بڑی اچھی شاعری کرتی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ ہم دونوں معصوموں کے ساتھ کیسا سلوک کرتی ہیں۔

ج: حافظہ اقراء! باذوق قارئین کا ''بدذوق'' سا تبصرہ۔ بدذوق قارئین ہو سکتے ہیں یہ تبصرہ کب سے بدذوق ہو گیا۔ آپ دونوں ''معصوموں'' کے لیے ہمارا مشورہ یہ ہے کہ آپ میں صلاحیت ہے۔ رائٹر بن سکتی ہیں لیکن فی الحال صرف مطالعہ کریں۔

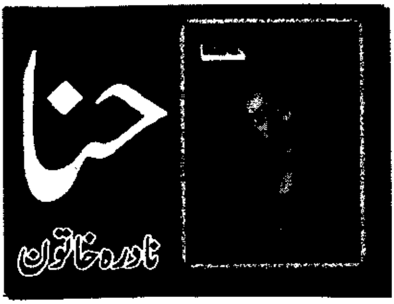

ماہنامہ خواتین ڈائجسٹ اور ادارہ خواتین ڈائجسٹ کے تحت شائع ہونے والے پرچوں ماہنامہ شعاع اور ماہنامہ کرن میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل پہ ڈراما، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلشر سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بہ صورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

آپ سنے جانے ہیں

واصفہ سہیل

بھروسا

اداکارہ ریشم نے کہا ہے کہ ''انہوں نے بچپن سے لے کر اب تک جس پر بھی بھروسا کیا ہے اس نے انہیں دھوکا دیا ہے۔'' (اور آپ اب تک دھوکے کھاتی رہیں......؟'')

انہوں نے کہا ہے کہ بچپن میں والد کے انتقال کے بعد ان کی بہن نے ہی انہیں ماں بن کر پالا۔ (ہیں......والد کے انتقال کے بعد ماں بن کر پالا، یا والدہ کے انتقال کے بعد......؟)

ریشم کا کہنا ہے کہ ان کی سب سے اچھی دوست بابرا شریف ہیں (تو ریشم! آپ کی عمر......؟) وہ انہیں مزے مزے کے کھانے بنا کر کھلاتی ہیں (بابرہ شریف! مزے مزے کے کھانے......بنا کر......؟) مگر دوستی کے باوجود وہ بابرا کا سینئر ہونے کے باعث بہت احترام بھی کرتی ہیں۔اور ان سے خوب ہنسی مذاق بھی کرتی ہیں (احترام اور ہنسی مذاق......؟)

ریشم نے مزید کہا کہ بچپن سے ہی انہیں بابرا شریف پسند تھیں۔ (بتا دیا ناں کہ کم عمر ہیں) اور وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ ایک دن بابرا شریف ان کی بہترین دوست بن جائیں گی۔

ترجیح

مہرین سید ماڈلنگ کے بعد فلموں کی طرف آ گئی ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ ''شادی کے بعد وہ فلموں سے دور ہو گئی تھیں۔ مگر اب دوبارہ انہوں نے فلمیں کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ ایک فلم کے بعد انہیں مزید فلموں کی آفرز بھی آئی ہیں (ویسے کس کس نے آفر کی ہے۔ بھئی فلموں کی اور کس کی......) مگر ابھی انہوں نے فیصلہ نہیں کیا۔ (کیا آپ کو لینے کا......؟)

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

مہرین سید کا مزید کہنا ہے کہ۔ پاکستانی فلموں میں ماڈلز کی بڑھتی ہوئی ڈیمانڈ سے پرانی اداکاراؤں اور اداکاروں کی اجارہ داری کا دور ختم ہوگیا ہے۔(ویسے ہی جیسے نئی اور کم عمر ماڈلز کے آنے سے آپ جیسی ماڈلز کو فلموں کی طرف آنا پڑ گیا ہے) مہرین سید نے کہا کہ میں اپنی مرضی کا کام کرنے والی اداکارہ ہوں(فلموں میں مرضی......؟) اور فیشن انڈسٹری ہی میری ترجیح ہے"۔(کام مانگنے کا یہ طریقہ......؟)

قربانی

صنم سعید کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے وہ ماڈلنگ ہو یا اداکاری، فلم ہو یا ڈرامہ ہر صنف میں یکساں مقبول ہیں۔ صنم سید کہتی ہیں کہ جدید دور میں صف اول کے فنکار فلم انڈسٹری کو استحکام دینے کے لیے ڈراموں میں کام نہ کرتے ہوئے بڑی قربانی دے رہے ہیں(بینک بیلنس بڑھانے کی......؟) فلم انڈسٹری کو ٹی وی فنکاروں نے ایک نئی سمت دی ہے۔(جی جی اب فلم، فلم نہیں ٹی وی ڈراما ہی لگتی ہے۔) کئی فنکار اب فلموں کی مصروفیات کی وجہ سے ٹی وی سے بالکل دور ہوگئے ہیں۔ میں بھی ایسا ہی کرکے اپنا حصہ ادا کررہی ہوں(یا معاوضے کی صورت وصول کررہی ہیں؟) میری کئی فلمیں ریلیز ہوچکی ہیں(قابل ذکر کوئی نہیں)

دانش مند

پاکستانی نژاد برطانوی گلوکار زین ملک نے انکشاف کیا ہے کہ ان کے آنے والے البم میں اردو گانے اور قوالی بھی شامل ہوگی۔ زین ملک جو کہ برطانوی میوزک بینڈ"ون ڈائریکشن"کے سابق لیڈ سنگر بھی ہیں کا کہنا ہے کہ" آنے والے البم کے لیے ایک گانا بولی وڈ کے مشہور موسیقار اے آر رحمن کے ساتھ بھی کررہا ہوں۔ اردو زبان سے شروع ہی سے ناتا رہا ہے۔ بچپن سے امیتابھ اور عامر خان کی فلمیں دیکھ دیکھ کر بڑا ہوں(دے کا کے ایک آدھ نام کوئی ہمایوں سعید، عدنان صدیقی یا بشریٰ انصاری کا ہی لینا سی) جو کوئی بھی ملے اسے شاہ رخ خان کی فلم دیوداس دیکھنے کا مشورہ دینا نہیں بھولتا۔ زین ملک کا مزید کہنا ہے کہ"اگر آپ کسی مسئلے کا پُرامن اور دانش مندانہ حل چاہتے ہیں تو اسے کسی خاتون کے حوالے کردیں(ہیں ہیں......؟) میں دیانت داری سے یہ محسوس کرتا ہوں کہ میری کامیابی کے پیچھے بھی میری زندگی میں آنے والی خواتین کا ہاتھ ہے۔"(اچھا جی! وہ جو آپ کو ملی ہے وہ کامیابی ہے......؟)

کچھ ادھر ادھر سے

دنیا کے نفسیاتی ماہرین بہت سارے اختلافات کے باوجود اس بات پر متفق ہیں کہ اپنے آپ سے محبت کرنے والے اور اپنی ذات میں گم رہنے والے اپنی ازدواجی زندگی میں کامیاب نہیں ہوپاتے۔

(اعجاز منگی۔ آوازِ حق)

☆ اقامہ پر عدلیہ کے کمزور فیصلے سے نواز شریف کو فائدہ ہوا ہے۔ ہم اس فیصلے پر کیسے تنقید کرتے عدلیہ پہلے ہی حملے کی زد میں تھی۔

(عمران خان)

☆ میں کچھ دوستوں کی اس رائے سے اتفاق نہیں کرتا عاصمہ جہانگیر کا خلا پُر نہیں ہوسکتا۔ جہاں ظلم ختم نہ ہوگا۔ ہزاروں گمشدہ افراد واپس نہ آئیں گے اور غیرت کے نام پر قتل بند نہ ہوں گے وہاں عاصمہ جہانگیر کی مزاحمت بھی ختم نہیں ہوسکتی۔ یہ مزاحمت جاری رہے گی۔

(قلم کمان۔ حامد میر)

☆ جرم سزاؤں سے کم نہیں ہوتے، معاشرے میں عدل سے ختم ہوتے ہیں۔ عدالتوں کا احترام خوف سے قائم نہیں ہوتا۔ عدالتوں کے انصاف پر مبنی فیصلوں سے ہوتا ہے۔

(فیض عام۔ سہیل وڑائچ)

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

امتہ الصبور

شوقِ شہادت

حضرت عمروؓ بن جموح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے پیارے صحابی تھے۔ آپؓ ٹانگ سے معذور تھے، مگر ایمان کی ایسی حرارت آپؓ کے سینے میں تھی کہ احد کی جنگ میں آپؓ جذبہ شہادت سے سرشار جہاد میں جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ لوگوں نے سمجھایا کہ آپ لنگڑے ہیں اور معذوروں کو اللہ نے رخصت دے رکھی ہے، مگر آپؓ کا شوقِ جہاد بڑھتا ہی گیا۔ کہنے لگے

"میں اپنے بیٹوں سے پیچھے نہیں رہنا چاہتا کہ وہ تو جامِ شہادت نوش کر کے جنت میں چلے جائیں اور میں پیچھے رہ جاؤں۔"

بالآخر آپؓ شہادت کی تمنا سے بے قرار ہو کر ایک دن ہتھیار لگائے قبلہ کی طرف رخ کر کے دعا کرنے لگے۔

"خدایا! مجھے گھر والوں کی طرف نہ لوٹایئے گا۔"

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی تمنا کا اظہار کرتے ہوئے بولے۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری دعا ہے کہ میں راہِ خدا میں شہادت پاؤں اور میں اپنے اس لنگڑے پیر سے جنت میں ٹہلوں۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تو منع کیا کہ تم معذور ہو اور اللہ نے تمہیں رخصت دی ہے، لیکن ان کے شوق اور آرزو کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی۔

حضرت ابو طلحہؓ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ عمروؓ اکڑ اکڑ کر میدان جنگ میں گھوم رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ......

"اللہ گواہ ہے کہ میں جنت کا مشتاق ہوں۔"

ان کا ایک بیٹا بھی ان کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ دونوں لڑتے رہے اور اللہ نے دونوں کو شہادت کا مرتبہ نصیب فرمایا۔

شہادت کے بعد جب حضرت عمروؓ اور ان کے شہید بیٹے کی لاش اونٹ پر لاد کر مدینے کی جانب لے جائی جانے لگی تو اونٹ بیٹھ گیا۔ ہزار کوشش کی، مگر اونٹ نہ اٹھا۔ بہت دیر کی مار پیٹ کے بعد وہ کھڑا تو ہو گیا، مگر کسی طرح مدینے کی طرف بڑھنے کے لیے تیار نہ تھا۔

جب لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمروؓ کی بیوی سے پوچھا۔

"گھر سے چلتے وقت عمروؓ نے کیا کہا تھا۔" بیوی نے بتایا کہ کوئی اور بات تو نہ کی تھی، البتہ قبلہ کی طرف رخ کر کے یہ دعا ضرور کی تھی کہ "خدایا! مجھے پھر گھر والوں کی طرف نہ لوٹایئے گا۔"

یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"پھر یہ اونٹ مدینے کی طرف ہرگز نہ جائے گا۔"

(ماخذ۔ "روشن ستارے" از محمد یوسف اصلاحی)

عقیدت و محبت کی لازوال کہانی

لوگ تاج محل کو محبت کی علامت قرار دیتے ہیں، مگر یقین کریں کہ عثمانی دور میں مسجد نبوی کی تعمیر،

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

تعمیرات کی دنیا میں محبت اور عقیدت کی معراج ہے۔ ذرا تفصیل پڑھیے اور اپنے دلوں کو عشق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منور کریں۔ ترکوں نے جب مسجد نبوی کی تعمیر کا ارادہ کیا تو انہوں نے اپنی وسیع و عریض ریاست میں اعلان کیا کہ

''انہیں عمارت سازی سے متعلق فنون کے ماہرین درکار ہیں۔''

اعلان کرنے کی دیر تھی کہ ہر علم کے مانے ہوئے لوگوں نے اپنی خدمات پیش کیں، سلطان کے حکم سے استنبول کے باہر ایک شہر بسایا گیا جس میں اطراف عالم سے آنے والے ان ماہرین کو الگ الگ محلوں میں بسایا گیا، اس کے بعد عقیدت اور محبت کا ایسا باب شروع ہوا جس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔

خلیفہ وقت جو دنیا کا سب سے بڑا فرماں روا تھا، شہر میں آیا اور ہر شعبے کے ماہر کو تاکید کی۔

''کہ اپنے ذہین ترین بچے کو اپنا فن اس طرح سکھائے کہ اسے یکتا و بے مثال کردے۔''

اس اثنا میں ترک حکومت اس بچے کو حافظ قرآن اور شہ سوار بنائے گی، دنیا کی تاریخ کا یہ عجیب وغریب منصوبہ کئی سال جاری رہا۔

پچیس سال بعد ایسے نوجوانوں کی جماعت تیار ہوئی جو نہ صرف اپنے شعبے میں یکتائے روزگار تھے، بلکہ ہر شخص حافظ قرآن اور باعمل مسلمان بھی تھا، یہ لگ بھگ پانچ سو لوگ تھے۔ اسی دوران ترکوں نے پتھروں کی نئی کانیں دریافت کیں، جنگلوں سے لکڑیاں کٹوائیں، تختے حاصل کیے گئے اور شیشے کا سامان بہم پہنچایا گیا۔ یہ سارا سامان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر پہنچایا گیا تو ادب کا یہ عالم تھا کہ اسے رکھنے کے لیے مدینہ سے دور ایک بستی بسائی گئی، تاکہ شور سے مدینے کا ماحول خراب نہ ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کی وجہ سے اگر کسی پتھر میں ترمیم کو ضرورت پڑتی تو اسے

ماہنامہ کرن

مارچ 2018 سالگرہ نمبر

''کرن کا دسترخوان''

اب ہر ماہ کرن کے ساتھ مفت حاصل کریں

- ''کیا تجھے یاد ہیں گزرے زمانے اپنے'' قارئین سے سروے،
- فنکارہ ''کنزہ ہاشمی'' سے شاہین رشید کی ملاقات،
- شعر و سخن کی دنیا سے معروف شاعر ''شہزاد نیئر'' اس ماہ مہمان ہیں،
- اداکار ''زاہد افتخار احمد'' کہتے ہیں ''میری بھی سنیے''،
- اس ماہ مریم کرن اور اقرا جیلانی کے ''مقابل ہے آئینہ''
- ''من مور کھ کی بات نہ مانو'' آسیہ مرزا کا سلسلہ وار ناول کی آخری قسط
- ''ہوائیں رخ بدل گئیں'' نگہت عبداللہ کا سلسلہ وار ناول،
- ''مجبور نشیمن'' مصباح علی سید کا مکمل ناول کی آخری قسط،
- ''جادوگرنیاں'' نگہت سیما کا مکمل ناول،
- ''سونے دی تاویتری'' امت العزیز شہزاد کا مکمل ناول
- ''غم ہے یا خوشی ہے تو'' تنزیلہ ریاض کا ناولٹ،
- ''چھوٹی سی خطا'' نادیہ احمد کا ناولٹ،
- ''جنتری'' منشا محسن علی کا ناولٹ،
- راشدہ رفعت، نفیسہ سعید، نظیر فاطمہ اور مریم ماہ منیر کے افسانے اور مستقل سلسلے،

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

واپس اسی بستی بھیجا جاتا۔ ماہرین کو حکم تھا کہ ہر شخص کام کے دوران باوضو رہے اور درود شریف اور تلاوت قرآن میں مشغول رہے۔ حجرہ مبارک کی جالیوں کو کپڑے سے لپیٹ دیا گیا کہ غبار اندر روضہ پاک میں نہ جائے۔ ستون لگائے گئے کہ ریاض الجنہ اور روضہ پاک پر مٹی نہ گرے۔

یہ کام پندرہ سال تک چلتا رہا اور تاریخ عالم گواہ ہے کہ ایسی محبت اور ایسی عقیدت سے تعمیر نہ کبھی پہلے ہوئی اور نہ کبھی بعد میں ہوگی۔

عجیب وحیرت انگیز

گورنر امیر محمد خان کا انتقال 1967ء میں ہوا، اس وقت پاکستان دو حصوں میں تقسیم نہیں ہوا تھا اور بنگلہ دیش مشرقی پاکستان کہلاتا تھا۔ امیر محمد خان مغربی پاکستان کے گورنر تھے۔

گورنر امیر محمد خان اعلا تعلیم یافتہ تھے۔ انہوں نے یورپ کی یونیورسٹی سے ایگری کلچر کی ڈگری لی

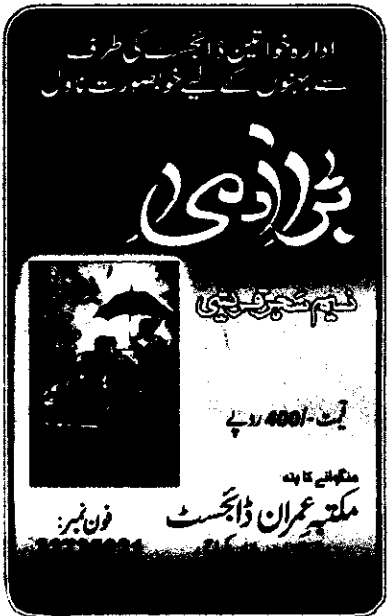

تھی۔ صدر ایوب خان کے زمانے میں پاکستان میں جوزرعی انقلاب آیا تھا۔ اس کا سہرا دراصل ملک محمد امیر خان ہی کے سر ہے جو اس وقت پاکستان کے غذائی اور زرعی کمیشن کے صدر تھے۔ بعد میں ان کو ان کی اعلا خدمات کے اعتراف میں گورنر بنا دیا۔

امیر محمد خان باہر سے اعلا تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود مشرقی تہذیب کا نمونہ تھے۔ وہ گورنر ہاؤس میں نماز، روزہ کی سختی سے پابندی کرتے تھے۔ ان کے گھر کی خواتین ہمیشہ پردہ کے اندر رہتیں۔

صدر پاکستان ایوب خان پاکستان کی بڑھتی آبادی سے خائف تھے۔ انہوں نے تیسرے پنج سالہ منصوبے میں بڑھتی ہوئی آبادی کو روکنے کے لیے خاندانی منصوبہ کے لیے تیس کروڑ کی رقم رکھی۔ اس زمانے کے لحاظ سے یہ خاصی بڑی رقم تھی۔

امیر محمد خان نے اس کی سختی سے مخالفت کی۔ ایوب خان کو یہ بات سخت ناگوار گزری۔ بات بڑھتی گئی۔ یہاں تک ایوب خان نے جھنجلا کر کہا۔

"اگر آبادی اسی طرح بڑھتی رہی اور اس کی روک تھام نہ ہوئی تو ایک وقت وہ آئے گا جب اناج کی کمی کی وجہ سے ایک پاکستانی دوسرے پاکستانی کو بھون کر کھائے گا۔ خوشی صرف اس بات کی ہے کہ اس وقت تک میں زندہ نہیں رہوں گا۔"

حالات اس نہج پر آ گئے کہ ملک محمد امیر خان نے ستمبر 1966ء میں گورنری سے استعفیٰ دے دیا اور اپنے آبائی علاقے کالا باغ چلے گئے جہاں ان کے کھیت اور باغات تھے۔

یہاں ان کے گھر پر جائیداد کا جھگڑا شروع ہوا۔ بالآخر ایک روز وہ خود اپنے بیٹے ملک محمد اسد کے خلاف رائفل لے کر کھڑے ہوگئے۔ انہوں نے اپنے بیٹے پر گولی چلائی۔ مگر وہ کندھے کو زخمی کرتی ہوئی نکل گئی۔ اب بیٹے کی باری تھی۔

بیٹے نے چھ گولیاں اپنے باپ کے جسم میں اتار دیں اور وہ اسی وقت دم توڑ گئے۔

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

URDUSOFTBOOKS.COM

وہ شخص جس نے خاندانی منصوبہ بندی کو قتل قرار دے کر اس کی مخالفت کی اور گورنری کے عہدے تک کو چھوڑ دیا تھا۔ وہ خود اپنے بیٹے کے خلاف بندوق لے کر کھڑا ہو گیا۔ اور اس کی موت بھی اپنے ہی بیٹے کے ہاتھوں لکھی تھی، یہ انتہائی عجیب اور حیرت انگیز بات ہے۔

غلط عقائد

کارتھیج کے لوگ مولوک دیوتا کی عبادت کرتے تھے۔ وہ ایک خاص دن اپنے دیوتا کے سامنے امیر، اعلا خاندان کے لڑکوں کی قربانی پیش کرتے تھے۔ ان کے خیال کے مطابق مولوک دیوتا اعلا اور امیر خاندان کے لڑکوں کی قربانی پسند کرتا تھا۔ اعلا خاندان کے لوگوں نے اپنے لڑکوں کو بچانے کے لیے غریب خاندان کے لڑکوں کی قربانی دینا شروع کردی۔ وہ غریبوں کے لڑکوں کو پکڑ کر لے آتے اور قربانی کے دن اسے دیوتا کے چرنوں میں قربان کر دیتے تھے۔ کئی سال یہ سلسلہ چلتا رہا۔

رومیوں نے کارتھیج پر حملہ کر دیا۔ اس جنگ میں جب کارتھیج کی فوج کو شکست ہوئی تو انہوں نے سوچا کہ یہ اس غلطی کا نتیجہ ہے جو مولوک دیوتا کی عبادت کے سلسلہ میں ان سے ہوئی ہے۔ انہوں نے اشرافیہ کے لڑکوں کی قربانی پیش نہیں کی، جس کی وجہ سے مولوک دیوتا ان سے ناراض ہو گیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے جنگ میں شکست کے بعد اس غلطی کی تلافی اس طرح کی کہ آگ جلا کر اعلا خاندان کے بہت سے لڑکے اس آگ میں جھونک دیے۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ توہم پرستی اور غلط عقائد انسان کی عقل کو کس طرح خبط کر دیتے ہیں اور اسے کس انتہا تک لے جاتے ہیں۔

*

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

کتاب کا نام	مصنفہ	قیمت
شہر دل کے دروازے	شازیہ چوہدری	500/-
سنگ دانا	شازیہ چوہدری	250/-
ہم سفر	فرحت اشتیاق	400/-
بن روئے آنسو	فرحت اشتیاق	250/-
حال دل جان جاناں	فرحت اشتیاق	500/-
دل دیا دہلیز	فرح بخاری	350/-
ہستی کا آہنگ	فرح بخاری	300/-
وہ پگلی سی دیوانی سی	آسیہ سلیم قریشی	400/-
آرزو نگر آئی	آسیہ سلیم قریشی	400/-
ایمان، امید اور محبت	عمیرہ احمد	200/-
لا حاصل	عمیرہ احمد	180/-
امر بیل	عمیرہ احمد	450/-
اک دیا جلائے رکھنا	ماہا ملک	300/-
جو چلے تو جاں سے گزر گئے	ماہا ملک	120/-
میرے خواب ریزہ ریزہ	ماہا ملک	300/-
موسم تھا بے قرار	فریدہ اشفاق	300/-
دل اسے ڈھونڈ لایا ہے	آسیہ رزاقی	300/-
زندگی اک روشنی	رخسانہ نگار عدنان	500/-
میرے سانس کے ہم سفر	زہرہ ممتاز	180/-
پھلاں دے رنگ کالے	فائزہ افتخار	180/-
میری جنت	نور بانو مجیب	250/-
بجنور	شوکت رانا الطاف	150/-
اے وقت گواہی دے	راحت جبیں	350/-
شام آرزو	ام سلطانہ فخر	300/-
رنگ، خوشبو، ہوا، بادل	افشاں آفریدی	400/-
آئینوں کا شہر	فائزہ افتخار	400/-
بڑا آدمی	نسیم سحر قریشی	300/-
میرے خواب لوٹا دو	نگہت عبداللہ	400/-

[redacted]

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

شعاع کے ساتھ

ادارہ

رمیشہ گل

(1)- بچپن سے ہی شعاع اپنی کزنز کے ہاتھوں میں دیکھا ہے۔ ہم میں ادبی ذوق کوٹ کوٹ کے بھرا ہے۔ بات یہ ہے کہ رسالے ہوں۔ اخبار...... کتابیں کچھ بھی...... سب کچھ چاٹنے کا ہمیں جنون ہے۔ اور پڑھتے ہوئے دنیا مافیہا سے بے خبر ہو جانا ہماری فطرت......

ہماری کزن ہمیں چڑ کر اخباری کیڑا کہتی ہے۔ ہم بھی اس خطاب پر خوش نہ ہو سکے۔ کیونکہ کیڑا کوئی بھی ہو، ہمیں برا لگتا ہے۔

خیر کہانیاں پڑھنے کے جنون نے شعاع اور خواتین سے نویں دسویں ہی میں متعارف کروا دیا تھا۔ میں نے ان سے بہت کچھ حاصل بھی کیا۔ امی پہلے مجھے منع کرتی تھیں۔ مگر جب میں نے انہیں سمجھایا کہ امی اس میں ہم لڑکیوں کے لیے بہت سے سبق ہوتے ہیں۔ تو وہ اب کچھ نہیں کہتیں...... آج پہلی بار قلم اٹھا کر شعاع کے ساتھ ایک اور رشتہ استوار کر رہے ہیں...... گھبرائے گھبرائے کیونکہ آج سے پہلے تک تو ہم نے ایک لائن یا جملہ لفظ تک لکھ کر نہیں بھیجا۔ سو سوچا پہلے تعارف کروا لیا جائے۔ کہ ہم بھی پڑے ہیں پاکستان میں......

(2)- صبح سویرے امی کی آواز کانوں میں پڑتی ہے۔ پھر وہی روایتی سی صبح نماز، ناشتہ، کالج...... پھر کالج سے دوپہر تک واپسی ہوتی ہے۔ پھر کھانا کھانا، تھوڑا بہت کام یا آرام کر لینا، پھر اکیڈمی...... شام کے قریب واپسی ہوتی ہے۔ پھر بس کالج کا کام اور پڑھائی ہوتی ہے اور فارغ ہو جاؤں تو چلی جاتی ہوں...... سب سے الگ تھلگ...... اپنے مخصوص کمرے میں...... مخصوص نشست پر...... اپنا مخصوص بک لے کر بیٹھ جاتی ہوں۔ کچھ پڑھنے کا موڈ نہ ہو تو لکھتی ہوں۔ لکھنے کا موڈ نہ ہو تو پڑھ لیتی ہوں۔ پینٹنگ کرنا...... پوئٹری کرنا میرے پسندیدہ مشاغل ہیں۔

کہانیاں لکھنا بھی اچھا لگتا ہے۔ بلکہ آج کل ایک ناول لکھ رہی ہوں۔ پہلے میرے معمولات میں شام کی چہل قدمی شامل تھی۔ اپنی بہن کے ساتھ...... اور ٹہلتے ہوئے میں اسے خود سے بنا بنا کر ناولز سنایا کرتی تھی اور مجھے کیا پتا تھا۔ مجھ سے ایسا ناول بھی بن جائے گا۔ جو مجھے مجبور کرے گا میں اسے لکھوں...... میں بہت گھبرائی ہوں کیونکہ یہ میری زندگی کا پہلا ناول ہے۔ اور سنانے اور لکھنے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ سناتے ہوئے ساتھ ساتھ بنانا پڑتا ہے۔ جس کی میں عادی تھی۔ اور لکھتے ہوئے ساتھ ساتھ دکھانا پڑتا ہے۔ جو میرے لیے نیا تجربہ ہے۔ اس کے بعد بارہ بجے تک ہماری بھی روٹین ہوتی ہے۔

بارہ بجے کسی کی آواز سنائی دیتی ہے۔ ”اب آ جاؤ سونے۔“

کبھی تو اٹھ جاتی ہوں اور کبھی ”آ رہی ہوں“ کہہ کر بیٹھی رہتی ہوں۔

(3)- کسی کہانی میں اپنا مکمل کردار نظر نہیں آیا۔ ایک تو ناولز میں بہت منتخب کر کے پڑھتی ہوں۔ اس لیے بہت کم ناول پڑھے۔ اور جو پڑھے ان میں کوئی کردار اپنا عکس نہیں لگا۔ تھوڑی بہت عادات شاید مل جاتی ہیں۔ کسی نہ کسی سے......

پسندیدہ مصنفات میں عمیرہ احمد کی گرویدہ ہوں۔ پیر کامل پڑھ کر...... کرداروں کے درمیان غیر متوقع جملے بازی...... برجستہ جوابات ان کی تحریر کا حسن ہے۔ دو تین ماہ پہلے ہی نمرہ احمد کا ناول ”جنت کے پتے“ پڑھا۔ ان کے ناول کے ساتھ ساتھ ان کی ذہانت، محنت اور معلومات کی داد دینی پڑے گی۔ سائرہ رضا اور پھر سمیرا حمید کا ناول یارم بھی میرے پسندیدہ ناولوں میں شامل ہے۔ اور ان دونوں کی

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

تحریریں پڑھنے کو مجبور کرتی ہیں۔ ایک بار پھر پڑھنے پر ......یارم کے لیے تو میرا دل چاہ رہا ہے۔ ایک علیحدہ سے خط لکھوں۔

(4)- خوبیاں اور خامیاں......سوال دلچسپ بھی ہے اور شاید مشکل بھی......حساس ہوں۔ بلکہ بے حد حساس ہوں اسے خوبی کہہ دیں، خامی سمجھیں۔ آپ کی مرضی......میرے نزدیک یہ کمزوری ہے۔ مگر کمزوری کو اپنی طاقت بنایا جاسکتا ہے۔ سو میں بھی اپنی حساسیت صفحے پر منتقل کر لیتی ہوں۔ میرا خیال ہے، میں ایک بہادر لڑکی ہوں۔ اس کے علاوہ بہت انا پرست ہوں۔ مجھے عزت سے زیادہ دنیا میں اور کوئی چیز پیاری نہیں۔

''لوگ دکھ پہنچائیں۔ تو معاف کر دیتی ہوں۔ دل بہت بڑا ہے میرا......اپنے لیے یہ جملہ کئی لوگوں سے سنا اپنی چیز بخوشی دوسروں کو دے دیتی ہوں۔ کوئی مجھے میری خامی بتائے۔ تو میں اس خامی ہو تو دور کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔ بدگمان جلد ہو جاتی ہوں۔ اور جس سے ہوں۔ اس سے بغیر کچھ کہے اپنی راہیں الگ کر لیتی ہوں۔ لیکن یہ گزرا سال مجھ میں ایک بڑی تبدیلی لے کر آیا۔ اور وہ یہ کہ میرے دل میں جس کے لیے بدگمانی ہو۔ میل ہو۔ تو میں کسی دوسرے سے ڈسکس کرنے کے بجائے براہ راست اسی بندے سے بات کر لیتی ہوں۔

باقی اور کیا لکھوں......عام سی لڑکی ہوں۔ اچھی لڑکی سمجھی جاتی ہوں۔ کوشش ہوتی ہے جان پہچان والے کم ہوں۔ ایک ہی بندہ ہو سلام دعا والا مگر پُرخلوص (مگر ہوتے ہوتے سلام دعا والے زیادہ ہی بن جاتے ہیں) خود میں مگن رہتی ہوں۔ نہ دوسروں کی کسی چیز سے متاثر ہوتی ہوں۔ نہ انہیں متاثر کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔ اچھے لوگوں سے واسطہ رکھ لیتی ہوں بن جائے تو......برے، خود غرض، بدتمیز، مغرور لوگوں سے نہ دشمنی رکھتی ہوں نہ دوستی......بھئی خوش رہیں۔ جیسے رہیں۔ اپنی زندگی ہے میرا کیا......میں سنجیدہ دکھائی دیتی ہوں۔ مگر میں سنجیدہ نہیں ہوں۔

ہنس مکھ لڑکی ہوں......میں شکل سے بہت معصوم دِکھتی ہوں۔ مگر میرا خیال ہے میں سادہ نہیں ہوں۔ ذہین اور عقل مند ہوں۔ کیا آپ کو میری تحریر سے نہیں لگتا ہاہا۔ ہاں اپنی بدتمیز بہن کے ہاتھوں آسانی سے بدھو بن جاتی ہوں۔ جو بہن کم اور دوست زیادہ ہے میری......

(5)- کوئی ایسا بھی ہے جو کہے اسے بارش اچھی نہیں لگتی......''میں نئیں منداں'' جی ہاں بہت اچھی لگتی ہے بارش......گرمیاں ہوں تو گھوم پھر کر......اور سردیاں ہوں تو اپنی مخصوص نشست پر کاغذ قلم لے کر بیٹھ جاتی ہوں۔ بشرط موڈ اچھا ہو۔ اپنا ہی ایک شعر لکھتی ہوں۔

چاند ستارے ٹھنڈی ہوائیں گلشن میں آئیں تو کیا
آگ، لگے ایسے موسم کو دل کا موسم اچھا ہوتا

سو بارش کبھی کبھی اداس بھی کر دیتی ہے۔ جب یہ سوچ ذہن میں آئے۔ کہ ایک دن یہ بارش یوں ہی زمین پر ہو رہی ہوگی۔ اور میں قبر کے اندر ہوں گی۔ اور یہ سن کر میری کزن مجھے بوڑھی روح کہتی ہے۔ میں بالکل نہیں چڑتی ہنس دیتی ہوں۔ یہ سوچ ......یعنی ہمارے اندر بیٹھا بزرگ......مجھے یہ احساس ضرور دلاتا ہے۔ یہ زندگی جو مجھے ملی......اللہ کی کتنی بڑی نعمت ہے۔ اور اسے بے کار مسئلے مسائل میں گنوا دینا عقل مندی نہیں۔

(6)- شاعری میں نے زیادہ نہیں پڑھی ناولز کی طرح......اور جو پڑھی ان میں احمد فراز اور جاذب نثار پسندیدہ شاعر ہیں۔ میں آپ کو جاذب نثار کے چند شعر لکھ رہی ہوں۔ دنیا ہمیں کیسے کیسے امتحانوں میں ڈال دیتی ہے۔ ذرا پڑھیے۔

باہر آؤں تو خفا مجھ سے کنارے والے
سانس گھٹتی ہے ڈوبتا ہوں جو سر پانی میں

اور یہ خوب صورت شعر

میں گرا تھا تو بہت لوگ رکے تھے لیکن
سوچتا یہ ہوں کہ آئے تھے اٹھانے کتنے

پسندیدہ اشعار تو بہت ہیں۔ فی الحال یہ ہی کافی ہیں۔

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

موسم کے پکوان

خالدہ جیلانی

جے پوری کھٹا گوشت

ضروری اشیا:۔

گوشت	آدھا کلو
پیاز کا پیسٹ	آدھا کپ
ادرک، لہسن پیسٹ	ایک کھانے کا چمچہ
دہی	ایک چوتھائی کپ
املی کا پیسٹ	دو کھانے کے چمچے
لال مرچ	ڈیڑھ چائے کا چمچہ
ہلدی	ایک چوتھائی کپ
دھنیا	ایک چائے کا چمچہ
گرم مسالا	آدھا چائے کا چمچہ
کچا پپیتا	دو کھانے کے چمچے (چھلکے سمیت پیس لیں)
ہری مرچیں	چار سے پانچ عدد
ہرا دھنیا	ایک چوتھائی گٹھی
نمک	حسب ذائقہ
تیل	حسب ضرورت

ترکیب:۔ گوشت میں کچا پپیتا، ادرک اور لہسن پیسٹ لگا کر دو گھنٹے کے لیے چھوڑ دیں۔
دیگچی میں تیل گرم کر کے اس میں پسی پیاز دہی، لال مرچ، ہلدی، پسا دھنیا، گرم مسالا پاؤڈر اور نمک ڈال کر بھون لیں۔ اس میں گوشت شامل کر کے درمیانی آنچ پر دس منٹ ڈھک کر پکائیں اس کے بعد املی کا گودا اور ہری مرچیں شامل کر کے مزید دس منٹ ہلکی آنچ پر دم پر رکھیں، گوشت گل جائے تو ہرا دھنیا ڈال کر اتار لیں۔

مکھنی ملائی ہرا مسالا چکن

ضروری اشیا:۔

چکن	آدھا کلو
ہرا دھنیا (کٹا ہوا)	ایک چوتھائی کپ
ہری مرچیں (کٹی ہوئی)	ایک کھانے کا چمچہ
لہسن، ادرک پیسٹ	ایک چائے کا چمچہ
دہی	آدھا کپ
زیرہ (بھنا اور کٹا ہوا)	ایک چائے کا چمچہ
لیموں کا رس	ایک عدد
پیاز (پسی ہوئی)	آدھا کپ
مکھن	ایک کھانے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	ایک چوتھائی کپ

ترکیب:۔ دیگچی میں تیل گرم کر کے پیاز اور لہسن، ادرک پیسٹ ڈال کر تل لیں۔ اس میں مرغی ڈال کر بھونیں، مسالا بھن جائے تو نمک، ہرا دھنیا، ہری مرچیں اور دہی ڈال کر حسب ضرورت پانی ڈال دیں، ڈھک کر درمیانی آنچ پر پکائیں۔ گوشت گل جائے تو بھون کر لیموں کا رس، کٹا ہوا زیرہ، مکھن اور ملائی شامل کر کے مکس کر دیں۔ سرونگ پلیٹ میں نکال کر گرم گرم پیش کریں۔

قیمہ اسپیگھٹی

ضروری اشیا:۔

قیمہ	ایک پاؤ
پیاز	ایک عدد
لہسن	ایک چائے کا چمچہ
ٹماٹر (باریک کٹے ہوئے)	دو عدد
تیل	تین کھانے کے چمچے
ٹماٹر پیسٹ	دو کھانے کے چمچے
لال مرچ	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
ہلدی	ایک چوتھائی چائے کا چمچہ

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

ہرا دھنیا (کٹا ہوا) — آدھا کپ
ہری مرچ (کٹی ہوئی) — دو عدد
اسپیگھٹی — ایک پیکٹ

ترکیب:۔ اسپیگھٹی کو ابال لیں۔ پھر کسی برتن میں تیل میں پیاز ڈال کر ہلکا سا فرائی کریں، قیمہ، لہسن، ٹماٹر ڈال کر بھونیں۔

قیمہ کا پانی خشک ہو جائے تو نمک، لال مرچ، ہلدی ڈال کر بھونیں، پھر ٹماٹر پیسٹ، ہرا دھنیا، ہری مرچ ڈال کر بھونیں۔ تیل الگ ہو جائے تو اسپیگھٹی ڈال کر مکس کر لیں۔ ایک منٹ پکائیں اور ڈش میں نکال لیں اور گرم گرم پیش کریں۔

آلو، خشخاش کے ساتھ

اشیا:۔

آلو	آدھا گرام
خشخاش	ایک کھانے کا چمچہ
تیل	پانچ کھانے کے چمچے
کلونجی	آدھا چائے کا چمچہ
زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
لہسن کے جوے	چار سے چھ عدد
سیاہ مرچ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
ہلدی پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
ہری مرچ	ایک عدد
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب:۔ آلو چھیل کر چوکور ٹکڑوں میں کاٹ لیں، ایک فرائنگ پین میں تیل گرم کریں۔ جب تیز گرم ہو جائے تو آنچ سے اتار لیں اور اس میں کلونجی اور زیرہ ڈال کر کڑکڑائیں۔ اس کے بعد اس میں کٹا لہسن ڈال کر درمیانی آنچ پر بھون لیں۔ اب اس میں سیاہ مرچ پاؤڈر، ہلدی پاؤڈر، آلو اور ہری مرچ ڈال کر اچھی طرح مکس کریں اور دو سے تین منٹ کے لیے تیز آنچ پر پکائیں۔ مستقل چمچہ چلاتی رہیں۔ اس کے بعد آنچ ہلکی کر کے ڈھکن ڈھک کر آلوؤں کے مکمل گل جانے تک پکائیں اس دوران وقفے وقفے سے چمچہ چلاتی رہیں۔ خشخاش کو باریک پیس لیں اور اس کو بھی آلوؤں میں شامل کر لیں۔ مزید پانچ سے چھ منٹ کے لیے پکائیں۔ آخر میں نمک شامل کر کے اچھی طرح مکس کریں اور چولہے سے اتار کر گرم گرم پیش کریں۔

چکن چیزی پراٹھا رول

مرغی کا گوشت (بون لیس)	آدھا کلو
بند گوبھی (باریک کٹی ہوئی)	آدھا کپ
لہسن پیسٹ	ایک چائے کا چمچہ
ہری مرچیں (باریک کٹی ہوئی)	دو کھانے کے چمچے
چیڈر چیز	آدھا پیکٹ
مایو کریم	آدھا کپ
سیاہ مرچ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	حسب ضرورت

پراٹھے کے اجزا:

میدہ	دو کپ
آٹا	ایک کپ
نیم گرم پانی	حسب ضرورت
نمک	حسب ذائقہ
گھی	تلنے کے لیے

ترکیب:۔ فرائنگ پین میں تیل گرم کر کے اس میں لہسن پیسٹ اور گوشت ڈال کر پانی خشک ہونے تک فرائی کر لیں۔ بند گوبھی، سیاہ مرچ پاؤڈر، ہری مرچیں اور نمک شامل کر دیں 3-2 منٹ پکانے کے بعد مایو کریم اور چیڈر چیز ڈال کر مکس کر دیں۔ میدہ، آٹا، گھی اور نمک مکس کر کے نیم گرم پانی سے گوندھ کر 10 منٹ کے لیے رکھ دیں۔ گندھے ہوئے آٹے کے پیڑے بنا کر گرم توے پر پراٹھے بنا کر گولڈن ہونے تک فرائی کر لیں۔ پراٹھے میں گوشت کا آمیزہ رکھ کر رول بنا لیں۔ سرونگ پلیٹ میں نکال کر دہی اور ہری چٹنی کے ساتھ پیش کریں۔

URDUSOFTBOOKS.COM

www.urdusoftbooks.com

www.urdusoftbooks.com

دہی ایک مکمل قدرتی ذریعہ

قدرتی غذائیں ایسی بھی ہیں جنہیں کھانے کے علاوہ چہرے اور بالوں کی خوب صورتی اور دیکھ بھال کے لیے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ دہی کا شمار بھی ان ہی قدرتی اشیاء میں کیا جاتا ہے۔ موسم گرما میں دہی فرحت بخش ذائقے سے ہم کنار کرنے کے علاوہ مختلف جلدی نسخوں اور ٹوٹکوں کے طور پر بھی استعمال کی جاتی ہے۔ تاہم اس کے دوررس فوائد سے بیشتر خواتین اب بھی لاعلم ہی ہیں۔

دہی کا جلد اور بالوں کی خوب صورتی میں بنیادی کردار ہوتا ہے۔ اس میں زنک، کیلشیم، وٹامن بی ون، بی ٹو، بی 6 اور بی 12 کے علاوہ حیاتین کی وافر مقدار موجود ہوتی ہے۔ یہ جلد کو بنیادی اجزاء فراہم کرنے کے علاوہ قدرتی موئسچرائزر کے طور پر بھی کام آتی ہے۔ یہ جلد کے خلیوں کی دوبارہ تعمیر کرکے اس کی عمومی صحت درست کرتی ہے۔ ساتھ ہی جلد کو بارونق اور چمک دار بناتی ہے۔ یہ بہت سے طریقوں سے جلد اور بالوں کے لیے فائدہ بخش ثابت ہوسکتی ہے، ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں۔

بالوں اور جلد کے لیے ٹونر

☆ روزانہ چہرے پر دہی لگانے سے جلد کی چمک بحال ہوتی ہے۔ دہی میں شامل زنک تمام قسم کے جراثیم چہرے سے صاف کرکے اسے خوب صورت بناتا ہے۔ تاہم اسے جلد پر لگانے سے قبل چہرے کو ہر قسم کے میک اپ سے پاک کرلینا ضروری ہے۔

☆ بالائی سے پاک دہی میں تھوڑا سا خمیر ملا کر چہرے پر لگائیں۔ چند منٹ بعد سادہ پانی سے چہرہ دھولیں۔ جلد سے دانوں، کیل مہاسوں کا خاتمہ چند دنوں میں ہی ہوجائے گا۔

☆ اگر آپ کے بالوں میں خشکی بڑھ گئی ہے تو آدھا پاؤ دہی میں ایک انڈا ملا کر بالوں پر لگائیں۔

اس کے بعد تولیے سے اپنے بالوں کو لپیٹ لیں۔ ایک گھنٹے بعد سر دھولیں۔ اس طرح سر میں کھجلی کی شکایت بھی دور ہوجائے گی۔

☆ دہی میں سے بالائی الگ کرکے اس میں ایک لیموں کا رس ملا کر چند گھنٹوں کے لیے ریفریجریٹر میں رکھ دیں۔ یہ آمیزہ ہاتھوں اور ناخنوں پر لگائیں۔ تھوڑی دیر بعد ہاتھ اور ناخن دھو کر خشک کرلیں۔ دو ہفتے تک یہ عمل دہراتے رہنے سے ہاتھوں کی جلد نرم و ملائم اور خوب صورت ہوجاتی ہے۔

☆ سادہ دہی کو بہترین موئسچرائزر قرار دیا جاتا ہے جس میں گیلیٹک ایسڈ کی مقدار خاصی زیادہ ہوتی ہے۔ بہترین فوائد کے لیے ایک انڈے کی سفیدی میں چائے کا ایک چمچہ دہی اور چائے کا ایک چمچہ شہد ملا کر چہرے اور گردن پر لگائیں۔ پندرہ منٹ پر نیم گرم پانی سے اچھی طرح دھولیں۔ چند دنوں میں ہی جلد دمکنے لگے گی۔

☆ اگر آپ چہرے کو جھریوں سے پاک رکھنا چاہتی ہیں تو چائے کا ایک چمچہ دہی میں ایک چوتھائی چمچہ کینو کا رس یا آدھے لیموں کا رس شامل کرکے چہرے پر پانچ منٹ کے لیے لگائیں۔ آخر میں نیم گرم پانی سے چہرہ دھولیں۔ لیموں اور کینو کے علاوہ کسی دوسرے رسیلے پھل کا رس بھی دہی میں شامل کیا جاسکتا ہے۔

☆ ایک چمچہ سادہ دہی میں چائے کا آدھا چمچہ زیتون کا تیل، چائے کا آدھا چمچہ لیموں کا رس ملائیں۔ دس منٹ لگا رہنے کے بعد نیم گرم پانی سے چہرہ دھولیں۔

☆

www.urdusoftbooks.com